آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا

چندہ سالانہ .... عـہ

اعلان

(۱) سال سنہ ۱۹۰۳ء اب ختم ہوچکا ہے۔ لہذا جن خریداران کے ذمہ سال مذکورہ یا ماسبق سال کا کچھ بقایا ہے۔ وہ جملہ بقایا ذمگی خود بھیجکر جلدی سے باقی حساب کرین تاکہ خاص طور پر یاددہانی یا وی پی بھیجنے کی ضرورت پیش نہ آوے جو جانبین کے لئے سراسر حرج اور ناحق کی زیرباری کا باعث ہے

(۲) میگزین کی مد کے متعلق جس قدر رقوم خواہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجے جاوین ان کے ساتھ تفصیل آنی چاہئے کہ یہ روپیہ کس مد کا ہے آیا اعانت کا ہے یا خریداری کا یا خیراتی فنڈ میگزین کا۔ اور کس کس صاحب کیطرف سے ہے۔ عدم تفصیل کی وجہ سے اندراج رجسٹرہائے نامکمل رہتا ہی جس سے حساب مین مغالطہ کا اندیشہ ہے +

(۳) چونکہ باستثنائے وی پی کے باقی جسقدر رقوم متعلق میگزین بذریعہ منی آرڈر یا دستی وصول ہوتی ہین ان کی وصولی پر ساتھ ہی باضابطہ رسیدات دیجاتی ہین۔ اسواسطے اب آیندہ علیحدہ رسیدات رسالہ کے ساتھ شایع نہین ہوا کرین گی +

(۴) اکثر خریداران خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری نہین لکھتے۔ اس طرح بوجہ تعداد خریداری بہت بڑھ جانے کے تلاش نام مین بڑی دقت پیش آتی ہے جس سے ایک گونہ تضیع اوقات وطوالت کام کی ہوتی ہے۔ آیندہ نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین توقف جواب یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہوگی + (۵) سنوات گذشتہ کے اکثر نمبر بوجہ کثرت خریداری ختم ہوگئے تھے جنکو دوبارہ چھپوایا گیا ہی۔ اب چند یوم ہی مین چھپکر تیار ہو جاوینگے جن خریداران کو ان نمبرون مین سے پہلے نہین ملے انکو جلدی بھیجے جاوینگے اور جو صاحبان یہ نمبر یا سالہائے گذشتہ کی مکمل جلد اکھٹی لینا چاہتے ہین انکے لئے بہتر موقعہ ہے کہ جلدی درخواستین بھیجین ورنہ بصورت توقف انکو تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ (۶) جو کاغذ اب اردو رسالہ کیواسطے منگایا گیا ہی وہ عمدہ قسم کا ہی اسواسطے اب آیندہ ولایتی کاغذ پر الگ رسالہ چھپوانیکی ضرورت نہین ہی جن صاحبان نے دو روپیہ سے زاید رقم دی ہی یا آیندہ دینگے وہ انکی خواہش کے مطابق یا تو آیندہ چندہ مین بطور پیشگی محسوب ہوگی یا مد اعانت اشاعت میگزین مین لگائی جاویگی۔ جو انکے لئے بھی باعث حصول ثواب عقبی ہوگا + والسلام۔ مینیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نماز کی حقیقت

خلاصہ تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مورخہ ۱۸ جنوری ۱۸۹۹ء

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دعا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو بادشاہون کا ٹیکس سمجھتے ہین۔ نادان اتنا نہین جانتے کہ بھلا خدا تعالےٰ کو ان باتون کی کیا حاجت ہے؟ اس کی غناء ذاتی کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دعا اور تسبیح و تہلیل مین مصروف ہو بلکہ اس مین انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق سے اپنے مطلب کو پہونچ جاتا ہے مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل عبادات اور تقوےٰ اور دینداری سے محبت نہین ہے اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت مین جس قسم کا مزا آنا چاہیئے وہ مزا نہین آتا دنیا مین کوئی ایسی چیز نہین جس مین لذت اور ایک خاص حظ اللہ تعالےٰ نے رکھا نہ ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذایقہ چیز کا مزا نہین اٹھا سکتا اور وہ اُسے تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے اسی طرح سے وہ لوگ جو عبادت الٰہی مین حظ اور لذت نہین پاتے ان کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیئے کیونکہ جیسا مین نے ابھی کہا ہے دنیا مین کوئی ایسی چیز نہین ہے جس مین خدا تعالےٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت مین اس کے لئے ایک لذت اور سرور نہ ہو؟ لذت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اب انسان جبکہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے تو ضروری ہے

کہ عبادت مین لذت اور سرور بھی درجہ غایت کا رکھتا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہین۔ مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کی ہین تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہین پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ اور مزے کے احساس کے لئے اس کے منہ مین زبان موجود نہین؟ کیا وہ خوبصورت اشیاء کو دیکھ کر نباتات ہون یا جمادات حیوانات ہون یا انسان حظ نہین پاتا؟ کیا دل خوش کن اور سریلی آوازون سے اس کے کان محظوظ نہین ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت مین لذت نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑہ پیدا کیا اور مرد کو رغبت دی ہے اب اس مین زبردستی نہین کی بلکہ ایک لذت بھی رکھ دی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا تو مطلب پورا نہ ہو سکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کیحالت مین ان کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کرین مگر اس مین ان کے لئے ایک حظ ہے اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہونچی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پروا اور خیال نہین کرتے بلکہ ان کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدا تعالےٰ کی علت غائی بندون کا پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لئے ایک تعلق عورت اور مرد مین قائم کیا اور ضمناً اس مین ایک حظ رکھدیا۔ جو اکثر نادانون کے لئے مقصود بالذات ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہین اس مین بھی ایک لذت اور سرور ہے اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتون اور تمام حظوظ نفس سے بالاتر ہے۔ جیسے عورت اور مرد کے باہم تعلقات مین ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہو سکتا ہے جو مرد ہے اور اپنے قوے صحیحہ رکھتا ہے ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہین پا سکتا اور جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے اسی طرحپر ہان ٹھیک ایسا ہی وہ کم بخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہین پا سکتا۔ عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے۔ مین کہتا ہون حقیقی۔ ابدی اور لذت مجسم جو جوڑا ہے وہ انسان اور خدا تعالےٰ کا ہے۔ مجھے سخت اضطراب ہوتا اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایکدن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزا نہ آئے طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتین اور خوشامدین کرتا اور روپیہ خرچ کرتا اور دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزا حاصل ہو۔ وہ نامرد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہین کر سکتا۔ بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہونچ جاتا ہے اور اکثر موتین اس قسم کی ہو جاتی ہین۔ مگر آہ

وہ مریض دل وہ نامرد کیون کوشش نہین کرتا جس کو عبادت مین لذت نہین آتی اس کی جان کیون غم سے نڈھال نہین ہوجاتی؟ دنیا اور اس کی خوشیون کے لیئے تو کیا کچھ کرتا ہے مگر ابدی اور حقیقی راحتون کی وہ پیاس اور تڑپ نہین پاتا کس قدر بے نصیب ہے! کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتون کے علاج تلاش کرتا ہے اور پا لیتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہون؟ ہین اور ضرور ہین مگر تلاش حق مین مستقل اور پویہ قدم درکار ہین۔ قرآن کریم مین ایک موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے صالحین کی مثال عورتون سے دی ہے۔ اس مین بھی سِرّ اور بھید ہے۔ ایمان لانے والون کو مریم اور آسیہ سے مثال دی ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ مشرکین مین سے مومنون کو پیدا کرتا ہے۔ بہرحال عورتون سے مثال دینے مین دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے یعنے جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت ہو اور وہ ایک دوسرے پر فریفتہ ہون تو وہ جوڑا مبارک اور مفید ہوتا ہے ورنہ نظام خانگی بگڑ جاتا ہے اور مقصود بالذات حاصل نہین ہوتا ہے۔ مرد اور جگہ خراب ہو کر صدہا قسم کی بیماریان لے آتے ہین۔ آتشک سے مجذوم ہو کر دنیا مین ہی محروم ہو جاتے ہین اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو کئی پشت تک یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور ادھر عورت بیحیائی کرتی پھرتی ہے اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہین کر سکتی۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہو کر کس قدر نتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہین۔ اسی طرح پر انسان روحانی جوڑے سے الگ ہو کر مجذوم اور مخذول ہو جاتا ہے۔ دنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے۔ جیسا کہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی بقا کے لیئے حظ ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے مین ایک ابدی بقا کے لئے حظ موجود ہے۔ صوفی کہتے ہین کہ یہ حظ جس کو نصیب ہو جائے وہ دنیا اور مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عمر مین ایک بار بھی اسکو معلوم ہو جائے تو وہ اس مین ہی فنا ہو جائے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دنیا مین ایک بڑی تعداد ایسے لوگون کی ہے جنہون نے اس راز کو نہین سمجھا اور ان کی نمازین نری ٹکرین ہین اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہین مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ جب مین یہ دیکھتا ہون کہ بعض لوگ صرف اس لئے نمازین پڑھتے ہین کہ وہ دنیا مین معتبر اور قابل عزت سمجھے جاوین اور پھر اس نماز سے یہ بات ان کو حاصل بھی ہو جاتی ہے یعنے وہ نمازی اور پرہیزگار کہلاتے ہین پھر کیون ان کو یہ

کہا جانے والا غم نہین لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بیدلی کی نماز سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیون
ایک سچے عابد بننے سے ان کو عزت نہ ملے گی۔ غرض مین دیکھتا ہون کہ لوگ نمازون مین غافل اور سست
اسی لئے ہوتے ہین کہ ان کو اس لذت اور سرور سے اطلاع نہین جو اللہ تعالے نے نماز کے اندر رکھا ہے
اور بڑی بھاری وجہ کسل کی یہی ہے۔ پھر شہرون اور گاؤن مین تو اور بھی سستی اور غفلت ہوتی ہے سو
پچاسوان حصہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہین جھکاتے۔ پھر سوال
یہی ہوتا ہے کہ کیون؟ ان کو اس لذت کی اطلاع نہین اور نہ کبھی اس مزے کو انہون نے چکھا۔ کبھی ایسا
ہوتا ہے کہ وہ اپنے کامون مین مبتلا ہوتے ہین اور موذن اذان دیتا ہے۔ پھر وہ سننا بھی نہین چاہتے
گویا ان کے دل دکھتے ہین۔ یہ لوگ بہت ہی قابل رحم ہین۔ بعض لوگ یہان بھی ایسے ہین کہ ان کی دکانین
دیکھو تو مسجد کے نیچے ہین مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہین ہوتے۔ پس مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ خدا تعالے سے
نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہئے کہ جس طرح اور پھلون اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتین عطا
کی ہین نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزا چکھا دے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت
کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا
ہے تو اس کی ساری حالت اسکے بالمقابل مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ہان اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد
نہین رہتا۔ اسی طرح بے نمازون کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اٹھکر سردی مین وضو
کر کے خواب راحت چھوڑ کر اور کئی قسم کی آسائشون کو چھوڑ کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُسے
بیزاری ہے وہ اسکو سمجھ نہین سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز مین ہے اس کو اطلاع نہین ہے۔

پھر نماز مین لذت کیونکر حاصل ہو؟ مین دیکھتا ہون کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہین
آتا تو وہ پے در پے پیالے پیتا جاتا ہے یہان تک کہ اسکو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے
فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جاوے یہان تک کہ اس کو سرور آجائے
اور جیسے شرابی کے ذہن مین ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اسکا مقصود بالذات ہوتا ہے اسی طرح
سے ذہن مین اور ساری طاقتون کا رجحان نماز مین اسی سرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش
کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو
مین کہتا ہون اور سچ کہتا ہون کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا

حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اس سے ہوتے ہین اور احسان پیش نظر رہے **ان الحسنات یذھبن السیئات**
نیکیان بدیون کو زائل کر دیتی ہین پس ان حسنات کو اور لذات کو دل مین رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقون
اور محسنون کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ **ان الحسنات یذھبن السیئات** یعنے نیکیان یا
نماز بدیون کو دور کرتی ہے یا دوسرے مقام پہ فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیون سے بچاتی ہے
اور ہم دیکھتے ہین کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیان کرتے ہین اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز
پڑھتے ہین مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکرین مارتے ہین
ان کی روح مردہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کا نام حسنات نہین رکھا اور یہان جو حسنات کا لفظ رکھا اور
الصلوۃ کا لفظ نہین رکھا باوجودیکہ معنے وہی ہین اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن وجمال کیطرف
اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیون کو دور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر
اس مین موجود ہے۔ وہ نماز یقیناً یقیناً برائیون کو دور کر دیتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہین
نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکان نماز دراصل
روحانی نشست و برخاست کے اظلال ہین۔ انسان کو خدا تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اور
قیام بھی آداب خدمتگاران مین سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے۔ کہ وہ
تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے۔ اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود
ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طرق ہین جو خدا تعالےٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دئے ہین اور جسم
کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے علاوہ ازین باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک
ظاہری طریق بھی رکھدیا ہے۔ اب ظاہری طریق مین (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے)
صرف نقال کی طرح نقلین آتاری جائین اور اسے ایک بار گران سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے
تو تم ہی بتلاؤ اس مین کیا لذت اور حظ آسکتا ہے اور جبتک لذت اور سرور نہ آئے اس کی حقیقت
کیونکر محقق ہوگی اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلل تام ہو کر آستانۂ الوہیت پر گرے
اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہوجاتی ہے۔
مین اسکو اور کھول کر کہنا چاہتا ہون کہ انسان جسقدر مراتب طے کر کے انسان ہوتا ہے یعنے کہان نطفہ
بلکہ اس سے بھی پہلے نطفہ کے اجزا یعنے مختلف قسم کی اغذیہ اور ان کی ساخت اور بناوٹ پھر نطفہ کے

بعد مختلف مدارج کے بعد بچہ پھر جوان - بوڑھا - غرض ان تمام عالمون مین جو اس پر مختلف اوقات مین گذرے
ہین اللہ تعالی کی ربوبیت کا معترف ہوا اور وہ نقشہ ہر آن اُسکے ذہن مین کھچا رہے تو ہی وہ اس قابل
ہو سکتا ہے کہ ربوبیت کے مدمقابل مین اپنی عبودیت کو ڈالدے - غرض مدعا یہ ہے کہ نماز مین لذت
اور سرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے - جبتک اپنے آپ کو عدم محض
یا مشابہ بالعدم قرار دیکر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈالدے اس کا فیضان اور پرتو اسپر نہین
پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلے درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے - جس سے بڑھکر کوئی حظ نہین ہے اس
مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی
اللہ سے اُسے انقطاع ہو جاتا ہے اسوقت خدا تعالے کی محبت اسپر گرتی ہے - اس اتصال کے
وقت ان دو جوشون سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کیطرف سے عبودیت کا جوش
ہوتا ہے - ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اسکا نام صلوۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی
جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا
کام دیتی ہے - اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھرون اور خار و خس سے جو اس کی راہ
مین ہوتے ہین آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جبکہ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر
کا اطلاق اسپر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ مین نہین نہین اس کے شمعدان دل مین ایک روشن چراغ
رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلل کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا
ہے - پھر گناہ کا خیال اُسے آ کیونکر سکتا ہے اور انکار اس مین پیدا ہی نہین ہو سکتا - فحشا کیطرف
اس کی نظر اٹھ ہی نہین سکتی - غرض اسے ایسی لذت ایسا سرور حاصل ہوتا ہے کہ مین نہین سمجھ سکتا
کہ اسے کیونکر بیان کرون +

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنون مین نماز ہے دعا سے حاصل
ہوتی ہے - غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا
اللہ ہی کے لئے ہے جبتک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالے ہی سے سوال نہ کرے اور
اسی سے نہ مانگے سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہین اسلام
کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتین اندرونی ہون یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالی ہی کے

آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے پس اسی طور پر جبتک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون تک کو اسی انجن کی طاقت عظمےٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے؟ اور کیونکر اپنے آپ کو **انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا**۔ کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے منہ سے کہتا ہے دل سے بھی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جھکتا ہے اور روح اور دل کی طاقتیں (اس درخت کی طرح جس کی شاخیں ابتدائً ایک طرف کر دیجائیں اور پرورش پالیں) اُدھر ہی جھکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مڑ نہیں سکتیں اسی طرح پر وہ دل اور روح دن بدن خدا تعالےٰ سے دور ہوتی جاتی ہے۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔ اسی لئے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے۔ تاکہ اولاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت خود آجاتا ہے کہ انقطاع کلی کی حالت میں انسان ایک نور اور ایک لذت کا وارث ہو جاتا ہے میں اس امر کو پھر تاکید سے کہتا ہوں افسوس ہے مجھے وہ لفظ نہیں ملتے جس میں میں غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی برائیاں بیان کر سکوں۔ لوگوں کے پاس جاکر منت و خوشامد کرتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالےٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے (کیونکہ یہ تو لوگوں کی نماز ہے) پس وہ اس سے ہٹتا اور اسے دور پھینکدیتا ہے۔ میں موٹے الفاظ میں اسکو بیان کرتا ہوں۔ گو یہ امر اس طرح پر نہیں ہے مگر سمجھ میں فوراً آسکتا ہے۔ کہ جیسے ایک مرد غیور کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وہ مرد ایسی حالت میں اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا بلکہ بسا اوقات ایسی وارداتیں ہو جاتی ہیں ایسا ہی جوش اور غیرت الوہیت کی ہے۔ جب عبودیت اور دعا خاص اسی ذات کے مد مقابل ہیں وہ پسند نہیں کر سکتا کہ کسی اور کو معبود قرار دیا جاوے یا پکارا جائے پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے۔ اسیوقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں

نیستی اور تذلل کی روح اور حنیف دل نہ ہو۔!! سنو! وہ دعا جسکے لئے ادعونی استجب لکم فرمایا ہے۔ اس کے لئے یہی سچی روح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع مین حقیقت کی روح نہین تو وہ ٹین ٹین سے کم نہین ہے*

پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہین ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے شریعت نے اسباب کو منع نہین کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دعا اسباب نہین؟ یا اسباب دعا نہین؟ تلاش اسباب بجائے خود ایک دعا ہے اور دعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ انسان کی ظاہری بناوٹ اسکے دو ہاتھ دو پاؤن کی ساخت ایکدوسرے کی امداد کا ایک قدرتی رہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان مین موجود ہے پھر کسقدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تعاونوا علے البر والتقوے کے معنے سمجھنے مین مشکلات کو دیکھے۔ ہان مین یہ کہتا ہون کہ تلاش اسباب بھی بذریعہ دعا کرو۔ مین نہین سمجھتا کہ جب مین تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالے کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل رہنما سلسلہ دکھاتا ہون۔ تم اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالے نے اس بات کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دنیا پر کھولنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دنیا مین قائم کیا۔ اللہ تعالے اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولون کو باقی نہ رہنے دے مگر پھر بھی ایک وقت ان پر آتا ہے کہ وہ من انصاری الی اللّٰہ کہنے پر مجبور ہوتے ہین۔ کیا وہ ایک ٹکر گدا فقیر کی طرح بولتے ہین؟ نہین من انصاری الی اللہ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے وہ دنیا کو ایک رعایت اسباب سکھانا چاہتے ہین جو دعا کا ایک شعبہ ہے ورنہ اللہ تعالے پر ان کو کامل ایمان اس کے وعدون پر پورا یقین ہوتا ہے وہ جانتے ہین کہ اللہ تعالے کا وعدہ کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا۔ ایک یقینی اور حتمی وعدہ ہے۔ مین کہتا ہون کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل مین مدد کا خیال نہ ڈالے تو کوئی کیونکر مدد کر سکتا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی معاون و ناصر وہی پاک ذات ہے جس کی شان ہے نعم المولی ونعم الوکیل ونعم النصیر۔ دنیا اور دنیا کی مددین ان لوگون کے سامنے کالمیّت ہوتی ہین اور مردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت نہین رکھتی ہین لیکن دنیا کو دعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لئے وہ یہ راہ بھی اختیار کرتے ہین وہ حقیقت مین اپنے کاروبار کا متولی خدا تعالے ہی کو جانتے ہین اور یہ بات بالکل سچ ہے وھو یتولی الصالحین۔ اللہ تعالے ان کو مامور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو دوسرون کے ذریعے

ظاہر کرین - ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختلف مقامات پر مدد کا وعظ کرتے تھے اسی لیے کہ وہ وقت نصرت الہی کا تھا اس کو تلاش کرتے تھے کہ وہ کس کے شامل حال ہوتی ہے - یہ ایک بڑی غور طلب بات ہے - دراصل مامور من اللہ لوگون سے مدد نہین مانگتا بلکہ **من انصاری الی اللہ** کہکر وہ اس نصرت الہیہ کا استقبال کرنا چاہتا ہے اور ایک فرط شوق سے بیقرارون کی طرح اس کی تلاش مین ہوتا ہے - نادان اور کوتہ اندیش لوگ سمجھتے ہین کہ وہ لوگون سے مدد مانگتا ہے یہ سچ نہین ہو بلکہ اس طرح پر ان کا بلانا کسی دل کے لئے جو اس نصرت کا موجب ہوتا ہے ایک برکت اور رحمت کا موجب ہوتا ہے - پس مامور من اللہ کی طلب امداد کا اصل سر اور راز یہی ہے جو قیامت تک اسی طرح پر رہے گا اشاعت دین مین مامور من اللہ دوسرون سے امداد چاہتے ہین مگر کیون؟ اپنے ادائے فرض کے لئے تاکہ دلون مین خدا تعالے کی عظمت کو قائم کرین ورنہ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ قریب بہ کفر پہونچ جاتی ہے اگر غیر اللہ کو متولی قرار دین - اور ان نفوس قدسیہ سے ایسا امکان؟ یہ محال مطلق ہو - مین نے ابھی کہا ہے کہ توحید تب ہی پوری ہوتی ہے کہ کل مرادون کا معطی اور تمام امراض کا چارہ اور مداوا وہی ذات واحد ہو - لا الہ الا اللہ کے معنے یہی ہین صوفیون نے اس مین الہ کے لفظ سے محبوب - مقصود - معبود مراد لی ہے بیشک اصل اور سچ یوں ہی ہے - جب تک انسان کامل طور پر توحید پر کاربند نہین ہوتا - اس مین اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہین ہوتی ✣

اور پھر مین اصلی ذکر کی طرف رجوع کرکے کہتا ہون کہ نماز کی لذت اور سرور اسے حاصل نہین ہو سکتا مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک برے ارادے ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہون انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہین کہلا سکتا - اور عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لئے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے - مین تمہین پھر بتلاتا ہون کہ اگر خدا تعالے سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ - اور ایسے کاربند ہو کہ نہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری روح تمہاری روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جاوین - عصمت انبیاء کا یہی راز ہے یعنے نبی کیون معصوم ہوتے ہین؟ تو اس کا یہی جواب ہے کہ وہ استغراق محبت الہی کے باعث معصوم ہوتے ہین - مجھے حیرت ہوتی ہے جب مین ان قومون کو دیکھتا ہون جو شرک مین مبتلا ہین جیسے ہندو قسم قسم کے اصنام کی پرستش کرتے ہین یہانتک کہ انہون نے عورت اور مرد کے اعضاء مخصوص

تک کی پرستش بھی جائز کر رکھی ہے۔ اور ایسا ہی وہ لوگ جو ایک انسانی لاش یعنی یسوع مسیح کی پرستش کرتے ہین اس قسم کے لوگ مختلف صورتون سے حصول نجات یا مکتی کے قائل ہین مثلاً اول الذکر یعنے ہندو گنگا اشنان اور تیرتھ یاترا اور ایسے ایسے کفارون سے گناہ سے موکش چاہتے ہین اور عیسٰے پرست عیسائی مسیح کے خون کو اپنے گناہون کا فدیہ قرار دیتے ہین۔ مگر مین کہتا ہون کہ جب تک نفس گناہ موجود ہے وہ بیرونی صفائی اور خارجی معتقدات سے راحت یا اطمینان کا ذریعہ کیونکر پا سکتے ہین جبتک اندر کی صفائی اور باطنی تطہیر نہین ہوتی۔ ناممکن ہے کہ انسان سچی پاکیزگی اور طہارت جو انسان کو نجات سے ملتی ہے پا سکے۔ ہان اس سے ایک سبق لو۔ جس طرح پر دیکھو بدن کی میل اور بدبو بدون صفائی کے دور نہین ہو سکتی اور جسم کو آنے والے خطرناک امراض سے بچا نہین سکتی اسی طرح پر روحانی کدورات اور میل جو دلپر ناپاکیون اور قسم قسم کی بےباکیون سے جم جاتی ہے دور نہین ہو سکتی جبتک توبہ کا مصفا اور پاک پانی اسکو نہ دھوڈالے جسمانی سلسلہ مین ایک فلسفہ جس طرح پر موجود ہے۔ اسی طرح پر روحانی سلسلہ مین ایک فلسفہ رکھا ہوا ہے۔ مبارک ہین وہ لوگ جو اسپر غور کرتے ہین اور سوچتے ہین۔

مین اس مقام پر یہ بات بھی بتلانا چاہتا ہون کہ گناہ کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب عام فہم الفاظ مین یہی ہے کہ جب غیر اللہ کی محبت انسانی دلپر مستولی ہوتی ہے۔ تو وہ اس مصفا آئینہ پر ایک قسم کا زنگ سا پیدا کرتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بالکل تاریک ہو جاتا ہے اور غیرؔیت اپنا گھر کر کے اسے خدا سے دور ڈالدیتی ہے اور یہی شرک کی جڑ ہے۔ لیکن جس قلب پر اللہ تعالےٰ اور صرف اللہ تعالےٰ کی محبت اپنا قبضہ کرتی ہے وہ غیرؔیت کو جلا کر اسے صرف اپنے لئے منتخب کر لیتی ہے پھر اس مین ایک استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اصل جگہ پر آجاتی ہے۔ عضو کے ٹوٹنے اور پھر چڑھنے مین جس طرح سے تکلیف ہوتی ہے لیکن ٹوٹا ہوا عضو اس سے کہین زیادہ تکلیف دیتا ہے جو اسے صرف مکر رچڑھنے سے عارضی طور پر ہوتی ہے اور پھر ایک راحت کا سامان ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ عضو اسی طرح پر ٹوٹا رہے تو ایک وقت آجاتا ہے کہ اسکو بالکل کاٹنا پڑتا ہے اسی طرح سے استقامت کے حصول کے لئے اولاً ابتدائی مدارج اور مراتب پر کسی قدر تکالیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہین لیکن اسکے حاصل ہو جانے پر ایک دائمی راحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ ارشاد ہوا فاستقم کما امرت تو لکھا ہے کہ آپ کے کوئی سفید بال نہ تھا پھر سفید بال آنے

لگے تو آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ غرض یہ ہے کہ جب تک انسان موت احساس نہ کرے وہ نیکیوں کی طرف جھک نہیں سکتا۔ میں نے بتلایا ہے کہ گناہ غیر اللہ کی محبت دل میں پیدا ہونیسے پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دل پر غلبہ کر لیتا ہے۔ پس گناہ سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ کہ انسان موت کو یاد رکھے اور خدا تعالےٰ کے عجائبات قدرت میں غور کرتا رہے کیونکہ اس سے محبت الٰہی اور ایمان بڑھتا ہے اور جب خدا تعالےٰ کی محبت دل میں پیدا ہو جائے تو وہ گناہ کو خود جلا کر بھسم کر جاتی ہے +

دوسرا ذریعہ گناہ سے بچنے کا احساس موت ہے۔ اگر انسان موت کو اپنے سامنے رکھے تو وہ اُن بدکاریوں اور کوتاہ اندیشیوں سے باز آجائے اور خدا تعالےٰ پر اسے ایک نیا ایمان حاصل ہو اور اپنے سابقہ گناہوں پر توبہ اور نادم ہونے کا موقعہ ملے۔ انسان عاجز کی ہستی کیا ہے؟ صرف ایک دم پر انحصار ہے۔ پھر کیوں وہ آخرت کا فکر نہیں کرتا اور موت سے نہیں ڈرتا۔ اور نفسانی اور حیوانی جذبات کا مطیع اور غلام ہو کر عمر ضایع کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہندوؤں کو بھی احساس موت ہوا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو صرف اس ایک حکم نے کہ **فاستقم کما امرت** نے ہی بوڑھا کر دیا۔ کس قدر احساس موت ہے۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی۔ صرف اس لئے کہ تا ہم اس سے سبق لیں ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہادی کامل اور پھر قیامت تک کے لئے اور اسپر کل دنیا کے لئے مقرر فرمایا۔ مگر آپ کی زندگی کے کل واقعات ایک عملی تعلیمات کا مجموعہ ہیں۔ جس طرح پر قرآن کریم اللہ تعالےٰ کی قولی کتاب ہے اور قانون قدرت اس کی فعلی کتاب ہے اسی طرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی ایک فعلی کتاب ہے جو گویا قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے +

کل انسانوں کے کمالات بہیئت مجموعی ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔ اور اسی لئے آپ کل دنیا کے لئے نبی مبعوث ہوئے اور رحمۃ للعالمین کہلائے۔ **انک لعلی خلق عظیم** میں بھی اسی مجموعہ کمالات انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی صورت میں عظمت اخلاق محمدی کی نسبت غور ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہی وجہ تھی کہ آپ پر نبوت کاملہ کے کمالات ختم ہوئے۔ یہ ایک مسلّم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علت غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ جیسے کتاب کے جب کل مطالب بیان ہو جاتے ہیں تو

اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علت غائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختم نبوت کے معنے ہین کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آکر اس کا خاتمہ ہوگیا +

مین یہ بھی بتلادینا چاہتا ہون کہ استقامت جس پر مین نے ذکر چھیڑا تھا وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح مین فنا کہتے ہین اور اہدنا الصراط المستقیم کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہین۔ یعنے روح۔ جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالے کے لئے ہی ہوجاوین اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشین بالکل مرجائین۔ بعض انسان جو اللہ تعالے کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادون اور جوشون پر مقدم نہین کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشون اور ارادون کی ناکامیون مین اس دنیا سے اٹھ جاتے ہین۔ بہت سے لوگ دیکھے ہین جو اپنے ارادون کو خدا پر مقدم کرتے ہین۔ آخر کار اس تقدیم ہوائے نفس مین بھی وہ کامیاب نہین ہوتے اور بجائے فائدہ کے نقصان عظیم اٹھاتے ہین۔ اسلام پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ناکامی صرف جھوٹے ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ جب خدا تعالے کیطرف سے التفات کم ہوجاتی ہے تو اللہ تعالے کا قہر نازل ہوتا ہے جو اس کو نامراد اور ناکام بنادیتا ہے خصوصًا ان لوگون کو جو بصیرت رکھتے ہین جب وہ دنیا کے مقاصد کیطرف اپنے تمام جوش اور ارادے کے ساتھ جھک جاتے ہین تو اللہ تعالے ان کو نامراد کردیتا ہے۔ لیکن سعیدون کو وہ پاک اصول پیش نظر رہتا ہے جو احساس موت کا اصول ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جس طرح ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ یا جس طرح برادر کوئی بزرگ خاندان فوت ہوگیا ہے اسی طرح پر مجھ کو ایک دن مرنا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی عمر پر خیال کرکے کہ بڑھاپا آگیا اور موت کے دن قریب ہین خدا تعالے کی طرف رجوع کرتا ہے + غرض یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آخر ایک ایکدن دنیا اور اس کی لذتون کو چھوڑنا ہے۔ تو پھر کیون انسان اسوقت سے پہلے ہی ان لذات کے ناجائز طریق حصول چھوڑ دے۔ موت نے بڑے بڑے راستبازون اور مقبولون کو نہین چھوڑا۔ اور وہ نوجوانون یا بڑے سے بڑے دولتمند اور بزرگ کی پروا نہین کرتی پھر تم کو کیون چھوڑنے لگی۔ پس دنیا اور اس کی راحتون کو زندگی کے منجملا اسباب سے سمجھو اور خدا تعالے کی عبادت کا ذریعہ۔ سعدی نے اس مضمون کو یون ادا کیا ہے۔ ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یہ نہ سمجھو کہ خدا ہم سے خواہ مخواہ خوش ہو جائے اور ہم اپنے احتظاظ مین رہین۔ مگر ایسے اندھون کو اگر خدا کی طرف
سے بھی پروانہ آجائے تو وہ ان لذتون کو جو جسمانی خواہشون اور ارادون کی پیروی مین سمجھتے ہین نہ چھوڑینگے
اور انکو اس لذت پر جو ایک مومن کو خدا مین ملتی ہے ترجیح دین گے۔ خدا تعالے کا پروانہ موجود ہے جسکا
نام قرآن شریف ہے جو جنت اور ابدی آرام کا وعدہ دیتا ہے مگر اس کی نعمتون کے وعدہ پر چندان لحاظ
نہین کیا جاتا اور عارضی اور خیالی خوشیون اور راحتون کی جستجو مین کس قدر تکلیفین غافل انسان اٹھاتا
اور سختیان برداشت کرتا ہے مگر خدا تعالے کی راہ مین ذراسی مشکل کو دیکھ کر بھی گھبرا اٹھتا اور بدظنی
شروع کر دیتا ہے۔ کاش وہ ان فانی لذتون کے مقابلے مین ان ابدی اور مستقل خوشیون کا اندازہ
کر سکتا۔ ان مشکلات اور تکالیف پر فتح پانے کے لئے ایک کامل اور خطا نہ کرنے والا نسخہ موجود ہے
جو کروڑہا راستبازون کا تجربہ کردہ ہے۔ وہ کیا؟ وہ وہی نسخہ ہے جسکو نماز کہتے ہین۔ نماز کیا ہے؟ ایک
قسم کی دعا ہے جو انسان کو تمام برائیون اور فواحش سے محفوظ رکھ کر حسنات کا مستحق اور انعام الہیہ کا
مورد بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے۔ اللہ تعالے نے تمام صفات کو اسکے تابع رکھا ہے۔
اب ذرا غور کرو۔ نماز کی ابتدا اذان سے شروع ہوتی ہے۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے یعنی
اللہ کے نام سے شروع ہو کر لا الہ الا اللہ یعنے اللہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ فخر اسلامی عبادت ہی کو ہے
کہ اس مین اول اور آخر مین اللہ تعالے ہی مقصود ہے نہ کچھ اور۔ مین دعوے سے کہتا ہون کہ اس
قسم کی عبادت کسی قوم اور ملت مین نہین ہے۔ پس نماز جو دعا ہے اور جس مین اللہ کو جو خدا تعالے
کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے
کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہون۔ اللہ تعالے نے اھدنا الصراط المستقیم مین اسکی
طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا
تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا۔ یعنے جو لوگ اللہ تعالے کی ربوبیت کے نیچے آگئے اور اسکے
اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بقیۂ بشریت رکھا گیا پھر اس مین اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ
ملائکہ کا نزول اسپر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف وحزن ان کو نہین رہتا۔ مین نے کہا ہے کہ استقامت
بڑی چیز ہے۔ استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت
اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے۔ مثلاً دوربین کے اجزا کو اگر جدا جدا کر کے ان کو اصل مقامات سے

ہٹاکر دوسرے مقام پر رکھدین وہ کام نہ دے گی۔ غرض وضع الشی فی محلہ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ مین یہ کہو کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے۔ پس جبتک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دین اور اسے مستقیم حالت مین نہ رکھین وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہین کر سکتی۔ دعا کا طریق یہی ہے کہ دونون اسم اعظم جمع ہون اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا وہوس ہی کا بت کیون نہ ہو؟ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت ادعونی استجب لکم کا مزا آجاتا ہے +

پس مین چاہتا ہون کہ آپ استقامت کے حصول کے لئے مجاہدہ کرین اور ریاضت سے اسے پائین کیونکہ وہ انسان کو ایسی حالت پر پہونچا دیتی ہے جہان اس کی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اس وقت بہت سے لوگ دنیا مین موجود ہین جو عدم قبولیت دعا کے شاکی ہین۔ لیکن مین کہتا ہون کہ افسوس تو یہ ہے کہ جب تک وہ استقامت پیدا نہ کرین۔ دعا کی قبولیت کی لذت کو کیونکر پا سکین گے۔ قبولیت دعا کے نشان ہم اسی دنیا مین پاتے ہین۔ استقامت کے بعد انسانی دل پر ایک برودت اور سکینت کے آثار پائے جاتے ہین کسی قسم کی بظاہر ناکامی اور نامرادی پر بھی دل نہین جلتا لیکن دعا کی حقیقت سے ناواقف رہنے کی صورت مین ذرا ذرا سی نامرادی بھی آتش جہنم کی ایک لپیٹ ہو کر دل پر مستولی ہو جاتی ہے اور گھبرا گھبرا کے بے قرار کئے دیتی ہے۔ اسی کی طرف ہی اشارہ ہے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔

بلکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تپ بھی نار جہنم ہی کا ایک نمونہ ہے۔ اب یہان ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پاجانا تھا۔ اس لئے ظاہری طور پر ایک نمونہ اور رضا نمائی کا آلہ دنیا سے اٹھنا تھا اس کے لئے اللہ تعالے نے ایک آسان راہ رکھدی کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ کیونکہ محبوب اللہ مستقیم ہی ہوتا ہے۔ زیغ رکھنے والا کبھی محبوب نہین بن سکتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ازدیاد اور تجدید کے لئے ہر نماز مین درود شریف کا پڑھنا ضروری ہوگیا۔ تاکہ اس دعا کی قبولیت کے لئے استقامت کا ایک ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود ظلی طور پر قیامت تک رہتا ہے۔ صوفی کہتے ہین کہ مجدّدین کے اسماء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے نام پر ہی ہوتے ہین۔ یعنے ظلی طور پر وہی نام ان کو کسی ایک رنگ مین دیا جاتا ہے۔ شیعہ لوگون کا یہ خیال کہ ولایت کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوگیا محض غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جو کمالات سلسلہ نبوت مین رکھے ہین مجموعی طور پر وہ ہادی کامل پر ختم ہو چکے۔ اب ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے مجددین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پرتو ڈالتے رہین گے۔ اللہ تعالےٰ اس سلسلہ کو قیامت تک رکھے گا۔ مین پھر کہتا ہون کہ اسوقت بھی خدا تعالےٰ نے دنیا کو محروم نہین چھوڑا اور ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ ہان اپنے ہاتھ سے اس نے ایک بندہ کو کھڑا کیا اور وہ وہی ہے جو تم مین بیٹھا ہوا بول رہا ہے۔ اب خدا تعالےٰ کے نزول رحمت کا وقت ہے دعائین مانگو۔ استقامت چاہو اور درود شریف جو حصول استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو۔ مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدنظر رکھکر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیون کے واسطے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیت دعا کا شیرین اور لذیذ پھل تم کو ملے گا۔ قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہین۔ اول ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ دوم یاایہا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ تیسرا موہبت الٰہی۔ اللہ تعالےٰ کا یہ عام قانون ہے کہ وہ نفوس انبیاء کی طرح دنیا مین بہت سے نفوس قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہین *

یہ بات بھی یاد رکھو کہ فطرتاً انسان تین قسم کے ہوتے ہین۔ ایک فطرتاً ظالم لنفسہٖ۔ دوسرے مقتصد یعنے کچھ نیکی سے بہرہ ور اور کچھ برائی سے آلودہ۔ سوم برے کامون سے متنفر اور سابق بالخیرات پس یہ آخری سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ اجتبیٰ اور اصطفےٰ کے مراتب پر پہونچتے ہین اور انبیاء علیہ السلام کا گروہ ایسے پاک سلسلہ مین سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے۔ دنیا ایسے لوگون سے خالی نہین *

انسان کی کتاب

تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ہم نے اسی رسالہ مین اس امر کا ذکر کیا تھا کہ عیسائیون کی کتاب جو پہلے کلام الٰہی کہلاتی تھی اب تنقید اعلےٰ اور محقق عیسائی فاضلون کی مہربانی سے اس کتاب کو کس قسمت کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس پر بعض عیسائی دیندارون پر غم وغصہ کے دورے گرنے لگے۔ اور انہون نے لبی حرکت

ہانک لگائی کہ اعلےٰ تنقید کا کیا ذکر ہے۔ اس کی علمی تردید تو انگلستان مین عام طور پر شایع ہو چکی ہے۔ ہمین اب تک معلوم نہین ہوا کہ مسٹر کورف کی اپیل کا کسی نے جواب بھی دیا ہے یا وہ بالکل عالم خموشان کی نذر ہو چکی ہے۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ یہ فرضی عالمانہ تردید دراصل کوئی وجود نہین رکھتی بلکہ بعض پرستاران بائبل کے دماغ کا اختراع ہے۔ بائبل دن بدن نیچے گرتی چلی جاتی ہے اور اس کو کلام انسان ماننے والون کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بائبل کے متعلق اس نئی رائے کی اشاعت ممالک یورپ و امریکہ تک ہی محدود نہین رہی بلکہ ان ممالک مین بھی کثرت سے شایع ہو رہی ہے جن کی طرف عیسائی مشنری ان مسایل کی تعلیم کے واسطے بھیجے گئے ہین۔ حالانکہ ان مسائل کو خود عیسائی ممالک مین اب دھکے دئے جا رہے ہین یہ راز اب پوشیدہ نہین رہا کہ بائبل دم واپسین لے چکی ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ بائبل کے اوراق مین الفاظ اور حروف سب موجود ہین پر وہ تقدس جو ان اوراق کیطرف انیس سو سال سے عیسائی لوگ منسوب کر رہے تھے اس کا نشان اب نہین ملتا۔ باوجود تمام فضول اور بیہودہ باتون کے پہلے تو یہ کتاب کلام الہی مانی جاتی تھی پر اب خود عیسائی ممالک مین مشتہر کیا جا رہا ہے کہ یہ کتاب غلطیون بد اخلاقیون اور بیہودہ گوئیون سے پر ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ عیسائی دنیا کو یہ باتین بائبل مین نظر آگئین بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ اتنی مدت تک ان صریح غلطیون کے دیکھنے اور پہچاننے سے ان کی نظر قاصر رہی۔ لیکن یہ بھی نہین سمجھنا چاہئے کہ بائبل اسوقت تک برابر زندہ رہی ہے اور موت کا حادثہ اب ہی اُسپر واقع ہوا ہے۔ نہین بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ابتک بائبل عیسائیونکے درمیان بطور ایک قومی دیوتا کے دور سے ہی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے اور کسی نے کبھی اس کی اصلیت کی دریافت کرنے کے واسطے سعی نہین کی۔ ہزارون آدمیون نے اور علوم کی تحصیل کی مگر بائبل کو اندھا دُھند تسلیم کرتے رہے اور کبھی یہ سوال نہ اٹھایا کہ اس مین لکھا ہوا کیا ہے۔

ہندوستان مین اب تعلیم یافتہ گروہ مین بائبل کی یہ حالت عام طور پر تسلیم کی جا رہی ہے۔ اور یہان کا پادریون اور مشنریون کا حلقہ بھی بہت کچھ اس کی غلطیون سے آگاہ ہو رہا ہے۔ ہان بیچارے دیسی عیسائی ابتک اصل حقیقت سے بے خبر رکھے گئے ہین کیونکہ ان کو کبھی یہ اطلاع نہین دیجاتی کہ اب بائبل کے متعلق خود عیسائی لوگ کیا عقیدہ رکھتے ہین۔ برخلاف اسکے مذہبی مباحثات مین بے شرمی سے ابتک یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الہی ہے اور اس مین انسانی ہاتھ کا کچھ دخل نہین ہے

کہا جاتا ہے کہ بائبل غلطیون سے پاک ہے حالانکہ بمشکل کوئی ایسا یوروپین یا امریکن تعلیم یافتہ عیسائی ملے گا جو دل سے ایسا عقیدہ رکھتا ہو۔ افسوس ہے کہ چند لوگون کو اپنے مذہب مین شامل کرنے کی نکمی خوشی کے واسطے ایسی غلط بیانیان کی جاتی ہین۔ اور جاہلون کے درمیان وہ غلط باتین صحیح سمجھائی جاتی ہین اس طرح مذہب نے ایک دھڑداری کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اب بائبل کا جادو ٹوٹ چکا ہے اور جس کو صداقتون کا خزانہ کہا جاتا تھا وہ بالآخر مخزن اغلاط ثابت ہو گیا ہے اور اب ان واقعات کو چھپانے کے لئے تم کتنی ہی محنت اٹھاؤ کوئی چیز ان پر پردہ ڈال نہین سکتی

ناظرین کو یاد ہو گا کہ سال گذشتہ مین اعلے تنقید کے مضمون کو بنگالہ کی عیسائی انجمن نے اختیار کیا تھا۔ جن پر ہم نے کچھ ریمارک اس رسالہ مین کئے تھے اور وہی ریمارک اس امر کا موجب ہوئے کہ مسٹر کورف نے ایک اپیل اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیون کی خدمت مین تحریر کی۔ اُسی مضمون کو اب پنجاب کے پادریون کے جلسہ نے جو لاہور مین منعقد ہوا ہے لیا ہے اور اس جلسہ مین ۱۳۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو جمعہ کے دن پادری جے ڈبلیو بیپ ورتھ نے اس مضمون پر اپنی تحریر پڑھکر سنائی ہے۔ ہمعصر اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور نے ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۳ء کے پرچہ مین اس تحریر کے بعض حصون کو بائبل کی اعلی تنقید کی سرخی کے نیچے شایع کیا ہے اور ساتھ ہی ایڈیٹر اخبار مذکور نے اپنی طرف سے ایک پُرمعنی ریمارک کیا ہے جس مین وہ لکھتا ہے کہ پادری بیپ ورتھ کی تحریر کا مضمون اعلے تنقید تھا اور اس مضمون مین اس نے (یعنی بیپ ورتھ نے) اعلے تنقید کے ان نتائج پر ریویو کیا ہے جو سمجھدار عیسائیون مین اب عام طور پر تسلیم کئے گئے ہین۔ ہم اس ریمارک پر سچے دل سے اتفاق کا اظہار کرتے ہین۔ لیکن اتنا افسوس ہے کہ پادری بیپ ورتھ نے اس مضمون کا پورا حق ادا نہین کیا۔ کیونکہ یسوع مسیح کی الوہیت اور جی اٹھنے کے متعلق اعلی تنقید کی رائے کو اس نے اپنے مضمون مین بیان نہین کیا۔ حالانکہ یہ دونون باتین بائبل کی بڑی بھاری غلطیون مین سے ہین اور اعلے تنقید نے ہر دو کا انکار کیا ہے۔ ہم یہ تو نہین کہہ سکتے کہ پادری بیپ ورتھ ان امور کا اظہار عیسائی انجمن مین کرنے کی جرأت نہین رکھتا تھا۔ کیونکہ اس نے اور کئی ایک ایسی باتین اُسی مجلس مین کھلے طور پر بیان کی تھین جو ان امور سے زیادہ نہین تو انہی کی طرح ضرور عیسائیت کا ابطال کرتی تھین اور درحقیقت اگر یہ مان لیا جائے۔ جیسا کہ پادری بیپ ورتھ نے کہا تھا کہ پرانے

اور نئے عہدناموں مین انسانی دست اندازی ایک حد تک بکثرت پائی جاتی ہے تو یسوع کی الوہیت اور اسکا
جی اٹھنا ہر دو مسائل خاک مین مل جاتے ہین اور پادری صاحب کا ایک حد تک انسانی دخل کی قید لگانا ان
مسائل کی کچھ دستگیری نہین کر سکتا۔ مسٹر ہیپ ورتھ کے بعض اقوال کو ہم اس جگہ نقل کرتے ہین جو اس نے
اپنے لکچرون کے دوران مین کہے +

"آج سے پچاس سال پہلے لاکھون تعلیم یافتہ عیسائی بائبل کو غیر محققانہ نظر کے ساتھ دیکھکر اسے
ایک معجزہ سمجھتے تھے۔ اگرچہ یہ بات خود بائبل کے پیش کردہ مضامین کے مخالف ثابت ہوئی ہے۔ اور نیز علوم
تاریخ۔ سائنس۔ مناظرہ۔ خواص الاشیاء۔ علوم مقابلۂ مذاہب علم لسان وغیرہ تمام علوم کی تحقیقات کے بھی مخالف
ہے۔ الّا یہ مخالفتین نہ بھی ہوتین اور یہ سب باتین اسی خیال کی تائید کرتین تاہم اگر ان نتائج کو دیکھا جائے
جو اس سے پیدا ہوتے ہین تو ان سے بھی ظاہر ہے کہ یہ خیالی بے قاعدہ اور بے ہنگم معجزہ بالکل بے فایدہ ثابت
ہوا ہے۔ لاکھون عیسائی جو اس کتاب کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف کلام الٰہی مانتے تھے ابتک اس کے صحیح اور
اصلی معنے کرنے کے قابل اپنے آپ کو ثابت نہین کر سکے کیونکہ وہ اس سے نہ صرف متضاد اور مخالف معانی
نکالتے رہے بلکہ بسا اوقات ایسے معنے کرتے تھے جن سے نہایت ہی خراب اور ضرر رسان نتائج پیدا ہوتے
تھے۔ لیکن اعلےٰ تنقید کی روشنی مین بائبل کے متعلق یہ رائے کہ وہ کلام الٰہی ہو بالکل غلط ثابت ہوئی ہو یہ ظاہر ہو کہ تاریخ اور
سائنس کے معاملات مین بائبل کے بیانات غلطیون کے امکان سے پاک نہین ہین اور بائبل کا الہام تدریجی
تکمیل پاتا تھا۔ اور اس واسطے ابتدائی منازل مین بالکل ناکمل تھا اور انسانی اجزا اپنی محدود حد بندیون
کے ساتھ اس مین بکثرت پائے جاتے ہین...... مذہب مین یہ تبدیلی آہستگی کے ساتھ لیکن یقینی طور پر
اس وقت سے پوری ہو رہی ہے جب سے کہ مضامین اور ریویوز نے روشنی دیکھی ہے اور یہ وہ
تبدیلی ہے جس کی نسبت متوفی آرچ بشپ آف یارک نے بیان کیا تھا کہ اس زمانے کے نہایت عجیب
واقعات مین سے یہ ایک واقعہ ہے اور یہ اعلےٰ تنقید سے پیدا ہوا ہے"

کتب موسےٰ اور کتب یشوعؑ کی تصنیف کے متعلق لکچرار نے بیان کیا کہ یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے
کہ ان کتابون کے بعض حصے کم از کم موجودہ شکل مین جلاوطنی سے واپسی کے زمانے کے اندر کے لکھے
ہوئے ہین۔ پھر لکچرار کہتا ہے کہ اگر یہ سوال ہو کہ ابتک جو ہم عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کتابین حضرت موسیٰؑ
کی تصنیف ہین اب اس عقیدہ کو کیا کرین تو اسکا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہین کہ اس عقیدہ کو تبک کر دینا چاہئے

یہ کتابین کوئی ظاہر یا مخفی دعوے اس امر کے لئے نہین کرتین کہ ان کو حضرت موسےؑ نے تصنیف کیا تھا
اس طرح تمام ابتدائی کتابین روائتین اور افسانے ہین نہ کہ تاریخی واقعات - پھر مسٹر بیپ ورتھ نے بیان کیا
کہ اس عقیدہ کے ماننے مین کہ ابتدائی الہامات کے وقت روح القدس تعلیم کے لئے روائیتون اور فسانون کا
عام استعمال کرتی تھی - ہم کوئی جلد بازی نہین کرتے اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی بات بناتے ہین کیونکہ
پولوس اور پطرس اور یہوداہ نے اپنی ملہمانہ تعلیم کے درمیان یہودی روایات کو آزادی سے شامل کر لیا
ہے نئے عہدنامے مین شامل ہوجانے سے یہ افسانے حقیقی واقعات نہین بن سکتے - ان مقدس کتب
مین شامل ہو کر بھی وہ افسانے افسانے ہی ہین - ہان اتنا فائدہ ضرور دیتے ہین کہ ان سے ظاہر ہوتا ہی
کہ کس طرح سے افسانے ان الہامی کتب مین ملے ہوئے ہین اور یہی فائدہ ان سے کافی ہے" اب دیکھو مسٹر
بیپ ورتھ ایک عیسائی واعظ ہے - عیسائی پادریون کی انجمن مین کھڑا ہو کر لیکچر دیتا ہے اور بڑی فراخ
دلی سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ پرانا اور نیا عہدنامہ ہردو انسانی دخل سے بھرے ہوئے ہین ہان
الوہیت یسوع کا فضول اعتقاد رکھنے والے اس بات کا انکار کرتے ہین - عیسائیون کے اخبار ایپی فینی
کلکتہ کا نامہ نگار جس کا مضمون بعنوان **اسلام** اسی اخبار کے پرچہ ۱۲ - دسمبر ۱۹۰۳ء مین نکلا ہے اپنے
سوال کا جواب مسٹر بیپ ورتھ کے لیکچر مین پڑھ سکتا ہے - اور چونکہ یہ لیکچر ایک عیسائی کی طرف سے ہے
اس واسطے ہم امید کرتے ہین کہ اسکو ان جوابات سے تشفی حاصل ہوجائے گی +

جو حال پرانے عہدنامہ کا ہوا ہے وہی نئے عہدنامے کا بھی ہوا ہے - اور اناجیل کے مضامین مختلف
ماخذون سے لئے گئے ہوئے ثابت کئے گئے ہین جس سے اناجیل کی متضاد کہانیون کو کلام الٰہی ماننے
والون پر ایک بڑی مصیبت وارد ہوئی ہے - پس بائیبل کا مجموعہ من اولہ الی آخرہ انسانی تصانیف کا
ایک انبار ثابت ہوگیا ہے - اس طرح بائیبل کی صداقت کے قصہ کو جڑ سے اکھیڑ کر لیکچرار اسکے متعلق
دعوے کو ایک نیا رنگ دینے کی تجویز کے درپے ہوا ہے - وہ کہتا ہے کہ "بالآخر اگر پہلے سوال ہو کہ
اعلےٰ تنقید کے یہ ناقابل تردید نتائج اس عزت پر کیا اثر رکھتے ہین جو کہ ہمین بائیبل کی کرنی چاہئے اور
مسئلہ الہام کی روایات کے متعلق کیا تبدیلیان پیدا کرتے ہین تو اس سوال کا جواب بیشک سنجیدگی سے دینا چاہئے
وہ لوگ جو بائیبل کو سب سے زیادہ پیار کرتے ہین - وہ لوگ جو اس کی پاک تعلیم سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے
ہین ان کو نہایت ہی احتیاط کرنی چاہئے کہ بائیبل کے متعلق اندھا دھند جان بوجھ کر کوئی ایسا عقیدہ نہ بنائین

جس کا دعوے خود بائبل نے نہ کیا ہو۔ انکے لئے لازم ہے کہ بائبل کی قدر حد سے زیادہ بڑھانے کے لئے ایسی باتین اس کی طرف منسوب نہ کرین جو کہ ایک غور و فکر کرنے والے سنجیدہ خیال پرانے مقلد عیسائی کے نزدیک بھی بے ثبوت ہون چہ جائیکہ لایق کثیر التعداد تعلیم یافتہ عیسائیون کے نزدیک وہ باتین کھلی غلطیان اور جھوٹ کا رتبہ رکھتی ہون۔ جو کتاب انسانی دست درازیون اور انسانی حد بندیون سے اس طرح پٹی ہو اسکو سرتا پا کلام الٰہی سمجھنا (خواہ اسکا نام عشق بائبل رکھا جائے یا کچھ اور) دراصل یہ بات بالکل بُت پرستی ہے یہ مبالغہ آمیز افسانہ کہ ان کتابون کے لکھنے والے نہ صرف کاتب روح القدس تھے بلکہ روح القدس کا خود قلم تھے۔ اور ان کی سب باتین معصوم اور مقدس ہین۔ ایسا کہنا مسیح اور حواریون کی تعلیم کے بالکل مخالف ہی۔ یہ ایک ایسی سخت غلطی ہے کہ اس سے بہت سے تاریک توہمات اور جرم پیدا ہوئے ہین۔ جو کہ نسل انسانی کے تنزل اور بیشمار تکالیف کا موجب واقع ہوئے ہین۔ پادریانہ ظلم و تعدی کی بے ہنگم عمارتین جو دنیا کی قومون کے لئے ایک لعنت کا موجب ہوئی ہین محرف و مبدل الہامی عبارتون کی تنگ و کوتہ بنیاد پر اُلٹی مخروطی شکلون مین بنائی گئی ہین۔ ملے جلے انسانی کلام کے متعلق جس سے قدرے سبق ملتے تھے یہ فرض کر لینا کہ وہ خود از اول تا آخر کسی انسانی طاقت سے برتر ماخذ سے لئے گئے ہین۔ ان بیہودہ تفاسیر کے طریقون اور سلسلون کے ایجاد کا موجب ہوا ہے جنہون نے کئی صدیون تک دنیا کو ایک عالم جہالت مین چھپائے رکھا۔ ایسے مسائل نے بہت سے مقامات پر کتاب الٰہی کے الفاظ کو بے معنی اور ناقابل حل چیستان بنا کر خراب کیا ہے *۔

اگر اس قسم کے الفاظ کسی مسلمان کے منہ سے نکلتے تو بہت سے جاہل عیسائی غصہ سے بھڑک اٹھتے۔ لیکن خوش قسمتی ہی کہ یہ ایک عیسائی پادری صاحب کا کلام ہے جو کہ انہون نے ایک معزز عیسائیون اور پادریون کے بھرے جلسہ مین تقریر کرتے ہوئے فرمایا اور اس رائے کی ایک معزز عیسائی اخبار نے نہ صرف تائید کی ہے بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کوئی سمجھدار عیسائی اس رائے کے ساتھ اختلاف نہین رکھتا۔ اگر پادری بیپ ورتھ کی گفتگو مین کوئی بات تعجب انگیز ہے تو یہی ہے کہ یسوع کی الوہیت اور جی اٹھنے کے متعلق مفصل بیان کرنے سے وہ ضرور قاصر رہا ہے حالانکہ اعلیٰ

---

* دراصل دنیا مین صرف ایک ہی الہامی کتاب ہی جو دنیا کے آگے یہ دعوی کر رہی ہی کہ وہ خدا تعالےٰ کا خالص کلام ہی۔ اور تمام غلطیون سے پاک ہی ورنہ اور کسی کتاب مین یہ دعوے نہین پایا جاتا اور وہ کتاب قرآن شریف ہے +

تنقید کے فضلا نے اس مضمون پر کھول کر تحریرین شایع کی ہین۔ ہم امید کرتے ہین کہ جلد اس عقیدہ کو عام طور پر گرجون کے وعظون مین شایع کیا جائے گا۔ اور اس طرح عیسائیت کا خفیہ بھوت اپنی اصلی شکل کی طرف تنزل کر کے عیسائی دنیا کے اوقات قوتین اور روپے کو جھوٹ کی اشاعت پر خرچ ہونے اور فضول ضایع ہونے سے بچالے گا۔ اور اس وقت روپے اور قوت کو کسی مفید کام پر آیندہ صرف کیا جائے گا۔ بائیبل کے متعلق عیسائیون کی یہ رائے ظاہر کرنے کے بعد ہم امید کرتے ہین کہ ہم اس سمجھدار عیسائی کی چھٹی کا جواب لکھنے سے سبکدوش ہوگئے ہین جو کہ عیسائیون کے پرچے ایپی فینی مین جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین برابر ان بیہودہ اقوال کو دُھرائے چلا جاتا ہے جنکو اس سے پہلے اسکے ہم پیشہ بیان کیا کرتے تھے۔ بائیبل کے اصلی اور مقدس ہونے کے متعلق جو دعوے اس نے کیا تھا اس کی تردید خود عیسائیون کی شہادت سے ہم دے چکے ہین اور اسواسطے اب اسکے متعلق زیادہ تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہین ہے۔ اب یہ بات باقی رہی کہ باوجود ان سب باتون کے جو بائیبل کے متعلق مانی گئی ہین۔ بائیبل کو کس دعوے کا حق پہونچتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بائیبل کو یہ عزت دیجاتی ہے کہ یہ ایک مجموعہ ہی جس مین کچھ تاریخی باتین ہین اور کچھ افسانے اور کچھ سچ ہے اور کچھ جھوٹ۔ معجزہ نمائی کی باتین جو کہ بائیبل کی تین چوتھائی حصہ مین بھری پڑی ہین اس تقسیم کے مطابق افسانون اور جھوٹ کی ذیل مین درج ہونگی اور پھر سوائے چند اخلاقی باتون کے جو تمام اخلاق کی کتابون مین پائی جاتی ہین باقی اور کچھ نہین رہتا۔ بلکہ ان غلطیونکے ڈھیر کیطرف نظر کر کے جن کے درمیان بعض سچائیان چھپی پڑی ہین وہ سچائیان بھی کچھ قابل اعتماد نہین رہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بیپ ورتھ کی یہ رائے ہے کہ مذہبی مباحثات مین بھی بائیبل قابل سند نہین۔ اگر پادری صاحب کی یہ بات صحیح ہے اور ہم اس معاملہ مین ان کی کوئی مخالفت نہین کرتے تو بائیبل بالکل بے سود کتاب ہوجاتی ہے۔ اسکے ناقابل ذکر تھوڑے سے فائدے اسکے نقصانات سے بہت بڑھ کر ہین۔ بہر حال روحانی امور مین یہ کتاب ہرگز قابل اعتبار نہین اور نجات کے واسطے اسپر بھروسہ کرنا کسی دانا کا کام نہین ہے۔ پادری بیپ ورتھ کے لکچر سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اگرچہ خود پادری صاحب نے اپنے بچاؤ کے واسطے یہ الفاظ بول دیئے ہین کہ نجات کے لئے تمام ضروری امور اسمین موجود ہین۔ لیکن جب معجزات کا انکار ہوا تو نہ صرف اناجیل کی تاریخی صحت پر حملہ ہوتا ہے بلکہ عیسائی مذہب کی ایک اکلوتی شہادت کا بھی ساتھ ہی خون ہوجاتا ہے۔ درحقیقت بائیبل کی غلطیون کے

تسلیم کرلینے پر عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگون کی غلطی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عیسائی کہین نہ وہ یسوع کی الوہیت کو مانتے ہین اور نہ اسکے مردون مین سے جی اٹھنے کی اقراری ہین اور اس طرح تثلیث وکفارہ ہر دو کو ترک کرنے کے بعد سوائے عیسائیت کے نام کے اور کیا باقی رہا۔ اور خدانے چاہا تو کسی دن یہ نام بھی ان کو اتار کر پھینکنا ہی پڑے گا +

جب سے کہ بائیبل کی صداقت پر ایسا خطرناک حملہ ہوا ہے اور بائیبل کا الہامی کلام ہونیکا عقیدہ کچا ثابت ہوا ہے تب سے عیسائیت کی صداقت کے واسطے ایک نئی شہادت کا دعوے پیش کیا گیا ہے جس کو عیسائیت کا تجربہ کہتے ہین۔ مگر یہ ایسا ہے جیسا کہ ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑے۔ بائیبل سے باہر عیسائیت کوئی شے نہین۔ اور عیسائیت کا تجربہ خود بائیبل پر مبنی ہے۔ یسوع کی الوہیت۔ اسکا مردون مین سے جی اٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا یہی باتین عیسائیت کے بڑے اصول ہین اور کوئی دانا آدمی ان باتونکو محض عقل کی رو سے ٹھیک نہین مان سکتا۔ صرف بائیبل کی کتاب ہی مین یہ باتین لکھی ہوئی ملتی ہین۔ اور بائیبل کی صداقت تاریخی واقعات کے متعلق سخت مشکوک ہوئی ہے۔ لیکن اگر ان مسائل کا انکار کیا جائے اور مانا جائے جیسا کہ اعلے تنقید مین تسلیم کیا گیا ہے کہ یسوع ایک فانی انسان تھا اور معصوم نہ تھا اور اس نے کوئی معجزہ بھی نہین دکھایا اور مردون مین سے جی بھی نہین اٹھا اور آسمان پر نہین چڑھا تو پھر عیسائیت کا باقی کیا ان کے ہاتھ مین رہ جاتا ہے۔ مذہب عیسوی تو یسوع کی الوہیت اور جی اٹھنے کے مسائل کے ساتھ ہے اور اگر یہ باتین غلط ہین تو پھر یہ مذہب بھی جھوٹ ہی۔ دراصل عیسائیت کا تجربہ صرف ایک دھوکا ہے۔ اور ان لوگون کے دماغ کا اختراع ہے جو بائیبل کی غلطیوں سے تو آگاہ ہو چکے ہین مگر عیسائیت کے بوسیدہ چغہ کو اتار کر پھینکنے کی ہنوز جرأت نہین رکھتے +

ریویو

عہدنامہ جدید کی کہانیون کی تمسخرانہ تشریحات

اس کتاب کو "ٹرُوتھ سیکر کمپنی" نیویارک نے شایع کیا ہے اگرچہ مضمون کا طرز اداظریفانہ ہے

مگر بایں ہمہ اس سے ایک سچا اور اہم سبق ملتا ہے - ایک وقت تو وہ تھا کہ پرجوش دینداروں نے ایک مردہ انسان کو جامہ الوہیت پہنا دیا تھا اور اب یہ وقت ہے کہ وہی فرد بشر اس اوج عزت و منزلت سے نیچے گرایا جا کر بزمرہ فانی انسانوں کے داخل کیا جا رہا ہے - اس کتاب میں وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جس سے مدعا مندرجۃ الصدر ظاہر ہو سکے - جہانتک اسکے مضامین سے مدعا مذکرہ بالا حاصل ہو سکتا ہے اس حد تک یہ کتاب نہایت عجیب اور اسکے مضامین دلچسپ ہیں اور عمدہ سبق ان سے حاصل ہوتا ہے اناجیل کے واقعات کے راویوں کی بیہودگیوں کو تمسخرانہ تمثیلات و تشریحات کے ساتھ ناظرین کے لئے طشت از بام کیا گیا ہے - اور ساتھ ہی تنقید کر کے مضحکانہ حاشیے چڑھائے گئے - یسوع کے معجزات مندرجۂ اناجیل میں سے جن بھوتوں کا نکالنا اور مردوں کا جلانا دو خاص بھاری عمل تھے جیسا کہ انجیلوں میں ذکر ہے اس کتاب میں یسوع کے ان عملیات کی بہت ہی عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے +

آسیب زدگی کی تاثیرات پر اُس زمانہ میں بڑا یقین تھا جس زمانہ میں اناجیل لکھی گئیں - اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی معجزات کی فہرست بعض اسی قسم کے عجیب عملیات سے پُر ہے - ایک موقعہ پر یسوع دو آسیب زدہ آدمیوں سے ملاقی ہوتا ہے جو فوراً اسکو شناخت کرتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے - (خدا کا بیٹا شناخت کرنے کے لئے اسی قسم کے آدمی چاہیئے) - یسوع اپنی لاٹھی سے اُن چھپے ہوئے جنوں پر حملہ کرتا ہے - اور بھوت اس طرح مجبور ہو کر اُن آدمیوں سے باہر نکل آتے ہیں اور ایک خنزیروں کے گلہ میں جانے کی اس سے اجازت مانگتے ہیں - وہ بھوت ایک دوسرے کے بعد ان آدمیوں میں سے پرواز کر جاتے ہیں اور خنزیروں کی پشتوں پر جا کر سوار ہو جاتے ہیں - اور ساتھ ہی انکو سمندر میں ایک ڈھلوانی جگہ کیطرف نیچے ہانکتے ہیں - بیشک ایسا نظارہ قابل دید ہے خدا کا بیٹا بھوتوں کے پیچھے دوڑتا ہے اور وہ بھوت اُن خنزیروں کے پیچھے دوڑتے ہیں جو تمام پانی میں غرق ہو جاتے ہیں - ایسا ہی ایک اور عجیب نظارہ بیان ہوا ہے - انجیلوں میں ذکر ہے کہ یسوع کی صلیب کشی کے وقت قبریں پھٹ گئیں اور مردے زندہ ہو گئے لیکن دوبارہ زندہ ہونا اتوار کی صبح تک وقوع میں نہیں آیا - کیونکہ بالفاظ مصنف کتاب خدا "مُردے یسوع کے پہلے جی اٹھنے کی انتظار میں مودبانہ اپنی کھلی قبروں میں بیٹھے رہتے ہیں" ایک بھوت کی سی شکل قبروں سے رینگھکر نکلتی ہے اور ایک شہر کے آدمی سے ملتی ہے جو اس کی مہیب و مہیکل شکل کی وجہ سے اس سے نفرت کرتا ہے

پھر وہ اپنی بیوی سے ملتا ہے جو خوف زدہ ہوکر آگے آگے بھاگتی ہے اور وہ مردہ اسکے پیچھے دوڑتا ہے اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اس کا پیارا خاوند ہے۔ مگر وہ عورت نہین ٹھہرتی۔ بعد ازان وہ اپنے بچہ کے پاس آتا ہے لیکن وہ ننھی سی جان اس زرد رنگ بھوت شکل سے ڈر جاتی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ اسکو نرمی اور پیار سے تسلی دیتا ہے مگر وہ اسکو موت جیسی شکل خیال کرکے چیخین مار کر بھاگ جاتا ہے +

اس بھوتی واقعہ کی حماقت آخری نظارہ مین خوب بیان ہوئی ہے۔ جہان وہ بھوت خیال کرتا ہے کہ "یہ دنیا عبث ہے اور پھر ایک سمجھدار میت کی طرح واپس اپنی قبر مین لوٹ جاتا ہے" یہ ان معجزات وکرامات کی بیہودگی کا حال ہے جو بیچ وخم دیکر فرضیہ طور پر یسوع کے سر تھوپی گئی ہین

یہ کتاب شایع کنندگان سے بقیمت ایک ڈالر (تین روپے دو آنہ) کے مل سکتی ہے +

"اسلام کی فلاسفی"

مصنفہ "خواجہ خان - بی اے" نام ایک نہایت عمدہ خوبصورت کتاب چھپی ہوئی ۱۱۴ صفحہ کی انگریزی کتاب ہے جو مضامین مصنف نے "مدراس ریویو" مین لکھے ہین ان مضامین کو اس کتاب کی شکل مین دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ جن لوگون کو تصوف سے دلچسپی ہے انکے واسطے اس مین مفید معلومات کا ذخیرہ ہے اور اس مین مختلف صوفیون کے گروہونکے خیالات عالم کی پیدایش کے متعلق اور روحانی تصورات واخلاقی اصولون اور تاریخی ترقی کے متعلق بیان ہوئے ہین اور اخیر مین دکن کے صوفیون کے مختلف فرقون کا ذکر ہے کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے اور علی گڈہ ڈیوٹی شاپ سے مل سکتی ہے +

ایک پادری کے خیالات اسلام پر

مسلمانون کی تعلیم مین مشکلات کے عنوان کے نیچے "مشنری ریویو آف دی ورلڈ" (امریکہ) ایک خط چھاپتا ہے جسکے نیچے دستخط یہ ہین "ایک ایسا شخص جو انکے درمیان کام کرتا ہے" اور جسکو معلوم ہوتا ہے

انجیل کا وعظ کرنے مین سخت ناکامی ہوئی ہے اسلئے وہ مجبور تھا کہ اپنی ناکامی کی کوئی وجہ تلاش کرے تاکہ وہ واپس نہ بلا لیا جاوے۔ اس امر کو چھپانے کے لئے کہ اس کی یہ ناکامی تثلیث وکفارہ کے بیہودہ عقاید کی وجہ سے ہے۔ خصوصًا جب وہ اسلام کی سیدھی سادھی اور معقول موحدانہ تعلیم کے بالمقابل پیش ہو پادری صاحب نے اسلام کے متعلق غلط بیانیان کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا اس کے نزدیک اسلام کی تاریخی طبیعت سکندریہ کے کتب خانے کے جلانے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک عیسائی کا من گھڑت جھوٹ ہے جس نے پہلے اسے شایع کیا اور بعد کی نسلین اس جھوٹ کو آجتک رایج رکھتی چلی آئی ہین ابوالفرگیس نے اس قصہ کو اپنی کتاب موسوم "ہڈائی ہسٹر یعنی خاندان" کے ذریعہ پہلے پہل دنیا مین شایع کیا۔ وہ کہتا ہے کہ یوحنا نے جسکا لقب فلوپین ہے عمرو فاتح مصر سے التجا کی کہ سکندریہ کا کتب خانہ اسکو ملے لیکن سردار عرب اگرچہ خود وہ چاہتا تھا کہ اس صرف ونحو کے ماہر کی خواہش کو پورا کرے۔ خلیفہ عمرؓ کے حکم کی تعمیل مین اس کتب خانہ کو جلادیا۔ اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کتابون کے کاغذ اور کپڑے شہر کے چار ہزار حمامون مین تقسیم کئے گئے تھے اور ان کاغذات کا اسقدر بے قیاس انبار تھا کہ اس قیمتی ایندھن کے جلا کر ختم کرنے کے واسطے بمشکل چھ ماہ مکتفی ہوئے۔ یہ ایک عجیب جھوٹ ہے۔ بہت اغلب اور قرین قیاس یہ ہے کہ جس وقت یہ گفتگو یوحنا کی فاتح کے ساتھ ہوتی ظاہر کی گئی ہے اسوقت یوحنا فلوپین زندہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اس سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ چنانچہ مشہور مورّخ گبن کی تاریخ کے حاشیہ مین مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے۔

چونکہ تمام مصنفان اس معاملہ مین ساکت ہین (یعنے فلوپین کی عمر کی ایسی درازی جو اس واقعہ کی صداقت کی مؤید ہو) اسلئے ہم نتیجہ نکالتے ہین کہ وہ اس وقت سے بہت عرصہ پہلے فوت ہوچکا تھا جسوقت بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالفرگیس نے یہ عجیب ملاقات فاتح عمرو کے ساتھ کی۔ گبن کہتا ہے کہ "اگر مجھ سے پوچھو تو مین تو بڑے زور کے ساتھ اس امر اور اسکے نتایج سے انکار کرتا ہون۔ یہ امر واقعی عجیب ہے اسی واقعہ کا مورخ خود کہتا ہے کہ پڑھو اور تعجب کرو۔ ایک اجنبی کی اکیلی تحریر کو جو اس نے چھٹی صدی کے اختتام پر فارس کی سرحد پر لکھی ہر گز وقعت نہین دیجا سکتی جبکہ ہم اس سے بہت پہلے زمانہ کے دو واقع نگارون کی خاموشی کو دیکھتے ہین جو دونون واقع نگار مذہب کے عیسائی اور خاص مصر ہی کے باشندے تھے۔ اور ان دونون مین سے جو سب سے قدیمی ہے یعنی لاٹ پادری یوٹیکس اس نے سکندریہ کی فتح کا مفصل حال

لکھا ہے" اس واقعہ کو جھوٹا ٹھہرانے کی وجوہات لکھنے کے بعد وہ طنز سے لکھتا ہے کہ "اگر واقعی آرین اور ماتو فزائٹ (عیسائیون کے دو فرقے) بحث مباحثات کے انبار سکندریہ کے حمامون مین ہی جلائے گئے تھے تو بھی ایک فلاسفر خوشی سے اس بات کو تسلیم کرے گا اور کہے گا کہ آخر یہ تو دے بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے ہی استعمال ہوتے" (اسکا مطلب یہ ہے کہ جبکہ کم از کم ان سے اتنا فائدہ تو ہوگیا کہ حمام گرم ہوگئے ورنہ ویسے یہ مباحثات کسی کام کے نہ تھے۔) عیسائیون کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سخت آدمی ہوتا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تو وہ عیسائیونکے ساتھ وہ نرمی نہ دکھلاتا جو اس نے یروشلم کے مقام پر دکھلائی جبکہ لاٹ پادری نے ان سے گرجا ہی مین نماز پڑھنے کی درخواست کی تو آپنے یہ درخواست نامنظور کی اور بعد از ان اس کی یہ وجہ بتلائی کہ "اگر مین تمہاری درخواست کو منظور کر لیتا تو بعد کے مسلمان میری مثال کی پیروی کے بہانے سے گرجا کو مسجد بنا لیتے اور معاہدہ کی شرط کو توڑ دیتے" درحقیقت اس قصہ کے مصنف عیسائی نے کتب خانہ سکندریہ کی تباہی کے متعلق کہانی بیان کرنے مین ایک عیسائی کا قصور ایک مسلمان کے ذمہ لگایا ہے۔ اصل بات اس طرح پر ہے کہ جس کتب خانہ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانون نے اسکو جلایا۔ اسکو عمرو کے مصر پر حملہ کرنے سے دو سو پچاس برس پیشتر بشپ تھیوفلیس نے تباہ کیا تھا اور یہ بے بہا ذخیرہ کتب کا اس طرح تباہ ہونیکے بعد پھر کبھی اُس طرح سے مرتب نہین ہوا۔ گبن لکھتا ہے "مین اب دوبارہ اس بیان کو نہین چھیڑونگا کہ کیونکر سکندریہ کے کتب خانہ پر مصیبتین آئین اور کیونکر پہلے قیصر نے مجبوراً اپنے بچاؤ مین وہان شعلہ بھڑکایا اور پھر عیسائیون نے شرانگیز تعصب سے بت پرستی کی یادگارونکو تباہ کرنے کی کوشش مین کتب خانہ کو تباہ کیا" اور پھر لکھتا ہے "سکندریہ کا بیش بہا کتب خانہ لوٹا گیا یا تباہ کیا گیا۔ اور تقریباً بیس سال بعد تک خالی الماریون کے دیکھنے سے ہر ایک دیکھنے والے کے دل کو رنج و غضب پیدا ہو جاتا تھا جسکا دل مذہبی تعصب سے بالکل سیاہ نہین ہو گیا ہوا تھا" لیکن یہ کہانی عیسائیون کی طرف سے آج کے دن تک بڑی محنت سے شایع کی جا رہی ہے۔ حالانکہ اسکا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے تا کہ ایک عیسائی کا قصور ایک مسلمان کے ذمہ ڈالا جاوے۔ کیا یسوع کا مذہب اس جھوٹ سے سرسبز ہوگا۔ یہی کورانہ ضد اور تعصب اسلام کے برخلاف دیگر اعتراضات مین بھی پایا جاتا ہے مثلاً ایک یہ اعتراض ہے کہ "کیا ایک مسلمان جو قطبی ممالک مین رہتا ہے وہ اپنی عبادت کے دنون اور گھنٹونکی شمسی بے انتظامی کی بابت اپنی مقدس کتاب پر اعتراض نہین کرے گا"

اب یہی سوال بعینہ عیسائیون پر ہو سکتا ہے کہ قطبی ممالک مین اتوار کے دن کا کس طرح سے التزام کیا جاویگا جو ایک "یقینی - ضروری اور دائمی حکم کے ذریعہ سے خدائی پرستش کا دن قرار دیا گیا ہے - اور جو کتاب مقدس مین خدا کے دن کے نام سے موسوم ہے اور جو اختتام دنیا تک عیسائی سبت کا دن رہیگا" (دیکھو اقرار ایمان) پادری صاحب کو اسلامی عبادت پر اعتراض کرنا تو سوجھ گیا ہے لیکن یہ نہین سوجھا کہ اتوار کے دن کی مشکل کو کس طرح حل کیا جاویگا جسکا دنیا کے اختتام تک ہر ملک اور زمانہ کے آدمیون کو پابند رہنا ضروری ہے ایک مذہب جو اسلام سے چھ سو سال پیشتر دنیا مین آچکا تھا اسکا فرض تھا کہ قطبی ممالک کے متعلق اس مشکل کو حل کرتا - لیکن اگر وہ ناقابل ثابت ہوا ہے اور اس نے اسکو حل نہین کیا تو اسلام نے یقیناً اسکو عمدہ طور پر حل کر دیا ہے - پادری لوگ اسلام کے برخلاف اعتراضون کے جمع کرنے کی بے صبری مین اپنے عقائد اور اپنی دینی تعلیم کو فراموش کر دیتے ہین - اور اس وجہ سے وہ ایسے مشکلات مین مبتلا ہو جاتے ہین جن سے ان کی خلاصی نہین ہو سکتی - جبتک وہ اپنے اعتراضونکو واپس نہ لیوین - ایسے حالات مین نماز ادا کرنے کے بارہ مین احادیث مین صاف ہدایات ہین اور حکم ہے کہ معمولی دن اور رات کی مقدار کا اندازہ کر کے وقت کو جانچ لیا کرین - ایسا ہی روزون کے بارہ مین ہے - کیونکہ کلام مجید مین صاف حکم ہے - "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا" یعنے اللہ تعالے کسی کی وسعت و طاقت سے بڑھکر اسپر بوجھ نہین ڈالتا چونکہ چھ ماہ کا روزہ انسان کی طاقت سے باہر ہے - اسواسطے یہ حالت آیت متذکرہ صدر کے زیر حکم ہے اور اس غرض کے واسطے معمولی دن کی تعداد کا اندازہ کر لینا چاہئیے - خاص خاص صورتون مین عام آیات کی حکمت پر اڑنا بیوقوفی مین داخل ہے - خصوصاً جبکہ اس قسم کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے خود قرآن شریف نے پیش بندی کر کے ایک عام استثناء کے نیچے حکم دیدیا ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا -

اس طرح پر قطبی ممالک کے واسطے بھی خدا تعالے نے ہی ایک خاص حکم دیدیا ہے - حالانکہ یہ قطبی ممالک بمقابلہ دیگر وسیع آباد ممالک کے جہان ادائے صوم و صلوٰۃ مین کوئی مشکل پیش نہین آتی - قریباً قریباً غیر آباد ہین - لیکن جو مشکل اتوار کے متعلق پیش آتی ہے اس بارہ مین بائیبل مین کوئی حکم نہین ملتا - اور اس طرح عیسائی یا تو احکام اسلامی کی پیروی کرینگے یا ہمیشہ کے لئے اتوار کو الوداع کہدینگے اگر پادری صاحبان جو اور دونکے قصور معلوم کرنیکے شایق ہین حد کے اندر ہی رہتے - اور ایسے اعتراضات کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھتے جن مین خود انکے عقاید پر اعتراض آسکتا ہے - تو ان کو خود بھی آرام رہتا - مگر یہ بالکل سچ ہے کہ پھر انکے ہاتھ مین کچھ بھی نہ رہتا -

کیونکہ انکے مذہب اور علمیت کا کل مایۂ اعتراض ہی ہین۔ عام احکام اور قوانین پر ایسی وجوہات سے اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔ قرآن مجید مین عام قوانین و احکامات ہین اور خاص خاص حالتون مین ان کا استعمال بھی خصوصیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیا ممالک قطبی مین گھنٹون کا اس طرح سے انتظام نہین ہو سکتا۔ کہ معمولی اوقات کی مقدار و اندازہ پر انسان پانچ نمازین ادا کرے۔ وہان بھی آخر لوگون نے کام اور آرام کے لئے اوقات مقرر کئے ہوئے ہین۔ پس انہین کو دن اور رات سمجھ کر نماز اور روزے کے فرایض ادا ہو سکتے ہین۔

اسلام کے برخلاف ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس کا کلام الہی قرآن مجید عربی مین ہے اسواسطے یہ عام یعنے ہر قسم کے لوگون کے لئے نہین ہو سکتا۔ پادری صاحب کی منطق دانی کے ادب کو ملحوظ رکھکر ہم یہ پوچھتے ہین کہ یہ ان کی دلیل کیا وزن رکھتی ہے۔ پادری صاحب نے بے سوچے سمجھے یہ ایک لغو بات کہہ دی ہے۔ اگر انجیلون کو عبرانی کی مشکوک روایات کی بنا پر یونانی مین ترجمہ کرکے ان کی عام طور پر منادی اور تبلیغ ہو سکتی ہے تو پھر قرآن مجید کی جو بزبان عربی وحی ہوا اور بڑی حفاظت سے ہم تک پہونچا اس کی کیون عام طور پہ منادی نہین ہو سکتی بلکہ اور بھی دیکھنا چاہیئے کہ یسوع کے حکم کو توڑ کر انجیلون کی عام منادی کی جارہی ہے۔ کیونکہ یسوع کا حکم تھا کہ صرف میری اپنی قوم یہود مین ہی اس کی تبلیغ کیجاوے اور کسی کو نہ کیجاوے۔ حالانکہ مقدس قرآن مجید کی تبلیغ عام پر اعتراض اٹھایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اس کی عام تبلیغ کے بارہ مین صاف آیت ہے کہ یہ قرآن مجید تمام عالم کی ہدایت کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ جب ایسے ایسے سمجھدار پادری جیسے کہ مشنری ریویو آف دی ورلڈ کا یہ نامہ نگار ہے انجیل کے وعظ کے واسطے باہر بھیجے جاتے ہین تو دانا آدمی یہ نتیجہ نکالیگا کہ اچھے پادری انہین ملتے۔ کیونکہ جو ہونہار آدمی ہین وہ دوسرے کامون مین جو محنت کے کام ہین لگ جاتے ہین لیکن ایک وصف ہے جس سے یہ پادری خصوصًا مسلمانون مین کام کرنے کے مناسب و لایق ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح اسکے متقدمین جھوٹ بول کر میدان مناظرہ و مباحثہ جیتا کرتے تھے اس فن کی اس کو پوری ماہیت اور واقفیت ہے اور اسکے واسطے راستہ نکل آیا ہے۔ مفصلہ ذیل ایک کہانی جو اسکے ہم پیشہ کی ہی گھڑی ہوئی ہے بیان کی گئی ہے۔ " ایک انگریز نے جو مسلمان ہو گیا تھا ستارہ بیت اللحم کے قصہ کی بنا پر عیسائیت کو جھوٹا ٹھہرا کر دعوت مقابلہ کی۔ اسکا دعوے یہ تھا کہ اس ستارہ کے قصہ کے سچ یا جھوٹ ہونے پر بائیبل کے سچے جھوٹے ہونیکا انحصار ہے۔ اور بائیبل کے سچا یا جھوٹا ہونے پر مذہب عیسائی کے سچا یا جھوٹا ہونیکا مدار ہے اور چونکہ ازروے علم طبیعات کے

اس ستارہ کا قصہ بالکل ناممکن ہی۔ اسواسطے تمام تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے اور عیسائیت کی ساری عمارت گر جاتی ہے۔ اس دعوت کو ایک یونانی واعظ انجیل نے قبول کیا جس نے مسلمانوں کے ایک مشہور قصہ کو پیش کیا کہ کس طرح چاند ایک رات کو آسمان سے اترکر دو ٹکڑے ہوکر پیغمبر صلعم کے لبادہ کی ایک آستین سے گذرکر دوسری آستین سے نکلگیا۔ اس عیسائی نے سوال کیا تھا کہ جس وقت چاند پیغمبر صلعم کے لبادہ کی آستینوں سے گذرا تو کس مقدار تک گھٹا گیا تھا۔ یا کس قدر ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا تھا اس معاملہ مین کس قدر وقت صرف ہوا تھا اور کس ذریعہ سے اس طرح وقوع مین آیا" قصہ یہان ختم ہوجاتا ہے۔ اور جو اس انگریز نے جواب دیا وہ بیان نہین کیا گیا ہے۔ پادری صاحب شاید شرمندہ تو نہ ہونگے۔ جب انکو بتلایا جاوے کہ یہ "مشہور مسلمانون کا قصہ" قرآن مجید مین ہرگز نہین ہے۔ نہین بلکہ انکو اپنی جہالت اور ناواقفیت پر ناز ہوگا۔

بدی۔ جہالت۔ علم سے نفرت۔ مکروفریب اور ہر ایک قسم کے عیب اسلام کیطرف منسوب کیئے گئے ہین۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس کی غرض راستبازی نہین بلکہ اپنے آپ کو جھوٹے طور پر راستباز ظاہر کرتا ہے۔ ہر ایک نیکی یسوع کی انجیل کیواسطے رکھی گئی ہے۔ جسکو ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نجات کی طرف لیجانیکے واسطے ایک خدائی طاقت ہے۔ مسیح کی پیروون کی شوخی ناقابل برداشت ہورہی ہے۔ اوران کا بار بار اپنی اخلاقی فضیلت کو بے دلیل پیش کرنا بہت رنجدہ ہوگیا ہے۔ انکو اپنے مخالفین کے عقائد کے خیالات کا ذرا تک بھی پاس نہین ہے۔ اور نہ ان کی یہ خواہش ہے کہ جس حد تک ایمانداری کے ساتھ تنقید اور سچائی اجازت دیتی ہے ان حدود کے اندر رہین۔

"کرہ زمین کے دوسرے حصے کی ایک آواز"

بخدمت ایڈیٹر صاحب ریویو آف ریلیجنز۔ آپ کے نہایت بے نظیر میگزین کا ایک پرچہ مجھے ملا ہے جسکو مین نے نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے کیونکہ وہ خیالات کا ایک بالکل نیا میدان ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہین کہ اس میگزین کے بعض بیانات کا مین مفصل طور پر جواب لکھون۔

مین نہایت ہی خوش ہون کہ مشرق اور مغرب کے تعلقات قریب ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور ہم خیالات کا تبادل بخوبی کر سکتے ہین۔ مین چاہتا ہون کہ تمام مذاہب کی سچائی خوبی اور نیکی کو پالون۔ کیونکہ ہر مذہب مین کچھ سچائی اور کچھ جھوٹ ہوتا ہے تاہم دنیا کے تمام مذاہب ایک ہی دائرہ کے نیم قطر ہین جس کا مرکز خدا ہے + خدا سے میری مراد ایک ایسی ہستی سے ہے جو غیر محدود۔ ازلی۔ ہر جگہ موجود۔ تمام جانون اور تمام چیزون مین نافذ ہو۔ اسکا وجود ایسا قریب ہے کہ خود بخود ظاہر ہو رہا ہے +

ستمبر ۱۹۰۳ء کے ریویو مین ہمارے ملک کے ایک شخص ڈاکٹر ڈوئی کا بہت ذکر کیا گیا ہے مین نہین خیال کر سکتا کہ اس شخص کو کسی معزز محکمہ نے ڈاکٹر کا خطاب عطا کیا ہو۔ اس نے ڈاکٹر کا لقب آپ ہی اپنے نام کے ساتھ لگا دیا ہوگا۔ ہمارے ملک کے فہیم عالم اور مہذب لوگ اسکو ایک گنوار یا مسمریزم مین کسی قدر مشاق سمجھتے ہین۔ وہ اپنے سریع الاعتقاد اور جاہل مریدون پر اپنا اثر ڈالتا ہے تاہم اس مین شک نہین کہ مسمریزم کرنیوالا اگر اپنی طاقتون کو ٹھیک استعمال کرے تو بہت سے نیک کام دنیا مین کر سکتا ہو۔ ڈوئی نے اپنے مریدون مین میل کھیل بیہودہ دوائیون۔ شراب اور تمباکو کے استعمال کو دور کرنے اور کفایت شعاری اور محنت کا رواج دینے مین نیکی کا کام کیا ہے لیکن ایسے آدمی کا یسوع مسیح کا قائم مقام یا الیاس کا بروز کہنا ایک بیہودہ حرکت ہوگی۔ وہ ایسی موٹی گالیان اور بعض وطعن اپنی گفتگو مین استعمال کرتا ہے کہ کسی عیسائی واعظ کے مُنہ سے ایسی باتین نکل نہین سکتین لیکن وہ سب گالیان اور پر کیط رفت کے تھوکنے کی طرح اس کے اپنے ہی منہ مین آپڑتی ہین۔ اس کی زندگی اور اسکے کام چند روزہ ہستی رکھتے ہین ایسے شخص کی نسبت یہ دعوے کرنا کہ وہ خدا کے ساتھ کوئی خاص تعلق رکھتا ہے ایک نہایت ہی محض بیہودگی ہوگی۔ اور یہی فقرہ ان سب کے متعلق بولا جا سکتا ہے جو آپ ہی نبی بن بیٹھتے ہین خواہ وہ کسی زمانے مین ہوئے ہون۔ اور خواہ ان کا نام عیسائیون کی بائیبل مین ہی درج ہو +

میری رائے مین ڈوئی اور نبی ہند کے درمیان دعا کا ڈول جو تجویز کیا گیا ہے اسکا نتیجہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ نقلی لڑائیون مین جو خالی کارتوس نکے ساتھ بندوقین چلائی جاتی ہین تو نتیجہ سوائے دھوان اڑنے کے اور کچھ نہین ہوتا۔ خدا تعالیٰ دنیا کی حکومت غیر متبدل قوانین کے ساتھ کر رہا ہے دنیا مین ہر جگہ ہم تمام قدرت اور دل اور جگر مین یہی دیکھ رہے ہین کہ ایک طرف اسباب ہین اور دوسری طرف انکے نتائج۔ دعائین ان قوانین کو تبدیل یا منسوخ نہین کر سکتین۔ ان قوانین کے ماننے سے امن اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی سے دُکھ اور تکلیف

کوئی بتا نہین سکتا کہ آیندہ کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص سلسلہ علت و معلول پر توجہ کرکے یا علم مناسبات کو دیکھ کر کچھ نتیجہ لگائے۔ اس معاملہ مین کسی شخص کو نہ کبھی کوئی خاص حقوق حاصل ہوئے ہین اور نہ ہوسکتے ہین +

یہ کہنا کہ یسوع مسیح صلیب پر نہین مرا تھا بلکہ بیہوش ہوگیا تھا اور اچھا ہوکر ہندوستان کو بھاگ گیا تھا۔ ایک بیہودہ خیال ہی جس پر سنجیدہ اور تعلیم یافتہ عیسائی کچھ توجہ نہین کرسکتے۔ ایک ایسے افسانہ پر بلحبث کرکے مین اپنے وقت اور طبیعت کو خراب کرنا نہین چاہتا۔ انہی اخلاق اور عادات کا کوئی اور شخص ہوگا کوئی اور ناصرہ کا رہنے والا ہوگا۔ ویسی ہی زندگی اور ویسی ہی طبیعت کا کوئی اور آدمی ہوگا۔ کوئی اور یسوع ہوگا جو ہندوستان کو گیا ہو۔ اور وہان رہا ہو لیکن ممکن نہین کہ وہ ہمارا بہادر اور نڈر یسوع مسیح ہو۔ وہ ایسا بزدل نہین تھا کہ کسی ایک آدمی یا کئی آدمیون کے ادنٰے خوف سے اپنے ملک کو چھوڑ کر بیعزتی کا بھاگنا اختیار کرتا اگر وہ ایسا کرتا تو اسکا یہ فعل اس کے اقوال افعال اور تعلیم کے بالکل مخالف ہوتا۔ ایسا کرنا اسکی تمام زندگی کا الٹ اور اس کی روح کے برخلاف تھا بیشک اس نے اپنی کانشنس کے مقدس حقوق اور اپنی آزادانہ گفتگو کی حمایت مین صلیب پر بیخوف ہوکر جان دی۔ لیکن ہمین اس بات سے کچھ تعلق نہین کہ وہ کہان۔ کب یا کس طرح مرا لیکن دیکھنا تو یہ چاہئے کہ اس نے کس طرح سے زندگی بسر کی اور کیا کیا کام کئے اسکی زندگی تعلیم اور نمونہ لوگون کی نجات کا باعث ہوا نہ کہ اسکی موت اور نہ ہی اسکا خون +

کوئی پورا تعلیم یافتہ فاضل مہذب عیسائی واعظ اس بات کی تعلیم نہین دیتا کہ یسوع خدا تھا یا کسی معنے مین بھی خدا کا شریک تھا وہ صرف ایک مقدس انسان تھا جسکو شاندار اور اصلی ذہانت یعنی الہام حاصل تھا۔ میرے نزدیک ذہانت اور الہام ایک چیز ہے۔ وہ خدا کی شکل مین بنایا گیا تھا۔ اور خدا کا ایک حصہ تھا۔ جیسا کہ تمام نیک انسان ہوا کرتے ہین مگر اس نے کبھی یہ دعوے بھی نہین کیا تھا کہ مین خدا ہون یا خدا کے برابر ہون بلکہ ہمیشہ ہی کہتا رہا کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔ یسوع جیسے ہر ایک آدمی کو الوہیت کی صفات ثلاثہ مین سے حصہ دیا جاتا ہے اور وہ صفات اخلاقی۔ عقلی اور روحانی ہین جو کہ حدود دائرہ انسان کو حاصل ہوتی ہین۔

یسوع مسیح کامل نہ تھا اور نہ وہ معصوم تھا۔ اس نے غلطیان بھی کین بلحاظ اخلاق کے کبھی وہ ہمیشہ حق پر نہ تھا۔ بشرطیکہ حواریون نے اسکے متعلق صحیح خبر بیان کی ہو لیکن یہ امر بھی نہایت ہی مشکی ہے کہ حواریون کے بیانات صحیح ہون

بھلا جو آدمی انجیر کے درخت پر سے کھانیکے لئے کچھ پھل نہ پاکر بیجان درخت پر لعنت کرتا ہی۔ اگر اس کو ہم پاگل نہ سمجھین تو اور کیا کہین۔ صرافونکو کوڑے مار کر نکالنے کی کہانی جو انجیلون مین مذکور ہے کسی کا افترا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی باتین اسکی زندگی۔ روح اور اعمال کے بالکل مخالف ہین ایسی باتونکو ہم صحیح نہین تسلیم کرسکتے غالباً اس نے انکو اپنی زبان کے ساتھ کوڑے لگائے ہونگے اصل بات یہ ہی کہ بائیبل کے پُرانے اور نئے عہدنامہ مین بہت سے افسانہ جھوٹے قصے اور کہانیان پائی جاتی ہین جن کو کوئی پورا فاضل تعلیم یافتہ عیسائی لفظی معنون یا بالکل سچے اور صحیح تسلیم نہین کرسکتا۔ ایسا ہی یونس نبی اور مچھلی کا قصہ اور سورج کے کھڑا ہوجانیکی کہانی سب جھوٹے افسانہ ہین۔ باوجود اس کے پرانے عہدنامہ مین بعض بڑی بڑی صداقتین بھی موجود ہین +

مسیح کے جی اٹھنے کا قصہ ایک صاف جھوٹا افسانہ ہے جسکو بلاشبہ اس کی موت کے بعد کسی نے افترا کرلیا ہوگا۔ انسانی جسم کا اس طرح زندہ ہوجانا از روئے سائنس ایک ناممکن امر ہے اس مسئلے کے برخلاف اسقدر دلائل موجود ہین کہ یہ ہرگز قابل تسلیم نہین۔ اور اکثر عیسائیون نے اب اس عقیدہ کو ترک کردیا ہے آج جو شخص ایسا عقیدہ شائع کرے وہ جاہل سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی مردہ اس طرح جی اٹھے۔ تو یہ ایک بڑا بھاری معجزہ ہوگا لیکن ہم ان معجزات کو نہین مانتے ہان یہ جسم کسی پھل یا پھول یا سبزی مین پھر نمودار ہوسکتے ہین +

ہان یہ بات بالکل صحیح ہی کہ یسوع کی روح یا جان کا رفع ہوا تھا اور وہ ایتھر مین ایک جسم اختیار کرکے حواریون کو نمودار ہوا تھا۔ اس مین کوئی عجیب بات اور معجزہ نہین ہے کیونکہ ایسا رفع یسوع سے پہلے بھی اور اب بھی کروڑون دفعہ ہورہا ہے۔ یسوع نے ہمین نمونہ دکھایا تھا کہ انسان کو کس طرح رہنا چاہئے وہ مرگیا ہے اور اس کی روح زندہ ہے اور ہمارے درمیان حرکت کررہی ہے۔ مین اس مضمون کو انہین الفاظ کے ساتھ ختم کرتا ہون کہ وہ عیسائیت روحون کے رفع کا موجب ہوسکتی ہے۔ جو بیرونی رسومات کے پردون مین گھری ہوئی نہ ہو۔ تمام زمانے اس امر کو تسلیم کرینگے کہ انسان کے بیٹون مین سے کوئی یسوع سے بڑھکر نہین ہوا +

راقم او۔ ایل۔ ہاروے ساکن وسٹ لیفٹ انڈیانہ
ملک یونائٹڈ سٹیٹس امریکہ —

ہم اس چٹھی کو بغیر کسی قسم کی رائے کے چھاپ دیتے۔ لیکن بعض اہم سوالات پر مسٹر ہاروے کی غلط راؤن نے مفصلہ ذیل مختصر ریمارک لکھنے کی ضرورت پیدا کی ہے۔

اپنی چٹھی کے آغاز ہی مین وہ فرض کرتا ہے کہ ہر ایک مذہب مین کچھ صداقت اور کچھ جھوٹ ہوتا ہی ہم اسکا نام امر مفروضہ یا خیالی رکھتے ہین کیونکہ یہ ایک بے دلیل خیال ہے اور اس کی تائید مین کوئی معقول بات پیش کرنے کی سعی نہین کی گئی ہے۔ یہ ہرگز قابل یقین نہین ہے کہ مسٹر ہاروے نے تمام مذاہب کی کتابون کا مطالعہ کیا ہے۔ یا کہ وہ اس حیثیت و قابلیت کا آدمی ہے کہ وہ ان جملہ مذاہب کے حسن و قبح (جھوٹ و راستی) مین امتیاز کر سکے۔ ہان ہم یہ تسلیم کرتے ہین کہ اس نے عیسائیت کی چھان بین کی ہے اور اسی سے اس نے دیگر جملہ مذاہب کے متعلق ایسا خیال کر لیا ہے۔ ہم اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہین کہ جو جھوٹ اسے عیسائیت مین ملا ہے اس جھوٹ کی اس نے تصریحاً تردید کی ہے۔ لیکن ایک خاص مذہب کے متعلق خیال کو عام کر دینا ٹھیک نہین ہے۔ چاہیئے تھا کہ پہلے وہ صداقت کے پرکھنے کے لئے کوئی معیار مقرر کرتا۔ اور ہم اسکو دکھلاتے کہ اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جو ایک طرف تو ہر ایک قسم کی غلطی و دروغ سے مبرّا ہونے کا دعوے کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے اس دعوے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ روئے زمین پر اور کوئی ایسا مذہب نہین ہے جو ان ہر دو امور مین سے ایک کو بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ مزید برآن مسٹر ہاروے کے اپنے بیان کے رو سے جو مذہب وہ اختیار کر رہا ہے غلطی سے خالی نہین ہے۔ اور کم از کم یہ بیان کہ "کوئی مذہب جھوٹ سے خالی نہین" خود غلط ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ غور کرنے پر اسے معلوم ہو جائیگا کہ اس نے بے دلیل ایسی رو کے قائم کرنے مین غلطی کھائی ہے اور وہ اس تحقیقات پر اپنا زیادہ وقت اور طاقت خرچ کریگا۔ کہ آیا روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب بھی ہے جسکے اصول ہر ایک قسم کی خطا سے مبرّا ہین۔ مختلف مذاہب جیسا کہ وہ کہتا ہے نصف قطر نہین ہین بلکہ دوتر ہین جن مین سے صرف ایک ہی مذہب ہے جو مرکز مین سے گذرتا ہے اور اسلئے صرف ایک ہی سچا مذہب ہے اور ہر ایک متلاشی حق کا فرض ہے کہ اسی سچے مذہب کی تلاش کرے۔

پھر مسٹر ہاروے ذکر کرتا ہے کہ دعا کا مقابلہ ایک فضول چیز ہے جس سے کوئی نتیجہ پیدا نہین ہو سکتا۔ بالفعل ہم اسکے متعلق کچھ نہین کہنے لیکن مسٹر ہاروے کو یہ یقین دلاتے ہین کہ جیسا کہ اسکا خیال ہے اسکا نتیجہ ایک مصنوعی لڑائی کا دھوان نہین ہوگا بلکہ جلتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ ہوگا جس مین

جھوٹا دغاباز جل جائے گا اور جو شخص راستباز اور خدا کے نزدیک مقبول ہو اس کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گی۔ اللہ تعالے کے عجیب کام اور قدرتین ظاہر ہونگی جب وہ باتین ظاہر ہونگی جن کو کوئی انسانی آنکھ نہین دیکھ سکی۔ بلکہ خود اللہ تعالے نے اپنی وحی کے ذریعہ اپنے بندے پر ظاہر کین۔ اسکے بعد مسٹر ہاروے کہتا ہے کہ قانون قدرت لاتبدیل اور اٹل ہو اور دعا سے نہ قانون بدل سکتا ہے نہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ اس مین کچھ شک نہین ہے کہ یہ ان لوگون کا خیال ہے جن کو خدا تعالے پر ایمان نہین۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالے کا دعا کو قبول فرمانا۔ اور اس کی تاثیر ہی صرف ایک راہ ہو جس سے اللہ تعالے کی شناخت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ذریعہ سے اسکو نہین پاتے وہ واقعی تاریکی مین پڑے ہوئے ہین۔ وہ نہین جانتے کہ انکا خدا کیسا طاقت ور ہے۔ نہین ان کو تو اس کے وجود کا بھی یقین نہین ہے۔ صرف یہی دروازہ تھا جس دروازہ سے انبیاء نے اللہ تعالے کو پایا ہو۔ مسٹر ہاروے کہتا ہے کہ یسوع کی تعلیم اور اس کا نمونہ انسان کو نجات دیتا ہے لیکن وہ یہ بھول گیا ہے کہ یسوع کی زندگی مین دعا کا کیسا نمونہ ملتا ہے اور کس طرح پر اپنے پیرؤون کو اس نے دعا کی تعلیم دی۔ جبتک اللہ تعالے کو اس کی عظیم الشان طاقتون کے ساتھ جو قبولیت دعا سے ظاہر ہوتی ہین اور اسکے عجیب وسیع علم کے ساتھ جو پیشگوئیون کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے شناخت نہ کیا جاوے تب تک اللہ تعالے پر ایمان کیا ہے ایک تمسخر و مضحکہ ہے۔ مادہ پرست انسان کی آنکھون پر ایک پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور جب تک یہ پردہ اس کی آنکھون سے دور نہ ہو وہ اللہ تعالے کو اس کی عظمت و شان و شوکت و جاہ و جلال کے ساتھ نہین دیکھ سکتا۔ لیکن اللہ تعالے کی شناخت کی یہ راہ عیسائیت کے واسطے عرصہ سے بند ہو چکی ہے۔ اسواسطے عیسائی اللہ تعالے کو نہین دیکھ سکتے۔ اسلام مین یہ راہ کھلی ہے۔ اور اسلام مین اس وقت وہ انسان کامل موجود ہے جو اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اللہ تعالے دعاؤن کو سنتا ہے اور اپنے پیارے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے اس پر اپنے عجیب الہام و وحی بھیجتا ہے۔ اب وقت ہو کہ اس خدا کے بھیجے ہوئے کی آواز پر کان دھرا جاوے کیونکہ صرف یہی راہ ہے جس سے اللہ تعالے کے وجود کا پتہ لگتا ہے اس لئے ہم مسٹر ہاروے کو نصیحت کرتے ہین کہ دعا اور پیشگوئیون کے مضمون پر اسے بہت توجہ سے غور کرنا چاہئے اور صرف چند مہمل الفاظ سے اسکو رد نہ کرنا چاہئے۔ دعا کے مضمون پر کسی قدر

گذشتہ پرچون مین بھی بحث ہوچکی ہے۔ اور کسی مناسب موقعہ و وقت پر پھر بھی اس پر کچھ لکھا
جاوے گا٭

مسٹر باروے کی چٹھی کا نہایت ہی عجیب دلچسپ حصہ یسوع کے فرار کے متعلق ہے۔ وہ کہتا
ہے کہ فرض کر لو کہ یہ تمام واقعات ثابت شدہ ہین۔ مان لو کہ زمانہ بھی وہی تھا۔ مان لو کہ یہ شام کا ایک
یہودی تھا جو ہندوستان کو آیا۔ مان لو کہ اسکا نام بھی یسوع تھا۔ یہ بھی مان لو کہ اس فرار شدہ کی زندگی
اور چال چلن یسوع جیسے ہی تھے۔ لیکن اس پر بھی مسٹر باروے اسے وہ یسوع نہین سمجھتا جس کا
حال ٹھیک یا شائد غلط طور پر انجیلون مین درج ہے۔ اور جب ہم ان ثابت شدہ واقعات پر باقی ثابت
شدہ واقعات بھی ایزاد کر دین اور مان لین کہ یہ وہی یسوع ہے جس نے باغبان کے لباس مین
بھیس بدلا۔ یہ وہی یسوع ہے جسکے زخمونکو حواریوں نے دیکھا اور مس کیا۔ یہ وہی یسوع ہے
جس کے زخمون پر مرہم عیسے جو مرہم حواریین کے نام سے بھی مشہور ہے لگائی گئی تھی۔ یہ وہی
یسوع (آسف) ہے جو بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑون کی تلاش مین نکلا تھا۔ یہ وہی یسوع ہے
جو شاہزادہ نبی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وہی یسوع ہے جسنے بشارت انجیل کی منادی و وعظ
کی کیونکہ وہ اپنی کتاب کا نام بشرے رکھتا ہے۔ تو اس کشمیری یسوع (یوز) کے متعلق سارے ثابت
شدہ واقعات آگئے۔ لیکن ہم نہین کہہ سکتے کہ مسٹر باروے کو ان سے بھی تسلی ہوتی ہے کہ نہین
کہ "ہمارا جوانمرد یسوع" اور یہ یسوع ایک ہی شخص ہے۔ جو دلایل و وجوہات اس نے دئے ہین اس نے
خیال کیا ہے کہ ان دلایل کو کوئی شہادت خواہ کتنی ہی قابل اعتبار ہو نہین توڑ سکتی پہلے یہ فرض
کر لیا گیا ہے کہ یسوع اسقدر بے خوف و خطر تھا کہ وہ دشمنون کے خوف سے کسی دوسرے ملک
مین بھاگ کر نہین جا سکتا تھا۔ اور اسی ایک فرضی بات پر تمام وجوہات مخالف کو جھوٹ سمجھ
لیا گیا ہے۔ اول تو ہم یہ نہین کہتے کہ صرف یہودیون کے خوف کی وجہ ہی سے یسوع مشرق کیطرف
چلا گیا تھا۔ اسکو بخوبی علم تھا۔ کہ یہ اس کا فرض تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ فرقون کو انجیل کی
منادی کرے۔ اس نے گم شدہ بھیڑونکا بار بار اپنے وعظون مین ذکر کیا تھا۔ اسواسطے اس کا
افغانستان اور کشمیر کو جانا ایک پہلے ارادے کا پورا کرنا تھا۔ اسی طرح پر انجیل کے اور مقامات سے
بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک کی طرف جانا چاہتا تھا اس نے یہ

کہا تھا کہ نبی بےعزت نہیں ہوتا۔ مگر اپنے وطن میں۔ اسکا ہندوستان کو آنا صرف شام کے یہودیوں کے خوف کیوجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ان یہودیوں کی سخت دلی پر مایوسی اور حکم الہی کی تعمیل کی وجہ سے تھا ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بتقاضائے بشریت اس نے یہودیوں سے بھی خوف کیا۔ اور اس لئے احتیاط مناسب کو عمل میں لایا۔ صرف ایک ہی موقعہ ایسا نہیں تھا جس پر اس نے ایسا خوف ظاہر کیا۔ بلکہ جب کبھی کسی پرجوش جماعت یا مجمع سے اسے جان کا خطرہ ہوتا تھا تو وہ بھاگ جایا کرتا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو مسٹر بار وے صاف لفظوں میں اقرار کرتا ہے کہ یسوع بے خطا نہیں تھا معصوم نہیں تھا۔ اور دوسرے نقصوں سے خالی نہیں تھا۔ بلکہ اسکو ایک معمولی انسان (ہاں نیک انسان) سمجھتا ہے۔ لیکن بے خوف اور نڈر ہونے کے معاملہ میں پھر وہ اس کو خدا بنا کر اس کی پرستش کرنا چاہتا ہے۔ کیا ڈرنا انسان کا خاصہ نہیں ہے یہ عجیب تماشہ ہے۔ اگر یسوع کامل عیبوں سے خالی نہ تھا۔ اگر وہ ہر موقعہ پر اخلاقی نقصوں سے بچا ہوا تھا تو یہ کیونکر ناممکن تھا کہ وہ ڈر جائے۔ یہ اپنی طرف سے بے دلیل ایک خط امتیاز کا کھینچ دینا ہے۔ علاوہ ازیں انجیلوں سے تو کہیں یہ پتہ نہیں لگتا کہ وہ ایسا بیخوف تھا جیسا مسٹر بار وے اسکو بتاتا ہے اور پھر خود اناجیل کو بھی تو مسٹر بار وے معتبر نہیں مانتا بلکہ اسکا یہ خیال ہے اور سچا خیال ہے کہ ان میں بہت سارے جھوٹے قصے اور مبالغہ آمیز کہانیاں درج ہیں پھر کیوں ممکن نہیں کہ اگر واقعی اناجیل میں یسوع کو بیخوف ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ تو یہ بھی ان کتابوں کے دوسرے مبالغہ آمیز بیانوں کی طرح ایک مبالغہ آمیز بیان ہو کیونکہ یسوع کا ایک انسان ہونا مسلم امر ہے اور ڈرنا انسان کا خاصہ ہے۔ یہ پرلے درجہ کی حماقت ہو کہ اسقدر پر زور اور مضبوط شہادتوں کو اس بیہودہ بہانے پر رد کر دیا جاوے کہ یسوع ایسا بہادر تھا کہ وہ ڈر نہیں سکتا تھا۔

آگے چل کر مسٹر بار وے کہتا ہے کہ سوال یہ نہیں کہ یسوع کہاں یا کس طرح مرا بلکہ یہ ہو کہ اس کی زندگی کیسی تھی۔ اور اس نے کام کیسے کئے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یسوع کی زندگی اور اسکے کاموں کی کوئی صحیح تاریخ ہمارے ہاتھ میں نہیں اور مسٹر بار وے خود ہی ہمیں یقین دلاتا ہے کہ اناجیل میں جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں اور یہ کتابیں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ لیکن چونکہ انجیلوں کے سوا اور کوئی غلط یا صحیح تاریخ ہمارے ہاتھ میں ہی نہیں تو بالآخر اناجیل کیطرف ہی رجوع کرنا پڑے گا اور چونکہ مسٹر بار وے

کے خیال مین ہمین یسوع کے افعال کی پیروی کرنی چاہئے اسلئے ضروری ہوا کہ اس کی طرح ہم بھی جن اور بھوت نکالا کرین - پانی پر چلا کرین - پانی کی شراب بنایا کرین - اور اسی طرح کے سینکڑون اور کام کرین جن کو اب کھلے کھلے طور پر تاریکی کے زمانہ کے بیہودہ خیالات کہا جاتا ہے - اسلئے کم از کم یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جو کام خصوصیت سے یسوع نے کئے وہ ہم نہین کر سکتے - یا یون کہو کہ وہ ہمین کرنے نہین چاہئے شاید مسٹر ہاروے کہے گا کہ اگرچہ ہمین اسکے سے افعال نہین چاہئے - مگر جو باتین اس نے کہی ہین ان کی پیروی کرنی چاہئے تو پھر ہم سنجیدگی سے اس سے یہ سوال کرتے ہین اور جواب کی امید رکھتے ہین کہ دنیا مین کس قدر ایسے عیسائی ہین اور کیا خود مسٹر ہاروے بھی ان مین سے ایک ہے جنکے جب دائین گال پر تھپڑ لگایا جائے تو وہ دوسرا آگے کر دیتے ہین - اور اگر کوئی ان کو ایک میل ساتھ جانیکے لئے مجبور کرے تو وہ دو میل چلے جاتے ہین - اور ان سے کوئی کوٹ چھین لے تو وہ چغہ بھی ساتھ اتار دیتے ہین - اور اگر انکے ہاتھون سے کوئی گناہ کا ارتکاب ہو تو وہ اپنے ہاتھون کو کاٹ دیتے ہین - اور ان کی آنکھ گناہ کرے تو اسے باہر نکال پھینکتے ہین - ہم یہ نہین کہتے کہ ایسا کوئی بھی آدمی دنیا مین موجود نہین ہوگا لیکن ہم ایسے عیسائیونکی ٹھیک تعداد معلوم کرنا چاہتے ہین اور اتنی بات ساتھ اور بھی معلوم کرنا چاہتے ہین کہ ایسے لوگ کہان رہتے ہین - آیا کسی پاگل خانے مین بند ہین یا باہر کھلے پھرتے ہین +

اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف تو عیسائیون نے دیکھ لیا ہے کہ یسوع کے متعلق اناجیل مین بہت ساری فضولیات بھری ہوئی ہین اور دوسری طرف یسوع کی کورانہ عزت ان کے دلون سے محو نہین ہوتی خواہ وہ سوسائٹی کے ڈر سے ہو یا کسی اور وجہ سے جسکا معلوم کرنا ہمارے سے مشکل ہو - اب یسوع کو خدا تو نہین مانا جاتا لیکن ایک ویسا کیطرح اس کی ایسی تعظیم کی جاتی ہے جو پرستش کی حد تک پہنچی ہوئی ہے کوئی فقرہ ایسا نہین جو بالخصوصیت یسوع ہی کے منہ سے نکلا ہو اور کوئی کام ایسا نہین جو بالخصوصیت یسوع ہی نے کیا ہو اور جس فقرہ یا کام کو آج عقلمندی کا فقرہ یا کام مانا جاتا ہو - لیکن چونکہ ایک بیہودہ عقیدہ دو ہزار سال سے عیسائی دنیا کے خون مین رچ گیا ہے - اسلئے انکے خیالات پر ابھی تک اس سحر کا دباؤ پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ ان عقائد کو ظاہر الفاظ مین جھوٹے کہا جاتا ہے پھر بھی کسی نہ کسی رنگ مین انکی تائید کیجاتی ہے +

جب یسوع کی بڑائی ثابت کرنیکے تمام دوسرے ذرائع مین ناکامی ہوتی ہے تو پھر یہ کہا جاتا ہے

کہ جس بہادری سے اس نے موت کو قبول کیا وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ ہے۔ بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس نے بہادری سے موت کو قبول کیا تو یہ نتیجہ اس سے کیونکر پیدا ہو گیا کہ آدم کے بیٹون مین ایک بھی ایسا نہین جو اس سے بڑھ کر ہو۔ ابھی چند مہینے ہوئے ہین کہ مولوی عبد اللطیف صاحب نے جو افغانستان کے ایک مشہور عالم تھے اور تقوے اور فضیلت مین سارے ملک مین شہرت رکھتے تھے صرف ایمان کی خاطر موت کو بڑی بہادری سے قبول کیا اور پھر ان واقعات کو بھی دیکھنا چاہیئے جنکے ماتحت یسوع مارا گیا۔ مختصر الفاظ مین اسکا قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بڑھئی کا کام کرتا تھا پھر بھوتون کے نکالنے کا کام شروع کیا اور چند آدمی اسکے گرد جمع ہو گئے کچھ دھوبی اور کچھ مچھوے۔ لیکن با این ہمہ اسکے پاس اتنی جگہ نہ تھی جہان وہ سر رکھ سکتا۔ نہ اسکا کوئی گھر تھا اور نہ ہی بال بچے اور بیوی تھی جنکا اسے فکر ہوتا یا جنہین اسکا فکر ہوتا۔ اس بے سر و سامانی کی حالت مین ایک مجمع کا اسکے گرد جمع ہو جانا حکام کی نظر مین فتنہ اور فساد کے اندیشہ سے خالی نہ تھا لیکن وہ ایک گمنام آدمی تھا اور اسکا گرفتار کرنا آسان نہ تھا۔ اس مشکل کو اسکے خاص الخاص حواری نے حل کر دیا اور تیس روپے لیکر اپنے آقا کو پکڑوا دیا۔ اور جب پکڑا گیا تو باقی کے حواری اور شاگرد بھی سب کے سب بھاگ گئے اور اسے تنہا چھوڑ گئے اب وہ حکام کے ہاتھ مین محض بیچارہ تھا۔ اور آخر یہودیون کی شہادت پر قتل کا حکم دیا گیا۔ گرفتار ہونیسے پہلی رات وہ ساری رات دعا اور گریہ وزاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس تمام قصے مین کونسی بات ہے جو خصوصیت سے یسوع کی بہادری اور بیخوفی کو ظاہر کرتی ہے۔ اسکے مقابلہ مین مولوی عبد اللطیف صاحب نے جو مسلمان احمدی شہید ہین بہت بڑھ کر جوانمردی دکھلائی۔ ان کی بہت بڑی جاگیر افغانستان اور برٹش انڈیا مین تھی۔ انکے شاگرد امیر کے بڑے بڑے عہدہ دار تھے۔ انکا گھر تھا اور بال بچے اور بیوی بھی تھی وہ اپنی پرہیزگاری اور علمیت کیوجہ سے سارے ملک مین شہرت رکھتے تھے اور جو بات سب سے بڑھکر انکی جوانمردی کو دکھلاتی ہے وہ یہ ہے کہ انکو بار بار موقعہ دیا جاتا تھا کہ اگر وہ توبہ کرین تو چھوڑ دئے جاوینگے اور ان کی ساری عزت اور جاگیر انکو واپس دیجاوے گی۔ بلکہ امیر نے خود بار بار ان سے یہ التجا کی کہ وہ مسیح موعود کے متعلق اپنے عقیدے سے توبہ کرین تو عزت اور احترام سے انکو رہا کیا جاوے گا مگر اس جوانمرد نے ایسی بہادری سے جس کی نظیر تلاش کرو تو ملنی مشکل ہو ایمان کو جسکے ساتھ ایک بیدردی کی موت تھی دنیاوی عزت و جاہ پر جسکے ساتھ ہر قسم کا امن اور آسایش تھی ترجیح دی۔ بات یہ ہے کہ یسوع کی بڑائی اسمین

نہین کہ اس نے بہادری سے موت کو قبول کر لیا۔ بلکہ اس بات مین ہے کہ اپنی قوم کی اصلاح کیخاطر
اس نے ایک لمبے اور دور دراز کے سفر کے مصائب اور شدائد بخوشی برداشت کئے اور افغانستان
اور کشمیر تک جا پہونچا۔ وہ یہودی جو ان مشرقی ممالک مین آباد ہو گئے تھے۔ ان کو اپنے مغربی ہمقومون
سے جدا ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عیسے مین سچا قومی جوش نہ ہوتا اور انکو حکم الہی کی
فرمانبرداری منظور نہ ہوتی تو وہ ان کی طرف خیال بھی نہ کرتے۔ یسوع کی تمام زندگی مین ایک بھی
واقع ایسا نہین جو اسکے برابر نمونہ ٹھہر سکے کیونکہ اس نے ہر طرح کی مصیبت اور تکلیف کو اپنی قوم
کی بہبودی کیخاطر اپنے اوپر گوارا کیا۔ اور یہ دراصل سب انبیاء کا عظیم الشان خاصہ ہے وہ صرف
سچائی کی تعلیم ہی نہین دیتے بلکہ اپنی قوم کی خاطر ہر طرح کے دکھ اور مصیبت کے برداشت کرنیکو تیار
ہوتے ہین۔ اس خصوصیت مین بھی ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم باقی انبیاء پر فضیلت رکھتے تھے
کسی نبی نے اسقدر تکالیف اور مصائب برداشت نہین کئے جسقدر کہ آپنے برداشت کئے اور
نہ ہی کسی نے اسقدر صبر اور استقلال دکھونکے برداشت کرنے مین دکھایا ہے جسقدر کہ آپنے دکھایا
تیرہ برس تک برابر آپ بڑے بڑے ظلمون اور عظیم الشان مصائب کو صبر سے برداشت کرتے
رہے اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اپنے لوگون کو دین حق کیطرف بلاتے تھے۔ ایک دفعہ قریش
نے اکٹھے ہو کر کہا کہ آپ ہمارے بادشاہ بن جائین اور ہمارے خزانون کے مالک ہو جائین لیکن یہ
وعظ چھوڑ دین تو آپنے ایسے استقلال کے ساتھ جس کی نظیر دنیا مین نہین ملتی ان کو یہ جواب دیا کہ
اگر سورج میرے دائین اور چاند میرے بائین رکھ دیا جاوے تو مین اس کام کو نہین چھوڑ سکتا۔
کیا یسوع کی زندگی مین کوئی نمونہ اس قسم کا پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب اس طرح سے قریش مایوس
ہو گئے تو پھر انہون نے اپنی تمام کوشش اس مین لگا دی کہ اس نئے مذہب کا ابتدا مین ہی خاتمہ
کر دین۔ اور کوئی دقیقہ دکھ دینے کا نہ چھوڑا۔ لیکن آپنے اور آپ کے ساتھیون نے ہر ایک
دکھ اور تکلیف کو ایسے صبر اور تحمل سے اور ایسے استقلال سے برداشت کیا جس کی نظیر
کسی اور نبی یا اس کے پیروؤن مین تلاش کرنا عبث ہے۔ باوجود ان سب دکھون کے جو
اہل مکہ نے آپ کو پہونچائے۔ جب آپ نے مکہ فتح کیا اور وہی لوگ جنہون نے آپ کو دکھ
پہونچائے تھے سب کے سب آپ کے ایک لفظ سے اور اتفاقاً تہ تیغ ہو جاتے تو اسوقت

آپ نے وہ اولوالعزمی اور عفو کا نمونہ دکھایا جو ساری دنیا کی تاریخ مین ایک انسان مین بھی نہین ملتا۔ یعنے سب کے سب کو بخشدیا۔ یہ وہ انسان کامل ہے جس کی نسبت واقعی طور پر یہ کہہ سکتے ہین کہ آدم کے بیٹون مین سے ایک بھی نہین جو اس سے بڑا ہو۔ وہ مصائب اور تکالیف کے زمانے مین بھی بڑا تھا اور پھر خوشحالی اور فتح کے زمانے مین بھی بڑا تھا۔ یہ دونون باتین اور کس کو نصیب ہوئین۔ پس وہی قابل تقلید نمونہ ہے۔ جسکا ہر ایک فعل پیروی کے قابل ہے۔ اور جس کی پیروی سے انسان فرشتون مین داخل ہو سکتا ہے۔

تازہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(جو ۴۔ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء کو ہوا)

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَہُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔

"التماس ضروری"

حضرت اقدس کے اُس تاکیدی ارشاد کے بعد ہمین اس رسالہ کے اجرائے و شیوع کی اصل اغراض و مقاصد ظاہر کرکے اسلام کو جملہ مخالفین کے مہلک حملون کی باد صرصر سے بچانے اور اسکے قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام مین دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت و جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کے دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا اب اسکے قیام و استحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کی غرض سے لمبے چوڑے الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہی کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جس قدر تاکید اکید فرمائی ہی اور حد سے بڑھے ہوئے پرزور الفاظ مین اپنے مخلصین کو اسکی خریداری کیجانب ملتفت کرنا چاہا ہی اس سے بڑھکر اور کوئی تاکید نہین ہو سکتی۔ کیا اپنی جماعت کے مخلص و پُرجوش با ہمت احباب کے لئے حضرت اقدس کی جانب سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص المردون کو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہی اپنی ہمت دکھلاوین جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ اس رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کے واسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہی کہ "تمہین معلوم نہین کہ اس وقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید مین جوش مین ہی واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا۔ مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو"

تو اس ارشاد حضرت اقدس مین سے چند کلمات بغرض آگاہی مخلص احباب کے نقل کئے جاتے ہین ورنہ ویسے تو اس ارشاد کا ہر ایک لفظ تاکید مجسم ہی۔ اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لئے سخت تاکید فرماتے ہوئے اُس ارشاد کی آخری سطور مین ظاہر فرمایا ہی کہ اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پہ قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہی بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہی۔ اگرچہ حضرت اقدس کے اُس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی جماعت کے بعض احباب نے بغرض اشاعت کی امداد

اور اشاعت مین حتی الوسع بہت سعی فرمائی۔ اور اپنے اخلاص مندی ہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہی۔ کہ تعداد خریداری ۹ سو سے اٹھارہ سو بیس ۱۸۲۰ تک پہونچگئی ہی۔ مگر ایام حال مین اپنے مخلص احباب کی اس ترقی پر فی سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر بہ نسبت اوایل کے نرمی سی دکھائی دی ہی حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کو اس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہی جس تعداد تک پہنچانیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہی۔ اس چھاپنے کا بجز اسکے کوئی اور باعث نہین کہ تا حال اپنی جماعت کے جملہ افراد کے کانون تک اس ارشاد حضرت اقدس کے پر زور تاکیدی الفاظ کی آواز نہین پہنچی ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پر جوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین۔ اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر کم التفاتی۔ اس دو لاکھ سو بھی زیادہ احمدیہ جماعت کے احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے +

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کے مفاد اس امر کے مقتضی ہین کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہے۔ تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ سا مچا دیا ہی جس سے مخالفوں کے دلوں مین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہو گئی ہین حال ہی مین اسٹیمر لیا سے ایک یورپین کی چٹھی آئی ہی جس مین وہ اس رسالہ کے مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کر کے کہتا ہی کہ اُسکے پر حقایق دلچسپ مضامین مین متلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہی امید ہی کہ اسکی مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے کیون نہ ہو پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت و سعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہ سکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کے مخلص احباب۔ انمین احکام کی بجا آوری کا خیال و تحریک پیدا نہ ہو۔ بشبہات ایدکے مین جو کام ہونا ہے اور جن اغراض کیلئے اسکا امور آیا ہی وہ سب ہو کر ہی رہینگی۔ یہ تو صرف جماعت کے واسطے ثواب عقبیٰ حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہی۔ ما در من قال ... بمنت ابن احمد نصرت راہ ہدایت کی ورنہ ... حسنات دارین حاصل کرنے کا عین وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانے کی توفیق بخشے تا کہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کر کے سابق بالخیرات بنین۔ آمین۔ ثم آمین۔ والسلام ——

مشتہر

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم ... مطبوع ہوا

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✢ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا

چندہ سالانہ اُردو پرچہ......... عہ/

"ضروری عرض داشت"

"قابل توجہ جمیع مخلص و ذی ہمت احباب"

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کے پُرزور دل کو کپکپا دینے والے الفاظ جماعت احمدیہ کے اکثر حصہ احباب کے کانون تک عرصہ سے پہنچ چکے ہین اور بدین خیال کہ پاک جماعت احمدیہ کا کوئی فرد بوجہ عدم اعلام اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی بجاآوری سے قاصر رہکر ثواب دارین سے محروم نہ رہے۔ ہم نے پچھلے پرچہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء مین حضرت اقدس کے ان تاکیدی برکت مجسم الفاظ کا اعادہ کرکے اپنے جملہ برادران کو توجہ دلائی تھی کہ حتی الوسع سعی کما ینبغی کرکے پیارے امام عم کی اس ندا کو جملہ افراد جماعت احمدیہ کے کانون تک پہونچایا جاوے۔ جس سے جملہ بھائیونکو اپنے امام مطاع عم کی بجاآوری کا موقعہ ملے جو ان کے لئے باعث حصول حسنات دارین ہو۔

سو شکر ہے کہ حسب منشائے "الاعمال بالنیات" ہماری یہ کوشش بے اثر و خالی از منفعت نہین گئی اور چونکہ محض نیک نیتی سے بغرض ثواب یہ آواز اپنے بھائیون کے کانون تک پہونچانیکا ارادہ کیا گیا تھا۔ اسواسطے اُسی محرک القلوب حقیقی کی تحریک سے امام صادق عم کے فرمان پر سر جھکا دینے والی پاک روحین اس ارشاد کی تعمیل کیطرف ملتفت ہونے لگی ہین۔ اور درخواستہائے خریداری کا آنا شروع ہوگیا ہے مگر ابھی اس رفتار مین وہ سُرعت پیدا نہین ہوئی جو تعداد خریداری کو حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہونچانیکے لئے مکتفی ہو اسواسطے اسکو سریع الرفتار کرنیکے لئے اپنی جماعت کے مخلص پُرجوش و باہمت احباب کی بہت زیادہ توجہ درکار ہے۔ اور امید واثق ہے کہ ایسے احباب اس کار خیر دینی مین جو مفاد دارین کا ایک سرچشمہ ہے خاص حصہ لیکر مامور و مرسل من اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دینگے اور حسب استطاعت خود خریدار بنکر یا اور خریدار پیدا کرکے یا حسب توفیق اعانت اشاعت رسالہ مین ہاتھ بٹاکر ثواب عقبیٰ حاصل کرینگے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام

مینیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نماز کی حقیقت اور برکات

(از حضرت مسیح موعود)

دُعا کے متعلق یہ عموماً اعتراض کیا جاتا ہے کہ دعا اور تدبیر دو ایک دوسرے کے مخالف طریق ہین اور اس لئے چونکہ ہمارے کاروبار تدابیر سے چل رہے ہین دعا کی کوئی حاجت نہین اور اس اعتراض کے کرنیوالے نہ صرف وہی لوگ ہین جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہین بلکہ بعض ایسے لوگ بھی ہین جو مسلمان کہلاتے ہین سو ایسے سب صاحبون کو واضح ہو کہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے۔ خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمین بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہین۔ یا اگر ہم طلب کرنے مین احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہون یا اگر اس مین کامل نہ ہون تو مثلاً اس غور اور فکر کے لیئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہین اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اُسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن مین آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظون مین دعا کہہ سکتے ہین کیونکہ فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش مین نہایت عمیق دریا مین اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہین تو ہم ایسی حالت مین بہ زبان حال اس اعلےٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہین جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہین غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے مین بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تیئن عاجز پا کر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی

ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔ اسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور مجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اُس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالےٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کیطرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنیوالا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیساکہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ مجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہے جسکو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کے لئے ایک امر ابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پل پر سے گذرنا پڑتا ہے۔ پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیر میں کوئی تناقض ہے۔ دعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا؟ علاوہ اسکے جیساکہ تدبیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی

صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبایع کسی مصیبت کے وقت جس طرح
تدبیر اور علاج کیطرف مشغول ہوتی ہین ایسا ہی طبعی جوش سے دُعا اور صدقہ اور خیرات کیطرف جھکجاتی ہین۔ اگر
دُنیا کی تمام قومون پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہا مسئلہ کے برخلاف
ثابت نہین ہوا پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قومون
کو یہی فتوےٰ دیا ہے کہ وہ دُعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کرین بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کرین۔
غرض دُعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہین کہ جو قدیم سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیون
کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہین اور تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک
اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی مین ہے کہ وہ تدبیر کرنیسے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے
تا اُس چشمۂ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیرین میسر آسکین۔
پھر جبکہ قانون قدرت ہی بتلا رہا ہے کہ علم طب ظنی ہے اور تمام تدابیر اور معالجات بھی ظنی تو اس صورت
مین کس قدر بد نصیبی ہے کہ ایسے ظنیات پر بھروسہ کرکے مبدء فیض اور رحمت سے بذریعہ دعا طلب فضل نہ کیا
جائے۔ دعا سے ہم کیا چاہتے ہین یہی تو چاہتے ہین کہ وہ عالم الغیب جسکو اصل حقیقت مرض کی بھی معلوم
ہے اور دوا بھی معلوم ہے وہ ہماری دستگیری فرماوے اور چاہے تو وہ دوائین ہمارے لئے میسر کرے جو
نافع ہون اور یا اپنے فضل اور کرم سے وہ دن ہی ہمکو نہ دکھلاوے کہ ہمین دواؤن اور طبیبون کی حاجت پڑے
کیا اس مین شک ہے کہ ایک اعلےٰ ذات تمام طاقتون والی موجود ہے جسکے ارادہ اور حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہین اور
جس طرف اسکا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اسی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے
کہ کسی ملک کی حالت صحت کسی وقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کردیتا ہے جن سے پانی اس ملک کا ہر ایک
عفونت سے محفوظ رہے اور ہوا مین کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذا صالحہ میسر آوے اور دوسرے تمام
مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مضر صحت ہین ظہور اور بروز نہ کرین اور اگر وہ کسی ملک کیلئے وبا اور
موت کو چاہتا ہے تو وبا کے پیدا کرنیوالے اسباب پیدا کردیتا ہے کیونکہ ملکوت السموات والارض اسی کے ہاتھ مین
ہے اور ہر ایک ذرہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اُس کی آواز سنتا ہے یہ نہین کہ وہ دنیا کو پیدا کرکے معطل اور
بے اختیار کی طرح الگ ہو کر بیٹھ گیا ہے بلکہ اب بھی وہ دنیا کا خالق ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا چند سال مین ہمارے
جسم کے پہلے اجزا تحلیل پا جاتے ہین اور دوسرے اجزا ان کی جگہ آجاتے ہین سو یہ سلسلہ خلق اور آفرینش ہے۔

جو برابر جاری رہتا ہے ایک عالم فناپذیر ہوتا ہے اور دوسرا عالم اس کی جگہ پکڑتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا خدا قیوم العالم
بھی ہے جسکے سہارے سے ہر ایک چیز کی بقا ہے یہ نہین کہ اس نے کسی روح اور جسم کو پیدا نہین کیا یا پیدا کر کے
الگ ہو گیا بلکہ وہ فی الواقع ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک موجود محض اس سے فیض پاکر قائم رہ سکتا
ہے اور فیض پاکر ابدی زندگی حاصل کرتا ہے جیسا کہ ہم بغیر اُسکے جی نہین سکتے ایسا ہی بغیر اُسکے ہمارا وجود بھی
پیدا نہین ہوا پس جبکہ وہ ایسا خدا ہے کہ ہماری حیات اور زندگی اسی کے ہاتھ مین ہے اور اسی کے حکم سے
ہمارے وجود کے ذرات ملتے اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہین تو پھر اسکے مقابل پر یہ کہنا کہ بغیر اس کی امداد اور
فضل کے ہم محض اپنی تدبیرون پر بھروسہ کر کے جی سکتے ہین کس قدر فاش غلطی ہے نہین بلکہ ہماری تدبیرین
بھی اسی کی طرف سے آتی ہین۔ ہمارے ذہنون مین تبھی روشنی پیدا ہوتی ہے جب وہ بخشتا ہے۔ پانی اور
ہوا پر بھی ہمارا تصرف نہین۔ بہت سے اسباب ہین جو ہمارے اختیار سے باہر اور صرف قبضۂ قدرت خدا تعالیٰ
مین ہین جو ہماری صحت یا عدم صحت پر بڑا اثر ڈالنے والے ہین جیسا کہ اللہ جلشانہ قرآن شریف مین فرماتا
ہے۔ **وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون**۔ یعنے ہواؤن
اور بادلون کو پھیرنا یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے اور اس مین عقلمندون کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکے اختیار کامل کا
پتہ لگتا ہے۔ اور یہ پھیرنا دو قسم پر ہے ایک ظاہری طور پر اور وہ یہ ہے کہ ہواؤن اور بادلون کو ایک جہت
سے دوسری جہت کیطرف اور ایک مقام سے دوسرے مقام کیطرف پھیرا جائے، دوسری قسم پھیرنے
کی باطنی طور پر ہے اور وہ یہ کہ ہواؤن اور بادلون مین ایک کیفیت تریاقی یا سمی پیدا کر دیجائے تا موجب
امن و آسایش خلق ہون یا امراض وبائیہ کا موجب ٹھہرین سو ان دونون قسمون کے پھیرنے مین انسان کا دخل
نہین اور بکلی انسانی طاقت سے باہر ہین اور با این ہمہ ایک یہ مشکل بھی پیش ہے کہ ہماری صحت یا عدم صحت
کا مدار صرف ان ہی دو چیزون پر نہین بلکہ ہزار در ہزار اسباب ارضی و سماوی اور بھی ہین جو دقیق در دقیق
اور انسان کی فکر اور نظر سے مخفی ہین اور کوئی نہین سکتا کہ یہ تمام اسباب اس کی جدوجہد سے پیدا ہو سکتے ہین
پس اس مین کیا شک ہے کہ انسان کو اس خدا کیطرف رجوع کرنے کی حاجت ہے جسکے ہاتھ مین یہ تمام اسباب
اور اسباب در اسباب ہین اور جس طرح خدا تعالیٰ کی کتابون مین نیک انسان اور بد انسان مین فرق کیا گیا
ہے اور انکے جدا جدا مقام ٹھہرائے ہین اسی طرح خدا تعالیٰ کے قانون قدرت مین ان دو انسانون مین بھی
فرق ہے جن مین سے ایک خدا تعالیٰ کو چشمۂ فیض سمجھکر بذریعہ حالی اور قالی دعاؤن کے اُس سے قوت اور امداد

مانگتا اور دوسرا صرف اپنی تدبیر اور قوت پر بھروسہ کرکے دعا کو قابل مضحکہ سمجھتا ہے بلکہ خدا تعالے سے بے نیاز اور متکبرانہ حالت مین رہتا ہے جو شخص مشکل اور مصیبت کیوقت خدا سے دعا کرتا اور اس سے حل مشکلات چاہتا ہے۔ وہ بشرطیکہ دعا کو کمال تک پہنچا وے۔ خدا تعالے سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے اور اگر بالفرض وہ مطلب اسکو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلی اور سکینت خدا تعالے کیطرف سے اسکو عنایت ہوتی ہے اور وہ ہرگز ہرگز نامراد نہین رہتا اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اس کی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ساتھ خدا تعالے کیطرف منہ نہین کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا اور اندھا مرتا ہے اور ہماری اس تقریر مین ان نادانون کا جواب کافی طور پر ہے جو اپنی نظر خطاکار کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہین کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہین کہ باوجودیکہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا مین فنا ہوتے ہین پھر بھی اپنے مقاصد مین نامراد رہتے اور نامراد مرتے ہین اور بمقابل انکے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دعا کا قائل نہ خدا کا قائل وہ ان پر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی کامیابیان اس کو حاصل ہوتی ہین سو جیسا کہ ابھی مین نے اشارہ کیا ہے اصل مطلب دعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے اور یہ ہرگز صحیح نہین کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اسی امر مین میسر آسکتی ہے جسکو ہم بذریعہ دعا چاہتے ہین بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی کس امر مین ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمین عنایت کر دیتا ہے جو شخص روح کی سچائی سے دُعا کرتا ہے وہ ممکن نہین کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور نہ حکومت سے اور نہ صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ مین ہے جس پیرایہ مین چاہے وہ عنایت کر سکتا ہے ہان وہ کامل دعاؤن سے عنایت کیجاتی ہے اگر خدا تعالے چاہتا ہے تو ایک مخلص صادق کو عین مصیبت کیوقت مین دعا کے بعد وہ لذت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تخت شاہی پر حاصل نہین ہو سکتی سو اسی کا نام حقیقی مرادیابی ہے جو آخر دعا کرنیوالونکو ملتی ہے اور اُن کی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر اطمینان اور سچی خوشحالی حاصل نہین ہوئی تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دُکھ ہے سو یہ اطمینان اور روح کی سچی خوشحالی تدابیر سے ہرگز نہین بلکہ محض دعا سے ملتی ہے۔ مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہین رکھتے وہ ایک ظاہری مرادیابی یا نامرادی کو دیکھکر مدار فیصلہ اسی کو ٹھہرا دیتے ہین اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر ان ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دعا مین مشغول ہوتے ہین اور وہی بذریعہ حقیقی اور مبارک خوشحالی کے سچی مرادیابی کی دولت عظمے پاتے ہین +

یہ بڑی بے انصافی اور سخت تاریکی کے نیچے دبا ہوا خیال ہے کہ اس فیض سے انکار کیا جائے جو محض

دعا کی نالی کے ذریعہ سے آتا ہے اور ان پاک نبیوں کی تعلیم کو بنظر استخفاف دیکھا جائے جسکا عملی طور پر نمونہ ان ہی کے زمانہ مین کھل گیا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ان مقدسوں کی بددعا سے ہمیشہ وہ سرکش اور نافرمان ذلیل اور ہلاک ہوتے رہے ہین جنہوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا اثر دیکھو جسکے جوش سے پہاڑ بھی پانی کے نیچے آگئے تھے اور کروڑہا انسان ایکدم مین دار الفنا مین پہنچگئے پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام کی بددعا پر غور کرو جس نے فرعون کو اسکے تمام لشکروں کے ساتھ ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوت اور اثر کو سوچو جسکے ذریعہ سے یہودیون کا استیصال رومی سلطنت کے ہاتھ سے ہوا۔ پھر ہمارے سید و مولیٰ کی بددعا مین ذرہ فکر کرو کہ کیونکر اس بددعا کے بعد شریر ظالمون کا انجام ہوا۔

اب کیا یہ تسلی بخش ثبوت نہین ہے کہ قدیم سے خدا تعالےٰ کا ایک روحانی قانون قدرت ہے کہ دعا پر حضرت احدیت کی توجہ جوش مارتی ہے اور سکینت اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ملتی ہے۔ اگر ہم ایک مقصد کی طلب مین غلطی پر نہ ہون تو وہی مقصد ملجاتا ہے اور اگر ہم اس خطاکار بچہ کی طرح جو اپنی مان سے سانپ یا آگ کا ٹکڑہ مانگتا ہے اپنی دعا اور سوال مین غلطی پر ہون تو خدا تعالےٰ وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے اور با اینہمہ دونون صورتون مین ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے کیونکہ ہم دعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالےٰ سے علم پاتے ہین اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہین اور دعا اور استجابت مین ایک رشتہ ہے کہ ابتدا سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنیکے لئے توجہ فرماتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اسکا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے مین مشغول ہوجاتا ہے اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اُس امر کے ہوجانیکے لئے مصروف کرتا ہے تب اس مرد فانی کی دعائین فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہین اور خدا تعالےٰ ایسے نئے اسباب پیدا کردیتا ہے جنسے کام بنجائے۔ یہ دعا اگرچہ بعالم ظاہر انسان کے ہاتھ سے ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ انسان خدا مین فانی ہوتا ہے اور دعا کرنیکے وقت مین حضرت احدیت و جلال مین ایسے فنا کے قدم سے آتا ہے کہ اسوقت وہ ہاتھ اسکا ہاتھ نہین بلکہ خدا تعالےٰ کا ہاتھ ہوتا ہے یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے جو ہزارون پردون مین مخفی ہے۔ دعا کرنیوالونکے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا قبول ہوکر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہین اور اُن کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دلمین بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارہ مین حق الیقین تک نہ پہونچ سکتا۔ دعا سے الہام ملتا ہے۔ دعا سے ہم خدا تعالےٰ

کے ساتھ کلام کرتے ہین۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کیحالت تک پہنچ جاتا ہی تب وہ زندہ خدا اُسپر ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہی۔ دعا کی ضرورت نہ صرف اسوجہ سے ہے کہ ہم اپنے دنیوی مطالب کو پا دین بلکہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانوں کے ظاہر ہونیکے جو دعا کے بعد ظاہر ہوتے ہین اس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہین سکتا جس سے بہت سے دل دور پڑے ہوئے ہین۔ نادان خیال کرتا ہی کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے مگر اسے معلوم نہین کہ صرف ایک دعا ہی ہی جس سے خداوند ذوالجلال ڈھونڈنے والوں پر تجلی کرتا اور **انا القادر** کا الہام اُنکے دلوں پر ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی مین روحانی روشنی کے طالب کے لئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالی کی ہستی پر یقین بخشتا اور تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہون وہ نہین جانتا کہ کیونکر اور کہان سے اسکو حاصل ہوئے بلکہ صرف تدبیرون پر زور مارنیوالا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال نہین کر سکتا کہ یقینًا و حقًا خدا تعالے کے ہاتھ نے اسکے مقاصد کو اسکے دامن مین ڈالا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالے سے الہام پا کر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے وہ اس کام کے ہوجانے پر خدا تعالے کی شناخت اور معرفت اور محبت مین آگے قدم بڑھاتا ہے اور اس قبولیت دعا کو اپنے حق مین ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً یقین سے پر ہوکر جذبات نفسانی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے ایسا مجتنب ہو جاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالی کے رحمت آمیز نشانوں کو نہین دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیون اور بیشمار دولت اور مال اور اسباب تنعم کے دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ کامیابیان اسکے دل پر کوئی نیک اثر نہین ڈالتین بلکہ جیسے جیسے دولت اور اقبال پاتا ہے غرور اور تکبر مین بڑھتا جاتا ہے خدا تعالے پر اگر اسکو کچھ ایمان بھی ہو تو ایسا مردہ ایمان ہوتا ہے جو اسکو نفسانی جذبات سے روک نہین سکتا۔ اور حقیقی پاکیزگی بخش نہین سکتا +

یہ بات یاد رہے کہ اگرچہ قضاؤ قدر مین سب کچھ مقرر ہوچکا ہی مگر قضاء و قدر نے علوم کو ضائع نہین کیا سو جیسا کہ باوجود تسلیم مسئلہ قضا و قدر کے ہر ایک کو علمی تجارب کے ذریعہ سے ماننا پڑتا ہے کہ بیشک دواؤن مین خواص پوشیدہ ہین اور اگر مرض کے مناسب حال کوئی دوا استعمال ہو تو خدا تعالے کے فضل و کرم سے بیشک مریض کو فائدہ ہوتا ہے سو ایسا ہی علمی تجارب کے ذریعہ سے ہر ایک عارف کو ماننا پڑا ہے کہ دعا کا قبولیت کے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ ہم اس راز کو معقولی طور پر دوسرونکے دلو نمین بٹھا سکین یا نہ بٹھا سکین مگر کروڑہا راستبازون کے

تجارب نے اور خود ہمارے تجربہ نے اس مخفی حقیقت کو ہمیں دکھلا دیا ہے کہ ہمارا دعا کرنا ایک قوت مقناطیسی رکھتا ہے اور فضل اور رحمت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے نماز کا مغز اور روح بھی دعا ہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دیگئی ہے جب ہم اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس دعا کے ذریعہ سے اس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالےٰ سے اترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے *

بعض لوگ جلدی سے کہدیتے ہیں کہ ہم دعا سے منع نہیں کرتے مگر دعا سے مطلب صرف عبادت ہے جس پر ثواب مترتب ہوتا ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ ہر ایک عبادت جسکے اندر خدا تعالیٰ کیطرف سے روحانیت پیدا نہیں ہوتی اور ہر ایک ثواب جس کی محض خیال کے طور پر کسی آیندہ زمانہ پر امید رکھی جاتی ہے وہ سب خیال باطل ہے حقیقی عبادت اور حقیقی ثواب وہی ہے جسکے اسی دنیا میں انوار اور برکات محسوس بھی ہوں ہماری پرستش کی قبولیت کے آثار یہی ہیں کہ ہم عین دعا کیوقت میں اپنے دل کی آنکھ سے مشاہدہ کریں کہ ایک تریاقی نور خدا سے اترتا اور ہمارے دل کے زہریلے مواد کو کھوتا اور ہماری پر ایک شعلہ کیطرح گرتا اور فی الفور ہمیں ایک پاک کیفیت انشراح صدر اور یقین اور محبت اور لذت اور انس اور ذوق سے پر کر دیتا ہے۔ اگر یہ امر نہیں ہے تو پھر دعا اور عبادت بھی ایک رسم اور عادت ہے ہر ایک دعا گو ہماری دنیوی مشکل کشائی کیلئے ہو۔ مگر ہماری ایمانی حالت اور عرفانی مرتبت پر گذر کر آتی ہے یعنی اول ہمیں ایمان اور عرفان میں ترقی بخشتی ہے اور ایک پاک سکینت اور انشراح صدر اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ہمیں عطا کر کے پھر ہماری دنیوی مکروہات پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور جس پہلو سے مناسب ہے اس پہلو سے ہمارے غم کو دور کر دیتی ہے پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہے کہ دعا اسی حالت میں دعا کہلا سکتی ہے کہ جب درحقیقت اس میں ایک قوت کشش ہو اور واقعی طور پر دعا کرنے کے بعد آسمان سے ایک نور اترے جو ہماری گھبراہٹ کو دور کرے اور ہمیں انشراح صدر بخشے اور سکینت اور اطمینان عطا کرے۔ ہاں حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے (۱) ایک یہ کہ اس بلا کو دور کر دیتا ہے جسکے نیچے ہم دبکر مرنے کو تیار ہیں (۲) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کے لئے ہمیں فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے۔ بلکہ اس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں طریقوں سے ثابت ہے کہ دعا سے ضرور نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اسکے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالےٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچکر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جسوقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کیطرف کامل یقین

اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردون کو چیرتا ہوا فنا کے میدانون مین آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اسکے ساتھ کوئی شریک نہین تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلّشانہٗ اس کام کے پورا کرنے کیطرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہین جو اس مطلب کے حاصل ہونیکے لئے ضروری ہین مثلاً اگر بارش کیلئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کیلئے ضروری ہوتے ہین اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہین اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا مین ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی مین تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانون کے دلون کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابون مین اسکی نظیرین کچھ کم نہین ہین بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔ اور جسقدر ہزارون معجزات انبیا سے ظہور مین آئے یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنون تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اسکا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤن کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہین وہ جو عرب کے بیابانی ملک مین ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھون مردے تھوڑے دنون مین زندہ ہو گئے اور پشتون کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھون کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگون کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا مین یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتون کی دعائین ہی تھین جنہون نے دنیا مین شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتین دکھلائین کہ جو اُس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھین۔ اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک علیہ وآلہٖ بعدد ھمّہٖ وغمّہٖ وحزنہٖ لھٰذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔

اور مین اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہون کہ دعاؤن کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ مین کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہین جیسی کہ دعا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائین خطا جاتی ہین اور ان کا کچھ اثر معلوم نہین ہوتا تو مین کہتا ہون کہ یہی حال دواؤن کا بھی ہے۔ کیا دواؤن نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟

یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں۔ اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے نفع اٹھانیکے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے یہی قاعدہ دُعا کا بھی ہے۔ یعنے دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اُسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادہ الٰہی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالے نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے + پھر جب ہم اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ دار آخرت کی سعادتیں اور نعمتیں اور لذتیں اور راحتیں جن کی نجات سے تعبیر کی گئی ہے ایمان اور ایمانی دعاؤں کا نتیجہ ہیں تو ماننا پڑا کہ بلاشبہ ایک مومن کی دعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دور ہونے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر موجب نہیں ہو سکتیں تو پھر کیا وجہ کہ قیامت میں موجب ہو جائیں گی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دنیا میں کسی آفت کے دور ہونے کا موجب نہیں ہو سکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی۔ یہ بات تو نہایت صاف ہے کہ اگر ہماری دعاؤں میں آفات سے بچنے کے لئے درحقیقت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دنیا میں بھی ظاہر ہونی چاہیئے تا ہمارا یقین بڑھے اور امید بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لئے ہم زیادہ سرگرمی سے دعائیں کریں۔ اور اگر درحقیقت دعا کچھ چیز نہیں صرف پیشانی کا نوشتہ پیش آتا ہے تو جیسا دنیا کی آفات کے لئے دعا عبث ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی عبث ہوگی اور اس پر امید رکھنا طمع خام ہے +

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دعا جو خدا تعالے کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں (۱) ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالی کیطرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ (۴) چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رؤیا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے لیکن اگر کسی کو بطور

خود مرادین ملتی چاہئیں اور خدا تعالےٰ سے دوری اور مہجوبی ہو تو وہ تمام مرادین انجام کار حسرتین ہین اور وہ تمام مقاصد جن پر فخر کیا جاتا ہے آخر الامر جائے افسوس اور تاسف ہین دنیا کے تمام عیش آخر رنج سے بدل جائینگے اور تمام راحتین دُکھ اور درد دکھائی دین گی مگر وہ بصیرت اور معرفت جو انسان کو دعا سے حاصل ہوتی ہے اور وہ نعمت جو دعا کے وقت آسمانی خزانہ سے ملتی ہو وہ کبھی کم نہ ہوگی اور نہ اسپر زوال آئے گا بلکہ روز بروز معرفت اور محبت الٰہی مین ترقی ہو کر انسان اس زینہ کے ذریعہ سے جو دعا ہے فردوس اعلیٰ کیطرف چڑھتا جائے گا۔ خدا تعالےٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتین ہین جو ام الصفات ہین اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتین یہ ہین:۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین۔

(۱) ربوبیت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہون یا غیر جاندار اسی سے پیرایہ وجود پہنتے ہین۔

(۲) رحمانیت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے یعنے اس عدم محض کو جسکے وقت مین وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزون سے نہین۔

(۳) رحیمیت اپنے فیضان کیلئے موجود ذو العقل کے مُنہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے۔ اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) مالکیت یوم الدین اپنے فیضان کیلئے فقیرانہ تضرع اور الحاح کو چاہتی ہو۔ اور صرف ان انسانون سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤن کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہین اور فیض پانے کیلئے دامن افلاس پھیلاتے ہین۔ اور سچ مچ اپنے تئین تہی دست پاکر خدا تعالیٰ کی مالکیت پر ایمان لاتے ہین +

یہ چار الٰہی صفتین ہین جو دنیا مین کام کر رہی ہین اور ان مین سے جو رحیمیت کی صفت ہو وہ دعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کرکے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہو کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ مالک جزا ہے کسی کا حق نہین جو دعوے سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہو +

اب خلاصہ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتین ہین جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہین۔ اور منجملہ انکے رحیمیت کی صفت ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دُعا کرے تا اُس دعا پر فیوض الٰہی نازل ہون۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین مین بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکہ یہ چاروں صفتین لف ونشر مرتب کے طور پر

سورہ فاتحہ مین بیان کی گئی ہین اور کیونکہ صحیفۂ فطرت پر نظر ڈالکر ثابت ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے جو سورہ فاتحہ مین ہے۔ یہ چارون صفتین خدا کی فعلی کتاب قانون قدرت مین پائی جاتی ہین اب دعا سے انکار کرنا یا اسکو بے سود سمجھنا یا جذب فیوض کیلئے اسکو ایک محرک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیت ہے انکار کرنا ہے مگر یہ انکار درپردہ دہریّت کیطرف ایک حرکت ہے کیونکہ رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جسکے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤن اور تضرّعات پر الٰہی فیضون کو پاتے ہین۔ اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہین۔ تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمین چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیّت اور رحمانیّت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہین لیکن بغیر رحیمیّت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہین +

ظاہر ہے کہ امر مقدّم اور ایک بھاری مرحلہ جو ہمین طے کرنا چاہئے وہ خداشناسی ہے اور اگر ہماری خداشناسی ہی ناقص اور مشتبہ اور دھندلی ہو تو ہمارا ایمان ہرگز منوّر اور چمکیلا نہین ہوسکتا۔ اور یہ خداشناسی جبتک کہ رحیمیّت کی صفت کے ذریعہ سے ہمارا چشم دید واقعہ نہ بن جائے۔ تب تک ہم کسی طرح سے اپنے رب کریم کی حقیقی معرفت کے چشمہ سے آب زلال نہین پی سکتے۔ اگر ہم اپنے تئین دھوکہ نہ دین تو ہمین اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم تکمیل معرفت کیلئے اس بات کے محتاج ہین کہ خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیّت کے ذریعہ سے تمام شکوک و شبہات ہمارے دور ہو جائین اور خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل اور قدرت کی صفات تجربہ مین آکر ہمارے دل پر ایسا قوی اثر پڑے کہ ہمین ان نفسانی جذبات سے چھوڑائے جو محض کمزوری ایمان اور یقین کی وجہ سے ہمارے پر غالب آتے اور دوسری طرف رخ کر دیتے ہین۔ کیا یہ سچ نہین کہ انسان اس چند روزہ دنیا مین آکر بوجہ اسکے کہ خداشناسی کی پر زور کرنین اسکے دل پر نہین پڑتین ایک خوفناک تاریکی مین مبتلا ہو جاتا ہے اور جسقدر دنیا اور دنیا کی املاک اور دنیا کی ریاستین اور حکومتین اور دولتین اس کو پیاری معلوم ہوتی ہین اس قدر عالم معاد کی لذّات اور خوشحالی حقیقی کی جستجو اسکو نہین ہوتی اور اگر کوئی نسخہ دنیا مین ہمیشہ رہنے کا نکلے تو اپنے منہ سے اس بات کے کہنے کے لئے تیار ہے کہ مین بہشت اور عالم آخرت کی نعمتون کی خواہش سے باز آیا پس اس کا کیا سبب ہے یہی تو ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود اور اس کی قدرت اور رحمت اور وعدہ پر حقیقی ایمان نہین پس حق کے طالب کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس حقیقی ایمان کی تلاش مین لگا رہے۔ اور اپنے تئین یہ دھوکہ نہ دے کہ مین مسلمان ہون اور خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہون قرآن شریف

پڑھتا ہون۔ شرک سے بیزار ہون۔ نماز کا پابند ہون اور ناجائز اور بدباتون سے اجتناب کرتا ہون کیونکہ مرنیکے بعد کامل نجات اور سچی خوشحالی اور حقیقی سرور کا وہ شخص مالک ہوگا جس نے وہ زندہ اور حقیقی نور اس دنیا مین حاصل کرلیا ہے جو انسان کے منہ کو اسکے تمام قوتون اور طاقتون اور ارادون کے ساتھ خدا تعالےٰ کیطرف پھیر دیتا ہے اور جس سے اس سفلی زندگی پر ایک موت طاری ہوکر انسانی روح مین ایک سچی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ زندہ اور حقیقی نور کیا چیز ہے؟ وہی خداداد طاقت ہے جس کا نام یقین اور معرفت تامہ ہے یہ وہی طاقت ہے۔ جو اپنے زور آور ہاتھ سے ایک خوفناک اور تاریک گڑھے سے انسان کو باہر لاتی اور نہایت روشن اور پُرامن فضا مین بٹھا دیتی ہے۔ اور قبل اسکے جو یہ روشنی حاصل ہو تمام اعمال صالحہ رسم اور عادت کے رنگ مین ہوتے ہین اور اُس صورت مین ادنیٰ ادنیٰ ابتلاؤن کیوقت انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے بجز اس مرتبہ یقین کے خدا سے معاملہ صافی کس کا ہو سکتا ہے؟ جسکو یقین دیا گیا ہے وہ پانی کی طرح خدا کیطرف بہتا ہے اور ہوا کی طرح اسکی طرف جاتا ہے اور آگ کی طرح غیر کو جلا دیتا ہے اور مصائب مین زمین کی طرح ثابت قدمی دکھلاتا ہے۔ خدا کی معرفت دیوانہ بنا دیتی ہے مگر لوگون کی نظر مین دیوانہ اور خدا کی نظر مین عقلمند اور فرزانہ۔ یہ شربت کیا ہی شیرین ہے کہ حلق سے اترتے ہی تمام بدن کو شیرین کر دیتا ہے اور یہ دودھ کیا ہی لذیذ ہے کہ ایکدم مین تمام نعمتون سے فارغ اور لاپروا کر دیتا ہے مگر ان دعاؤن سے حاصل ہوتا ہے جو جان کو ہتھیلی پر رکھکر کیجاتی ہین۔ اور کسی دوسرے کے خون سے نہین بلکہ اپنی سچی قربانی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیسا مشکل کام ہے۔ آہ صد آہ ۰+

مسیح کی بنیظیری

عیسائی اخبارات اور عیسائی لیکچرار اب عام طور پر اس بات کو تسلیم کر رہے ہین کہ جس رنگ مین انیس سو سال سے عیسائی دنیا مسیح کو نجات دہندہ اور شفیع مانتی آئی ہے اب فہیم عیسائیون کا یہ عقیدہ نہین رہا اور اس لئے پرانا عقیدہ کہ نجات مسیح کے صلیب پر ایمان لانے سے ملتی ہے۔ علمی طور پر بالکل مر چکا ہے۔ چنانچہ ابھی ہاگ صاحب (یہ ایک پادری صاحب کا نام ہے) نے مدراس کے ایک عیسائی میگزین کے جنوری کے پرچے مین جس کا نام کرسچین کالج میگزین ہے۔ "عیسائیونکے نزدیک شفاعت کا مفہوم"

کے عنوان کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ یون لکھتا ہے:۔ "مسیح کو خدا اور انسانون کے درمیان ایک ہی شفیع ماننے کے خیال کو جس طرح عیسائی عقائد مین ادا کیا گیا ہے وہ ایک ایسا رنگ ہے جو ہندوستانی ادائے خیال کے پیرایون کے بالکل مخالف پڑا ہوا ہے۔ اور یہ قیاس بالکل صحیح ہے کہ اگر عیسائیت کو پہلے مستقل فتوحات بجائے یورپ کے ہندوستان مین حاصل ہوتین تو اسکے عقیدے بھی موجودہ عقائد سے بالکل نرالے رنگ کے ہوتے اور ان عقیدون کی اصطلاحین بھی کچھ اور ہی ہوتین .... اور اگر یہ قیاس صحیح ہے۔ کہ ہندوستان اگر پہلے عیسائی مذہب کو اختیار کرتا تو باوجود اسکے عیسائی ہونیکے اسکے دینی عقائد وہ ہرگز نہ ہوتے جو آج کل یورپ کے عیسائیون مین رائج ہین۔ تو کیا پھر یہ بھی بالکل سچ اور درست نہین کہ اگر گذشتہ باتین اور پرانے عقائد کسی طرح سے یک لخت دلون سے محو ہو جائین۔ اور مغرب کے عیسائی دنیا کو نئے سرے سے اپنے مذہبی عقائد تراشنے پڑین تو عیسائی متقدمین اور ابتدائی زمانے کے عیسائی بزرگون کو یہ عقائد بہ سبب بالکل نئے ہونیکے سخت گھبراہٹ مین ڈالنے والے ہون"۔ اور پھر آگے چل کر یون لکھتا ہے:۔ "اس نگاہ سے عیسائیت کے بڑے بڑے تاریخی عقائد کی نسبت یہ تو بیشک کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان ملحدانہ عقائد کے انکار کے سبب سے جو یسوع کی اصلی پیغمبری کو غلط معنے کر کے چھپانا چاہتے تھے بیش قیمت عقائد ہین لیکن یہ ان عقائد کی نسبت کسی صورت مین نہین کہا جا سکتا کہ وہ کامل اور قطعی ساخت کے عقائد ہین درحقیقت ایسے تمام اشخاص کا جو سمجھتے ہین کہ اس زمانے کیلئے یہ عقائد موزون نہین بلکہ بےمعنی ہین اور ان پر کوئی حجت قائم نہین کرتے۔ یہ فرض لازم ہے کہ وہ انکے ادا کرنیکا کوئی زیادہ مؤثر پیرایہ تلاش کرین...... شاید بعض یہ خیال کرینگے کہ ان نئے معنون کے رو سے شفاعت کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے کہ اسکا نام شفاعت رکھنا بالکل غلط اور بیجا ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ رائے ٹھیک ہی ہو"۔

اب تک تو یسوع کی شفاعت کا مغز اسکے خون کو سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اس دراز تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ایک بالکل لغو اور باطل خیال تھا ہمین اس سے کوئی تعلق نہین کہ وہ کروڑون آدمی جو اپنی ساری عمر انہی غلط اور جھوٹے عقائد مین مبتلا رہ کر گذر گئے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اور آیا اس غلطی مین مبتلا رہ کر بھی ان کو نجات ملی ہوگی یا نہین۔ البتہ پولوس کے متعلق یہ سوال کرنیکے لائق ہے کہ اگر ان خطوط کا لکھنے والا وہی ہے جو نئے عہدنامے کے مجموعہ مین اسکی طرف منسوب کئے گئے ہین تو وہ بھی اس غلط عقیدہ مین ہی پھنسا رہا۔ کیونکہ رومیون ۵ مین وہ کہتا ہے "سو اب کہ اسکے لہو کے سبب ہم راستباز ٹھہرے تو کتنا زیادہ

اسکے وسیلے فہر سے بچ رہینگے۔" آج کل کے علمائے مسیحی کے الفاظ پولوس کے الفاظ کی جو عیسائیت کا اصل بانی تھا۔ بالکل ضد پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ عبرانیون ۹/۱۴ مین وہ کہتا ہے "تو کتنا زیادہ مسیح کا لہو جس نے بے عیب ہوکے ابدی روح کے وسیلے آپکو خدا کے سامنے قربانی گذرانا۔ تمہارے دلون کو مردہ کامون سے پاک کرے گا تاکہ تم زندہ خدا کی عبادت کرو۔" اور پھر رومیون ۳/۲۵ مین ہے "جسے خدا نے آگے سے ایک کفارہ ٹھہرایا جو اسکے لہو پر ایمان لانیسے کام آوے۔" اور پھر عبرانیون ۱۲/۲۴ مین لکھتا ہے "اور یسوع کے جو نئے عہدنامہ کا درمیانی ہے اور اس چھڑکے گئی لہو کے جو ہابل کی نسبت سے بہتر باتین بولتا ہے۔" اور یہی وہ تعلیم ہے جو پولوس ساری عمر دیتا رہا۔ اب ان تمام آیات مین مسیح کے لہو کو اصل کفارہ گناہون کا ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ اس زمانے کے مسیحی علماء اس عقیدے کو غلط ٹھہراکر ایک نیا عقیدہ گھڑ رہے ہین۔ لیکن خواہ کچھ ہی ہو عیسائی اس بات پر تلے ہوئے ہین کہ پرانے عقیدے کی عمارت کے گر جانے پر اب اسی جگہ ایک نئے عقیدے کی بنا رکھ دین۔ یہ زندگی کے لئے ایک آخری مایوسی کی کوشش ہو اور اسکا انجام جلدی ہی نظر آجائے گا۔ جب وہ عقیدے جو یسوع کے نام کے ساتھ وابستہ تھے تنقید کی روشنی کے نیچے آکر پارہ پارہ ہوگئے تو اب یہ کوشش کیجاتی ہے کہ کسی طرح سے یسوع کا نام نہ مٹ جائے۔ اور اب یسوع کی یکتائی کو عیسائی مذہب کے عقائد کی عمارت کا شہتیر کہا جاتا ہے۔ اسی مذہب مین جو یسوع کے نام پر چل رہا ہے۔ ایک تو بے شک معجزانہ طاقت ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے جیسے اسکے پس و پیش کے حالات بدلتے رہتے ہین یہ بھی ایک نیا رنگ اختیار کرتا رہتا ہے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی جو خاصیت اس مین ہو وہ دوسری جگہ مشکل سے نظر آئے گی۔

ہاگ صاحب کے بیان کے مطابق مسیح کی شفاعت کے عقیدے کا نیا پیرایہ یہ ہونا چاہئے کہ یسوع کی یکتائی کا ظہور اس کی اس طاقت کے ذریعہ سے ہوتا ہے جسکا اثر وہ بیشمار انسانون پر ڈالکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کا خداوند مطلق اور آقا ہو اور وہ ایک برتر ہستی جو اب بھی زندہ اور حکم دے رہی ہو۔ اگرچہ وہ اب زمین پر نظر نہین آتی۔ نئے عیسائیون کے نزدیک شفاعت کا مفہوم بھی صرف یہی ہوگا۔ ممکن ہو کہ اس نئے عقیدے کے لئے یہ ایک بالکل غلط نام ہو۔ جیسا کہ ہاگ صاحب خود تسلیم کرتا ہے لیکن چونکہ اس سے عیسائیت کا نام زندہ رہتا ہے۔ اسلئے اسکو پرانے لہو کے عقیدے کی ایک نئی تفہیم یا نیا پیرایہ قرار دینا ہی مصلحت سمجھا گیا ہے۔ اگر حقیقت کیطرف دیکھا جائے تو یہ دونون مسئلے یعنی یہ کہ نجات صرف یسوع

مسیح کے خون سے ملتی ہے اور یہ کہ یسوع کی بینظیری عیسائیون کی زندگی پر اپنا اثر ڈالتی ہے ایکدوسرے سے کوسون دور پڑے ہوئے ہین اور ہاگ صاحب کو خود بھی ماننا پڑا ہے کہ ابتدائی عیسائی بزرگونکا تراشیدہ عقیدہ تو مسئلہ شفاعت کی ایک مثل اور بجائے خود کافی صورت پیش کرتا ہے حالانکہ نئے متکلمین نزدیک اس مسئلے کو ان معنون مین لیا جا سکتا ہے کہ وہ مسئلہ شفاعت کی اسکے ظاہر اور قدرتی معنون مین بالکل نفی کرتا ہے۔ لیکن خواہ اسکو یون سمجھ لیا جاوے کہ اصول وہی ہین اور صرف علم کلام بدلا ہے اور خواہ یہ سمجھ لیا جاوے کہ اصول ہی بدل گئے ہین۔ معقول نگاہ سے دونون ایک ہی گری ہوئی حالت مین ہین۔ اور اگر پرانے عقیدے کے ازالہ کے لئے انیس سو سال لگ گئے ہین تو یہ نیا عقیدہ یقیناً ایک ... دو پشتون مین ہی گرتا ہوا نظر آجائیگا۔ اور اس کی وجوہات نہایت صاف ہین۔ اصل عیسائی عمارت تو گر چکی ہے لیکن چونکہ یسوع کی عظمت پشت در پشت اسکو خدا ماننے کی وجہ سے ان لوگونکے خون مین رچ گئی ہے اس لئے باوجود معقولی طور پر جھوٹا ثابت ہونیکے اس عظمت کو قائم رکھنے کیلئے نئے نئے حیلے تراشے جاتے ہین یہ نسل یا آیندہ نسل تو ان باتونکے لئے معذور ہے ہان اسکے بعد جو فہیم لوگ پیدا ہونگے ان کے دلون پر چونکہ اس خدائی کے عقیدے کا اثر گھٹتا گھٹتا بہت کم ہو گیا ہو گا کیونکہ اس مین ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہین ہو سکتا کہ یسوع کی عظمت اب دن بدن کم ہو رہی ہے اور اس کی خدائی کی عمارت دمبدم گر رہی ہے اس لئے وہ لوگ ان تراشے ہوئے عقیدون کی اصلیت کو سمجھ کر سب کے سب یک مرتبہ بیزار ہو جاوینگے۔

ہاگ صاحب کا خیال ہے کہ مسیح کی بینظیری ..... اس کے اس اثر سے ظاہر ہے۔ جو بیشمار انسانون کے دلون پر پڑ رہا ہے۔ مگر یہ سخت غلط بیانی ہے۔ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ اسکا اثر بیشمار عیسائیون کے دلون پر پڑتا ہے اگر اسوقت بھی اس کا یہ قول صحیح ثابت نہ ہوتا۔ کیا یہ سچ نہین ہے کہ یہ فرضی بینظیری ان بیشمار یہودیون کے دلون پر اثر ڈالنے مین ناکام ثابت ہوئی ہے جو اسکو ہمیشہ سے برا کہتے اور کافر اکفر کا خطاب دیتے رہے ہین اور اگرچہ ہاگ صاحب کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی وہ پاکیزگی کی روح " انسانی بدکاریون کے درمیان پھر رہی ہے لیکن جن یہودیون کو اس زمانے مین جب وہ روح زندہ زمین پر موجود تھی اس سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا انہون نے کبھی اس کی ادعائی پاکیزگی کو محسوس نہین کیا۔ بلکہ وہ تو اسکو نعوذ باللہ ناپاکی کی طرف منسوب کرتے اور شیطانی روح کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشمار یہودیون کے دلون پر یسوع کی فرضی بینظیری نے کوئی اثر نہین کیا۔ ایسا ہی اس بینظیری کا بیشمار

بدھ مذہب والون بیشمار آتش پرستون بیشمار ہندوؤن بیشمار بت پرستون اور بیشمار دوسرے انسانون پر
ذرہ بھی اثر نہین ہوا۔ برخلاف اسکے ایک ہندو کے دلپر ایک بت کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے یا اس سے بھی بڑھکر
جو ہاگ صاحب جیسے عیسائیون پر یسوع کا ہوتا ہے یا اس سے بھی آگے چلین تو ایک فتیش (یعنی وحشی
اقوام کے بت جو مختلف جانورون یا بیجان چیزون کی صورت پر بنائے گئے ہین) کے عابد پر ایک مرغ
یا سانپ یا پتھر یا گھونگے کی شکل کا جو اثر ہوتا ہے وہ بھی اسی اثر کی مانند ہے جسکا دعوے ہاگ صاحب
یسوع کے لئے کرتے ہین اور جیسا تمام بت پرست اور وحشی اقوام اپنے بتون اور فرضی معبودونکے
اثر کو بیان نہین کر سکتے ایسا ہی ہاگ صاحب بھی تسلیم کرتا ہے کہ یسوع کے اس جادو کے سے اثر کو
وہ بیان نہین کرسکتا اور نہ ہی اس کی کیفیت بتا سکتا ہے اسلئے یسوع کی بینظیری عیسائیت کے اندر
ہی محدود ہے جیسے کہ دوسرے اقوام کے اوتارون وغیرہ کی بینظیری بھی انہین اقوام کے اندر محدود ہے
کوئی خط امتیاز نہین کھینچا گیا۔ ہاگ صاحب جو امتیاز بتانے کی کوشش کرتے ہین وہ ان کی من گھڑت بات
ہے اور اس کی اصلیت کچھ بھی نہین۔ اس نے اس بات کو فرض کر لیا ہے کہ دوسرے مذاہب مثلاً ہندو
مذہب مین اوتار کے معنے یہ ہین کہ خدا نے اپنی ذات کو ایک گوشت کے پتلے مین چھپا لیا لیکن عیسائی مذہب
مین اوتار کے معنے یہ ہین کہ بجائے اپنی اصلیت کو چھپانیکے خدائے تعالے نے ایک انسان اور ایک ابدی
انسانی روح بن کر اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ ایک عیسائی نے تو یہی کہنا ہوا لیکن ہندو جب بیان کرے گا
تو وہ عیسائی مذہب پر وہی الزام دے گا جو ایک عیسائی نے ہندو مذہب پر دیا ہے اور اپنے مذہب مین
اوتار کے معنون کو اسی طرح پر بیان کرے گا جیسے ہاگ صاحب نے بیان کیا ہے۔ کوئی خارجی واقعہ تو ایسا ہے ہی
نہین جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلان مذہب مین خدا انسان کا جسم اختیار کر کے ظاہر ہو گیا اور فلان
مین ایسا ہی جسم اختیار کر کے چھپ گیا اس مین تو شک نہین کہ کرشن کا مادی جسم کسی شفاف مادے کا نہین
تھا جسکے اندر اگر بالفرض کوئی چھپا ہوا ہوتا تو باہر سے نظر آجاتا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یسوع کا جسم بھی اسی
کثیف مادے کا تھا جسکا کرشن کا تھا۔ ہاگ صاحب یسوع کی تائید مین ایک دعوے کرتا ہے اور ایک
دوسرا دعوے دوسرے مذاہب کے اوتارون کی تردید مین کرتا ہے لیکن ہر دو یکسان طور پر بے ثبوت
ہین۔ پھر آخیر پر ہاگ صاحب اس فقرہ پر اس فرضی امتیاز کو ختم کرتا ہے کہ عیسائی لوگ عہ ایک شفیع
اوتار کے سوا دوسرے کو تسلیم نہین کر سکتے جبتک کہ وہ عیسائیت کے خاص پیغام کو تباہ نہ کر دین"

اور اگر یہ کوئی دلیل یسوع کے خدا ہونے پر ہے تو ایک ہندو بھی کہہ سکتا ہے کہ ہندو مذہب کے خاص پیغام کو تباہ کرنیکے بغیر وہ عیسائیّت کے اوتار کو نہین مان سکتا۔ اب ناظرین خود غور کر لین کہ ان دونون فرضی دلیلون مین سے زبردست کونسی ہے +

اب ہمین یہ دیکھنا باقی ہے کہ یسوع کی فرضی بےنظیری نے کہانتک خدا اور انسان مین تعلق قائم کر کے اپنے درمیانی یا شفیع ہونیکا ثبوت دیا ہے یا بالفاظ دیگر اس بےنظیری نے ان لوگونکی زندگیون مین کونسی پاک تبدیلی کی ہے جنکہ بالفاظ ناگ صاحب اس نے ایک "عظیم الشان اثر طاقت اور حکومت اور اخلاقی فضیلت کا ڈالا ہے"۔ یسوع کی اس بیجا تعریف کا ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات سے کچھ پتہ نہین ملتا۔ اگر عام عیسائیون کی موجودہ حالت پر نظر کیجاوے تو ایک سخت قابل افسوس نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ اور خود عیسائی لیکچرار اور عیسائی واعظین اس گری ہوئی اخلاقی حالت کو ہمیشہ بیان کرتے ہین پس اگر یسوع کی بےنظیری کا ثبوت عام عیسائیون کی حالت سے لینا ضروری ہے کیونکہ راقم مضمون مانتا ہے کہ اس بےنظیری کا اثر بیشمار انسانون پر پڑ رہا ہے تو پھر ہمین افسوس سے کہنا پڑے گا کہ جس اعلیٰ درجہ کی اخلاقی فضیلت کا دعوے کیا گیا تھا۔ اسکا شمہ بھی نہین پایا جاتا۔ اور اگر عیسائیّت کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالین تو یہ نظارہ اور بھی خوفناک ہے درمیانی زمانہ کی ڈراونی تاریکی اور خوفناک ناپاکیان قابل ذکر ہی نہین [illegible]ں سے بھی پیچھے چلین تو پھر بھی کوئی خوبی ہماری آنکھ کے سامنے نہین آتی۔ عیسائیّت کی دوسری صدی مین بھی اس کی سیاہ [illegible] موجود ہین اور پھر جب خود حواریون پر نظر ڈالتے ہین جس طرح انجیلون مین ان کا نقشہ کھینچا ہے اور جن کو خصوصیّت سے مسیح نے اپنے لئے چن لیا تھا۔ تو ان کی حالت بھی قابل اطمینان نہین ہے اور مسیح کی بےنظیری کا وہان بھی کچھ کم ہی اثر دکھائی دیتا ہے۔ خود مسیح بار بار ان کی بے ایمانی اور دنیاوی خیالات کا شاکی ہے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ بالآخر ایک تو دغا دے کر اپنے آقا کو پکڑوا دیتا ہے اور دوسرے بھی کم دغاباز ثابت نہین ہوتے کیونکہ مصیبت کے وقت سب کے سب اسکو اکیلا چھوڑکر بھاگ جاتے ہین۔ علاوہ ازین اناجیل مروجہ سے تو یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ کونسی بڑی بڑی بدکاریان تھین جن مسیح نے اپنے ہم قومون کو چھڑایا یا کونسی اخلاقی فضیلت کی روح ان مین پھونک دی ہان صرف اتنا ذکر ہے کہ چند ماہی گیر اسکے ایسے کرتبون کے سبب سے جیسے کہ بھوتون کا نکالنا۔ یا پانی کا شراب بنانا یا علاج کرنا وغیرہ اسکے پیچھے ہو لئے تھے اور یہ وہ انسان ہے جسے اسلئے آسمان پر چڑھایا جاتا ہے کہ اسکا

اعتزدلون پر بیجا تھا۔ ہاگ صاحب کو اسکے اندر ایک ایسا عفو نظر آتا ہے جو ہر قسم کی سختی کی آلایش سے پاک وصاف رہا۔ لیکن بیچارے یہودی ابتک اس کی گالیونکے شاکی ہین جو وہ ان کے مقدس علما اور بزرگونکو نکالا کرتا تھا اور اسلئے وہ اسکے اندر کینہ توزی کی صفت کو پاتے ہین۔ شائد ہاگ صاحب اسکا جواب یہ دے کہ اخلاقی فضیلت تو اسکے اندر موجود تھی لیکن اس نے اس ذخیرہ کو خرچ نہین کیا۔ کیونکہ دوسری جگہ وہ یسوع کی ظاہری ناکامیون اور نامرادیون کا جواب یہ دیتا ہے کہ "وہ ایک عظیم الشان طاقت رکھتا تھا لیکن اس نے اسے خرچ نہین کیا" اسکو تو ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن یہودیون کو اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور اس اپنی طاقت کو بھی وہ گاہے گاہے موقع پاکر خرچ ہی کر لیا کرتا تھا۔ مثلاً اناجیل مین یہ ایک بڑے جلال کا واقع بیان کیا گیا ہے جبکہ یسوع ایک گدھی یا گدھی کے بچہ یا دونون پر سوار ہوکر (بے شک انجیلون مین ہی پایا جاتا ہے) یروشلم مین جہلاء کی چیخون اور خوشی کے نعرون کے اندر بڑے جلال سے داخل ہوا۔ ایسا ہی ایک اور موقعہ پر اس نے ہیکل مین داخل ہوکر صرافون کے تختے اور کبوتر فروشون کی چوکیان الٹ دین اور ان کو کوڑے مار کر ہیکل سے باہر نکال دیا۔ سو معلوم ہوا کہ وہ اپنی طاقت کو موقعہ پاکر خرچ بھی کر لیا کرتا تھا۔ جیساکہ اور انسان بھی جب انکو موقعہ ملتا ہے خرچ کر ہی لیتے ہین اور بے موقعہ طاقت کو برتنا تو بیوقوفی ہے۔ مثلاً ہیکل کے اندر سے تو کوڑے مار کر غریبونکو باہر نکال دیا۔ لیکن ہیکل کے اوپر سے گرنے سے انکار کیا کیونکہ جو اسکا انجام ہوتا وہ کسی سے پوشیدہ نہین +

اس لئے اب ہمین وہ علامات دیکھنی چاہئیں جن سے کسی انسان کی بےنظیری کا ثبوت ملسکے اگر کوئی شخص خیال کرے یا اپنے دل مین محسوس کرے کہ فلان واقعہ یون ہے تو محض خیال سے تو وہ واقعہ اس طرح نہین ہوجاتا۔ یہ تو بالآخر ایک خیال ہی ہے دلیل کوئی نہین ایک ہی امر کی نسبت مختلف آدمی مختلف طور سے خیال کرتے ہین۔ اور کوئی وجہ نہین کہ ایک عیسائی کے خیال کو صحیح سمجھ لیا جائے اور ایک یہودی کے خیال کو بے دلیل غلط مان لیا جائے اگر خدا واقعی محدود ہوکر زمین پر آگیا تھا اور یسوع کی شکل مین اس نے انسان کے خدا سے تقرب ڈھونڈنے مین درمیانی کا کام دیا تھا تو ایسے تقرب کے کوئی ظاہر نشان بھی ضرور ہونگے اور ہونے چاہئیے۔ کیونکہ صرف دعوٰون پر جن کی کوئی دلیل نہ ہو کسی امر کا فیصلہ نہین کیا جاسکتا اور ہاگ صاحب نے خود بھی تسلیم کر لیا ہے کہ شفاعت کے مدعی دوسرے لوگ بھی ہین کسی انسان کو اس امر کا احساس ہوجانا کہ فلان شخص شفیع اور بےنظیر ہے

کوئی معیار اس کی بے نظیری کو پرکھنے کا نہین ہؤا اور نہ یسوع نے کبھی یہ تعلیم ہی دی بلکہ وہ تو کہتا ہو کہ "اگر تم مین ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو تم اس پہاڑ کو کہو کہ یہان سے اُٹھکر وہان چلا جا تو وہ چلا جائیگا اور تمہارے لئے کوئی بات ناممکن نہ ہوگی" متی ۱۷ باب ۲۰ - اور پھر کہتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہو متی ۱۲ باب ۳۳ - خود عیسائی بھی یہ لاف زنی کرتے ہین کہ خدا ہماری دعاؤن کو سنتا اور ہمین ان دعاؤن کا جواب دیتا ہے اگرچہ یہ گفتگو گھر کے دائرہ کے اندر یا اسی حد تک محدود ہو جبتک سننے والے عیسائی ہون لیکن بالمقابل دوسرے مذاہب کے ایسے دعوے کی جرات ہرگز نہین کیجاتی کیونکہ وہ جانتے ہین کہ اگر واقعی اسی کو معیار قرار دیا جاوے تو وہ کامیاب نہین ہو سکتے - تجربہ ان کے لئے مہلک ہے - اب دعا کا اثر صرف اسی حالت مین معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا سے خبر پاکر اسکے انجام کی پہلے اطلاع دیجاوے لیکن ایک بھی عیسائی ساری دنیا مین اسوقت ایسا موجود نہین ہے جو اس رنگ مین اپنی دعا کی قبولیت کا دعوے کرکے ثبوت دے سکے - کوئی عیسائی ایسی جرات نہین کر سکتا کیونکہ اللہ تعالے کے ہان کسی کو قرب حاصل نہین اگر یہ لوگ سچے دل سے یہ خواہش رکھتے کہ وہ سچے شفیع کو ثبوت کے ساتھ پالین تو دوسرے تمام مباحثے ختم ہو جاتے لیکن ان کی غرض سچائی کے اظہار سے نہین ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ان کی دکانین چلتی رہین اور اسلئے اصل امر تنقیح طلب کو ہمیشہ ٹال کر اور بحثین چھیڑ دیجاتی ہین کسی نبی کی بے نظیری اور شفاعت اُس قرب الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جو اسکے پیرؤون کو حاصل ہوا اور جسکا وہ ثبوت دے سکین جس صورت مین ہم دوسرون کے بے دلیل دعوون کی تردید کر رہے ہین کیونکہ وہ انکے ساتھ کوئی دلیل پیش نہین کرتے تو ہم خود کبھی نہین کر سکتے کہ پھر خود ہی ایک دعوے بلا دلیل پیش کر دین اور نہ ہم یہ چاہتے ہین کہ بڑے بڑے الفاظ کے گرد و غبار مین اپنے مطلب کو چھپانے کی کوشش کرین - جیسے ہاگ صاحب نے کیا ہے - ہم واقعات کو پیش کرتے ہین اور ہر ایک شخص بجائے خود انکو پرکھ سکتا ہو - ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر اور آپ کا ہی خدا اور انسان کے درمیان سچا شفیع ہونا ایسے واقعات پر مبنی ہو جن کی سچائی سے انکار نہین ہو سکتا - آنحضرت صلعم کا اثر آپکے پیرؤون پر ایسا تھا کہ انہون نے صرف آپکی خاطر ہر ایک راحت اور آرام کو چھوڑ کر مصیبتین اختیار کین اور اپنے ملک و وطن کو اور اپنی جائیدادون کو چھوڑ دیا یہ آپکی ہی شفاعت کا نتیجہ تھا - کہ عرب جو شرک اور بت پرستی اور ہر قسم کی بدیوںمین تلے ہوئے تھے یکدفعہ ان سب کو چھوڑ کر نہ صرف توحید الٰہی کے قائل ہو گئے بلکہ اس طرح یہ توحید انکے دلونکے اندر رچ گئی کہ اسکے پھیلانے مین انہون نے

وہ ہمت دکھلائی جس کی نظیر دنیا مین ایک بھی نہین وہ ذلت کے انتہا گڑھو ن سے نکلکر تہذیب اور راستبازی کے اعلے مقامون پر پہنچگئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لفظ انپر جادو کا سا اثر کرتا تھا۔ مدینہ کا وہ نقشہ جب شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا بیشمار مثالون مین سے ایک مثال ہے۔ جب یہ اطلاع پہونچی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شراب کو منع کردیا ہے تو اسی وقت شراب کے مٹکے تمام شہر کے اندر توڑ ڈالے گئے اور شراب گلیون مین اس طرح بہ رہی تھی جیسے مینہ کا پانی۔ کوئی دنیا مین ایسی اور بھی نظیر ہے کہ ایک انسان کی آواز مین ایسی کشش اور ایسی قوت ہو۔ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو برکات اس امت محمدیہ کو ملین وہ آپ کی دنیوی زندگی کے ساتھ منقطع نہین ہوئین بلکہ آپ کی شفاعت سے اس امت کو غیر منقطع اور ابدی برکات عطا کی گئی ہین یہ آپ کی ہی شفاعت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالے آپکے پیرو ون سے ہمکلام ہوتا ہے اور اُن پر غیب کی خبرین کھولتا ہے۔ وہ ان کی دعاؤن کو سنتا اور قبل از وقت اطلاع دیتا ہے۔ پھر یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت ہے جو آپ کی امت مین مسیح موعود پیدا کیا گیا ہے جو ان تمام برکات کا زندہ ثبوت موجود ہے اور نہ صرف بہت موقعون پر اسلام کے اندر ان برکات کے موجود ہونے کا ثبوت دے چکا ہے بلکہ اب بھی حق کے طالبون کو ایسا ثبوت دینے کو تیار ہے۔ ہزارہا آسمانی نشان اس کی تائید مین ظاہر ہو چکے ہین اور لاکھون دعائین قبول ہو چکی ہین جن کی اکثر پیش از وقت اطلاع دی گئی۔ ان نشانات اور ان دعاؤن کے قبول ہونیکے لاکھون زندہ رویت کے گواہ موجود ہین لیکن اگر باوجود ان تمام شہادتون اور ثبوتونکے بھی کسی کو شک ہے تو وہ خدا کے تازہ نشانات دیکھ سکتا ہے جو بارش کی طرح برس رہے ہین ہان یہان ایک انسان موجود ہے جو اپنے قرب الٰہی کا ثبوت دیتا ہے۔ کوئی عیسائی ہے جو اس کی آواز کو سُنے؟۔

"رانا گھاٹ کا پادری"

پادری صاحب کو مباحثات کا شوق تو بہت ہے۔ لیکن ذاتی حملونکے بغیر مباحثہ کرنا اسکے لئے قریبًا ناممکن ہے اور اسکے حملے بھی عمومًا بدزبانی اور گالیون کی نوبت تک پہونچے ہوتے ہین اسی پر بس نہین

بلکہ وہ بڑی جرأت سے ایسے لوگون پر بھی حملے کرتا ہے اور سخت درشت الفاظ مین ان کا ذکر کرتا ہے جو مباحثہ مین شامل نہ ہون اسکے ان افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل کی اس آیت کی دھمکی جسکا وہ وعظ کرتا ہی اسکے خبث نفس کو دور نہین کرسکی جہان یہ لکھا ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی کو بیوقوف کے خطاب سے بھی مخاطب کرے گا اسکی سزا جہنم ہے۔ متی ۵۔ ۲۲ - ۱۶ جنوری ۱۹۰۵ء کے اخبار ایپی فینی مین اسکا ایک خط چھپا ہے جسمین وہ لکھتا ہے "جو طریق مرزا اختیار کرتا ہے وہ بڑا سیدھا طریق ہے لیکن وہ ایک انصاف پسند مباحث کا طریق نہین بلکہ ایک مکار اور فریبی کا طریق ہے۔ ان کی دو چالین ہین۔ پہلی چال جو ایک کمینہ کارروائی ہے وہ ایسی باتون کا دریافت کرنا ہوتا ہے جو بالکل بیہودہ اور بے اصل ہون۔ اور دوسری جو اس سے بھی زیادہ شرمناک کارروائی ہے وہ قرآن شریف اور دوسری کتابون کی عبارتون کے ظاہر معنی کو تحریف کر کے پیش کرنے کا حیلہ ہے جسسے وہ اپنی خیالی تحقیقاتون کی تائید مین پیش کرتے ہین" اسی دشنام آمیز اور طنز آمیز لہجہ مین اس کی ساری چٹھی لکھی ہوئی ہے اور گالیون کے علاوہ باربار اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ "مرزا کو یہ شکست ہوئی وہ شکست ہوئی اور خود اسے* اور اسکے حامیون کو یہ یہ فتوحات ہوئین -

اگر مباحثہ مین ہم بھی اسی طریق کو اختیار کرتے تو ہمین پادری صاحب سے مباحثہ کرتے وقت نعوذ باللہ یسوع کو گالیان نکالنی چاہئیں تھین کیونکہ ہم لوگ جو فرقہ احمدیہ کے مسلمان ہین حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود مانتے ہین جیسا کہ ڈاکٹر گافٹ کا پادری یسوع کو مسیح مانتا ہے۔ جو مضمون ہمارے اس رسالے مین بعنوان "عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے" چھپتا رہا ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کا یا کسی اور نامہ نگار کا لکھا ہوا نہ تھا جیسا کہ خود اس امر سے ظاہر ہے کہ اسکے نیچے کسی کے دستخط نہ تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صرف ایک مضمون عصمت انبیاء پر لکھا تھا جو ان کے نام سے مئی ۱۹۰۲ء مین چھپ چکا ہے لیکن ان کا وہ مضمون پادری مانرو کی کسی تحریر کے جواب مین نہ تھا اور نہ ہی سارے مضمون مین اسکو مخاطب کیا گیا یا اس کی طرف کوئی اشارہ کیا گیا تھا۔ اس امر کی اطلاع پہلے بھی ہم اسی دسمبر کے رسالے مین دیچکے ہین اور اسوقت بھی ہم نے ظاہر کیا تھا کہ اس شخص کی عادت ناحق حضرت مسیح موعودؑ کو گالیان نکالنے کی ہے۔ یہ پرلے درجہ کی شرارت ہے کہ اس مضمون کے بعد بھی ایک بڑے فرقہ کے مقدس سرگروہ کو اس طرح گالیان نکالی جاوین حالانکہ لکھنے والے کو علم ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ یہ مباحثہ نہین کر رہے +

اب ہم اس کی چٹھی کے مضمون کو دیکھتے ہین ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ یہ چٹھی ریویو آف ریلیجنز کے ان مضامین کی تردید مین ہے جو پادری مانرو کے رسالون پر ریویو کرتے ہوئے ہم نے عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھے تھے۔ اب اس نے ایک نیا طریق سوچا ہے جس سے بہت سارے مضبوط دلائل کی جن کی وہ مفصل تردید نہ کرسکتا ہو۔ ایک لفظ مین ہی تردید کردے۔ چنانچہ اپنی چٹھی کے آخری فقرہ مین وہ لکھتا ہے "یہی طریق نئی باتین نکالنے کا یا تحریف کا یا دونون کو ملاکر ریویو آف ریلیجنز کے ان سارے مضامین مین اختیار کیا گیا ہے جن مین آدمؑ پر شرک کے الزام کے متعلق یا ابراہیمؑ۔ موسےؑ۔ داؤدؑ۔ یونسؑ وغیرہ کے متعلق بحث کی گئی ہے"۔ کفارے کے مسئلہ کی طرح تمام مشکلات سے نجات پانیکا پادریصاحب کو یہ اچھا طریق سوجھا ہے اور اس عظیم الشان دریافت کا موجد رانا گھاٹ کا چالاک پادری ہے وہ اسی بات کو کافی سمجھتا ہے کہ اس نے بزعم خود ایک دلیل کو غلط ثابت کردیا ہے اور اسی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ باقی دلائل بھی سب اسی قسم کے ہونے چاہئے اور جو لوگ اسکے دھوکہ مین آئے ہوئے ہین وہ اسکی بات کو صحیح مان لیتے ہین +

اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے کے متعلق پادری مانرو کونسی باتین پیش کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے یہ فرض کرلیا ہے کہ جو معنے ہم قرآن کریم کی آیات کے کررہے ہین وہ بالکل نئے معنے ہین جو مسلمان علماء اور مفسرین کو معلوم بھی نہین اور اس لئے نہایت جرأت سے وہ یہ الزام دیتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کی اپنی تراشیدہ بیہودہ باتین ہین۔ افسوس ہے کہ اپنی جہالت کیوجہ سے اس شخص نے ایسی گستاخی سے یہ الزام دوسرے پر لگایا ہے۔ اسے مطلق پروا نہین کہ جب اسکا پول کھلے گا تو لوگ کیا کہین گے اور مباحثات مین اس کی دیانتداری کی کہانتک قائل ہونگے بلکہ وہ بالکل بے سوچے سمجھے سر سے لیکر پیر تک جھوٹے بیان اخبارات مین دلیری سے شایع کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا عقیدہ ابتدائی زمانہ سے قریبًا قریبًا ساری اسلامی دنیا کا عقیدہ رہا ہے اور اسکے خلاف ماننے والے لوگ نسبتًا بہت ہی قلیل مقدار مین پائے جاتے ہین اور قرآن شریف کے الفاظ کے ہمیشہ وہی معنے سمجھے گئے ہین جو اس عقیدہ سے مطابقت رکھتے ہون یہ پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ کے جو معنے کثرت سے مسلمان سمجھتے رہے ہین ان معنون کے بیان کرنے مین ہم پر نئی باتین تراشنے اور تحریف کا الزام دیا جاوے اور اس امر کو بھی کہ مسلمان ان آیات کے یہی معنے سمجھتے رہے ہین۔ ہم محض اس لئے پیش کرتے

ہین کہ یہ امر واقع ہے ورنہ الفاظ کے معنے عبارت پر منحصر ہین اور اگر پہلے کسی مسلمان نے ان الفاظ کے یہ معنے نہ بھی سمجھے ہوتے تاہم کوئی امر ان معنون کے کرنے سے ہمین مانع نہ تھا۔ اور پادری مانر و کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ تحریف تو اسی کا ورثہ ہے جو اُسکو اُسکے مقدّس بزرگون سے ملا ہے جنہین قرآن شریف صاف لفظون مین تحریف کا الزام دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح پر بار بار ہمین تحریف کا الزام دینے یا مسلمانون کو اس خیالی فتح مین شامل کرنے کے لئے جو اسے اپنے زعم مین حاصل ہوئی ہے۔ اس کی غرض صرف عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

پادری مانرو کا اعتراض صرف اسقدر ہے کہ آیت **ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما**۔ سے یہ نہین پایا جاتا کہ حضرت آدم کا ارادہ حکم الہی کو توڑنے کا نہین تھا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسنے حکم الہی کی تعمیل مین استقلال نہین دکھلایا اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ پہلے معنے ہماری اپنی من گھڑت ہین اور دوسرے معنے وہ ہین جن پر سب مفسّرین نے اتفاق کیا ہے یہ اس کی چیٹھی کا خلاصہ ہے (اگر اس کی گالیون کو الگ کر دیا جاوے) یہ بات ظاہر ہے کہ خواہ لفظ عزم کے کوئی معنے لئے جاوین حضرت آدم کی بیگناہی لفظ نسی سے جو ان کے حق مین یہان استعمال ہوا ہے کافی طور پر ثابت ہوتی ہے یہ لفظ صاف طور پر ارادہ کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جہان کسی فعل یا ترک فعل مین نسیان ہے وہان ارادہ موجود نہین ہو سکتا شروع سے جب سے ہمنے گناہ کی تعریف کی ہے اس مین ارادہ کو جزو لازمی قرار دیا ہے لیکن اب جب پادری مانرو کو یہ نظر آیا کہ اس تعریف کے رو سے حضرت آدم کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے تو جھٹ سے کہدیا کہ یہ تعریف گناہ کی مرزا صاحب کی اپنی رائے ہے جس کی سند انکے پاس کچھ نہین۔ ظاہر ہے کہ نسیان ایک فطرتی کمزوری ہے جو انسان کے اختیار سے باہر ہے اور خدائے تعالےٰ فرماتا ہے **لا یُکلّف اللّٰہ نفسًا الّا وُسعہا** پس انسان نسیان کے بارہ مین کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ پر شریعت اسلامی مین یہ صاف حکم ہے کہ جو آدمی وقت مقررہ پر نماز ادا کرنی بھول جاوے تو اسکو چاہیئے کہ جب یاد آوے نماز ادا کرلے اور ایسا ہی روزے کے بارے مین حکم ہے کہ جو شخص بھول کر روزے مین کچھ کھالے یا پی لے تو اس سے اسکا روزہ فاسد نہین ہوتا یہ وہ موٹے موٹے قاعدے ہین جن سے تمام مسلمان آگاہ ہین اور اس لئے یہ مسئلہ کہ نسیان کی صورت مین اور ارادہ کی عدم موجودگی مین گناہ لازم نہین آتا۔ سچا مسئلہ اسلامی شریعت کا ہے نہ کہ ہمارا اپنا تجویز کردہ اور اگر اس سے پادری مانرو کی تسلی نہین ہوتی تو اسے چاہیئے کہ

صحیح بخاری کی پہلی ہی حدیث کو دیکھے جہان لکھا ہے: انما الاعمال بالنیات - کہ ہر ایک عمل نیت اور ارادے سے ہوتا ہے - وانما لکل امرء مانوی - اور ہر ایک انسان کیلئے وہی ہے جو وہ نیت اور ارادہ کرے یہ تمام وہ سندین ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت حقہ اسلام نے ارادہ کو جزو لازمی گناہ مین قرار دیا ہے - اور پادری مانرو کو یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ یسوع بھی یہی کہتا ہے کہ خدا ارادہ اور نیت کو دیکھتا ہے جس سے کوئی فعل کیا جاوے - اگر وہ اس امر کا انکار کریگا تو ہم اسے حوالہ بھی دیدینگے -

اب ہم لم نجد لہ عزما کے معنون پر غور کرتے ہین اس سے پہلے لفظ نسی واقع ہوا ہے جسکے معنون پر پادری مانرو نے کوئی اعتراض نہین کیا اور اس لفظ کے معنے یہی ہین کہ وہ بھول گیا - الفاظ زیر بحث کے لفظی معنے سواے اسکے کچھ نہین کہ ہم نے اس مین ارادہ یا عزیمت نہین پائی اور اس سے دونون صورتین نکلسکتی ہین یعنی حکم الہی کو توڑنے کا ارادہ یا احکام الہی پر قائم رہنے کا ارادہ یا عزیمت - لیکن لفظ نسی جو پہلے واقع ہوا ہے وہ خود حکم الہی کے توڑنیکے ارادہ کی نفی کر رہا ہے - اور اسلئے ان الفاظ مین جو کسی ارادہ کی نفی کی گئی ہے وہ وہی ہے جو اس سے پہلے لفظ نسی مین نفی کی گئی ہے صرف یہی حکم حضرت آدم کو خدائے تعالے کیطرف سے ملا تھا اور اگرچہ یہ حکم ان سے پورا نہ ہو سکا مگر خود خدائے تعالے نے اس معاملہ مین ان کی بریت یہ کہکر کردی کہ آدم سے نسیان ہوا - اور کسی حکم کی خلاف ورزی حضرت آدم سے ثابت نہین ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکے کہ ان مین احکام الہی کی تعمیل مین عزیمت نہین پائی گئی - جس حکم الہی کی تعمیل نہین ہوئی اس مین خود خدا تعالے نے ان کا نسیان قرار دیکر ارادہ کی نفی کردی ہے پس ان تمام وجوہات سے ثابت ہے کہ ان الفاظ کے یہی معنے اس عبارت مین چسپان ہین جو ہم نے کئے ہین - اب ہم پادری مانرو سے یہ پوچھتے ہین کہ وہ ایمانداری سے اس بات کا جواب دے کہ یہ تحریف اور نئے معنے تراش لینے کا الزام جو اس نے ہم پر لگایا ہے سب تفسیرون اور دوسری مستند کتابون کو دیکھکر لگایا تھا اور یہ اطمینان کرکے لگایا تھا کہ واقعی ایسے معنے نہ کسی لغت کی کتاب مین اور نہ کسی تفسیر یا ترجمہ مین پائے جاتے ہین اور نہ ہی آج تک کسی مسلمان کو یہ معنے سوجھے ہین لیکن چونکہ ان واعظین انجیل سے یہ امید رکھنی فضول ہے کہ وہ صاف طور پر اپنی بیہودگی کا اقرار کرین اسلئے ہم ذیل مین دکھاتے ہین کہ یہی معنے جو ہم نے اس آیت کے کئے ہین پہلے بھی بڑے بڑے مستند مفسرین اور اہل لغت نے کئے ہین - تفاسیر کو ہم صرف اس غرض کے لئے پیش کرتے ہین کہ پادری مانرو کا صریح جھوٹ کھولا جائے ورنہ اور کوئی ضرورت نہین - تفسیر کبیر مین امام فخر الدین رازی حضرت آدم کی عصمت کی

متعلق اس آیت سے استدلال پکڑ کر لکھتے ہین ولانہ تعالے وصفہ بالنسیان فی قولہ فنسی ولم نجدلہ
عزما وذلک ینافی العمدیۃ - ترجمہ - اور اس وجہ سے بھی کہ خدا تعالے نے اسے اپنے قول
فنسی ولم نجدلہ عزما - مین نسیان کہا ہے اور اس سے ارادہ کی نفی ہوتی ہے - پھر اس آیت کے نیچے لکھا ہے
ولم نجدلہ عزما علے المقام علے المعصیۃ یعنی معصیت پر قائم ہونے مین ہم نے اسکا عزم یعنی ارادہ نہین
پایا - ایسا ہی ابو السعود کی تفسیر مین لکھا ہے عزما علے الذنب فانہ اخطاء ولم یتعمد - یعنی عزم سے مراد
گناہ کرنیکا ارادہ ہے کیونکہ حضرت آدم سے چوک ہو گئی اور انہون نے ارادہ نہین کیا - لسان العرب مین
عزم کے معنے اس طرح کئے ہین - عزم علے الامر.... اراد فعلہ - یعنی جب کوئی کسی فعل کا ارادہ کرے تو اسوقت
کہا جائیگا کہ اس نے فلان امر پر عزم کیا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے - کہ عزم کے نہ ہونے سے منشاء
یہی ہے کہ اس نے اس کام کا ارادہ نہین کیا ہمین اس بات سے انکار نہین کہ تفسیرون مین دوسرے معنے بھی کئے ہین
لیکن کسی تفسیر مین ان معنون کے پلڑے جانیسے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ پادری مانزو نے جس تفسیر سے لیا ہے وہ درست ہے
اور جن مستند تفسیرون اور لغت کی کتابونکے حوالے ہم نے پیش کئے ہین ان کا وجود اور عدم بھی برابر ہے +

اسی مضمون مین ہم نے لسان العرب کا ایک حوالہ دیا تھا اسکے متعلق بھی بڑی جرأت سے پادری مانزو
تحریف کا الزام دیتا ہے لیکن یہ نہین بتایا کہ ہم نے اصل عبارت کو بدل ڈالا ہے یا معنے صحیح نہین کئے - جو لوگ
لسان العرب کو دیکھ سکتے ہین وہ اس کی جلد ۱۹ صفحہ ۳۸۰ سطر ۶ و ۷ کو دیکھین جہان لکھا ہے :- غوی الرجل
خاب...... وقولہ عزوجل فعصی آدم ربہ فغوی ای فسد علیہ عیشہ - یعنی غوی کا استعمال کسی آدمی کے
متعلق یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ناکام رہا - اور اللہ تعالے کا فرمانا کہ عصی آدم ربہ فغوی اس سے مراد یہ ہے کہ فسد
علیہ عیشہ - یعنی اس کی زندگی کے امن مین فساد آگیا - یہ تو حوالہ لسان العرب کا ہے اور اب اسکے ساتھ
ہم لین صاحب کی عربی انگریزی ڈکشنری کا حوالہ بھی پیش کرتے ہین دیکھو جلد ۶ صفحہ ۲۳۰۴ جو غوی کے
مختلف معنون مین ایک یہ معنے بھی لکھتا ہے کہ مایوس ہوا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کر سکا اور پھر لکھتا ہے کہ
قرآن شریف کی بیسوین سورت کی آیت ۱۱۹ مین ایک یہ قرات بھی آئی ہے - فَغَوِیَ..... اور اسکے معنے کرکے
پھر لکھتا ہے کہ اس سے بہتر وہ معنے ہین جو راغب نے اختیار کئے ہین جس مین قرات فَغَوَی ہے - اور اسکے معنے
یہ ہین کہ اس کی زندگی اسکے لئے مشکل ہو گئی یا یہ کہ وہ مایوس ہوا یا یہ کہ اس نے لاعلمی سے ایک کام کیا -
یا بعضے دوسرے معنے جو مفسرین نے اختیار کئے ہین انتہی - اگر پادری مانزوان تمام امور پر غور کرکے

ان سے فایدہ اٹھائے تو اسکے حق مین بہت بہتر ہے ٭

پادری مانرو کو اپنے جھوٹ کے کھلجانیکا ڈر کبھی نہین ہوتا۔ وہ یہ نہین سوچتا کہ مین کیا کہنے لگا ہون بلکہ بغیر سوچے کے ایپی فینی کیطرف بھاگ اٹھتا ہو کیونکہ وہان اسکو جگہ ملجاتی ہو اور اسکے ایڈیٹر کی مہربانی سے وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہو۔ یہ وہ اخبار ہو کہ جب مباحثہ ہوتا ہے تو فریق مخالف کے لئے جھٹ یہ اعلان کر دیتا ہے کہ اب مباحثہ بند ہو گیا ہو۔ لیکن اپنے فریق کے لئے اسکے کالمن مین غیر محدود گنجایش ہوتی ہو خصوصًا پادری مانرو کی لافونکے لئے۔ چنانچہ جو بحث عصمت انبیار کے متعلق اس پرچہ مین کچھ دن رہی تھی اسکے متعلق ۱۷ جنوری سنہ۱۹۰۲ء کو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ آیندہ یہ بحث بند کیگئی ہو لیکن مانرو کے مضمون ۹ جنوری سنہ۱۹۰۲ء بلکہ ۲۳ جنوری سنہ۱۹۰۲ء تک اس مین نکل رہے ہین اور اسی مضمون کے متعلق۔ خیر یہ ایک عیسائی پرچہ ہے اور اسکا اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ لفظ ظلم کے جو معنے ہم نے جولائی سنہ۱۹۰۲ء کے مضمون مین کئے تھے انکو پادری مانرو اپنے پیشہ کی معمولی نرمی کے ساتھ "اشتقاقی چھل بل" کہتا ہو۔ اور ایسا ہی لفظ فارقلیط کے معنے کو خیال کرتا ہے۔ لفظ ظلم کے معنے وسیع ہین جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہین لیکن جو معنے ہمنے دیئے ہین وہ بھی عربی لغت کی کتابو نمین موجود ہین۔ اس جگہ ہم صرف ایک کتاب پیش کرتے ہین یعنی لین صاحب کی عربی انگریزی ڈکشنری جس کی جلد ۵ صفحہ ۱۹۲۰ مین لکھا ہے کہ ظلم کے ابتدائی معنے بعض کے نزدیک النقص کے ہین یعنے کسی قسم کا نقصان یا حرج اٹھانا۔ اور پھر لکھا ہے کہ ظلمہ کے یہ معنے ہین کہ اس نے اسپر کوئی ایسا بوجھ ڈالا جو اس کی طاقت یا قابلیت سے بڑھ کر تھا۔ پادری مانرو اگر ان معانی کو مد نظر رکھکر ہمارے مضمون کو پڑھیگا تو اسے کوئی دقت ظلم کے معنے سمجھنے مین نہ آئیگی ان معنونکو خیالی یا وہمی قرار دینا محض اس کی جہالت کے سبب سے ہی جو عربی زبان سے اسکو ہے۔

فارقلیط کے مضمون پر ہم نے جولائی سنہ۱۹۰۲ء مین بحث کی تھی اور اس سارے مضمون کو یہان دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہین۔ لفظ کے معنونکے متعلق ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ ایک عربی لفظ ہے جو دو اجزا ریعنی فارق اور لیط سے مرکب ہے اور اسکے معنے بلحاظ ان اجزا کے عربی ترکیب کی روسے باطل کو دور کرنیوالا یا حق و باطل مین امتیاز کرنیوالا ہین ہم نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ یونانی لفظ پیراکلیٹ لفظ فارقلیط سے ہی بگڑا ہوا ہے اور اس کی وجوہات صاف ہین کیونکہ جس شخص کے منہ سے یہ لفظ نکلا وہ عبرانی آدمی تھا۔ اور عبرانی بولی بولتا تھا۔ جو عربی سے بہت ملتی جلتی ہو

ان واقعات کو پادری مانرو چالاکیان کہتا ہے اگر یہی سچ ہے تو پھر لغت کی سب کتابین مانرو کے نزدیک
ایسی ہی ہونی چاہئین۔ فارقلیط اور پیراکلیٹ اس قدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین کہ اس امر کو مدنظر
رکھکر کہ ایک ہی شخص کیلئے یہ دونون لفظ دو مختلف زبانون مین بولے گئے ہین۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان مین
سے ایک ضرور دوسرے سے بگڑا ہوا ہے اور جب اس امر کو بھی مدنظر رکھا جاوے کہ جس شخص نے یہ لفظ بولے
وہ اور اس کے سامعین عبرانی بولنے اور سمجھنے والے تھے اور اس ملک مین یہی بولی عام طور پر بولی جاتی
تھی۔ تو یقینی اور قطعی نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصل لفظ عبرانی یا عربی ہے اور یونانی لفظ اسی کا بگاڑ ہے
فارق عبرانی زبان مین توڑنے یا کچل ڈالنے کو کہتے ہین اور لوط کے معنے پردہ و غلاف سحر وغیرہ ہین۔
اس کی سند کے لئے پادری مانرو جس عبرانی ڈکشنری کو چاہے دیکھ سکتا ہے لفظ لوط مختلف صور تو ن مین
بائیبل کے مفصلہ ذیل مقامون پر انہین معنون مین استعمال ہوا ہی جو اوپر بیان کئے گئے ہین۔ دیکھو
خروج ۲۲/۷ و شمار ۱۴/۳ ۔ یسعیاہ ۲۵/۷ ۔ اسموئیل ۲۲/۱۸ و ۵/۲۲ ۔ ہم کئی دفعہ پہلے ثابت کر چکے ہین کہ عربی زبان سے جہالت
کے سبب پادری مانرو اکثر ایسی باتین منہ سے نکال دیتا ہے کہ اگر اسکو کچھ واقفیت ہو تو خود ہی شرمندہ
ہو۔ فارقلیط خالص عربی لفظ ہے اور لسان العرب جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۲ پر **فرق** کے مادہ کے نیچے اس
لفظ کے متعلق یہ لکھا ہے وفی الحدیث فی صفتہ علیہ السلام ان اسمہ فی الکتب السالفتہ فارق لیطا ای
یفرق بین الحق والباطل۔ اور ایسا ہی مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔ ان اسمہ فی الکتب
السالفتہ فارق لیطا ای یفرق بین الحق والباطل۔ دونون عبارتون کا مآل ایک ہی ہے یعنی یہ کہ حدیث
مین آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام پہلی کتابون مین فارق لیط آیا ہے یعنی وہ جو حق اور باطل
کے درمیان امتیاز کرنے والا ہے دو باتین خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہین۔ اول یہ کہ ان ہر دو لغت
کی کتابون مین لفظ فارق لیط کو مادہ فرق کے نیچے دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے اور
اس کا اشتقاق فرق سے ہے۔ کیونکہ مادون کے نیچے صرف وہی الفاظ دیئے جاتے ہین جو ان سے مشتق
ہون۔ دوئم لفظ فارقلیط کو دونون جگہ فارق لیطا لکھا ہے اور اس طرح نہ صرف اسکے اجزا الگ الگ کرکے
دکھا دئے گئے ہین بلکہ ترکیب بھی بتلا رہی ہے کہ یہ ایک خالص عربی ترکیب ہے جسکے لفظی معنے حق اور باطل مین
امتیاز کرنیوالا ہین اور اسلئے یہ لفظ کسی اجنبی زبان کا لفظ نہین ہو سکتا۔ ایسا ہی جو پیشگوئی فارقلیط کے
متعلق انجیل مین ہے اسکے الفاظ سے بھی یہی پایا جاتا ہو کہ فارقلیط کے معنے یہی ہونے چاہئیے جو عربی ترکیب مین

اسکے معنے ہین اس پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے جسکا اعادہ ضروری نہین ہے اس طرح ایک زبان کے
الفاظ کا دوسری زبان مین جاکر خلط ملط ہو جانا اور دوسری زبان کی شکل اختیار کر لینا کوئی عجیبات
نہین ہے۔ ایسا ہی اس صورت مین ہوا یعنی انجیل کے یونانی کاتبون نے لفظ فارقلیط کو جو پیشگوئی مین
تھا یونانی لفظ پیراکلیٹ کے بالکل مشابہ پاکر اور یا تو اسکے ٹھیک ٹھیک معنے نہ سمجھ کر یا دونون الفاظ
کے معنونکو قریب قریب خیال کرکے یونانی نسخہ مین لفظ پیراکلیٹ بجائے فارقلیط کے درج کر دیا لیکن
ہم پادری مانرو سے یہ امید نہین رکھ سکتے کہ وہ ان تمام باتون پر غور کرکے اپنی کسی بیہودگی سے
رجوع کریگا۔ ہان انصاف پسند ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ اس مباحثہ مین پادری مانرو نے کہانتک
ایمانداری سے کام لیا ہے اور باوجود اسکے گالیون اور استہزا مین کہانتک نوبت پہونچا گئی ہے+

"نوٹ اور ریویو"

ہوس آف لارڈس کے ایک مسلمان ممبر کی وفات یہ امر کہ مرحوم ہنری ایڈورڈ جان سٹینلی جو ایلڈرلی کا تیسرا بیرن سٹینلی کے
نام کا تھا صدق دل اور خلوص سے اسلام پر ایمان رکھتا تھا بہت کم
لوگونکو معلوم تھا۔ لیکن صفوۃ الاعتبار کے پڑھنے والون (یہ جو شیخ محمد بیرم خامس ساکن ٹونس کا سیاحت
نامہ ہے) یہ امر پوشیدہ نہین کہ لارڈ سٹینلی مدت سے سچا مسلمان تھا۔ لیکن اس کا ایمان صرف
زبانی اقرار تک ہی نہ تھا بلکہ ان واقعات سے جنکا ذکر صفوۃ الاعتبار کے مصنف نے کیا ہے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ اسلام کی صداقت اسکے دل کے اندر رچی ہوئی تھی وہ نہ صرف پانچون وقت کی نماز
کا ہی پابند تھا بلکہ تہجد کا بھی خاص طور سے التزام کرتا تھا اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسکی
نمازون مین وہ گریہ و بکا اور سچا خضوع خشوع تھا جو بہت کم پیدائشی مسلمانون کی نمازون مین پایا
جاتا ہے۔ اس کی گفتگو مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کمال درجہ کی محبت اور ادب پایا جاتا
تھا۔ مذہب اسلام سے بڑی وسیع واقفیت رکھتا تھا۔ یہ ۱۸۸۶ء کا ذکر ہے۔ یہ کب خیال ہو سکتا
تھا کہ لنڈن جیسے شہر کی لاکھون انسان پرست مخلوق کے اندر ایک سچے اور زندہ خدا کا پرستار

بھی موجود ہے۔ لارڈ سٹینلی ۲۱۔ رمضان المبارک جمعہ کے دن (مطابق ۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۳ء) فوت ہوئے ان کا اسلامی نام عبدالرحمن تھا۔ اخبار کریسنٹ نے ان کی تجہیز و تکفین کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے "۲۵ رمضان منگل کے دن (مطابق ۱۵ دسمبر) ان کی لاش ایلڈرلی پارک مین جہان ان کا آبائی گھر تھا ایک الگ جگہ مین دفن کیگئی۔ تجہیز و تکفین بالکل اسلامی طرز پر ہوئی کیونکہ اسی مقدس اور لاتبدیل مذہب مین وہ زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ الحمدللہ۔ لاش ایک لکڑی کے سادہ صندوق مین رکھی گئی اور جو لوگ پارک مین کام کرتے تھے وہی محل سے اٹھا کر قبر تک لیگئے اسکے ساتھ ساتھ پیادہ پا ان کا وارث (لارڈ سٹینلی) اس کی بیوی ان کے دو بیٹے اور دوسرے رشتہ دار تھے۔ اور متوفی کی خاص ہدایت کے مطابق حامد بے رومی سفارت کا چیف سکرٹری ماتم کرنیکے لئے موجود تھا۔ اور نماز جنازہ ترکی سفارت کے امام نے پڑھائی۔ لورپول مین بھی ان کا جنازہ شیخ عبداللہ کوئلم نے پڑھایا"۔ اخبار فری تھنکر جس نے ان واقعات کی تائید کی ہے لکھتا ہے کہ اس سے عیسائیونکو سخت صدمہ ہوا ہوگا خدا تعالےٰ متوفی کو بہشت نصیب کرے۔ اور عیسائیون کی آنکھین کھولے کہ اس آفتاب صداقت کی روشنی اُنکے دلون مین داخل ہو +

یسوع کے نام مین دعا اسی رسالہ مین دوسری جگہ ہم نے لکھا ہے کہ کس طرح پر عیسائی لوگ ایکطرف تو یہ دعویٰ کرتے ہین کہ ہماری دعائین یسوع کے واسطہ سے قبول ہوتی ہین اور ہمین جواب ملتے ہین اور پھر مقابلہ اور امتحان کے وقت گریز کرتے ہین۔ اسکا ثبوت ایپی فینی مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء سے ملتا ہے جیسے رام پور سے سید ضیاء الحق نے ایک چٹھی اس اخبار کو لکھی ہے جس مین انہون نے اسکو اسکے اس دعوے کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس نے پہلی اشاعت مین کیا تھا کہ عیسائیون کی دعائین یسوع مسیح کے ذریعہ سے قبول ہوتی ہین اور انکے جواب ملتے ہین اور پھر فرقہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ مسیح موعود ہونیکا اور تمام دنیا سے زیادہ اپنی دعاؤنکے قبول ہونیکا دعوے کرتے ہین اور کہ اگر کوئی شخص دعا مین انکے ساتھ مقابلہ کرے تو یقیناً انکی دعا قبول اور انکے مخالف کی دعا مردود ہوگی اسکے بعد ڈاکٹر ڈوئی کا ذکر کیا ہے کہ اسکو انہون نے دعا مین مقابلہ کیواسطے بلایا تھا۔ مگر اس نے خاموشی اختیار کی اسکے بعد پھر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنے قول کو پورا کرنیکے لئے کسی پادری کو چاہئیے کہ وہ مرزا صاحب کے بالمقابل آئے اور دعا مین انکا مقابلہ کرے لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین دعا کی قبولیت کا دعوے صرف عیسائیون کے دکھانیکے دانت ہین اور اگر کسی بات کا انکو یقین ہے تو وہ اس بات کا ہے کہ تجربہ اور عملی ثبوت انکے لئے مہلک ہین۔ چنانچہ مذکورہ بالا چٹھی کا جواب ایپی فینی

کے ایڈیٹر نے یہ دیا ہو کہ "چونکہ مرزا صاحب مسیح ہونیکا دعوے کرتے ہین ہم انکو چیلنج کرتے ہین کہ وہ اپنے دعوے کو تین طرح سے سچا ثابت کر کے دکھائین اول اپنے آپکو غیر فانی ثابت کر کے دوسرا اسلام اور عیسائیت کو جبراً اپنے تابع کر کے اور تیسرے آسمان سے آگ برسا کر اپنے سارے دشمنونکو ہمارے سمیت ہلاک کر کے۔ اور ہم بھی دعا کرینگے کہ جب وہ خود فوت ہو جائین تو انکا فریب بھی ساتھ ہی ہلاک ہو جائے اور ہمارا نامہ نگار نتیجہ کا منتظر رہے"۔
اس قسم کے ثبوت انبیاء سے ہمیشہ مانگے گئے ہین۔ خود یسوع کو بھی ایک عمدہ موقعہ پیش آیا تھا۔ کہ اگر وہ ہیکل کے منارہ سے گر کر ثابت کر دیتا کہ خدا کے فرشتے اسکے ساتھ ہین تو شیطان بھی اسکا مرید ہو جاتا اگر یسوع یہ چھوٹا سا کرتب دکھاتا اور اس طرح اپنی مسیحیت ثابت کر دیتا تو شیطان بھی مغلوب ہو جاتا اور شاید صلیب کی تکلیف سے بھی یسوع بچ جاتا۔ اب ایڈیٹر ایپی فینی کی درخواست کہ مرزا صاحب اپنے آپکو غیر فانی ثابت کر کے مسیحیت کا ثبوت دین اسی قسم کی درخواست ہے جیسے پہلے مسیح سے کیگئی۔ اسکی علاوہ دو اور ثبوت مانگے گئے ہین یعنی عیسائیت اور اسلام کو مغلوب کرنا اور آسمان سے آگ برسا کر تمام مخالفین کو مع اکسفورڈ مشن کے ممبرونکے ہلاک کرنا۔ واعظین انجیل کو مناسب ہے کہ ساری بائیبل نہین تو کم از کم انجیلونکو ذرا زیادہ غور سے مطالعہ کیا کرین۔ کیا یہ یاد ہو کہ جب یسوع سے نشان مانگا گیا تو اس نے کیا جواب دیا۔ متی کہتا ہے کہ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ "اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان مانگتے ہین مگر انہین کوئی نشان نہین دیا جاویگا سوائے یونس نبی کے نشان کے" متی ۱۲/۳۹۔ مرقس کہتا ہو کہ اس نے ایک سرد آہ کھینچی اور جواب دیا "اس زمانے کے لوگ کیون نشان طلب کرتے ہین انہین کوئی نشان نہین دیا جاویگا" مرقس ۸/۱۲۔ لوقا متی سے اتفاق کرتا ہو لیکن اسکی نسبت زیادہ شایستہ ہے کیونکہ وہ لوگونکو بدکار تو کہتا ہے لیکن حرامکار نہین کہتا۔ یوحنا کو معلوم نہین کہ کوئی ایسا واقعہ ہوا یا نہین۔ یہ ہمنے اسلئے بیان کیا ہو کہ تا معلوم ہو کہ اس پہلے مسیح کو جو آج خدا سمجھ کر پوجا جاتا ہو یہودیون کے ساتھ کیا کیا مشکلات پیش آئے تھے۔ لیکن مسیح موعود تو ہر طرح کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اب ایپی فینی کا ایڈیٹر اُن سے غیر فانی ہونیکا ثبوت طلب کرتا ہے لیکن یہ محض بیہودگی ہو۔ خدا کے مرسل روحانی طور پر تو غیر فانی ہوتے ہین لیکن جن معنون مین وہ غیر فانی ہونیکا ثبوت طلب کرتا ہو ان معنون مین کوئی انسان غیر فانی نہین بلکہ اسکے اپنے اعتقاد کے رو سے تو اسکا خدا بھی غیر فانی ثابت نہین ہوا۔ مذہبی مباحثات سے اُسیوقت کوئی فائدہ ہو سکتا ہو جب انصاف اور سچائی انمین مد نظر ہو۔ اگر پادریصاحبان اس طریق پر چلتے تو ایسی باتین انکے منہ سے نہ نکل سکتین۔ کیا یسوع نے وہ نشان دکھائے تھے جو یہودی اس سے

اسکے دعوے کے ثبوت مین طلب کرتے تھے؟ کیا اس نے یہودیونکے نزدیک اپنا غیر فانی ہونا ثابت کر دیا؟ کیا وہ صرف اکیلی قوم یہود کو اپنے مطیع کر سکا؟ کیا اس نے آگ برسا کر اپنے دشمنونکو ہلاک کر دیا؟ لیکن اگر باوجود مسیح ہونیکے بلکہ عیسائی اعتقاد کے موجب پورا پورا خدا ہونیکے ان کامون مین سے ایک بھی نہین کر سکا تو کیا عیسائیونکو یہ ثبوت مسیح موعود سے مانگتے ہوئے شرم نہین آتی +

لیکن اسکے باوجود بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ یسوع کے بالمقابل مسیح موعود کو کسقدر عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ عیسائیت کی اصل عمارت تو مسیح کی قبر کے دریافت ہو جانیسے اور دوسرے زبردست دلائل سے جو زمانہ مین پیدا ہو گئے ہین گر چکی ہے۔ ابھی سے عیسائیونکو یہ فکر پڑی ہوئی ہے کہ پرانے عقیدون کی بجائے نئے عقیدے قائم کرنے چاہئے کیونکہ سب سے بڑا عقیدہ خون مسیح کا جس پر عیسائیت کا دارومدار تھا وہی سب سے بڑا جھوٹ ثابت ہو کر چھوڑا جا رہا ہے۔ باقی رہا اسلام سو مسیح موعود کا ظہور اسکو قائم کرنے کیلئے اور اس مین دوبارہ جان ڈالنے کے لئے ہے اور جیسا جیسا عیسائیت کے عقیدے مرتے جاتے ہین اسلامی عقائد مین جان پڑتی جاتی ہے۔ مسیح موعود کی جماعت اسوقت قریب دو لاکھ کے ہے۔ کیا کوئی پادری صاحب بتا سکتے ہین کہ یسوع کے مرید اس کی زندگی مین کتنے تھے۔ وہ آسمانی آگ جس مین ایڈیٹر صاحب اپنی قینچی چلنے کے خواہشمند ہین آسمان سے برس رہی ہے اور ملک مین ایک قیامت کا نمونہ ہو رہا ہے۔ کیا طاعون کی تباہی کسی کی آنکھون سے چھپی ہوئی ہے اور کیا یہ سچ نہین کہ نبیون نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ طاعون مسیح موعود کے ظہور کی نشانی ہے اور خود حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب براہین احمدیہ مین کئی سال اس سے پیشتر جو طاعون کا نام و نشان کہین ہو یہ پیشگوئی کی تھی اس بات کے ثبوت مین کہ یہی وہ آگ ہے جو آسمان سے برس رہی ہے۔ ایڈیٹر صاحب کشتی نوح کو پڑھین +

یہ تو ایڈیٹر صاحب کی درخواستین تھین۔ مگر اب ہم انسے التجا کرتے ہین کہ جیسا سید ضیاء الحق نے انہین لکھا ہے اگر وہ اپنی دعا کی قبولیت کے دعوے پر جو اخبار مین چھاپا تھا قائم ہین تو انکا فرض ہے کہ اسوقت بہانے بنا کر پیچھے نہ ہٹین اگر وہ یقیناً جانتے ہین کہ ان کی دعا قبول ہوگی اور انکے بالمقابل ایک السیر شخص کی دعا قبول نہین ہو سکتی جسکو وہ "مفتری" کے نام سے پکارتے ہین تو کوئی وجہ نہین کہ وہ سید ضیاء الحق صاحب کی درخواست کو ٹالدین عیسائیت اور اسلام کے مذہبی اصولونکا جھگڑا انکے تھوڑا سا حوصلہ کرنیسے طے ہو سکتا ہے +

کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دارونکو کچھ کرنا چاہیئے ولایت کا اخبار گیلبلٹ ۲۰ - اکتوبر ۱۹۰۳ء کے اخبار مین لکھتا ہے کہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دارونکو کچھ کرنا چاہیئے چنانچہ ذیل مین ہم اس کی عبارت کا ترجمہ دیتے ہین :- "مرزا غلام احمد صاحب نے انسکلو پیڈیا ببلیکا (بائیبل کا دائرۃ المعارف) پڑھا ہی اور چونکہ یہ مشہور و معروف کتاب انگریزی کلیسیا کے ایک عظیم الشان عہدے دار کی تصنیف ہی مرزا صاحب عیسائیت کی تردید مین اسکا حوالہ دیتے ہین اور شائد ایسا کرنے مین وہ معذور ہین - ہندوستان کے اخبار ریویو آف ریلیجنز مین یہ صاحب لکھتے ہین کہ "سب سے زیادہ معتبر کتاب جس مین اعلےٰ درجہ کے عیسائی محققین کے خیالات کا اظہار ہے اور جسکے لکھنے والے ایسے اشخاص ہین جو عیسائی کہلاتے ہین انسکلو پیڈیا ببلیکا ہی جس کی دوسری جلد مین لکھا ہے کہ تمام انجیلون مین یسوع کے متعلق صرف پانچ ایسے فقرے ہین جو قابل اعتبار ہین پروفیسر شمیڈل جو زیورچ کی یونیورسٹی مین اناجیل کی تفسیر کا پروفیسر ہے (کیونکہ یہ عظیم الشان عہدے دار اس مضمون کے لکھنے والا ہے) آگے لکھتا ہے کہ یہ فقرات جو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہے جا سکتے ہین قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت کرتے ہین کہ یسوع کی زندگی مین ہم ایک خالص انسان دیکھتے ہین اور الوہیت کا اگر کوئی شائبہ اس مین ہی تو صرف اسیقدر ہے جیسا اور انسانون مین ہو سکتا ہی ہم امید کرتے ہین کہ پادری صاحبان ان صداقتون کا صاف اقرار کرینگے اور یسوع کی الوہیت کے فاسد عقیدے پر آیندہ کے لئے لعنت بھیجین گے۔" اخبار گارڈین کا ایک نامہ نگار مرزا صاحب کے اس فقرہ پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "یہ تو کوئی تعجب کی بات نہین ہی کہ ایک مسلمان قرآن شریف کی وحی اور صداقت کے لئے اس سے بڑھکر دعوے کرے جو عیسائی بائیبل کی نسبت کر رہے ہین لیکن یہ امر کہ وہ اس بات کی تائید پر ایک ایسی کتاب سے پیش کرے جسکا بہت حصہ انگریزی کلیسیا کے ایک عہدہ دار اور پادری اور آکسفورڈ جیسی یونیورسٹی کے پروفیسر کا لکھا ہوا اور مرتب کیا ہوا ہی ہمارے لئے ایک ایسی شرم کی بات ہی کہ اسکا نشانہ ہمین نہین ہونا چاہیئے - اپنی پرائیویٹ حیثیت مین پروفیسر کین کو اختیار ہی جس طرح چاہے رائے لگادے اور جو چاہے لکھے لیکن جب وہ اپنی پبلک حیثیت اور اثر کو ایسے عقیدونکو پھیلانے مین استعمال کرتا ہی جو عیسائیت کے بنیادی اصولون کو خاک مین ملا رہے ہین تو وہ اس سارے کلیسیا کو جسکا وہ ممبر ہی اپنے ساتھ ملزم کرتا ہی اور اس مذہب پر ایک مہلک حملہ کرتا ہی جسکو کلیسیا پھیلانیکی کوشش کر رہی ہی" اسی مضمون پر ایک اپیل اعتراض کیصورت مین آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیونکے چانسلرون کیخدمت

مین پیش کی گئی ہی۔لیکن جو نامہ نگار اخبار گارڈین کو لکھتا ہی اس کی رائے ہے کہ کلیسیا کے لاٹ پادریونکو بھی اس معاملہ مین کچھ کرنا چاہیئے وہ انکو وہ حلفی اقرارنامہ یاد دلاتا ہی جسپر سب چھوٹے اور بڑے پادری ہان کر چکے ہین کہ"کیا تم پوری دیانتداری اور ہوشیاری کے ساتھ تمام غلط اور نئے اصولونکو جو خدا کے کلام کے خلاف ہین۔ دور کرنے اور رد کرنے کے لئے تیار رہوگے"۔اور پھر کہتا ہے کہ"ہمارے خداوند کی الوہیت کا انکار کوئی نیا اور عجیب عقیدہ تو نہین لیکن کم سے کم ہمارا یہ ایمان ہی کہ غلط اور خدا کے کلام کے خلاف ہے"۔لیکن اگر کلیسیا کے عہدے دار ہر ایک جھوٹے عقیدے کو بُرا کہنے لگین اور رد کرنے لگین تو انگریزی کلیسیا کی وسعت کہان جائے گی"۔

مگر ہم کہتے ہین کہ کلیسیا کے عہدے دار اس کتاب کو ہاتھ مین لیکر کیا کر سکتے ہین جس کو کلام الٰہی ماننا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ہان ہم بھی ان اپیلونکے نتائج کے منتظر ضرور ہین +

مشنریین بائیبل کا اتحاد اور اعلے تنقید۔ اس عنوان کے نیچے ریکارڈ اور راک ولایت کے دو اخبارون نے ۳۰۔اکتوبر کو کورف صاحب کی ایک چٹھی چھاپی ہے یہ وہی صاحب ہین۔ جنہون نے اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیونکے چانسلرون کے پاس ایک اپیل بھیجی تھی کہ اعلے تنقید کے نتائج عیسائی عمارت کو گرانے والے ہین وہ لکھتا ہے:۔

جناب من !ممالک غیر مین انجیل کی اشاعت کنندہ مجلس نے اپنے سہ ماہی رسالے مین ایک مضمون بعنوان"اعلے تنقید مشنری کام کو مدد دینے والی ہے" درج کرکے گویا ایک چیلنج دیا ہے اور یہ بھی ایسے وقت مین جبکہ ہندوستان سے یہ خطرناک اطلاع پہونچی ہے کہ اعلے تنقید کے اصولون پر اس جگہ اب کھلے طور پر بائیبل کو قرآن شریف کی طرح ماناجاتا ہے۔چرچ مشنری سوسائٹی کے ہائی سکول کا پرنسپل کرشن نگر (بنگال) سے اخبار ریکارڈ کو لکھتا ہے کہ پنجاب کا ریویو آف ریلیجنز سب سے نئی اور اعلے درجہ کی تنقید کی بنا پر کہتا ہے کہ بائیبل کی وہی قدر و قیمت ہے جو قرآن شریف اسے دیتا ہے اور اس طرح پر مشنریونکو رد کر دیتا ہے۔کہ وہ بائیبل کی تعلیم کو خیرباد کہین جو اس طرح پر باطل ثابت ہو چکی ہی۔اور وہ اس امر کو تسلیم کرلین کہ یسوع کی برائے نام الوہیت دوسرے انسانون سے کچھ بھی زیادہ نہین اُس طرح پر جدید تنقید کی زبردست رَد کے سامنے بائیبل ایک تنکے کی طرح بہ گئی ہے"۔اور یہی اس کی قسمت مین تھا۔دنیا بھر مین عیسائیت کی یہ شرمناک اور انجام بد کی دھمکی دینے والی حالت اس فوری اپیل کا

موجب ہوئی۔ جو اس ملک مین کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹیونکے چانسلرونکے پاس کی گئی۔ لہذا ان اسباب کی موجودگی مین مجلس اشاعت انجیل کی یہ تحدّی اگر اسکا فوری جواب نہ دیا گیا تمام ممالک غیر کے مشنری کام کو متزلزل کئے بغیر نہ رہے گی اسلیئے اسکا جواب ضرور ہونا چاہیئے۔ پھر انجمن ترقی تعلیم عیسویؑ نے حال مین ایک کتاب شائع کی ہے جس مین مندرجہ ذیل فقرات درج ہین "میری رائے مین تمام تاریخ عالم مین بُدھ کی شخصیت یقیناً مسیح سے دوسرے درجہ پر ہے اگرچہ کہنے مین ہم اسکو موسےؑ سے افضل قرار دیتے ہین۔ اس طرح مندرجہ بالا الفاظ مین (جو اُسقف اعظم ولسن نے لکھے ہین۔ اور بعنوان ایس۔ پی۔ سی کے طبع ہوئے ہین) ابراہیمؑ۔ الیاسؑ۔ داؤدؑ۔ یسعیاؑ۔ انجیل نویسون اور حواریون کنواری مریم اور پولوس رسول کا درجہ بدھ سے کم تر درجہ پہ قرار دیا گیا ہے" مزید برآن برسٹل چرچ کانگرس مین ایک بشپ نے جسکو کینن ڈرایور اور کینن کی طرح سالہا سال سے درازتک ایک اعلے درجہ کا انگریز محقق ہونیکا فخر حاصل رہا ہے۔ انہین قیاسات کا اعادہ کیا ہے جن کی بنا پر بائیبل کیصورت و صداقت کا انکار ہندوستان آسٹریلیا اور دیگر حصص دنیا مین ہستی ہے ایسی تمام تحدیونکے جوابات خواہ وہ کسی کیطرف سے دئے گئے ہون پہلے سے موجود ہین کیونکہ گذشتہ چند سال کے اندر ایک کافی ذخیرہ ایسی کتابون کا موجود ہوگیا ہے جو انگلستان اور جرمن کے پروفیسرون کی ماہرانہ تصنیفات ہین نیز ان لوگون کی تصنیفات ہین جو بائیبل کی جدید تنقید کے ہر شعبہ کے ماہر ہین۔ ان کتابون مین منقولی طور پر اعلے درجہ کے محققون کی نکتہ چینیون کی تردید کی گئی ہے اور اس طرح پر پاک نوشتون کی صداقتون کو مکرر قائم کیا ہے۔ مجلس متعلمین بائیبل حال ہی مین انگلستان اور سکاٹلینڈ مین قائم کی گئی ہے۔ جسکا خصوصیت کے ساتھ یہ مدعا ہے کہ وہ اس ملک اور غیر ممالک مین بائیبل پر حملون کی مدافعت کے علم کی اشاعت کرے اور اس طرح پر ہر شخص کی وسعت کے موافق بائیبل کی معقول حفاظت کے اوزار اور مصالح کو بہم پہونچائے۔ اگر اس ملک کو عیسائی رکھنا ہے تو بائیبل کی کامل مدافعت یا حفاظت اس ملک کی قومی زندگی کا ایک ضروری جزو ہوگیا ہے اور ان زبردست کوششونکو جو بچونکو مدرسون مین اور بائیبل کی جماعتون مین اعلے تنقید کے اصول سکھا کر انکو ان اصولونپر قائم کرنیکے لئے کی جاتی ہین ملحوظ رکھکر یہ اور بھی زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بالآخر سب سے آخری تدبیر جو ان برباد کن محققون نے پارہ پارہ شدہ بائیبل کے معاوضہ مین پیش کی ہے یہ ہے "مسیح بذات خود اور اس کی تعلیم" ہے۔ اور یہ دونون کنیوسس سکول اور انسکلوپیڈیا ببلیکا کی متحد کوششونسے برباد ہوگئی ہین کیونکہ انہون نے مسیح کو ایک ایسا معلم قرار دیا ہے جس سے صدورِ خطا ہوتا رہا۔

اور اسکو ایک معمولی انسان کے درجہ پر تنزل کیا ہے۔ اس طرح پر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ ہان بجز اس گرد وغبار کے جو کونے کے پتھر کے گر کر چور چور ہونے سے پیدا ہو کچھ بھی نہیں رہا۔ ہان ٹھیک اسی طرح جیسے پہلے کہا گیا تھا مجلس متعلمین بائیبل مین چند مشہور علماء عصر بھی شریک ہیں"

اس اقتباس کو پڑھکر جو ریکارڈ جیسے مشہور اخبار سے کیا گیا ہے اور جو ایک زبردست عیسائی کی قلم سے نکلا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ عیسائیونکو عیسائی رکھنے کے لئے نہیں بلکہ یہ کہ کم از کم انگلستان کو عیسائی رکھنے کے واسطے بہت بڑی کوششون کی ضرورت خود عیسائیونکو محسوس ہوئی ہے۔ مگر ہم کہے دیتے ہیں جیسا کہ اس اقتباس کے آخری فقرے بتا رہے ہیں کہ اب ایوان عیسویت کی بنیادین ہل چکی ہین۔ اور تزلزل در ایوان عیسے فتاد کا مضمون صادق آرہا ہے۔ یورپ ہو کہ عیسائیت کی موت کو مشاہدہ کر چکا ہے۔ اور اب جنازہ مسیحیت پر نوحہ خوانی کر رہا ہے لیکن ہندوستان میں ہمارے مخالف نہیں نہیں حق وحکمت کے مخالف۔ صداقت وراستی کے دشمن چیخ رہے ہین کہ مسیح موعودؑ نے آکر کیا کیا۔ نادانو! آنکھیں کھولو۔ اور یورپ وامریکہ کے اخبارات کو پڑھو۔ اور دیکھو کہ عیسویت کا جنازہ کس طرح اٹھ رہا ہے۔ عیسائیونکے اپنے گھر مین محض مسیح موعود کے انفاس قدسیہ کے طفیل آزاد خیال لوگ پیدا ہو رہے ہین جو عیسویت کے خیالی ڈھکوسلونکو مان نہین سکتے۔ اور عیسائیون کے ملک اور عیسائیونکے گھرون مین رہکر اب وہ پکار اٹھے ہین کہ مسیح معمولی انسان سے بڑھکر کوئی حیثیت نہین رکھتا۔ یہ نور اور توحید کا ظہور محض ایک پاک وجود کے ذریعہ اسوقت ہو چکا ہے جو مسیح موعودؑ کے نام سے آیا ہے جسکی ایک شعاع ونکو ریویو آف ریلیجنز مغربی دنیا میں پھیلا رہا ہے اور وہ وقت آتا ہے کہ مغربی قومین بڑی نیازمندی کے ساتھ اسلام کیطرف رجوع کرین اور آفتاب مغرب سے طلوع ہو ٭

اعلان

(۱) بہت عرصہ سے توجہ دلائی جارہی ہے کہ جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا کچھ چندہ باقی ہے وہ سن رواں کی پیشگی زر چندہ کے ساتھ بقایا ذمگی ادا کرکے بیباقی حساب کریں لیکن بجز معدودے چند احباب کے باقی خریداران کیجانب سے اس تاکیدی عرضداشت پر بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے۔ لہذا ایسے جملہ خریداران کو ایک دفعہ پھر یاددہانی کا موقعہ دیا جاتا ہے کہ یا تو وہ براہ مہربانی جلدی بیباقی حساب کریں ورنہ کم از کم اطلاع بخشیں کہ کب تک ان کی جانب سے رقم ادا ہوگی یا کس ماہ مین انکی نام وی پی بھیجا جاوے۔ بصورت عدم ترسیل رقم واجب الوصول یا عدم اطلاع کے اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔ (۲) باوجود متواتر توجہ دلانے کے اکثر خریداران خط کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری نہین لکھتے۔ تعداد خریداری دو ہزار سے بڑھ گئی ہے اور بفضلہ تعالے روز بروز رو بہ ترقی ہے۔ بدون پتہ نمبر کے تلاش نام مین علاوہ حرج کام کے بڑی مشکل و دقت پیش آتی ہے۔ لہذا اب نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکائیت عدم تعمیل بیجا تصور ہوگی۔

(۳) میگزین فنڈ کا جملہ روپیہ خواہ خیراتی ہو یا امدادی یا مد خریداری کا ہو یا متفرق۔ بنام منیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان آنا چاہئیے۔ اور روپیہ بھیجتے وقت اس امر کی تفصیل ہونی چاہئیے کہ ان متذکرہ بالا مدات مین سے کس مد کا یہ روپیہ ہے اور کس کس سال کی بابت اور کس کس صاحب کی جانب سے ہے۔ عدم تفصیل کیحالت مین اندراج رجسٹر نامکمل رہتا ہے جس سے مغالطہ حساب کا اندیشہ ہے۔

(۴) سالہائے گذشتہ کے ختم شدہ پرچجات جو دوبارہ زیر طبع تھے ان مین سے چند نمبرون کی تکمیل چھپائی مین چندیوم کا توقف ہے۔ مکمل چھپ چکنے پر جن خریدارونکو جو نمبر پہلے نہین ملے۔ وہ انکی یاددہانی کے بغیر خود بخود ان کی خدمت مین ارسال ہونگے ہان جدید خریدار جلدی درخواستین بھیجین ورنہ بصورت توقف پھر دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا +

(۵) انڈکس یعنی فہرست مضامین پرچہ جات میگزین سال سنہ ۱۹۰۳ء اب تیار ہوکر چھپوائی جاویگی اور پرچہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء کے ساتھ جملہ خریداران کیخدمت مین ارسال ہوگی۔ بہتر ہے کہ خریداران اس فہرست کے پہونچنے پر سال سنہ ۱۹۰۳ء کے پرچہ جات کی جلد بندی کرادین۔ **منیجر**

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دوکان میرے متعلق ہے انہیں کوئی نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ مارچ ۱۹۰۴ء نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا + چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عا

"حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل کیلئے پھر یاددہانی"

رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت و اعانت کے متعلق جس قدر حد سے بڑھے ہوئے پُرزور الفاظ میں حضرت اقدس عم نے اپنی جماعت کے پُرجوش باہمت و مخلص احباب کو تاکید اکید فرمائی ہے وہ اس امر کی متقضی تھی کہ اپنی جماعت کا کوئی فرد اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا۔ لیکن موجودہ تعداد خریداری ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت اقدس عم کے یہ دل کو ہلا دینے والے تاکیدی پُرزور الفاظ ابھی اپنی جماعت کے جملہ مخلص احباب کے کانوں تک نہیں پہونچے ورنہ اپنے مخلص احباب کی باہمت اور پُرجوش روحیں جب تک رسالہ کی خریداری کو حضرت اقدس عم کی فرمائی ہوئی دس ہزار تعداد تک نہ پہونچا دیتیں اپنے پیارے مطاع امام علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی بجاآوری میں اپنے من تن دھن کسی قسم کی خدمت و اعانت سے فرق نہ رکھتیں۔

بلا ریب نسبتاً اب درخواست ہائے خریداری کا بڑھنا شروع ہو گیا ہے مگر الحال ہمیں وہ روزافزوں ترقی نظر نہیں آتی جو جلد تر تعداد خریداری کو حضرت اقدس عم کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہونچانے کے لئے درکار ہے۔ لہذا ایک دفعہ پھر اپنے مخلص احباب و برادران کو حضرت حضرت اقدس عم کے ارشاد کی تعمیل کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعداد خریداری کو بڑھانے کی کوشش کے علاوہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے ان تاکیدی الفاظ کو اپنے دیگر برادران کے کانوں تک پہونچانے کی بھی سعی فرماویں تاکہ اپنی جماعت کا ہر ایک مخلص بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد سے مطلع ہو کر رسالہ کی اشاعت و اعانت میں حسب استطاعت و حسب توفیق خود حصہ لیکر سابق بالخیرات بنے جو اسکے لئے باعث حصول ثواب عقبے ہو حسنات دارین حاصل کرنے کا عین موقعہ ہے۔ کاش! کوئی وقت پہ اس کی قدر کرنے والا ہو۔ درگاہ رب العزت سے تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالے محض اپنے فضل و کرم و رحمت غیر متناہی سے اپنی جماعت کے جمیع مخلص احباب کے دلوں کو ایسے کار ہائے خیر میں سبقت لیجانے کی توفیق بخشے جس سے ثمرات حسنۂ اخروی حاصل کر سکیں آمین ثم آمین۔

منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی حقیقت

(از حضرت مسیح موعود ؑ)

واضح ہو کہ لغت عرب مین اسلام اس کو کہتے ہین کہ بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیا جائے اور یا یہ کہ کسی کو اپنا کام سونپین اور یا یہ کہ صلح کے طالب ہون اور یا یہ کہ کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دین +

اور اصطلاحی معنے اسلام کے وہ ہین جو اس آیت کریمہ مین اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن + یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ مین اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالےٰ کے لئے اور اسکے ارادون کی پیروی کیلئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کامون پر خدا تعالےٰ کیلئے قایم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتین اس کی راہ مین لگا دیوے مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ "اعتقادی" طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالےٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اسکے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور "عملی" طور پر اس طرح سے کہ خالصاً للہ حقیقی نیکیان جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر ایک خداداد توفیق سے وابستہ ہین بجا لاوے مگر ایسے ذوق و شوق و حضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ مین اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے +

پھر بقیہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جس کی اعتقادی و عملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہو اور ایسے طبعی جوش سے اعمال حسنہ اس سے صادر ہون وہی ہے جو عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگون پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہین یعنی ایسے لوگون کے لئے نجات نقد موجود ہے کیونکہ جب انسان کو اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لا کر اس سے موافقت تامہ ہو گئی اور ارادہ اس کا خدا تعالےٰ کے ارادہ سے ہم رنگ

ہوگیا۔ اور تمام لذت اس کی فرمانبرداری مین ٹھہرگئی اور جمیع اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے صادر ہونے لگے تو یہی وہ کیفیت ہے جسکو فلاح اور نجات اور رستگاری سے موسوم کرنا چاہیئے اور عالم آخرت مین جو کچھ نجات کے متعلق مشہود و محسوس ہوگا وہ درحقیقت اسی کیفیت راسخہ کے اظلال و آثار ہین جو اس جہان مین جسمانی طور پر ظاہر ہو جائینگے۔ مطلب یہ ہی کہ بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع ہو جاتی ہے اور جہنمی عذاب کی جڑھ بھی اسی جہان کی گندی اور کورانہ زیست ہے +

اب آیات ممدوحہ بالا پر ایک نظر غور ڈالنے سے ہر یک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی حقیقت تب کسی مین متحقق ہوسکتی ہی کہ جب اسکا وجود معہ اپنی تمام باطنی و ظاہری قوے کے محض خدا تعالے کیلئے اور اس کی راہ مین وقف ہو جاوے اور جو امانتین اس کو خدا تعالی کی طرف سے ملی ہین پھر اسی معطی حقیقی کو واپس دیجائین اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ مین بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جاوے یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کر دیوے کہ اُسکے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ اور اس کی عقل اور اس کا فہم اور اس کا غضب اور اسکا رحم اور اسکا علم اور اسکا حلم اور اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتین اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالون سے پیرون کے ناخنون تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہانتک کہ اس کی نیات اور اس کے دل کے خطرات اور اسکے نفس کے جذبات سب خدا تعالے کے ایسے تابع ہو گئے ہین کہ جیسے ایک شخص کے اعضا اس شخص کے تابع ہوتے ہین۔ غرض یہ ثابت ہو جائے کہ صدق قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اسکا ہے وہ اسکا نہین بلکہ خدا تعالے کا ہوگیا ہے اور تمام اعضا اور قوے الہی خدمت مین ایسے لگ گئے ہین کہ گویا وہ جوارح الحق ہین +

اور ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات بھی صاف اور بدیہی طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ خدا تعالے کی راہ مین زندگی کا وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالے کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا مین کوی دوسرا شریک باقی نہ رہی اور اُسکی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئی جائین اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکمون اور حدون اور قانونون اور تقدیرون کو بارادت تام سر پر اٹھا لیا جاوے اور نیز وہ تمام پاک صداقتین اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتون کے معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنیکے لئیے ایک واسطہ اور اسکے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہین بخوبی معلوم کر لیجائین۔ دوسری قسم اللہ تعالے کی راہ مین زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اسکے بندون کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غمخواری مین اپنی زندگی وقف کر دیجاوے دوسرونکو آرام پہونچانے کے لئے دکھ اٹھاوین اور دوسرون کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لین +

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقت نہایت ہی اعلیٰ ہے اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہین ہو سکتا جبتک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اسکے تمام قوتون اور خواہشون اور ارادون کے حوالہ بخدا نہ کر دیوے اور اپنی انانیت سے مع اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اسی کی راہ مین نہ لگ جاوے۔ پس حقیقی طور پر اسی وقت کسی کو مسلمان کہا جائیگا کہ جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اسکے نفس امارہ کا نقش ہستی مع اس کے تمام جذبات کے یکدفعہ مٹ جائے اور پھر اس موت کے بعد محسن للہ ہونیکی نئی زندگی اس مین پیدا ہو جائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس مین بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو۔ خالق کی طاعت اس طرح سے کہ اس کی عزت و جلال اور یگانگت ظاہر کرنے کیلئے بے عزتی اور ذلت قبول کرنیکے لئے مستعد ہو اور اس کی وحدانیت کا نام زندہ کرنیکے لئے ہزارون موتون کے قبول کرنیکے لئے تیار ہو۔ اور اس کی فرمانبرداری مین ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بخوشی خاطر کاٹ سکے اور اس کے احکام کی عظمت کا پیار اور اس کی رضاجوئی کی پیاس گناہ سے ایسی نفرت دلادے کہ گویا وہ کھا جانیوالی ایک آگ ہے یا ہلاک کرنیوالی ایک زہر ہے یا بھسم کر دینے والی ایک بجلی ہے جس سے اپنی تمام قوتون کے ساتھ بھاگنا چاہئے غرض اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنے نفس کی سب مرضیات چھوڑ دے اور اسکے پیوند کے لئے جانکاہ زخمون سے مجروح ہونا قبول کرے اور اس کے تعلق کا ثبوت دینے کے لئے سب نفسانی تعلقات توڑ دے +

اور خلق اللہ کی خدمت اس طرح سے کہ جس قدر خلقت کی حاجات ہین اور جسقدر مختلف وجوہ اور طرق کی راہ سے قسام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے ان تمام امور مین محض للہ اپنی حقیقی اور بے غرضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہو سکتی ہے ان کو نفع پہنچاوے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے اور ان کی دنیا و آخرت دونون کی اصلاح کے لئے زور لگاوے +

مگر یہ للہی وقف محض اس صورت مین اسم با مسمیٰ ہوگی کہ جب تمام اعضاء للہی اطاعت کے رنگ سے ایسے رنگ پذیر ہو جائین کہ گویا وہ ایک الہی آلہ ہین جن کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعال الہیہ ظہور پذیر ہوتے ہین یا ایک مصفا آئینہ ہین جس مین تمام مرضیات الہیہ بصفائی تمام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہین۔ اور جب اس درجہ کاملہ للہی طاعات و خدمات پہنچ جائین تو اس صبغۃ اللہ کی برکت سے اس وصف کے انسان کی قوےٰ اور جوارح کی نسبت وحدت شہودی کے طور پر یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ مثلاً یہ آنکھین خدا تعالے کی آنکھین اور یہ زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور یہ ہاتھ خدا تعالے کے ہاتھ اور یہ کان خدا تعالے کے کان اور یہ پاؤن خدا تعالے کے پاؤن ہین۔ کیونکہ وہ تمام اعضاء اور قوتین للہی راہون مین خدا تعالے کے ارادونسے پر ہو کر اور اس کی خواہشونکی تصویر بنکر اس لایق ہو جاتے ہین کہ ان کو اسی کا روپ کہا جاوے وجہ یہ کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء پورے طور پر اس کی مرضی اور ارادہ کے تابع ہوتے ہین ایسا ہی کامل انسان اس درجہ پر پہنچکر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور مالکیت اور معبودیت اور اس کی ہر ایک مرضی اور خواہش کی بات ایسی ہو اسکو پیاری معلوم ہوتی ہے کہ جیسی خود خدا تعالیٰ کو سو یہ

مرضیات و ارادات سے موافقت تامہ پیدا کر لیتے اور اطاعت و انقیاد کی عظمت اور

عظیم الشان للّٰہی طاعت و خدمت جو پیار اور محبت سے ملی ہوئی اور خلوص اور حنفیت سے بھری ہوئی ہو یہی اسلام
اور اسلام کی حقیقت اور اسلام کا لب لباب ہے جو نفس اور خلق اور ہوا اور ارادہ سے موت حاصل کرنے کے بعد ملتا ہے
اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت موصوفہ بالا یعنے بلیٰ من اسلم وجہہ للّٰہ و ہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ
ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون + سعادت تامہ کے تینون ضروری درجون یعنی فنا اور بقا اور لقا کیطرف
اشارت کرتی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہین اسلم وجہہ للّٰہ کا فقرہ یہ تعلیم کر رہا ہے کہ تمام قوےٰ اور
اعضا اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالےٰ کو سونپ دینا چاہئے اور اس کی راہ مین وقف کر دینا چاہئے اور یہ وہی کیفیت
ہے جسکا نام دوسرے لفظون مین فنا ہے وجہ یہ کہ جب انسان نے حسب مفہوم اس آیت ممدوحہ کے اپنا تمام
وجود معہ اس کی تمام قوتون کے خدا تعالےٰ کو سونپ دیا اور اس کی راہ مین وقف کر دیا اور اپنی نفسانی
جنبشون اور سکونون سے بکلی باز آگیا۔ تو بلا شبہ ایک قسم کی موت اسپر طاری ہو گئی اور اسی موت کو اہل
تصوّف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہین +

پھر بعد اسکے وَہُوَ مُحْسِنٌ کا فقرہ مرتبہ بقا کیطرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ جب انسان بعد فنا اکمل و اتم
و سلب جذبات نفسانی۔ الٰہی جذبہ اور تحریک سے پھر جنبش مین آیا اور بعد منقطع ہو جانے تمام نفسانی حرکات
کے پھر ربانی تحریکون سے پُر ہو کر حرکت کرنے لگا تو یہ وہ حیات ثانی ہے جسکا نام بقا رکھنا چاہئے +

پھر بعد اسکے یہ فقرات "فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" + جو اثبات و ایجاب اجر و نفی
و سلب خوف و حزن پر دلالت کرتی ہین یہ حالت لقا کیطرف اشارہ ہے کیونکہ جسوقت انسان کی عرفان اور
یقین اور توکل اور محبت مین ایسا مرتبہ عالیہ پیدا ہو جائے کہ اسکے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اس کی
نظر مین وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود اور مرئی اور محسوس ہو کہ گویا وہ اسکو مل چکا
ہے اور خدا تعالےٰ کے وجود پر ایسا یقین ہو جائے کہ گویا وہ اسکو دیکھ رہا ہے اور ہر ایک آیندہ کا خوف اسکی
نظر سے اٹھ جاوے اور ہر ایک گذشتہ اور موجودہ غم کا نام و نشان نہ رہے اور ہر ایک روحانی تنعم موجود الوقت
نظر آوے تو یہی حالت جو ہر ایک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر ایک دغدغہ اور شک سے محفوظ اور ہر ایک
درد انتظار سے منزہ ہے۔ لقا کے نام سے موسوم ہے اور اس مرتبہ لقا پر محسن کا لفظ جو آیت مین موجود ہے
نہایت صراحت سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ احسان حسب تشریح نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسی حالت کا نام ہے کہ جب
انسان اپنی پرستش کی حالت مین خدا تعالےٰ سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ گویا اسکو دیکھ رہا ہے +

اور یہ لقا کا مرتبہ تب سالک کیلئے کامل طور پر متحقق ہوتا ہے کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو
بتمام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متواری اور پوشیدہ کر دیوے جس طرح آگ لوہے کے رنگ کو اپنے نیچے
ایسا چھپا لیتی ہے کہ نظر ظاہر مین بجز آگ کے اور کچھ دکھائی نہین دیتا یہ وہی مقام ہے جسپر پہنچکر بعض سالکین نے
لغزشین کھائی ہین اور شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ مین سمجھ لیا ہے۔ اس مقام مین جو اولیاء اللہ

پہنچے ہین یا جن کو اس مین سے کوئی گھونٹ میسر آگیا ہے۔ بعض اہل تصوف نے انکا نام اطفال اللہ رکھدیا ہے اس مناسبت سے کہ وہ لوگ صفات الٰہی کے کنار عاطفت مین بکلی جا پڑے ہین اور جیسے ایک شخص کا لڑکا اپنے حلیہ اور خط و خال مین کچھ اپنے باپ سے مناسبت رکھتا ہی ویسا ہی انکو بھی ظلی طور پر بوجہ تخلق باخلاق اللہ خدا تعالی کی صفات جمیلہ سے کچھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے ایسے نام اگرچہ کھلے کھلے طور پر بزبان شرع مستعمل نہین ہین مگر درحقیقت عارفون نے قرآن کریم سے ہی اسکو استنباط کیا ہی کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا۔ یعنے اللہ تعالے کو ایسا یاد کرو کہ جیسے تم اپنے باپون کو یاد کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ اگر مجازی طور پر ان الفاظ کا بولنا منہیات شرع سے ہوتا تو خدا تعالے ایسی طرز سے اپنے کلام کو منزہ رکھتا جس سے اس اطلاق کا جواز مستنبط ہو سکتا ہے +

اور اس درجہ لقا مین بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہین کہ جو بشریت کی طاقتون سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہین جیسے ہمارے سید و مولی سید الرسل خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر مین ایک سنگریزون کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہین بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت کھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اسکا اثر پڑا کہ کوئی ان مین سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اسکا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھون کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان مین پیدا ہو گئی کہ مدہوشون کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کیطرف اللہ جلشانہ اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ط۔ یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہین پھینکا بلکہ خدا تعالے نے پھینکا یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا +

اور ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو شق القمر ہے اسی الٰہی طاقت سے ظہور مین آیا تھا۔ کوئی دعا اُسکے ساتھ شامل نہ تھی کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع مین آگیا تھا اور اس قسم کے اور بھی بہت سے معجزات ہین جو صرف ذاتی اقتدار کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے جنکے ساتھ کوئی دعا نہ تھی۔ کئی دفعہ تھوڑے سے پانی کو جو صرف ایک پیالہ مین تھا اپنی انگلیون کو اس پانی کے اندر داخل کرنے سے اسقدر زیادہ کر دیا کہ تمام لشکر اور اونٹون اور گھوڑون نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی ویسا ہی اپنی مقدار پر موجود تھا۔ اور کئی دفعہ دو چار روٹیون پر ہاتھ رکھنے سے ہزارہا بھوکون پیاسون کا ان سے شکم سیر کر دیا اور بعض اوقات تھوڑے دودھ کو اپنی لبون سے برکت دیکر ایک جماعت کا پیٹ اس سے بھر دیا۔ اور بعض اوقات شور آب کنوئین مین اپنے منہ کا لعاب ڈال کر اسکو نہایت شیرین کر دیا۔ اور بعض اوقات سخت مجروحون پر اپنا ہاتھ رکھکر ان کو اچھا کر دیا۔ اور بعض اوقات آنکھون کو جنکے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے

پھر درست کر دیا۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے کام اپنے ذاتی اقتدار سے کئے جنکے ساتھ ایک چھپی ہوئی طاقت الٰہی مخلوط تھی حال کے برہمو اور فلسفی اور نیچری اگر ان معجزات سے انکار کریں تو وہ معذور ہیں کیونکہ وہ اس مرتبہ کو شناخت نہیں کر سکتے جس میں ظلی طور پر الٰہی طاقت انسان کو ملتی ہے پس اگر وہ ایسی باتوں پر ہنسیں تو وہ اپنی ہنسنے میں بھی معذور ہیں کیونکہ انہوں نے بجز طفلانہ حالت کے اور کسی درجہ روحانی بلوغ کو طے نہیں کیا۔ اور نہ صرف اپنی حالت ناقص رکھتے ہیں بلکہ اس بات پر خوش ہیں کہ اسی حالت ناقصہ میں مریں بھی ؛

مگر زیادہ تر افسوس ان عیسائیوں پر ہے جو بعض خوارق اسی کے مشابہ مگر ان سے ادنیٰ حضرت مسیح میں سن سنا کر ان کی الوہیت کی دلیل ٹھہرا بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا مردوں کا زندہ کرنا اور مفلوجوں اور مجذوموں کا اچھا کرنا اپنے اقتدار سے تھا کسی دعا سے نہیں تھا اور یہ دلیل اس بات پر ہے کہ وہ حقیقی طور پر ابن اللہ بلکہ خدا تھا لیکن افسوس کہ ان بیچاروں کو خبر نہیں کہ اگر انہیں باتوں سے انسان خدا بنجاتا ہے تو اس خدائی کا زیادہ تر استحقاق ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ اس قسم کے اقتداری خوارق جسقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز دکھلا نہیں سکے اور ہمارے ہادی و مقتدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اقتداری خوارق نہ صرف آپ ہی دکھلائے بلکہ ان خوارق کا ایک لمبا سلسلہ روز قیامت تک اپنی امت میں چھوڑ دیا جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں حسب ضرورت زمانہ ظہور میں آتا ہے اور اس دنیا کے آخری دنوں تک اسی طرح ظاہر ہوتا رہیگا اور الٰہی طاقت کا پرتوہ جس قدر اس امت کی مقدس روحوں پر پڑا ہے اس کی نظیر دوسری امتوں میں ملنی مشکل ہے پھر کس قدر بیوقوفی ہے کہ ان خارق عادت امور کی وجہ سے کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا جائے اگر ایسے ہی خوارق سے انسان خدا بن سکتا ہے تو پھر خداؤں کا کچھ انتہا بھی ہے ؟

لیکن یہ بات اس جگہ یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اس قسم کے اقتداری خوارق گو خدا تعالیٰ کیطرف سے ہی ہوتے ہیں مگر پھر بھی خدا تعالےٰ کے ان خاص افعال سے جو بلا توسط ارادہ غیرے ظہور میں آتے ہیں کسی طور سے برابری نہیں کر سکتے اور نہ برابر ہونا انکا ممکن ہے۔ اسیوجہ سے جب کوئی نبی یا ولی اقتداری طور پر بغیر توسط کسی دعا کے کوئی ایسا امر خارق عادت دکھلاوے جو انسان کو کسی حیلہ اور تدبیر اور علاج سے اسکی قوت نہیں دیگئی تو بہی کا وہ فعل خدا تعالیٰ کے ان افعال سے کم رتبہ پر رہیگا جو خود خدا تعالیٰ علانیہ اور بالجہر اپنی قوت کاملہ سے ظہور میں لاتا ہے یعنی ایسا اقتداری معجزہ بہ نسبت دوسرے الٰہی کاموں کے جو بلا واسطہ اللہ جلشانہ سے ظہور میں آتے ہیں ضرور کچھ نقص اور کمزوری اپنے اندر موجود رکھتا ہوگا تا سرسری نگاہ والوں کی نظر میں تشابہ فی الخلق واقع نہ ہو۔ اسیوجہ سے حضرت موسیٰ ؑ کا عصا باوجود اسکے کہ کئی دفعہ سانپ بنا لیکن آخر عصا کا عصا ہی رہا۔ اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر انکا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کے مٹی ہی تھیں اور کہیں خدا تعالےٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداری خوارق میں چونکہ طاقت الٰہی سب سے زیادہ بھری ہوئی تھی کیونکہ وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجلیات الٰہیہ کے لئے اتم واعلےٰ وارفع واکمل نمونہ تھا اسلئے

ہماری نظر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداری خوارق کو کسی درجہ بشریت پر مقرر کرنے سے قاصر ہین مگر تاہم ہمارا اس پر ایمان ہی کہ اس جگہ بھی اللہ جلشانہ اور اس کے رسول کریم کے فعل مین مخفی طور پر کچھ فرق ضرور ہوگا۔
اب ان تحریرات سے ہماری غرض اس قدر ہے کہ لقا کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آتا ہی تو اس مرتبہ کی توجہ کے اوقات مین الہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہین اور ایسے شخص کی گہری صحبت مین جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ یہ اقتداری خوارق مشاہدہ کریگا کیونکہ اس توجہ کیحالت مین کچھ الہی صفات کا رنگ ظلی طور پر انسان مین آجاتا ہے یہانتک کہ اس کا رحم خدا تعالے کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالی کا غضب ہوجاتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہی کہ فلان چیز پیدا ہوجائے تو وہ پیدا ہوجاتی ہی اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہی تو اسپر کوئی وبال نازل ہوجاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہی تو وہ خدا تعالے کے نزدیک مورد رحم ہوجاتا ہے اور جیساکہ خدا تعالے کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تخلف پیدا کرتا ہی ایسا ہی اسکا کُن بھی اس توجہ اور مدکیحالتمین خطا نہین جاتا اور جیساکہ مین بیان کرچکا ہون ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہی کہ یہ شخص شدت اتصال کیوجہ سے خدائے عزوجل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہوجاتا ہی اور تجلیات الہیہ اسپر دائمی قبضہ کرلیتے ہین اور محبوب حقیقی حجب حائلہ کو درمیان سے اٹھا کر نہایت شدید قرب کیوجہ سے ہم آغوش ہوجاتا ہے اور جیساکہ وہ خود مبارک ہی ایسا ہی اسکے اقوال افعال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم مین برکت رکھ دیتا ہی تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہی بغیر اسکے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہی اس کے مکان مین برکت ہوتی ہی اس کے دروازون کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہین اس کے گھر کے دروازون پر برکت برستی ہی جو ہر دم اسکو مشاہدہ ہوتی ہی اور اس کی خوشبو اسکو آتی ہی جب یہ سفر کرے تو خدا تعالے معہ اپنی تمام برکتون کے اسکے ساتھ ہوتا ہے جس کی کنہ بجز خدا تعالے کے اور کوئی نہین جانتا۴
اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ فنا فی اللہ کے درجہ کی تحقیق کے بعد یعنے اس درجہ کے بعد جو اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ کے مفہوم کو لازم ہے جسکو صوفی فنا کے نام سے اور قرآن کریم استقامت کے اسم سے موسوم کرتا ہی۔ درجہ بقا و لقا کا بلا توقف پیچھے آنیوالا ہے یعنی جبکہ انسان خلق اور ہوا اور ارادہ سے بکلی خالی ہوکر فنا کی حالت کو پہنچ گیا تو اس حالت کے راسخ ہونیکے ساتھ ہی بقا کا درجہ شروع ہوجاتا ہی مگر جبتک یہ حالت راسخ نہ ہوا ور خدا تعالی کی طرف بکلی جھک جانا ایک طبعی امر نہ ٹھہر جائے تب تک مرتبہ بقا کا پیدا نہین ہوسکتا بلکہ وہ مرتبہ صرف اسیوقت پیدا ہوگا کہ جب ہر ایک طاعت کا تصنع درمیان سے اٹھ جائے اور ایک طبعی روئیدگی کی طرح فرمانبرداری کی سرسبز اور لہراتی ہوئی شاخین دل سے جوش مار کر نکلین اور واقعی طور پر سب کچھ جو اپنا سمجھا جاتا ہی۔ خدا تعالے کا ہوجائے اور جیسے دوسرے لوگ ہوا پرستی مین لذت اٹھاتے ہین اس شخص کی تمام کامل لذتین پرستش اور یاد الہی مین ہون۔ اور بجائے نفسانی ارادون کے خدا تعالی کی مرضیات جگہ پکڑ لین ✣
پھر جب یہ بقا کیحالت بخوبی استحکام پکڑ جائے اور سالک کے رگ و ریشہ مین داخل ہوجائے اور اسکا جزو وجود بن جائے

۴ اور جب یہ گھر مین آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہی غرض عجیب انسان ہوتا ہی

اور ایک نور آسمان سے اترتا ہوا دکھائی دے جسکے نازل ہونیکے ساتھ ہی تمام پردے دور ہوجائین اور نہایت لطیف اور شیرین اور حلاوت سے ملی ہوئی ایک محبت دل مین پیدا ہو جو پہلے نہین تھی اور ایک ایسی خنکی اور طمینان اور سکینت اور سرور دل کو محسوس ہو کہ جیسے ایک نہایت پیارے دوست مدت کے بچھڑے ہوئے کے یکدفعہ ملنے اور بغلگیر ہونیسے محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالے کے روشن اور لذیذ اور مبارک اور سرور بخش اور فصیح اور معطر اور مبشرانہ کلمات اٹھتے اور بیٹھتے اور سوتے اور جاگتے اس طرح پر نازل ہونے شروع ہوجائین کہ جیسے ایک ٹھنڈی اور دلکش اور پر خوشبو ہوا ایک گلزار پر گذر کر آتی اور صبحکے وقت چلنی شروع ہوتی اور اپنے ساتھ ایک سکر اور سرور لاتی ہے۔ اور انسان خدا تعالی کی طرف ایسا کھینچا جائے کہ بغیر اس کی محبت اور عاشقانہ تصوّر کے جی نہ سکے اور نہ یہ کہ مال اور جان اور عزت اور اولاد اور جو کچھ اسکا ہے قربان کرنیکے لئے تیار ہو بلکہ اپنے دلمین قربان کر ہی چکا ہو اور ایسی ایک زبردست کشش سے کھینچا گیا ہو جو نہین جانتا کہ اسے کیا ہو گیا۔ اور نورانیت کا بشدت اپنے اندر انتشار پاوے جیسا کہ دن چڑھا ہوا ہوتا ہے اور صدق اور محبت اور وفا کی نہرین بڑے زور سے چلتی ہوئی اپنے اندر مشاہدہ کرے اور لحظہ بلحظہ البیادہ احساس کرتا ہو کہ گویا خدا تعالی اسکے قلب پر اترا ہوا ہے جب یہ حالت اپنی تمام علامتوں کے ساتھ محسوس ہو تب خوشی کرو اور محبوب حقیقی کا شکر بجا لاؤ کہ یہی وہ انتہائی مقام ہے جسکا نام لقا رکھا گیا ہے +

اس آخری مقام مین انسان ایسا احساس کرتا ہے کہ گویا بہت سے پاک پانیون سے اسکو دھوکر اور نفسانیت کا بکلی رگ و ریشہ اس سے الگ کرکے نئے سرے اسکو پیدا کیا گیا اور پھر رب العالمین کا تخت اسکے اندر بچھایا گیا اور خدائے پاک وقدوس کا چمکتا ہوا چہرہ اپنے تمام دلکش حسن وجمال کے ساتھ ہمیشہ کیلئے اسکے سامنے موجود ہو گیا ہے مگر ساتھ اسکے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دونون آخری درجہ بقا اور لقا کے کسبی نہین ہین بلکہ وہبی ہین اور کسب اور جد وجہد کی حد صرف فنا کے درجہ تک ہے اور اسی حد تک تمام راستباز سالکون کا سیر وسلوک ختم ہوتا ہے اور دائرہ کمالات انسانیہ کا اپنے استدارت تامہ کو پہنچتا ہے اور جب اس درجہ فنا کو پاک باطن لوگ جیسا کہ چاہئے طے کر چکتے ہین تو عادت الہیہ اسی طرح پر جاری ہے کہ یکدفعہ عنایت الہی کی نسیم چلکر بقا اور لقا کے درجہ تک انہیں پہنچا دیتی ہے

اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اس سفر کی تمام صعوبتین اور مشقتین فنا کی حد تک ہی ہین اور پھر اس سے آگے گذر کر انسان کی سعی اور کوشش اور مشقت ور محنت کو دخل نہین بلکہ وہ محبت صافیہ جو فنا کی حالت مین خداوند کریم وجلیل سے پیدا ہوتی ہے الہی محبت کا خود بخود اسپر ایک نمایان شعلہ پڑتا ہے جسکو مرتبہ بقا اور لقا سے تعبیر کرتے ہین اور جب محبت الہی بندہ کی محبت پر نازل ہوتی ہے تب دونون محبتون کے ملنے سے روح القدس کا ایک روشن اور کامل سایہ انسان کے دل مین پیدا ہوجاتا ہے اور لقا کے مرتبہ پر اس روح القدس کی روشنی نہایت ہی نمایان ہوتی ہے اور اقتداری خوارق جنکا ابھی ہم ذکر کر آئے ہین اسیوجہ سے ایسے لوگون سے صادر ہوتے ہین کہ یہ روح القدس کی روشنی ہر وقت اور ہر حال مین انکے شامل حال ہوتی ہے اور انکے اندر سکونت رکھتی ہے۔ اور وہ اس روشنی سے کبھی اور کسی حال مین جدا نہین ہوتے اور نہ وہ روشنی ان سے جدا ہوتی ہے وہ روشنی ہر دم

ان کے تنفس کے ساتھ نکلتی ہے اور ان کی نظر کے ساتھ ہر ایک چیز پر پڑتی ہے اور ان کی کلام کے ساتھ اپنی نورانیت لوگوں کو دکھلاتی ہے اسی روشنی کا نام روح القدس ہے مگر یہ حقیقی روح القدس نہیں حقیقی روح القدس وہ ہے جو آسمان پر ہے یہ روح القدس اس کا ظل ہے جو پاک سینوں اور دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ کے لئے آباد ہو جاتا ہے اور ایک طرفۃ العین کیلئے بھی ان سے جدا نہیں ہوتا اور جو شخص تجویز کرتا ہے کہ یہ روح القدس کسی وقت اپنی تمام تاثیرات کے ساتھ ان سے جدا ہو جاتا ہے وہ شخص سراسر باطل پر ہے اور اپنے پُرظلمت خیال سے خدا تعالےٰ کے مقدس برگزیدوں کی توہین کرتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ حقیقی روح القدس تو اپنے مقام پر ہی رہتا ہے لیکن روح القدس کا سایہ جسکا نام مجازاً روح القدس ہی رکھا جاتا ہے ان سینوں اور دلوں اور دماغوں اور تمام اعضا میں داخل ہوتا ہے جو مرتبہ بقا اور لقا کا پاکر اس لائق ٹھہر جاتے ہیں کہ ان کی نہایت اصفیٰ اور اجلیٰ محبت پر خدا تعالیٰ کی کامل محبت اپنی برکات کے ساتھ نازل ہو۔ اور جب وہ روح القدس نازل ہوتا ہے تو اس انسان کے وجود سے ایسا تعلق پکڑ جاتا ہے کہ جیسے جان کا تعلق جسم سے ہوتا ہے وہ قوت بینائی میں کر آنکھوں میں کام دیتا ہے اور قوت شنوائی کا جامہ پہن کر کانوں کو روحانی حس بخشتا ہے وہ زبان کی گویائی اور دل کے تقوے اور دماغ کی ہشیاری بنجاتا ہے اور ہاتھوں میں بھی سرایت کرتا ہے اور پیروں میں بھی اپنا اثر پہنچاتا ہے۔ غرض تمام ظلمت کو وجود میں سے اٹھا دیتا ہے اور سر کے بالوں سے لیکر پیر وںکے ناخنوں تک منور کر دیتا ہے اور اگر ایک طرفۃ العین کیلئے بھی علیحدہ ہو جائے تو فی الفور اس کی جگہ ظلمت آجاتی ہے مگر وہ کاملوں کو ایسا نعم القرین عطا کیا گیا ہے کہ ایک دم کے لئے بھی ان سے علیحدہ نہیں ہوتا اور یہ گمان کرنا کہ ان سے علیحدہ بھی ہو جاتا ہے یہ دوسرے لفظوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ وہ بعد اسکے جو روشنی میں آگئے پھر تاریکی میں پڑ جاتے ہیں اور بعد اسکے جو معصوم یا محفوظ کئے گئے پھر نفس امارہ ان کی طرف عود کرتا ہے اور بعد اسکے جو روحانی حواس اُن پر کھولے گئے پھر وہ تمام حواس بیکار اور معطل کئے جاتے ہیں سولے وے لوگو جو اس صداقت سے منکر اور اس نکتہ معرفت سے انکاری ہو کچھ سوچو جلدی مت کرو اور اپنے ہی نور قلب سے گواہی طلب کرو کہ کیا یہ امر واقعی ہے کہ برگزیدوں کی روشنی کسی وقت بتمام و کمال ان سے دور بھی ہو جاتی ہے کیا یہ درست ہے کہ وہ تمام نورانی نشان کامل مومنوں سے کمال ایمان کی حالت میں کبھی گم بھی ہو جاتے ہیں؟

"سلسلۂ احمدیہ کے مُلکی تعلقات"

کچھ عرصہ ہوا کہ اخبار پایونیر میں ایک مضمون نکلا تھا جس میں بے سوچے سمجھے بعض حملے اسلام کے اس فرقے پر کئے گئے تھے جسکے بانی حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان ہیں جو مسیح موعود اور مہدی ہونیکا

دعوے کرتے ہین اور اب پھر وہی مضمون ایک نئے رنگ مین اخبار ٹائمز آف انڈیا مین نکلا ہے۔ ان مضامین مین خواہ وہ ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہین یا الگ الگ ہاتھون کے۔ دعوے تو یہ کیا گیا ہے کہ وہ بے رو رعایت لکھے گئے ہین لیکن جب مسیح موعودؑ کی تعلیم کو غور اور تحقیق کی نظر سے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا مذہبی عناد سے لکھ رہا ہے اور اس فرقہ کے خلاف اسے خصوصیت سے تعصّب ہے۔ ان دونون مضمونون کی بنا پادری گرسولڈ کے رسالے پر رکھی گئی ہے جسکا بحیثیت پادری ہونیکے فرض منصبی تھا کہ اس شخص کی نسبت جسے مسیح موعود ہونیکا دعوےٰ ہے دل کھول کر غلط بیانی کرے۔ اسلئے مضمون کے لکھنے والون نے پہلا قدم ہی غلط اٹھایا ہے۔ شروع مین نبیون اور اُن کی پیش گوئیون کی مذمّت کی ہے اور اس حصّے کے ساتھ تو شائد پادری گرسولڈ صاحب کو بھی اتفاق نہ ہو جنکے رسالہ پر یہ ریویو ہے۔ کیونکہ حضرت عیسٰے بھی ایک نبی تھے اور بعض عیسائیون کا خیال ہے کہ جس نبی کے متعلق موسٰے نے پیشگوئی کی ہے وہ یسوع ہی ہے غالباً خود راقم مضمون کو بھی اس کے ساتھ اتفاق نہ ہو یا کم از کم اس قدر جرأت نہ ہو کہ جس طرح اس نے ہندوستان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہندوستان کو اسوقت کسی اور نبی کی ضرورت نہ تھی اسی طرح یہ بھی کسی اخبار مین شائع کرے کہ اس سے انیس سو سال پہلے ملک شام کو کسی اور نبی کی ضرورت نہ تھی۔ جہان ان لوگون کی یہ غرض ہوتی ہے کہ کسی غیر عیسائی سلسلہ کی تردید کی جاوے تو ایسی باتین آسانی سے لکھ دی جاتی ہین لیکن عیسائی مذہب یا یسوع مسیح کے متعلق یہی بات کبھی نہین کہی جاتی ٭٭

اس وقت ہم ان مضامین پر بتمام وکمال بحث کرنا نہین چاہتے بلکہ ان کے صرف اس حصہ کی تردید اسجگہ کیجاوے گی جس مین اس سلسلہ پر پولٹیکل رنگ مین حملے کئے گئے ہین لیکن یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ان مضامین کے اس رنگ مین لکھے جانے کی اصلی وجہ مذہبی عناد اور تعصّب کے سوائے اور کچھ نہین۔ اگرچہ ان مین جابجا یہ کوشش کی گئی ہے کہ مذہبی رنگ کو چھپا کر کسی اور رنگ مین حملہ کیا جاوے مگر تاہم بعض جگہ مضمون نویس کا مذہبی عناد پردہ کو پھاڑ کر باہر نکل آیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے "مرزا صاحب مدت سے عیسائی مذہب پر سخت حملے کر رہے ہین اسلئے اگر انکے ساتھ اب عیسائیون کیطرف سے سختی سے سلوک کیا جائے تو انہین گلہ نہین کرنا چاہئے وہ بہت مدت سے شہرت کے خواہان ہین اور اب انکو شہرت ملتی ہے کئی سالون تک تو پادری متامل رہے کہ آیا یہ مدعی جو سب سے بڑا مرتد ہے اسی قابل ہے کہ اسکا پول کھولا جاوے اور اسپر حملہ کیا جاوے یہانتک کہ آخر کار ڈاکٹر گرسولڈ نے یہ کام اختیار کیا" اور ایک اور جگہ پر لکھا ہے "مرزا غلام احمد صاحب کے بہت سارے پرجوش کلام مین سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ مریم کے بیٹے مین وہ کونسی خصوصیات ہین جنسے وہ خدا بنتا ہے" وغیرہ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ سختی سے حملے کرنے مین مسلمانون کی طرف سے یا مرزا صاحب کیطرف سے ابتدا نہین ہوئی بلکہ اس مین پہل کرنے والے یسوع کی بھیڑین تھین جنہون نے راستبازون اور مقدس بزرگون کو گالیان نکالنا ہی نیکی کا کام تصور کیا۔ ان کی تحریرین اس قدر سخت کلامی سے پُر ہین کہ

مسلمانون نے جو کچھ سختی بالمقابل کی ہو وہ مقابلتہً کچھ بھی نہین - چند سال کا ہی ذکر ہے کہ ایک عیسائی کی کتاب نے جس مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات پر سخت ناپاک حملے کئے گئے تھے مسلمانون مین ایک شور برپا کر دیا تھا اور اسوقت بڑی بڑی انجمنون نے اس جوش کی تحریک سے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی کہ اس کے مصنف سے باز پرس کیجاوے - اگرچہ مرزا صاحب اس بات مین ان کے ساتھ متفق نہین تھے تاہم اندازہ ہو سکتا ہے کہ حملون کی سختی کس کی طرف سے ہو جس کی شکایت کیجاتی ہو - مرزا صاحب کے جو کوئی حملے ہین وہ عیسائی مذہب کے اصولون پر ہین اور ان کا بدلہ اس طرح لینا کہ مرزا صاحب کے سلسلہ کے متعلق اخبارون مین غلط بیانیان شایع کی جاوین طریق انصاف نہین ہو - اگر مرزا صاحب یہ کہتے ہین کہ مسیح مین کوئی خصوصیت ایسی نہین جسکے باعث اسکو خدا کہا جاوے تو اس کے برا ماننے کی کوئی وجہ نہین ہو خصوصاً اس حالت مین جبکہ خود عیسائی اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دار اسی قسم کی رائے کا اظہار صاف لفظون مین کر رہے ہین -

یہ تو ہمین یقین کامل ہو کہ گورنمنٹ کو اس فرقے کے اصول خوب معلوم ہین اور وہ جانتی ہو کہ اس فرقے کی وفاداری کس قدر ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے اس قسم کے اظہار خیالات سے جیسا ان اخبارات مین کیا گیا ہے گورنمنٹ دھوکا نہین کھا سکتی لیکن اس مین شک نہین کہ اس سے پبلک ضرور دھوکہ مین پڑ سکتی ہے اور بالخصوص پبلک کا وہ حصہ جو بغیر کامل تحقیقات کے ایک امر مین اپنی رائے قائم کرے قبل اس کے جو اصل سوال پر بحث کیجاوے یہ ضروری ہے کہ دکھایا جاوے کہ کیونکر دو ایسے معزز پرچون مین جیسے اخبار پایونیر اور ٹائمز آف انڈیا ہین محض غلط بیان شایع ہو کر لوگون کو دھوکہ مین ڈالا جاتا ہے مثلاً یہ لکھا گیا ہو کہ "دوائیون کی تجارت مرزا صاحب کے خاندان مین نسلاً بعد نسل چلی آئی ہو اور وہ خود بھی جبتک کہ گورنمنٹ نے انکو روکا نہین طاعون کی ہلچل مین شامل تھے اور اپنے رسالون اور جھوٹی دوائیون کے ساتھ اس جوش مین جو اس وقت پھیلا ہوا تھا حصہ لیتے رہے" یہ بیان محض غلط ہے اور اس مین ایک ذرہ بھر بھی سچائی نہین ہے - نہ مرزا صاحب اور نہ ہی انکے آباؤ اجداد مین سے کسی نے کبھی دوا فروشی کی اور نہ ہی انکو ایسی حاجت تھی - ان کے اجداد سکھون کے زمانے تک ایک خود مختار ریاست کے حکمران تھے اور اسکے بعد انگریزی سلطنت کے نیچے ان کے والد صاحب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب ایک معزز اور مقتدر رئیس تھے چنانچہ بغاوت کے زمانے مین مرزا صاحب موصوف نے گورنمنٹ کو پچاس سوار دیکے ساتھ مدد دی تھی جسکا ذکر سرکاری دفترون مین موجود ہو - ایسا ہی گورنمنٹ نے کبھی کوئی حکم نہین دیا کہ مرزا صاحب کوئی دوائی نہ بیچین (اور ایسا حکم ہو ہی کیونکر سکتا تھا جبکہ انہون نے کبھی کوئی دوائی فروخت ہی نہین کی ہو) اور نہ ہی گورنمنٹ نے کبھی یہ حکم دیا ہو کہ مرزا صاحب کوئی رسالہ شایع نہ کرین اور اگر پایونیر کا نامہ نگار یا وہ شخص جس نے اسے یہ اطلاع دی ہو گورنمنٹ کے کسی ایسے حکم کی نقل پیش کر سکتا ہو تو پھر بیشک ثابت ہو جائیگا کہ اس نے مرزا صاحب کے متعلق راست بیانی کی ہو - یہ امر بھی اسجگہ ذکر کرنیکے قابل ہو کہ جسوقت

گورنمنٹ کے قواعد طاعون کے متعلق ملک مین ایک شور اور جوش پھیلا ہوا تھا اور جگہ جگہ فساد اور ہنگامے ہو رہے تھے اسوقت مرزا صاحب نے بجائے اسکے کہ اس شور اور ان فسادون مین جیسا کہ کہا گیا ہی کوئی حصہ لیتے اپنے مریدونکا ایک جلسہ خاص قادیان مین منعقد کر کے خود اس مین ایک لکچر دیا جس مین یہ بیان کیا کہ گورنمنٹ نے جو قواعد تجویز کئے ہین ان کی بنا محض نیک نیتی پر ہے اور ان مین سراسر رعایا کی بہبودی اور بہتری مد نظر ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ قواعد شریعت کے خلاف نہین بلکہ عین اسکے منشاء کے مطابق ہین اس جلسہ کی ایک رپورٹ شیخ رحمت اللہ صاحب نے تیار کی چنانچہ پنجاب گورنمنٹ کیطرف سے شیخصاحب موصوف کو ایک چٹھی بھی پہنچی جس مین ممبران جلسہ کا شکریہ ادا کیا گیا تھا کہ انہون نے گورنمنٹ کی تجاویز کی تائید کی ہی یہ اسوقت تھا جبکہ ان قواعد کے سبب سے ملک مین سخت جوش پھیلا ہوا تھا اور کئی موقعون پر فساد بھی ہو چکے تھے۔ پایونیر کا نامہ نگار نہ صرف ان تمام صحیح صحیح واقعات کو ہی نظر انداز کرتا ہے بلکہ انکے خلاف خود ایک کہانی گھڑتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح اس سلسلہ کو بدنام کرے افسوس ہی کہ پبلک سے صحیح واقعات کو چھپا کر اسکو ان کی بجائے غلط واقعات سے دھوکا دیا جاتا ہے اور پھر پبلک اخبارون کے ذریعہ سے ان باتون کو دنیا مین شہرت دیکر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق صحیح واقعات ہین۔

ایک اور بات جو ہمیشہ پادریون اور ان کے متبعین کی تحریرون مین جو اس سلسلہ کے متعلق ہون پائی جاتی ہی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حضرت مرزا صاحب کے ذکر کے ساتھ امام الدین کا ذکر بھی ضرور کر دیتے ہین کہ وہ چوہڑون کا گرو بنا تھا اور ہر دو اخبارات مین یہ کہا گیا ہے کہ ابتک قادیان مین چوہڑونکا سالانہ میلہ ہوتا ہے جہان پنجاب کے سارے چوہڑے اکٹھے ہوتے ہین۔ مرزا امام الدین نے جو پچھلے سال مر بھی چکا ہے چوہڑون کا گرو بننے کی شہرت حاصل کرنی چاہی تھی اور اسکو کامیابی کی امید بھی بظاہر اس سے بہت ہو گئی تھی کیونکہ چوہڑے اکثر عیسائی مذہب کیطرف جاکر پادریون کی رپورٹون مین نومریدون کی تعداد بڑھا رہے تھے اور اس نے خیال کیا کہ وہ لوگ اسکو خوشی سے گرو قبول کر لینگے۔ ممکن ہو کہ اسکا واقعی خیال یہ ہو کہ ان لوگونکو پادریونکے پھندون سے بچانے کی کوئی تجویز نکالے۔ بہرحال اس کی ایک بات ضرور ان عیسائیونکے لئے قابل غور ہے۔ جو یسوع کو خدا کا بیٹا مانتے ہین وہ کہا کرتا تھا کہ یسوع بیٹا تو ضرور ہی مگر لال بیگ (جس کی چوہڑے پرستش کرتے ہین) خدا کا بھائی ہے اور بھائی کے ہوتے ہوئے بیٹے کو پرستش کا حق نہین پہونچتا۔ افسوس ہے کہ ہمین یہ ناگوار باتین لکھنی پڑین۔ مگر یہ قصور ان لوگون کا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ اور انکے سلسلہ کے ساتھ یہ بے تعلق ذکر ضرور کر دیتے ہین کہ امام الدین نے چوہڑونکا گرو ہونیکا دعوے کیا تھا۔ اگر ایک آدمی ایک جھوٹا دعوے کرے تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ دوسرا شخص بھی مفتری ہی ان بے تعلق طعنون سے معلوم نہین ایک امر کی اصلیت دریافت کرنے مین کیا فائدہ پہونچ سکتا ہی یسوع کے بھائی یسوع کو نعوذ باللہ پاگل سمجھتے تھے کیا اس سے اسکے مشن کی سچائی مین کوئی فرق آگیا تھا

ایسا ہی جب حضرت مسیحؑ نے دعوے کیا تو اور کئی لوگون نے بھی مسیح ہونیکا دعوے کیا تھا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت مسیح بھی اپنے دعوے مین جھوٹے تھے۔

الغرض امام الدین کی یہ غرض تھی کہ کسی طرح سے خاکروب عیسائیت کیطرف نہ جاوین بلکہ اسکے پیچھے لگ جاوین لیکن اس مین اس کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ظاہر بڑے بڑے فوایدان کو عیسائیت مین ہی نظر آتے تھے جہان نہ صرف ذلت اور بیگار سے چھوٹ کر دنیوی معاش کی صورت اچھی ہو جاتی تھی بلکہ پہلی یا دوسری پشت تک کوٹ پتلون پہن کر پورے صاحب لوگ بن جاتے تھے۔ میلہ جسکی بابت نامہ نگار یا اسکے مخبر کو ایسا یقین ہے کہ گویا ان کا چشمدید واقع ہے کئی سال گذشتہ سے اسکا ذکر تک بھی نہین سنا گیا۔ اور بیچارے خاکروب بھی اسجگہ اس تعداد سے کچھ زیادہ نہین ہین جس قدر کہ اپنے کام خاکروبی کے واسطے مثل دیگر دیہات و شہر دنکے ان کی احتیاج ہے۔ جب ایک ایسے اخبار مین جو ہندوستان بھر مین ایک اہم پرچہ ہے اور جس کی بڑی وسیع اشاعت ہے ایسے ریمارک دیکھے جاتے ہین تو دلمین ایک رنج پیدا ہوتا ہے اور ایسی بودی اور بے بنیاد خبرون کی بنا پر جناب مسیح موعودؑ کے مشن پر اس طرح سے حملہ کیا جاتا ہے جس سے پولیٹیکل لحاظ سے اس مشن کو نقصان پہونچے اور اس ناواقفیت کے ساتھ اپنی رائے کے بیجا ہونے پر وہ یقین ہے جو پوپ کو بھی شرمندہ کر رہا ہے +

ان ہر دو امور متذکرہ بالا سے (ایسے ہی اور بھی بہت امور ہین) ظاہر ہوگا کہ پایونیر کے نامہ نگار کو احمدیہ فرقہ کے بارہ مین غلط خبر ملی ہے اس خبر کا غلط ہونا خود اس بات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ اس فرقہ احمدیہ کو وہابی فرقہ سے مشابہت دے رہا ہے۔ علم تاریخ کا جو بالکل مبتدی ہو اسکے منہ سے بھی ایسے کلمات نہین نکل سکتے کیونکہ ان ہر دو فرقہ کے اصولون پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی صاف عیان ہو جاتا ہے کہ یہ دونون فرقہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہین اور اسلام کے دائرہ کے اندر جسقدر باہمی بُعد کا امکان ہو سکتا ہے اس سے بھی بڑھکر انکو ایکدوسرے سے دوری ہے۔ یہ دیکھکر افسوس آتا ہے کہ لوگ ایسی بے بنیاد خبرونکو پبلک اخبارون مین شایع کراتے ہین اور بغیر ان کی صحت کرنیکے اپنے مفسدانہ خیالات کو پھیلاتے ہین +

وہابی فرقہ خاص طور پر اسلئے مشہور ہے کہ اسکا جہاد کیطرف میلان ہے۔ حالانکہ فرقہ احمدیہ کی کل تعلیم جہاد کی مخالفت مین ہے کیا اس عظیم الشان اختلاف سے مشابہت باقی رہ جاتی ہے۔ پھر وہابی فرقہ تو یقین کئے بیٹھا ہے کہ ایک مہدی آنیوالا ہے جو کافرون سے جنگ کرکے میدان کارزار گرم کریگا اور کافرون کے خون سے زمین کو بھر دیگا لیکن احمدیہ فرقہ ان خونی عقائد اور اصولون کو جھوٹے سمجھتا ہے اور اسکا اُس مہدی کے نزول پر یقین ہے جو بڑے امن اور صلح سے کلام الہی کی تبلیغ و وعظ کر رہا ہے اور اشاعت اسلام کے لئے جہاد کی تلوار کو ممنوع اور حرام سمجھتا ہے وہابیون کی کتابون مین خصوصاً "اقترب الساعۃ" مین اس قسم کے مضمون لکھے گئے تھے جن مین بیان کیا گیا تھا۔ کہ جب مہدی آویگا تو ہندوستان کا بادشاہ جو حسب بیان مصنف کتاب کے انگریز

شہنشاہ ہوگا۔ پابزنجیر ہوکر مہدی کے روبرو.... لایا جاویگا اور اسکو حکم دیا جاویگا کہ یا اسلام قبول کرے ورنہ تہ تیغ کیا جاوے۔ برعکس اس کے بانی فرقہ احمدیہ نے پچاس یا اس سے بھی زیادہ کتابیں پبلک میں شایع کی ہین جن تمام مین یا ان مین سے بہت سی کتابون مین اس نے جہاد کے قطعاً حرام ہونے اور خونی مہدی کے عقائد کے جھوٹا ہونے پر زور دیا ہے۔ اگر کوئی خاص اصول احمدیہ فرقہ کا سب سے بڑا قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ دو متذکرہ بالا خطرناک اصولون کی جو تیرہ صدیوں سے مسلمانوں مین چلے آتے تھے بیخ کنی کرنا اور اسکے برعکس اس امر کی اشاعت کرنا ہے کہ مہدی دلائل اور براہین اور نشانات آسمانی کے ساتھ آیا ہے۔ اس اصول اور مدعا مین وہابی فرقہ اس احمدیہ فرقہ کے بالکل برخلاف ہے اس امر کو پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ مین بھی کھلے طور پر تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ رپورٹ کہتا ہے "یہ فرقہ بڑے زور سے اس عقیدہ کو رد کرتا ہے۔ کہ اسلام کا مہدی خونی ہوگا۔ اور اس تردید کی بنا صحیح بخاری کو ٹھہراتا ہے جو حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے جس مین لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح موعود لڑائی کو موقوف کریگا۔ ایسی ضخیم تصنیفات مین مرزا صاحب نے جہاد کی تعلیم کے خلاف زور سے دلائل پیش کئے ہین اور راستبازی مین یہ فرقہ اہلحدیث کے جو افراط کیطرف چلا گیا ہے بالکل مخالف ہے" اور باوجود اس عظیم الشان اور اصولی اختلاف کے بغیر کسی ثبوت کے یہ کہدیا گیا ہے کہ "احمدیہ فرقہ اب سے چالیس سال پیشتر کے وہابیون سے بالکل غیر مشابہ بھی نہین ہے" بیشک اگر ان ہر دو فرقون کے "ایکدوسرے سے بالکل غیر مشابہ نہونے" کے لغوی معنے لیتے ہین اور صرف اتنی بات بھی مشابہت کے پایہ کو پہونچ جاتی ہے کہ وہ بھی ایک سلسلہ تھا اور یہ بھی ایک سلسلہ ہے اگرچہ انکے اغراض ایکدوسرے کے مخالف ہی ہون۔ تو ہمین اس فقرہ پر کچھ اعتراض نہین ہے لیکن اگر انہین باتون سے مشابہت یا عدم مشابہت پیدا ہوتی ہے تو دنیا مین کوئی دو چیزین "ایکدوسری کے بالکل غیر مشابہ" نہ ہونگی پس یہ تشبیہ گو مہمل و بے معنی ہے مگر سرکار کی وفادار رعایا کے ایک بڑے حصہ کو اس سے نقصان اور ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے کیونکہ لکھنے والے کا منشاء صاف طور پر فرقہ احمدیہ پر حملہ کرنیکا ہے۔

اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ ان اخبارون مین جو سلسلہ احمدیہ سے پولیٹکل خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اس کی اصلیت کہانتک ہے۔ پنجاب گورنمنٹ کو جو ۱۸۹۸ء مین حضرت مرزا صاحب نے ایک میموریل بھیجا تھا۔ اسکے ایک فقرہ کو پکڑکر پادری گرسولڈ اور اسکے رسالے کے ریویو کرنیوالون نے بہت کچھ لکھا ہے اس میموریل مین فرقہ احمدیہ کے اعتقادات کو بیان کرتے ہوئے ایک فقرہ یہ لکھا ہے کہ "دلایل اور آسمانی نشانون کے ساتھ اسلامی سچائیونکو پھیلانا اور غزا یا جہاد کو موجودہ حالات کے ماتحت ممنوع سمجھنا" پادری گرسولڈ اسکا مقابلہ ملکہ الزبتھ کے رومن کیتھولک رعایا کی حالت کے ساتھ کرتا ہے جنکو پوپ نے یہ حکم دیا تھا کہ "اس کی یعنی ملکہ کی فرمانبرداری کرتے رہین جبتک کہ اسقدر طاقت ان کی ہو جائے کہ وہ کھلی کھلی بغاوت کر سکین" اسکو ڈاکٹر گرسولڈ دوسرے الفاظ مین یون بیان کرتا ہے کہ "پوپ گریگری کے حکم کا منشاء یہ تھا کہ پوپ کیطرف سے

ملکہ الزبتھ کے خلاف جہاد موجودہ حالات کے ماتحت محال اور ممنوع ہے" اور پھر کہتا ہے کہ "اگر یہ فقرہ "موجودہ حالات کے ماتحت" جو مرزا صاحب نے استعمال کیا ہے کوئی معنے رکھتا ہے تو اسکے یہی معنے یا ایسے ہی کوئی معنے ہونے چاہیئے"۔ اور انہیں باتوں کو پاینیر اور ٹائمز آف انڈیا مین ایسے مزہ سے نقل کیا ہے کہ گویا وہ الہامی کلام ہے اگر اس فقرے کے وہی معنے ہوتے جو ڈاکٹر گرسولڈ یا اسکے پیروؤن کے نزدیک ہونے چاہیئے تو کم سے کم یہ بات تو آسانی سے سمجھ مین آسکتی ہے کہ پھر یہ فقرہ ایسی تحریر مین نہ نکلتا جو گورنمنٹ مین بھیجنے کیلئے لکھی گئی تھی اور گورنمنٹ مین بھیجی گئی تھی اور مزید بران یہ کہ اس زبان مین ہے جو زبان عام لوگون کی نہین بلکہ گورنمنٹ کی زبان ہے۔ اب کیا یہ قیاس ہو سکتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تسلیم کریگا کہ جو تحریرین مرزا صاحب اپنے پیروؤن اور عام مسلمانون کیلئے بلحاظ اردو فارسی اور عربی مین لکھتے رہے ان مین تو انہون نے کبھی انکو یہ نہ بتایا کہ وہ جہاد کو صرف اسوقت تک ممنوع کہتے ہین جبتک بالفاظ پادری گرسولڈ ان کو اسقدر طاقت حاصل ہو جاوے کہ وہ کھلی کھلی بغاوت کر سکین لیکن جب گورنمنٹ کو جھوٹے الزامون سے بچانے کیلئے اور اپنے اصول سے آگاہ کرنیکے لئے ایک تحریر انگریزی زبان مین لکھی تو گورنمنٹ کو گویا یہ نوٹس دیدیا کہ وہ صرف مناسب موقعہ کی تاک مین ہین اور کہ اگرچہ وہ کھلی کھلی بغاوت تو نہین کر سکتے لیکن در پردہ گورنمنٹ کے باغی ہین ایسا قیاس کرنا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے۔ تاہم پادری گرسولڈ صاحب اپنی وسیع علمیت اور اس صاف علم کے باوجود جو اپنے رسالے مین انہون نے ظاہر کیا ہے کہ "یہ فقرہ اور کسی جگہ مسیح موعودؑ کی تحریرون مین واقع نہین ہوا" یہی قیاس کرتا ہے کہ اس فقرہ کے یہی معنے ہین۔ اس امر پر کہ اس فقرہ کے وہ معنے نہین ہو سکتے جنکے ثابت کرنیکے لئے پادری صاحب نے اپنی علمیت کو خرچ کیا ہے اور بھی دلایل ہین جن مین سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان مین عام طور مسلمانون کے اعتقاد کا اظہار اس طرح پر کیا جاتا ہے (جس سے فرقہ احمدیہ مستثنیٰ ہے) کہ اس وقت انگریزونکے ساتھ جہاد جایز نہین مگر مہدی کے آنے پر یہ حالات بدل جائینگے اور اسوقت تمام مسلمانون کا یہ فرض ہوگا کہ کفار کے ساتھ جہاد کرنے مین شامل ہون یہ بھی مسلمانون کا عقیدہ ہندوستان کے اندر ہے مگر ہندوستان سے باہر جہاد کو اب بھی جایز سمجھا جاتا ہے اب جبتک کہ حضرت مرزا صاحب نے کھلے کھلے طور پر خونی مہدی کے عقیدے کی تردید شایع نہین کی اسوقت تک مسلمانون نے انکو برا نہین سمجھا اور انکے تمام دعاوی کو کہ وہ خدا سے الہام پاتے ہین اور چودھوین صدی کے سر پر حسب وعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مجدد دین ہو کر آئے ہین اور مثیل مسیح ہین ان لوگون نے بھی تسلیم کیا جو آج ان کے سخت ترین دشمنون مین سے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجہ ان لوگون کے عناد کی یہ نہین ہے کہ وہ پیشگوئیان کرتے ہین یا ملہم من اللہ ہونیکا دعوے کرتے ہین اور یا روحانی طور پر وہ مسیح کے رنگ مین ہو کر اسلام کو اسکے اصلی پاکیزہ اصولون پر قائم کرنیکے لئے آئے ہین کیونکہ یہی سب دعوے پہلے تسلیم کئے جا چکے تھے اور ان کا عموماً انکار نہین کیا گیا جبتک کہ ان کی زندگی مین

ایک خاص واقع پیدا نہین ہوا- اور وہ یہ ہے کہ جیساکہ ان لوگون کی (جو اس وقت مرزا صاحب کے سخت ترین دشمن ہین) اس زمانے کی تحریرون سے ثابت ہے مرزا صاحب کو ہر طرح سے مقدس اور بزرگ اور مجدد زمانہ تسلیم کیا گیا تھا جبتک کہ انہون نے کھلے لفظون مین یہ بیان نہین کیا کہ ایسا کوئی مہدی نہین آئیگا جسکے آنیسے عام مسلمانون کے اعتقاد کے بموجب جہاد جایز یا فرض ہو جاویگا اور نہ ہی کوئی ایسا مسیح آسمان سے اترے گا جو مہدی کو خونریزی مین مدد دیگا- خود پادری گرسولڈ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ اصول کہ مہدی صلح اور امن کے ساتھ آئیگا اور لڑائیان نہین کریگا- عام مسلمانونکے نزدیک کفر کا عقیدہ ہے ان امور سے یہ واضح ہے کہ مرزا صاحب کو قبول نہ کرنے اور برا سمجھنے اور گالیان دینے کی وجہ صرف انکا اس عقیدے سے انکار ہے کہ آیندہ کبھی جہاد ضروری یا جائز ہوگا اسلئے انکے ان الفاظ کے کہ موجودہ حالات کے ماتحت جہاد ممنوع ہے" یہ معنے ہرگز نہین ہو سکتے کہ وہ آیندہ کبھی جہاد کو روا رکھتے ہین کیونکہ جس عقیدے کی تردید کرکے انہون نے یہ سب دکھ اٹھائے ہین اسی کی تعلیم پھر وہ خود کیونکر دے سکتے ہین +

علاوہ ازین یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ مرزا صاحب کا یہ منشا تھا کہ وہ کسی آیندہ زمانہ مین جہاد کو جائز رکھین تو یہ عقیدہ ان کی کسی ایسی تحریر مین ہونا چاہیئے تھا جو بلاواسطہ ان کی اپنی تحریر ہو۔ پادری گرسولڈ صاحب کا مقصد اگر مسیح موعود کے متعلق اصلی اور صحیح واقعات کے اظہار کا ہوتا تو وہ اپنے ان معنون کی بیہودگی کو جنکے لئے وہ اسقدر زور لگا رہا ہے اسی بات سے سمجھ سکتا تھا کہ مسیح موعود کی اپنی کسی تحریر سے جو اردو یا فارسی یا عربی مین ہین یہ نتیجہ نہین نکلتا- بلکہ اگر ان الفاظ زیر بحث کے معنے کوئی بھی ایسے نہ ہو سکتے جو مرزا صاحب کے اپنے شائع کردہ اصول کے مطابق ہوتے تو بھی پادری صاحب کو یہ چاہیئے تھا کہ اسے مترجم کے خیال کی غلطی سمجھتے کیونکہ یہ تو ناممکن تھا کہ پچاس ساٹھ کتابون مین سے صرف اسی تحریر مین یہ فقرہ لکھا جاتا جو گورنمنٹ مین بھیجی جانی تھی- اور باقی تحریرون مین کہین اس کا نام و نشان بھی نہ ہوتا +

اصل بات یہ ہے کہ جن الفاظ کے نیچے پادری صاحب گہرے معنے تلاش کر رہے ہین انکے معنے نہایت صاف ہین جیسا کہ اسی مسئلہ جہاد پر حضرت مرزا صاحب کی دوسری تحریرون سے بھی پتہ ملتا ہے- جن حالات کے ماتحت مذہب اسلام پیدا ہوا اسکے سبب سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنی حفاظت مین تلوار اٹھاتے تیرہ سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کو طرح طرح کے دکھ دئے گئے اور ایذائین پہونچائی گئین اور آخر جب یہ تکالیف کمال کو پہونچ گئین تو مسلمانونکو اپنے اصلی گھر وغیرہ چھوڑکر ایکدوسرے شہر مین پناہ لینی پڑی لیکن اسلام کے دشمن اسکو نیست و نابود کرنے پر ہی تلے ہوئے تھے اور اسلئے وہان بھی انہون نے مسلمانونکا پیچھا نہ چھوڑا- ان حالات کے نیچے اہل اسلام کو یہ اجازت دیگئی کہ وہ اپنی حفاظت مین تلوار اٹھاویں

چنانچہ مندرجہ ذیل آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج) جس کا مطلب یہ ہے کہ اجازت دیجاتی ہے ان لوگوں جن کے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے (کہ وہ بھی اپنی حفاظت مین تلوار اٹھائین) کیونکہ ان پر طرح طرح کے ظلم ہوئے ہین اور بیشک اللہ تعالےٰ ان کی مدد پر قادر ہے وہ لوگ جو اپنے گھرون سے ناحق نکالے گئے سوائے اسکے کہ وہ اللہ تعالےٰ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔ یہ سب سے پہلی اجازت جہاد کی تھی جو اس آیت کے ذریعہ ملی لیکن جیسا کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ اجازت خاص حالات کے ماتحت دی گئی تھی۔ سب سے پہلے ہی الفاظ کہ ان لوگون کو اجازت دیجاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے صاف بتاتے ہین کہ یہ اجازت ہمیشہ کے لئے اسلام مین نہ دی گئی تھی کہ وہ لڑائیان کرین۔ بلکہ صرف اسیوقت تک محدود تھی جبتک کہ نومسلمون کو بیرحمی سے قتل کیا جاتا تھا اور انکو طرح طرح کے دکھ دیئے جاتے تھے اور امن ہی وہ زندگی بسر نہ کر سکتے تھے اور اجازت کے دینے کی وجہ اللہ تعالےٰ نے صرف یہ قرار دی ہے کہ مسلمانون کو طرح طرح کے دکھ پہونچائے گئے اور ان کو اپنے گھرون سے نکالا گیا۔ یہ وہ حالات تھے جنکے ماتحت جہاد کی اجازت دی گئی اور جہاد کی بنا اصل مین اسی آیت پر ہے لیکن بعد مین طرح طرح کی غلطیان پڑ کر اصل عقیدہ بدل گیا اور ان حالات کیطرف جنکے نیچے جہاد کی اجازت دی گئی تھی کوئی توجہ نہ کیگئی۔ اسلئے ان الفاظ کے جو حضرت مرزا صاحب نے لکھے ہین کہ جہاد کو موجودہ حالات کے نیچے حرام سمجھنا صاف اور سیدھے معنے یہی ہین کہ اسلام کے ابتدا مین خاص حالات کے ماتحت جہاد کی اجازت دی گئی تھی لیکن چونکہ وہ حالات اس زمانے مین نہ پائے جاتے تھے اسواسطے جہاد بھی ممنوع ہو گیا۔ اجازت شرطیہ تھی اور جب شرط فوت ہو گئی تو اجازت بھی اٹھ گئی۔ اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض جگہ مرزا صاحب نے بغیر حالات کے ذکر کے جہاد کے اصول کو ہی بُرا کہا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسے مقامات پر تعلیم جہاد سے مراد حضرت مرزا صاحب کی وہ تعلیم جہاد کی ہی جو غلطیون کیوجہ سے خود غرض لوگون نے خود گھڑ لی اور جسکا مؤید قرآن شریف نہین ہی یہ وہ موقع ہی جہان پادری گرسولڈ نے پورا زور لگا کر مرزا صاحب کے متعلق غلط بیانی کی ہے اور عجیب وغریب منطق کو استعمال کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہی کہ چونکہ پوپ نے ملکہ الزبتھ کی رومن کیتھولک رعایا کو خفیہ طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرتے رہین جبتک کہ انکو کھلی کھلی بغاوت کرنیکے لئے کافی طاقت حاصل ہوجائے اور چونکہ مرزا صاحب گورنمنٹ کو درخواست لکھتے وقت یہ جتلاتے ہین کہ وہ موجودہ حالات کے نیچے جہاد کو حرام سمجھتے ہین اسلئے مرزا صاحب کے فقرے کے معنے وہی ہونے چاہئے جو پوپ کے تھی یا اس جیسے ہی کوئی اور معنے (یہ آخری فقرہ پادری صاحب نے اپنی عیسائیانہ فیاضی سے بڑھا دیا ہے)+

پایونیر اور ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگارون نے مسیح موعودؑ سے اسلئے بھی خطرہ ظاہر کیا ہی کہ انہین مہدی ہونیکا دعوے ہے اور "اسلام کی گذشتہ تاریخ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جہان کہین مہدی پیدا ہوا ہے۔

جہاد یا مذہبی لڑائی بھی ضرور ساتھ واقع ہوئی ہی" یہ سچ ہوگا لیکن اگر مرزا صاحب نے مہدی ہونیکا دعوے کیا ہے
تو ساتھ ہی کھلے اور پرزور الفاظ مین جہاد کو رد کیا ہے - پھر ان خطرات کی بنیاد کیا ہی اگر خود مہدی ہی جہاد
کا مخالف ہو - جو جہاد مہدی کے نام کے ساتھ وابستہ ہے اس کی طرف بلانے والا بھی تو خود مہدی ہوگا -
لیکن اگر وہ خود ہی جہاد کا انکار کرے تو پھر جہاد کا خطرہ محض لغویات ہی - مرزا صاحب نے صاف الفاظ مین
یہ کہدیا ہے کہ مجھکو مسیح موعود اور مہدی ماننا ہی جہاد کی تعلیم سے انکار کرنا ہے اسلئے کوئی شخص مرزا صاحب
کے ساتھ نہین ہوسکتا یا انکے مریدون مین شامل نہین ہوسکتا جبتک کہ پہلے جہاد کے عقیدے کو نہ
چھوڑ دے - وہ اصول جسپر حضرت مرزا صاحب لوگون کو اکٹھا کر رہے ہین جہاد کا انکار ہی اور یہ فرض کرلینا
کہ بعد مین کسی وقت مرزا صاحب جہاد جایز کر دینگے بالکل بیہودہ ہے اور ان احمقون کی سی بات ہی جو یہ
کہدیتے ہین کہ گورنمنٹ نے طاعون کا ٹیکا اسواسطے شروع کیا تا لوگون مین کثرت سے طاعون پھیلا کر ان کو ہلاک
کر دیا جاوے - اگر اس قسم کے خطرات کسی معقولیت کی بنا پر ہین تو ہر ایک فائدے کی بات مین بجائے فائدہ
کے نقصان کا خطرہ ہونا چاہئے - حضرت مسیح موعود ؑ کی ایک آدھی تحریر نہین جس مین جہاد کی ممانعت کا
ذکر ہو بلکہ گذشتہ بائیس سال سے وہ جہاد کے خلاف لکھ رہے ہین علاوہ دیگر تحریرونکے ایک فتوے بھی
ممانعت جہاد مین ان کی طرف سے شایع ہوچکا ہے اسقدر عرصہ دراز سے جہاد کے خلاف مستقل طور پر
لکھنا یقینی اور قطعی ثبوت اس بات کا ہی کہ وہ دل سے اس اصول کو برا جانتے ہین اور پھر جہاد کی ممانعت
انہون نے صرف اپنی اردو تحریرون مین ہی نہین کی بلکہ اسی زور سے انہون نے عربی اور فارسی کی
کتابون مین جہاد کی مخالفت پر لکھا ہے - اور پھر ان کتابونکو ان اسلامی بلاد مین تقسیم کیا ہی جہان عربی
یا فارسی بولی یا سمجھی جاتی ہے خود یہی ایک امر پادری گرسولڈ صاحب کے من گھڑت خیال کی تردید کے
لئے کافی ہی - اگر گورنمنٹ کی وفاداری اور جہاد کی ممانعت پر اظہار خیالات صرف گورنمنٹ کے خوش کرنیکے
لئے ہوتا تو پھر عربی اور فارسی تحریرون مین یہ باتین ہرگز نہ پائی جاتین +

علاوہ ازین یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب آج کل کے عام مسلمانون کے عقیدے کے
مطابق مہدی ہونیکا دعوے نہین کرتے - بلکہ برعکس اس کے وہ ان تمام حدیثونکو جن مین ایسے مہدی کے
آنیکا ذکر ہے جو لڑائیان کریگا موضوع کہتے ہین - مرزا صاحب کے دعوے کی بنا قرآن شریف پر ہی - اللہ تعالے
نے اپنے کلام پاک مین یہ وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے خلیفون کی مانند اس امت مین خلیفے پیدا کئے جاوینگے
اس وعدے مین ایک مسیح کے آنیکی پیشگوئی ہی جو اس مسیح کی مانند ہو جو حضرت موسےؑ کی امت مین بھیجا
گیا - مرزا صاحب کا یہ دعوے ہی کہ مین اس وعدے کے مطابق آیا ہون چونکہ یہ وعدہ صرف ایک ایسے آنیوالے
کیلئے ہی جو مسیح کی مانند ہو اور حضرت مسیح نے (یہ امر مسلمات مین سے ہی) کوئی لڑائی نہین کی اس لئے ایسی حدیثین
جن مین ایک ایسے آنیوالے کا ذکر ہے جو آکر لڑائیان کریگا - قرآن شریف سے مخالف پڑی ہوئی ہونیکی وجہ سے

صحیح نہیں مانی جاسکتین۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ حدیثونکے خونی مہدی سے قطعی انکار کرتے ہین اور ان حدیثونکو بھی رد کرتے ہین جن مین اس کی آمد کا ذکر ہے اور خود ان کا مہدی ہونیکا دعوے اس حدیث کے رو سے ہے جس مین لکھا ہے کہ مسیح کے سوا اور کوئی مہدی آنیوالا نہین۔ لامہدی الا عیسےٰ۔ یہ حدیث قرآن کریم کے وعدے کے مطابق ہے حالانکہ خونی مہدی کی حدیثین قرآن کریم کے مفہوم اور الفاظ کے خلاف پڑی ہوئی ہین۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جن حدیثون مین خونی مہدی کے آنیکا ذکر ہے ان مین سے بخاری نے ایک حدیث کو بھی قبول نہین کیا اور بخاری کی صحت خاص و عام کے نزدیک مسلّم ہے اسلئے اگرچہ مرزا صاحب اپنے آپ کو مہدی کہتے ہین لیکن جن حالات کے نیچے وہ مہدی ہونے کا دعوے کرتے ہین وہ حالات ہی بالکل بدلے ہوئے ہین اور یہ کہنا کہ "چونکہ جہاد یا مذہبی لڑائیان مہدی کے نام کے ساتھ ملی ہوئی ہین اس لئے اگرچہ حضرت مرزا صاحب کی ساری کی ساری تعلیم جہاد کے مخالف ہی ہو اور وہ ان حدیثونکو بھی رد کرتے ہون جن مین خونی مہدی کے آنیکا ذکر ہے تاہم باوجود ان باتون کے مرزا صاحب پر بھی اعتبار نہین کیا جاسکتا" تمام واقعات حقہ سے انکار کرنا ہے اور یہ اس بات پر اصرار ہے کہ ایک غلطی بنی نوع کے حق مین سخت مضر ثابت ہوئی ہے اس کی اب اصلاح نہ کیجاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بے بنیاد حملے جو اخبارات مین سلسلہ احمدیہ پر کئے جاتے ہین ان کی اصل غرض صرف پادریون کو خوش کرنا ہے ورنہ کوئی خیرخواہ سلطنت انگریزی ایسا نہین جو فرقہ احمدیہ کے ان اصولون کی تائید نہ کرے۔ کون شخص اس بات سے بے خبر ہے کہ آئے دن جنگی مہدیون کے پیدا ہونیسے کیا کیا تکالیف با امن گورنمنٹونکو ہوتی ہین۔ اسپر آسانی سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ ملک ہندوستان مین کوئی اسی قسم کا مہدی ہونیکا دعوے کردے جیسا کہ عوام کا اعتقاد ہے تو پھر اس ملک کی کیا حالت ہوگی جو لوگ دل سے ہندوستان کی خیرخواہی چاہتے ہین ان کا یہ فرض ہے کہ ہر ایک تجویز کی جو خونی مہدی کے آنے کی تعلیم کو جڑ سے اکھاڑتی ہو تائید کرین۔ سلسلہ احمدیہ یقیناً ان سب تجویزون مین سے اعلےٰ درجہ کی تجویز ہے اور اسے خدا کیطرفسے ایک نعمت عظمےٰ سمجھنا چاہئے۔

جس آدمی کے دل مین گورنمنٹ انڈیا کی خیرخواہی کا بیج بویا گیا ہے وہ قیصر ہند کی رعایا کے ایک نمک حلال اور وفادار فرقہ کے حق مین ایسے جھوٹے اور حقارت آمیز کلمات استعمال نہین کرسکتا اور پھر فرقہ بھی وہ کہ وفاداری مین سب سے بڑھ کر قدم مار رہا ہے۔ ان الفاظ سے کہ اس فرقہ مین "پولٹیکل خطرات کے بیج سے بڑھکر" موجود ہین۔ لکھنے والے کا مطلب صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ کبھی اس فرقہ نے سرکشی کے خیالات کا اظہار کیا ہے یا کسی باغیانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے ایسا سخت حملہ کرتے وقت اسکا یہ فرض تھا کہ اس فرقہ کی کسی ایسی تحریر کا حوالہ دیتا یا کسی ایسے فعل کا ذکر کرتا جو اسکے بیان کا مؤید ہوتا۔ اگر کوئی شخص ان ہزارہا اوراق کو جو اس فرقہ کے بانی اور دیگر سرکردہ ممبران فرقہ احمدیہ نے لکھے ہین تلاش کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ ایک فقرہ بالفظ تک بھی ایسا نہین نکلسکتا جسمین صاف یا کنایتاً بغاوت یا سرکشی کی ترغیب یا اظہار پایا جاتا ہو۔ اور پندرہ سال یا اس سے

کم وبیش مین جب سے اس فرقہ کی ابتدا ہوئی ہے کوئی ایک موقعہ بھی ایسا پیش نہین کیا جاسکتا جسپر اس فرقہ نے بہ ہئیت مجموعی یا اسکے کسی فرد واحد نے کسی پولٹیکل معاملہ مین گورنمنٹ کے خلاف حصہ لیا ہو۔ نہ صرف یہی بلکہ اس فرقہ کے صدر مقام سے کوئی ایسی تحریر نہین نکلتی جس مین گورنمنٹ کی وفاداری کا اظہار نہو اور کوئی ایسا موقعہ اظہار وفاداری کا پیش نہین آیا جسپر اس فرقہ کی وفاداری نے ایک عملی شکل اختیار نہ کی ہو۔ اور اپنے اخلاص کا ثبوت نہ دیا ہو چنانچہ جنوبی افریقہ کی جنگ کیوقت جب سلطنت انگریزی کو بہت سے صدمات پہونچے اور مجروحونکے لئے چندہ کی تجویز کیگئی تو احمدیہ فرقہ نے بھی شراکت چندہ مین حصہ لیا۔ اور پانچسو روپیہ چندہ کرکے اس غرض کے لئے بھیجا۔ ایسا ہی ہر ایک موقعہ پر گورنمنٹ کے ساتھ یہ فرقہ اظہار ہمدردی کرتا رہا ہے۔ پھر کوئی ایک موقعہ بھی ایسا بیان نہین کیا جاسکتا جسپر فرقہ احمدیہ یا اسکے کسی سرآوردہ ممبر نے گورنمنٹ کے برخلاف کسی پولیٹکل تحریک وحرکت مین کوئی حصہ لیا ہو حالانکہ آج کل چھوٹی چھوٹی جماعتون نے بھی یہ اپنا وتیرہ بنا رکھا ہے کہ ملکی معاملات مین طرح طرح کی تحریکین کرتی رہتی ہین۔ اسپر بھی پاینیر جیسے پبلک اخبار مین یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ اس فرقہ مین پولیٹکل خطرات کے بیج مخفی ہین۔ اس فرقہ کے ساتھ اس سے بڑھکر کوئی بے انصافی کا سلوک نہین ہوسکتا۔ طاعون کے پھوٹ پڑنیکے وقت جبکہ گورنمنٹ نے کچھ قواعد تجویز کئے تو بہت لوگ فساد پر آمادہ تھے اور کئی جگہ مفسدہ ہو بھی گئے تھے۔ ایسے وقت مین جبکہ قواعد طاعون کے متعلق لوگون مین ایک عام جوش تھا مسیح موعودؑ نے اپنے پیروؤن کو ایک اشتہار دیکر ایک خاص جلسہ مین جو اسی غرض کیلئے منعقد ہوا تھا بلاکر یہ وعظ کیا کہ وہ ان قواعد مین احکام وتجاویز گورنمنٹ کی پوری پیروی کرین اور پورا دلی یقین رکھین کہ گورنمنٹ کو اس مین خیر خواہی رعایا مدنظر ہے اور ذرا بھر بھی ان تجاویز واحکام کی بجاآوری مین تخلف نہ کرین۔ کیا یہی جماعت ہے جس سے گورنمنٹ کو پولیٹکل خطرہ ہے۔ سخت افسوس ہے ایسے ظالمانہ بیان پر اور پھر اسکے اخبارون مین شایع کرنے پر۔

پاینیر مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو تعلیمات مسیح موعودؑ نے دی ہین وہ تعصّب کی قیدون اور روکونکو ہلکا کرتی ہین اور مذہبی جوش کے شعلون کو بھڑکاتی ہین۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس جگہ بھی نامہ نگار اپنی بات کو تو معتبر بناکر پیش کرتا ہے لیکن اس خاص تعلیم کا حوالہ نہین دیتا جسکا حسب بیان اسکے یہ نتیجہ نکلتا ہے وہ چاہتا ہے کہ پبلک اس کی بات کو بغیر کسی عذر کے اس طرح تسلیم کرے جیسے خدا کا کلام ہوتا ہے۔ بجائے اسکے کہ ایسے امور پیش کرے جنسے پبلک کوئی رائے لگاسکے وہ خود ایک رائے گھڑکر پیش کرتا ہے اور اصل بات کو مخفی رکھتا ہے۔ شاید وہ عمداً ایسا کرتا ہے تاکہ اسکا نقص پکڑا نہ جاوے۔ احمدیہ فرقہ نہ تو فریمیسن گروہ ہے اور نہ ہی ان کی تعلیمات مخفی ہین جو شخص جناب مسیح موعودؑ کی تالیفات کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کرے گا اسے ان کتابون مین یہ تعلیمات مل سکتی ہین اگر ان کی بابت یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان کی یہ تاثیر ہے جو اس آرٹیکل کے لکھنے والے نے بیان کی ہے تو پھر دنیا مین ایسے الفاظ کا ملنا محال ہے جنسے اتفاق و

اتحاد وصلح کی تعلیم دیجا سکے - یہ تعلیم کئی دفعہ انگریزی زبان مین بھی ترجمہ کی گئی ہے - اور ابھی ایک سال ہوا پھر کشتی نوح مین لکھی گئی ہے اس امر کے ظاہر کرنے کے واسطے صرف چند فقرات کا لکھنا ہی کافی ہوگا کہ پایونیر کے مضمون نویس نے کس طرح بدنیتی سے غلط بیانی کی ہے اور اس سلسلہ کی سچی تعلیم کا اخفا کرنے اور اسکا الٹا اثر بیان کرنے مین کس قدر ظلم سے کام لیا ہے - اور کس طرح پبلک کو دھوکا دیا ہے - زیر عنوان "میری تعلیم" کے جناب مسیح موعود ؑ نے اپنی کتاب کشتی نوح مین لکھا ہے :-

"اور اسکے بندون پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کیلئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو - غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بنجاؤ تا قبول کئے جاؤ - بہت ہین جو حلم ظاہر کرتے ہین مگر وہ اندر سے بھیڑئیے ہین بہت ہین جو اوپر سے صاف ہین مگر اندر سے سانپ ہین سو تم اس کی جناب مین قبول نہین ہو سکتے جبتک ظاہر و باطن ایک نہ ہو بڑے ہوکر چھوٹون پر رحم کرو اور نہ ان کی تحقیر اور عالم ہوکر نادانون کو نصیحت کرو نہ خودنمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہوکر غریبون کی خدمت کرو نہ خودپسندی سے ان پر تکبر - ہلاکت کی راہون سے ڈرو - خدا سے ڈرتے رہو اور تقوے اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولے کیطرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو - اور اسکے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہیے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقوے سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا - تم آپس مین جلد صلح کرو اور اپنے بھائیون کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہین وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہوکر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ - نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کیلئے تم بلائے گئے ہو اسمین سے ایک فربہ انسان داخل نہین ہو سکتا - کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتون کو نہین مانتا جو خدا کے منہ سے نکلین اور مین نے بیان کین تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ مین سے دو بھائی - تم مین سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہین بخشتا سو اسکا مجھ مین حصہ نہین"

یہ حضرت مسیح موعود ؑ کی تعلیم ہے اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ پایونیر کے بیان کردہ کے یہ بالکل الٹ ہے اگر یہ الفاظ بھی بدیہی دیوانگی کے شعلون کو بھڑکانیوالے ہین تو دنیا مین وہ کونسے الفاظ ہین جن سے ایسے شعلے فرو ہو سکین الغرض تمام خطرناک اور دھوکہ دینے والون حملون کی جو اس سلسلہ پر کئے گئے ہین اصل وجہ صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب ایک مذہبی پیشوا ہین اور انہون نے عیسائیت کی تردید کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے صرف یہی نہین کہ مرزا صاحب کی تعلیم مین کوئی بات جوش دینے والی نہین بلکہ اس تعلیم مین نرمی اور تحمل پر اس قدر زور دیا گیا ہے جو خود یسوع

کی تعلیم میں بھی اس قدر زور نہیں پایا جاتا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الفاظ حضرت مرزا صاحب کے جن میں وہ بار بار بیدباری کی تاکید کرتے ہیں بے اثر ہیں کیونکہ جن لوگوں کو ان الفاظ میں خطاب ہے وہ انہیں اللہ تعالے کے الفاظ سمجھتے ہیں۔ یہ فرقہ احمدیہ کی تعلیم ہی صلح کی بنیاد ڈالتی ہے لیکن سب سے بڑا صلح کا پیغام جو اس سلسلہ نے دنیا کو پہنچایا ہے وہ جہاد کی خطرناک تعلیم اور خونی مہدی کے آنیکا انکار ہے اسلئے اس سلسلہ پر کسی قسم کا شک کرنا ایک قابل قدر نعمت کو رد کرنا ہے۔ جہاد کا عقیدہ اسقدر مضبوطی سے عوام کے دلوں میں گڑا ہوا تھا کہ اسکا نکلنا قریباً محالات میں سے تھا جبتک کہ خود مذہبی عقائد پر بھی پانی نہ پھر جاتا۔ اور ساری اسلامی دنیا میں صرف ایک ہی مسلمانوں کا ایسا فرقہ ہے جسکے مذہبی عقائد میں جہاد کا انکار داخل ہے اس فرقہ کا زور و شور سے ترقی کرتے جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ عقیدے جہاد اور خونی مہدی کے دنیا سے جلدی نابود ہو جاوینگے۔ ہر ایک شخص جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے وہ ساتھ ہی جہاد کے عقیدے سے بھی توبہ کرتا ہے کیونکہ جہاد کے انکار پر ہی مرزا صاحب کا دعوے مسیح موعود اور مہدی ہونیکا مبنی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نشان مسیح موعود کے لئے مقرر کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ مذہبی لڑائیوں کو بند کر دیگا۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث یضع الحرب سے ظاہر ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ جس طرح پر جہاد کا عقیدہ غلطیوں کے سبب سے اسلامی دنیا کے عقائد کا جزو ہو گیا تھا ایسا ہی اب جہاد کے انکار کا عقیدہ فرقہ احمدیہ کے عقائد کی جزو ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں ایسے آدمی بکثرت ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جنہوں نے جہاد کے عقیدے پر ایمان رکھکر غیر مسلموں کے قتل کرنے میں اپنی جانوں کی بھی پروا نہیں کی لیکن احمدی ہیں کہ اب جہاد کے انکار کے سبب سے قتل کئے جا رہے ہیں۔ سلسلہ احمدیہ کا مضبوطی کے ساتھ جہاد کے انکار پر قائم ہونا افغانستان کے دو بڑے معزز باشندوں کی مثال نے جو اس پاک سلسلہ میں داخل تھے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ جہاد کے عقیدہ کیطرف لوٹ آئیں اور بجائے اسکے بیرحمی کی موت کو قبول کیا۔ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب اور ان کے شاگرد شیخ عبد الرحمن صاحب نے سلسلہ احمدیہ کے انکار جہاد پر صدق دل اور خلوص نیت سے قائم ہونے پر اپنے خون سے مہر لگا دی ہے ؂

بڑے بڑے افسران ملکی اور مدبروں نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے جس سے پایونیر کے جلد باز نامہ نگار کی غلط رائے کی تردید ہوتی ہے۔ آنریبل میجر فریڈرک کننگھم صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن نے ۱۹۰۰ء میں اپنی رائے کو اس طرح ظاہر فرمایا تھا "جہانتک میں غور کرتا ہوں مجھے یہ اسلام کی تعلیم کی نہایت ہی منصفانہ اور عالمانہ تشریح معلوم ہوتی ہے اور آپ جیسے عالم اور صائب الرائے آدمی کے لئے قابل تعریف ہے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ جیسے مشہور معلم کی سند سے اپنے مذہب کی بہتری میں ان الفاظ کا نکلنا تمام مسلمان اپنے لئے نعمت سمجھیں گے اور اس بات کا ثبوت اسے تصور کرینگے کہ جو قبیح افعال جاہل اور شریر لوگ مذہب کی آڑ کے نیچے کرتے ہیں اسلام ان کی ہرگز تائید نہیں کرتا میں بڑا خوش ہونگا کہ آپ کا رسالہ اور خطوط (حاشیہ ...)

کثرت سے سرحدی اضلاع مین شایع ہوے" اگر مسیح موعودؑ کی تحریرین واقعی مذہبی دیوانگی کے شعلونکو بھڑکانیوالی ہین جیسے کہ پایونیر کا نامہ نگار خیال کرتا ہے تو آنریبل مرفریڈرک کننگہم صاحب نے کیون اس بات کو پسند کیا کہ سرحدی اضلاع مین جہان بڑی دیوانگی پہلے ہی زور پر ہے ان تحریرون کو کثرت سے شایع کیا جاوے کیا یہ ان کی پولیٹیکل غلطی تھی کہ ان تحریرات کو ایسے اضلاع مین شایع کرنا پسند کیا جنکے امن مین پہلے سے مذہبی دیوانگی کے سبب سے خلل آرہا تھا۔ ہرگز نہین۔ وہ تو یہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ مسیح موعودؑ کی تحریرین صلح کو پھیلاتی اور دیوانگی کے جوشونکو دباتی ہین اور اسلئے انہون نے افغانون مین ان کی اشاعت بکثرت چاہی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی رائے بڑی بھاری پولیٹیکل دور اندیشی کا نتیجہ تھی۔ نہ صرف احمدیون نے اپنے چال چلن سے ہی یہ شہرت سرحدی اضلاع مین حاصل کی ہے کہ وہ صلح جو اور امن پسند قوم ہین بلکہ تجربہ نے اس بات کو روشن کر دیا ہے کہ وہ جہاد کی تعلیم کے خطرناک دشمن ہین اور اسکے انکار پر اپنی جانین دینے کو بھی تیار ہین پایونیر کا نامہ نگار ہمین یقین دلاتا ہے کہ اسلام مین اگر بزور شمشیر دین قبول کرانے کا اصول نہ ہوتا اور اس مین مذہبی دیوانگی کی طرف میلان نہ ہوتا تو بیشک یہ ایک نہایت عمدہ اور قابل قدر مذہب ہوتا۔ لیکن پھر اسی سلسلہ کو جس نے مسلمانونکو اسلام کی سچی اور پاکیزہ تعلیم پر قائم کر کے مذہبی دیوانگی کے جوش کو دور کیا ہے اور ان مین برداشت کا مادہ پیدا کیا ہے جیسا کہ ایک بڑے اور ذمہ دار گورنمنٹ افسر کی شہادت سے جسکو خاص طور پر مذہبی دیوانون سے کام پڑتا تھا ثابت ہے وہی نامہ نگار برا کہنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتا۔ اس سلسلہ کو جس نے جہاد کو موقوف کیا۔ خونی مہدی کے آنے اور خونی مسیح کے نازل ہونیکے عقیدہ کو رد کیا اور مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے اور آسمان پر چڑھ جانیکے عقائد کو نقلی اور عقلی دلائل سے غلط ثابت کیا۔ دیوانہ اور خلاف عقل سلسلہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کو جس نے معجزات کو زندہ کر کے تحقیق کا دروازہ کھولکر تمام امور مذہبی پر روشنی ڈالی ہے ایک تاریک سلسلہ کہا جاتا ہے! افسوس!!

"عیسائی مناظرین کی غلط بیانیان"

"اور اصل مقصد سے انحراف"

ایک کتاب بنام رسالہ ابطال مرزا (صاحب) پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کیطرف سے شائع ہوئی ہے جس مین ہمارے رسالہ کے بعض مضامین متعلق عصمت انبیاء و عصمت موت و بعثت و قبر مسیح کے جواب دیئے

کی کوشش کی گئی ہی۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا کیسا اثر بد ہندوستان پر پڑا ہی اس کتاب کا لکھنے والا حضرت مرزا صاحب کی نسبت پرلے درجہ کے تحقیر آمیز اور طنز آمیز کلمات استعمال کرتا ہے اور پھر اس تحقیر سے اپنی بڑائی سمجھتا ہے۔ بڑے بڑے اہم مذہبی مسایل کو لیکر ان پر ایسے ایک پیرائے مین بحث کی ہی جو سنجیدگی سے بالکل بعید ہی۔ بات بات مین ٹھٹھے اور طنز کا طریق جو اس کتاب کے مصنف نے اختیار کیا ہے سچی دلی پاکیزگی سے جو مذہب کا اصل منشا ہی بالکل دور پڑا ہوا ہی اور اس کی کتاب کا اصل منشا بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہنسی کی باتون سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف طنز ین کرکے اپنے ناظرین کو خوش کرے بجائے اسکے کہ سنجیدگی سے اپنے دلائل پیش کرکے ان کو ان اہم مسائل پر پورے غور سے رائے زنی کی طرف مائل کرے اور باوجود اس تمام توہین اور تحقیر کے جو اس کتاب مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کیگئی ہے اور جو ہنسی اور ٹھٹھا اس مین کیا گیا ہی مصنف نے ایک دیباچہ بھی لکھا ہی جس مین شائد وہ ان تمام بیہودہ باتون کے ازالہ کی خاطر پبلک کو یہ یقین دلاتا ہی کہ اس نے کتاب بڑی نرمی سے لکھی ہی مگر پبلک خود بھی دیکھ سکتی ہے کہ جس صورت مین اس نے گالیون اور سخت زبانیون مین کوئی دقیقہ باقی نہین چھوڑا اسکی معذرت جو دیباچہ مین کرتا ہی کیا وقعت رکھتی ہے اور ان سب باتون پر طرفہ یہ کہ نہایت جرات سے دیباچہ مین حضرت مرزا صاحب کو سخت کلامی کا اتہام لگاتا ہے اور اس کی تائید مین بجائے اسکے کہ جن مضامین پر اس نے بحث کی ہے ان مین سے کوئی لفظ پیش کرتا سات سال کی ایک الہی کتاب کی ورق گردانی کرکے دو چار لفظ پیش کرتا ہے جو ایسے وقت مین لکھی گئی تھی جب آتھم والی پیشگوئی کے متعلق عیسائی اخبارات اور تحریرات مین حضرت مرزا صاحب کی نسبت سخت بدزبانی ہو رہی تھی باوجود اسکے اس تحریر مین بھی کوئی لفظ ایسا نہین جس پر حسب بیان عیسائی مصنف کے گالی کے لفظ کا اطلاق ہو سکے اور جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ سب جھوٹ ہے چنانچہ وہ کتاب کے دیباچہ مین پہلے صفحہ پر لکھتا ہی ”جن لوگونکو ضرورتاً مرزا جی کی تصنیفات پڑھنے کا ناگوار اتفاق ہوا ہوگا وہ خوب جانتے ہین کہ مناظرہ مین فحش بیانی سخت بیانی بدزبانی بلکہ گالی کوسنے کا مرزا جی نے گویا سرکار سے ٹھیکہ لے لیا“ اور پھر مثال کے طور پر حاشیہ مین لکھتا ہے کہ ”اس زبان درازی کی انتہا“ کا ایک نمونہ یہ ہی کہ ”مریم صدیقہ کو پانی پی کر کوستا ہی“ اور اشتہار بوحی اللہ القہار مورخہ ۱۴- جنوری ۱۸۹۷ء کا حوالہ دیتا ہے۔ اسکی اشتہار کو پڑھ کر ہر ایک انسان دیکھ سکتا ہی کہ مریم صدیقہ کو کوسنے کا الزام محض افترا ہی جو کچھ مریم صدیقہ کے متعلق اس اشتہار مین لکھا ہے وہ صرف فقرات ذیل ہین ”اس سے بڑھ کر اور کونسا دلی درد کا مقام ہوگا۔ کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہی اور ایک مشت خاک کو رب العالمین سمجھا گیا ہی مین کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولے اور میرا قادر توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہونگے۔ اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جاوینگے۔ مریم کی معبودانہ زندگی

پر موت آئے گی۔ اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مریگا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر مین چاہون تو مریم اور اس کے بیٹے عیسے اور تمام زمین کے باشندون کو ہلاک کردون سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونون کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے سو اب دونون مرینگے کوئی ان کو بچا نہین سکتا" ان فقرون کے سوا اور کسی جگہ اس اشتہار مین مریم کا ذکر نہین۔ اب کوئی خدا ترس عیسائی ہمین بتائے کہ اس عبارت مین وہ کونسا لفظ ہے جس مین مریم کو "پانی پی کر کوسا" گیا ہی یا جو بالفاظ عیسائی مصنف "فحش بیانی سخت کلامی بدزبانی بلکہ گالی کوسنے" کی انتہا ہے۔ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے کہا ہے وہ تو صرف یہ ہی کہ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی۔ اور یہ بھی انہون نے قرآن کریم کی آیت کے حوالے سے کہا ہے اب اگر عیسائی مصنف رومن کیتھولک مذہب کا نہین اور گو وہ مریم کے بیٹے کو خدا ہی مانتا ہو مگر خود مریم کو خدا نہین مانتا اور غالباً یہی ٹھیک ہی تو پھر کیا وہ پسند کرتا ہے کہ مریم کی معبودانہ زندگی اگلی زیادہ پھیلے اور کیا توحید سے اسکو بیزاری ہی۔ وہ تو اس بات کا قائل ہی نہین۔ پھر اس بات کو گالی کہنا یا فحش بیانی اور بدزبانی بیان کرنا کونسی راستی کا طریق ہی۔ یا مثلاً اگر یہ کہا کہ "اسکا بیٹا اب ضرور مریگا" اور ان کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی تو اس مین کونسی سختی ہی۔ ایک مسلمان اور کیا کہے گا اس سخت کلامی کی ایک اور مثال یہ دیگئی ہی کہ مرزا صاحب نے پولوس کو شریر النسان اور رئیس المفترین کہا ہی لیکن یہ صرف ایک امر واقع کا بیان ہی اور اسکو گالی کہنا لکھنے والے کی حماقت ہے مسلمانونکے اعتقاد مین تمام انبیاء دنیا کی ابتدا سے خدا تعالے کی توحید کی تعلیم دیتے چلے آئے ہین اور یہود کی کتب مقدسہ اور ان کی شہادت اسی کی سچائی پر گواہی دیتے ہین۔ اب جو شخص یہ دعوے کرے کہ اسے تثلیث کا جھوٹا عقیدہ پھیلانیکے لئے خدا کیطرف سے حکم ہوا ہے اسکو مسلمان سوائے مفتری کے اور کیا کہہ سکتے ہین اور کیا ایسا شخص جو خود خدا کی ذات کے متعلق ایک جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ سب سے بڑا مفتری نہین اور جو شریعت کو پس پشت پھینکتا اور اس کی تنسیخ پر حکم دیتا ہے کیا وہ شریر نہین حالانکہ خود مسیح نے بھی شریعت کو منسوخ نہین کیا۔ مسلمانون کے نزدیک ایسے شخص کا افترا اور شرارت ہے افسوس تو یہ ہی کہ خود عیسائی لاکھون دفعہ اسلام کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہین حالانکہ آپ کی صداقت دن کی طرح روشن ہی اور جب واقعی ایک مفتری کو مفتری کہا جاوے تو اسکو گالیان اور فحش زبانی قرار دین اگر انکے نزدیک تثلیث پولوس کا افترا نہین تو انکا فرض ہی کہ یہود کی کتب مین سے اور انبیاء کی تعلیم مین سے تثلیث کا کوئی ثبوت پیش کرین۔ ہر ایک سمجھدار آدمی پولوس سے اسکی اس مشرکانہ تعلیم کے پھیلانے کی وجہ سے سخت بیزاری ظاہر کرے گا کیونکہ اس نے ایک ایسا عقیدہ دنیا مین پھیلایا جو عقل اور تجربہ اور خدا کے کلام کے خلاف ہی اس عقیدہ کے شر اور فتنہ کو قرآن کریم ان کپکپا دینے والے الفاظ مین بیان کرتا ہے "قریب ہی کہ آسمان اس سے پھٹ جائین اور زمین ریزہ ریزہ ہوجائے اور پہاڑ چور چور ہوکر گر پڑین" قرآن کریم کے نزدیک شرک سے بڑھکر کوئی گناہ دنیا مین نہین۔ اور تاریخ سے یہ صاف شہادت ملتی ہی کہ ان گندہ عقیدونکا جو آج عیسائیت کی تشہیر

ہو رہے ہین بانی اصل مین پولوس ہی تھا- اب جیسا کوئی لفظ عین موقعہ پر چسپان ہو تو اسکو گالی یا بدزبانی یا فحش کہنا حماقت ہے اور اگر محل اور موقعہ کے الفاظ بھی گالیون کی تعریف کے اندر ہی آجاتے ہین تو دنیا مین کوئی انسان گالیون کے الزام سے بچ نہین سکتا- اس کے ثبوت کے لئے ہمین دور جانے کی ضرورت نہین- کیا یسوع اپنے مخالفون کو بیوقوف جاہل منافق اور ہر طرح کی بدیون سے بھرے ہوئے نہین کہتا تھا- اور پھر کنایتہً ان کو گدھے بھی کہا اور کتون اور خنزیرون سے مشابہت دی- پھر ان کو سانپون کے بیٹے کہا اور بالآخر بدکار اور حرامکار تک بھی کہدیا اور جن لوگون کو وہ اسطرح خطاب کرتا تھا ان مین یہود کے بزرگ اور معزز علما اور کاہن اور فقیہ اور فریسی بھی موجود تھے اور انہین مین سے وہ لوگ بھی تھے جن کو خود یسوع کی استادی کا فخر حاصل تھا- اگر عیسائی مصنف کو حضرت مرزا صاحب کے الفاظ مین ایسی ہی سختی نظر آتی ہے تو وہ اپنے دل مین یہی سمجھ چھوڑے کہ یہ مسیح سے مماثلت کیوجہ سے ہے +

اس سے بھی بڑھکر اس مناظر نے حضرت مرزا صاحب پر جھوٹے الزام لگائے ہین مثلاً وہ کہتا ہے کہ "حق یہ ہے کہ آپ ہی کی انشا پردازی کی بدولت گبرو مسلمان کا چلن بگڑا" اور پھر لکھتا ہے کہ "آپ اس فن کے جگت استاد مانے جاتے ہین" اگر اس شخص کو اپنی کتاب ہی دوبارہ پڑھنے کا اتفاق ہوتا تو ضرور اسے کچھ شرم آجاتی اور شاید وہ ان باتون کو خود ہی کاٹ دیتا- دیباچہ تو لکھنا ہی تھا- اس نے یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ مرزا صاحب کو برا بھلا کہہ لیا جائے یا جو کچھ الزام ان پر تھوپ لئے جاوین یہ سب نیکی کا کام ہے یا یہی خیال کیا ہوگا کہ اگر بدی بھی ہے تو یسوع کا خون کافی کفارہ ان سب باتونکا ہو چکا ہے- اب عیسائی جو چاہین کرین اور کہین- بہت مدت اس سے پہلے کہ حضرت مرزا صاحب نے قلم ہاتھ مین لی ہو- عیسائی پادریون کی طرف سے جنہون نے بدقسمتی سے یہ وتیرہ بنا رکھا ہے کہ جن لوگون کو تعلیم دینے کیلئے جاتے ہین سب سے پہلے انکے بزرگان دین کو کوسنا شروع کرتے ہین ایسی تحریرین شائع ہو چکی تھین- جن مین ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پرلے درجہ کی توہین آمیز اور فحش کلمات لکھے ہوئے تھے اور آپ کو ڈاکو- قاتل وغیرہ اور ان سے بھی بڑھکر گندے اور ناپاک الفاظ مین بیان کیا گیا تھا- ان تحریرون کے خلاف مسلمانون مین اکثر جوش پیدا ہوتا رہا اسی طرح پر آریہ سماج کے بانی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش مین حضرت مرزا صاحب کی تحریرون سے پہلے اسلام پر اسی رنگ کے حملے کئے جیسے پادری صاحبان کر رہے تھے اسی لئے مناظرہ مین اس علم کلام کے (کہ مخالف کے مقدس بزرگون کو گالیان دیجائین) ایجاد کا فخر پادری صاحبان کو ہی ہے اور انکے پیچھے قدم اٹھانیوالے آریہ صاحبان ہین اگر مصنف کتاب ان واقعات کی تردید کر سکتا ہے تو ہم بڑی خوشی سے اپنی رائے کو واپس لینے کو تیار ہین- غرضیکہ جب مرزا صاحب نے قلم اٹھائی تو انکے سامنے جواب کے لئے جو تحریرین تھین وہ وہی تھین جن کا ذکر اوپر ہوا جنسے مسلمانون کے دلونکو بڑے بڑے دکھ پہنچ چکے تھے- باین ہمہ صبر اور ضبط سے حضرت مرزا صاحب نے

ان حالات کے ماتحت عیسائی نوشتون کی تردید کی اور کوئی آدمی نہ کر سکتا تھا - آپنے عیسائیت کے اصول اور عقائد پر بحث کی اور عیسائیون کی طرح ذاتی حملے نہین کئے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ کسقدر مشکل تھی کہ صداقت پر جو پردے ڈالدئے گئے تھے ان سب کو اٹھا کر صداقت کا اظہار کیا جاتا لہذا یہ ضروری تھا کہ ایک غلط عقیدے کے ہر ایک نقص کو کھول کھولکر بیان کیا جاوے اور اس انسان کی ہر ایک کمزوری اور عیب کو واضح طور پر بیان کیا جاوے جسے خدا بنایا جاتا تھا - یہ باتین ہین جن کو عیسائی مصنف کتاب مخش بیانیان اور بدزبانیان بتاتا ہی لیکن ان کے بیان کرنے کے بغیر سچائی کا اظہار نہین ہو سکتا تھا - صداقت کو لوگون کے سامنے پیش کرنا کوئی آسان کام نہین ہی کیونکہ اسکے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بطلان کا ہر ایک پہلو کھولکر دکھلایا جاوے صداقت مین کچھ نہ کچھ مرارت ضرور ہوتی ہی اور ہر ایک بڑے آدمی کی زندگی سے اسکا ثبوت ملتا ہی حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرون مین کوئی سختی واقعات کو صحیح صحیح رنگ مین پیش کرنے سے بڑھ کر نہین ہی اور اگر عیسائی مصنف کتاب ان الفاظ کا یسوع کے الفاظ سے مقابلہ کرتا تو وہ اس یقینی نتیجہ پر پہنچ جاتا کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کی حیثیت سے خواہ کسی رنگ مین مسیح اول سے فضیلت کے مدعی ہون لیکن اگر مسیح موعودؑ کی تحریرین جیساکہ وہ پبلک کو یقین دلاتا ہے واقعی مخش بیانی کے معنون کے اندر آتی ہین تو پھر مخش بیانی مین انہین مسیح اول سے کوئی نسبت نہین اور اس بارہ مین یسوع کو مرزا صاحب پر یقینی فضیلت حاصل ہی سخت الفاظ مین جواب دینا اگرچہ مرزا صاحب نے اسکو بہت کم استعمال کیا اور وہ بھی اسوقت جب واقعات ایسے الفاظ کی تائید کرتے ہون تاہم بعض وقت ان کی ضرورت اسلئے بھی پڑجاتی ہی کہ مخالف کو یہ احساس ہو جائے کہ انکے حملون سے اور زبان درازی سے جو وہ بے سوچے سمجھے کر رہا ہے فریق ثانی کو کس قدر دکھ پہنچتا ہے - مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت عیسائی معمولی بول چال مین ہی آپکو مفتری کہنے مین تامل نہین کرتے اور ان کی خاص تحریرین تو نہایت ہلکی توہین اور گندے الفاظ سے بھری ہوئی ہین لیکن جب حضرت مرزا صاحب نے پولوس کو مفتری کہا تو وہ غصے سے بھر کر اسکو مرزا صاحب کی مخش بیانی قرار دیتے ہین اگر وہ چاہین تو اس سے انکو سبق حاصل ہو سکتا ہی کہ جب انکو خود انکے ایک ہم مذہب کو مفتری کہا جانے پر اسقدر رنج پہنچتا ہی تو ان توہین آمیز اور تحقیر کے کلمات سے جو لفظ مفتری سے کہین بڑھکر ہین جو عیسائی ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرتے ہین مسلمانون کے دلونکو اس سے کس قدر دکھ پہنچتا ہے +

یہان ہم کتاب مذکور کی مفصل تردید نہین کرنا چاہتے - ایک یا دو موٹی باتونکو لیکر ہم اسلام اور عیسائیت کی صداقت کا موازنہ کرنا چاہتے ہین - اور باقی باتونکو جو چھوٹے چھوٹے اعتراض اٹھائے گئے ہین پھر فرصت کے وقت ان پر کچھ لکھینگے جو یا تو الگ کتاب کیصورت مین ہوگا یا اسی رسالہ مین متواتر مضامین مین شایع ہو جائیگا - ہم اپنے عیسائی ناظرین سے عموماً اور پنجاب رلیجس بک سوسائٹی سے خصوصاً سچے دل سے یہ خواہش کرتے ہین کہ وہ ان باتون پر غور کرین اور انکو پہلے کیطرح ٹال نہ دین - عبداللہ آتھم کے ساتھ جو امرتسر مین حضرت مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا تھا اسمین آپنے ایک شرط تجویز کی تھی کہ ہر ایک فریق اپنے تمام دعاوی و دلائل اس کتاب سے پیش کرے جسکے لئے وہ خدا کیطرف سے ہونیکا مدعی ہی خواہ اسکا مقصود اپنے مخالف کے

اصولوں پر اعتراض کرنیکا ہو یا اپنے اوپر سے کسی حملے کے دفع کا۔ اس شرط کو عیسائی مناظر بغیر کوئی معقول وجہ پیش کرنیکے پورا نہ کرسکے حالانکہ مرزا صاحب نے تمام مباحثہ میں اسی اصول کو مدنظر رکھا جیسا کہ مباحثہ کی رپورٹ سے عیاں ہے۔ اب یہ اصول جو اسوقت مرزا صاحب نے تجویز کیا مباحثہ کا ایک نہایت ضروری اصول ہے۔ اور اس پر چلنے سے بہت ساری لمبی لمبی بحثیں مختصر الفاظ میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس امر سے کہ ایک آسمانی کتاب میں اپنی صداقت اور اپنے اصول کے مخالف اصول کے بطلان کے تمام دعاوی و دلائل ہونے چاہئیں کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اگر ایک کتاب خود اپنے لئے کچھ نہیں کہہ سکتی اور اپنی صداقت کے دعاوی و دلائل سے خالی ہے تو اسکے مؤیدین کی یہ محض حماقت ہے کہ اسکے لئے خدائی کتاب ہونیکا دعوے اپنی طرف سے پیش کریں کوئی شخص اس سے بھی انکار نہیں کرسکتا کہ سچے اصول پر ان کی سچائی کے علم کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہونا۔ اور باطل اصول کے بطلان کو قطعی یقین کے ساتھ معلوم کرلینا انسان کی اعلیٰ درجہ کی روحانی ضروریات میں سے ہیں اور اسلئے جو کتاب انسان کی روحانی ضرورت کو پورا کرنیکا دعویٰ کرتی ہے یا پورا کرنیوالی سمجھی جاتی ہے اسکے ذریعہ یہ ضروریات بھی پوری ہونی چاہئیں اگر یہ ان ضروریات کو پورا نہیں کرتی تو باقی روحانی امور میں بھی اعتبار کے لائق نہیں ٹھہر سکتی۔ درحقیقت یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ اس کی معقولیت سے کوئی عقلمند انسان انکار نہیں کرسکتا کہ جن مذہبی عقائد کی کوئی کتاب تعلیم دیتی ہے ان کی صداقت کے اسی میں دعاوی و دلائل موجود ہونے چاہئیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے قرآن شریف کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے لئے آسمانی کتاب ہونیکا دعوے ہو۔ اور اس معیار کے رو سے سچی ٹھہر سکے قرآن شریف مضبوط دلائل اور یقینی ثبوتوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی۔ توحید۔ وحی الہی کی ضرورت۔ انبیا کی بعثت کی ضرورت۔ فرشتوں کا وجود۔ اور دوسرے تمام امور مثلاً بہشت دوزخ وغیرہ اور عالم آخرت کے متعلق جتنے امور ہیں ان سب کی سچائی کے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے اور ایسا ہی تمام جھوٹے عقائد کو دلائل سے رد کرتا ہے۔ مثلاً عیسائیت۔ بدھ مذہب۔ برہمو مذہب۔ آریہ سماج یا کسی اور مذہب یا فرقہ کے جتنے جھوٹے عقائد ان امور کے متعلق ہیں ان سب کا دلائل سے جواب دیتا ہے۔ ایسا وسیع علم اور اتنی بڑی ذمہ داری صرف الہی علم اور الہی طاقت ہی سے ہو سکتے ہیں۔ باقی تمام کتابیں جن کی نسبت آسمانی کتب ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے اگر اس معیار کے رو سے انکو جانچا جائے تو اس دعوے میں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں اور اس طرح یہ صرف قرآن کریم کے خدا کی طرف سے ہونیکے دعوے کو اپنی ناکامی سے ثابت کرتی ہیں اگر عیسائی واقعی سچائی سے محبت رکھتے ہیں اور عیسائی مذہب کو محض ایک تجارتی پیشہ کے طور پر نہیں چلانا چاہتے تو اسلام اور عیسائیت کے موازنہ کے لئے اس سے عمدہ اور کوئی ذریعہ نہیں +

ایسا ہی عصمت انبیاء کا سوال ایک نہایت ہی آسان اور مختصر طریق سے حل ہو سکتا ہے عیسائی یہ کہتے ہیں کہ سوائے یسوع مسیح کے باقی تمام نبی گنہگار ہیں اور مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ جتنے انبیاء ہیں وہ سب معصوم ہیں۔ ہم نے قرآن شریف سے ایسی آیات پیش کیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ قرآن شریف انبیاء کو عام طور پر بیگناہ

سمجھتا ہے اور عیسائیون سے یہ درخواست کی کہ اگر وہ قرآن شریف سے نبیون کی گنہ گاری کو ثابت کرنا چاہتے ہین تو کوئی ایسی آیتیں پیش کرین جس مین عمومیّت سے انبیاء کے گنہ گار ہونیکا ذکر ہو۔ اسکا جواب ابتک کوئی نہین دیا گیا۔ اگرچہ ڈیڑھ سو صفحے سے زائد کی کتاب ہمارے مضامین کی تردید مین لکھی گئی ہے یہ بحث اب اسقدر مختلف شاخون مین پھیل گئی ہے کہ چالاک مناظر بظاہر ہمارے دلائل کی تردید کرتے ہوئے بھی جسقدر ضروری اور اہم سوالات کو چاہین ٹال سکتے ہین اس مضمون مین جو مئی ۱۹۰۲ء مین عصمت انبیا پر حضرت مسیح موعود کیطرف سے نکلا تھا۔ آپنے اسوقت بھی ایک نہایت مختصر طریق اس مسئلہ کے فیصلہ کیلئے پیش کیا تھا جسکو عیسائی آج تک اس لئے ٹال رہے ہین کہ اس سے عیسائیت کا کچھ باقی نہین رہتا اسلئے ہم اب پھر اسے عیسائی ناظرین کے غور کے لئے پیش کرتے ہین۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی نبی کے معصوم ہونے پر زور صرف اسلئے دیا جاتا ہے کہ تا یہ ثابت ہو جائے کہ وہ گنہ گارون کی خدا کے ہان شفاعت کر سکتا ہے۔ عصمت کے علاوہ شفاعت کے لئے اور بھی بہت سی ضروریات ہین جو عصمت سے بھی بڑھ کر ہین تاہم اگر کسی نبی کی شفاعت یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو اس کی عصمت خود بطور نتیجہ ثابت ہو جائیگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے مضمون کے اخیر پر یہ لکھا تھا: "ان سب باتونکے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جس نے دنیا مین شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو سو اس معیار کو آگے رکھکر جب ہم موسیٰ پر نظر ڈالتے ہین تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اس نے اترا ہوا عذاب دعا سے ٹالدیا۔ اسی طرح جب ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہین تو آپکا شفیع ہونا اجلی بدیہات سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود سکے کہ بت پرستی اور شرک مین نشو و نما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے کہ جنکی نظیر زمانہ مین نہین ملتی۔ اور پھر آپ کی شفاعت کا اثر ہے کہ ابتک آپ کی پیروی کرنیوالے خدا کا سچا الہام پاتے ہین۔ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مگر مسیح ابن مریم مین یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہان مل سکتے ہین ہمارے سیّد و مولے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اس سے بڑھکر اور زبردست شہادت کیا ہو گی کہ ہم اس جناب کے واسطے سے جو کچھ خدا سے پاتے ہین ہمارے دشمن وہ نہین پا سکتے۔ اگر ہمارے مخالف اس امتحان کی طرف آئیں تو چند روز مین ہی فیصلہ ہو سکتا ہے مگر وہ فیصلہ کے خواہان نہین ہین"

اب ہم اگرچہ حضرت مسیح کو انبیاء مین شامل سمجھ کر ان کو معصوم سمجھتے ہین لیکن عیسائیون کا یہ فرض ہے کہ جب وہ اسکے لئے دیگر انبیاء سے الگ عصمت قائم کرنا چاہتے ہین تو اس کی شفاعت کی مثالین مشہود و محسوس ہون بتائین۔ ہم امید کرتے ہین کہ کوئی عیسائی اس اصول کے ذریعہ حضرت مسیح کی شفاعت ثابت کرنے کا بیڑا اٹھائے گا +

یہ اصول کہ جو شخص آیندہ زندگی مین شفیع ہونیکا مدعی ہو۔ اسکی شفاعت کے نمونے اس دنیا مین ہی

بطور آیندہ کے ثبوت کے موجود ہونے چاہئیں قرآن شریف سے ہی لیا گیا ہے اور اس کی معقولیت بھی
ظاہر ہے کیونکہ اگر اس اصول کو معیار قرار نہ دیا جائے تو ہر ایک مفتری جسے خدا تعالےٰ سے کوئی تعلق نہین
آیندہ زندگی مین شفاعت کا دعویدار ہو سکتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت کا کوئی نمونہ اس زندگی مین
نہین ہو سکتا اور شفاعت صرف بعد از موت ہی ہوگی تو یہ درحقیقت شفاعت کا ثبوت دینے سے انکار کرنا
ہے۔ اور طالبان حق ایسے دعویدار کی صداقت کو کبھی تسلیم نہین کر سکتے۔ قرآن شریف کے وعدے اور وعید
ہمیشہ دوہرے ہوتے ہین اور کسی وعدہ یا وعید کا اس دنیا مین پورا ہو جانا اسکے اس حصے کیلئے جو
آخرت کے متعلق ہو بطور قطعی اور یقینی ثبوت کے ٹھہر سکتا ہے مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا
والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد۔ یعنے ہم اپنے رسولون کو اور مومنون کو دنیا کی
زندگی مین بھی مدد دیتے ہین اور قیامت مین بھی دین گے یہ ظاہر ہے کہ اگر اس زندگی مین کوئی مدد نہ دیجائے تو
آخرت کی مدد کا وعدہ بھی سچا نہین مانا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ خدا کے مرسل ابتدا مین بالکل بیکس اور تنہا ہوتے
ہین اور پھر آخر کار خدا تعالےٰ اسکے دشمنون پر انکو فتح دیتا اور اپنی مدد بھیجتا ہے تاکہ ان کے پیرؤن کو یقین کامل ہوجائے
کہ دوسرے دنیا کے متعلق جو وعدے نبی کرتے ہین وہ سب سچے ہین مثلاً جب اسرائیلی مصر سے بھاگے اور آگے
بحیرہ قلزم اور پیچھے فرعون کے لشکر ونکو دیکھا تو انہون نے یقین کر لیا کہ کوئی زمینی اسباب انکے بچاؤ کے باقی
نہین رہے اور وہ بالکل دشمن کے ہاتھ مین آچکے ہین عین اس وقت خدا تعالی کی مدد نے انکا ہاتھ پکڑا اور
ان کو سمندر مین سے امن سے گذار دیا اور انکے دشمنونکو ہلاک کر دیا تب اسرائیلون نے یقینی طور پر سمجھ لیا کہ
بے شک موسیٰ خدا کا رسول اور برگزیدہ ہے اور جو کچھ اس نے آخرت کے متعلق وعدے کئے ہین وہ بھی سب سچے
ہین۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس سے بھی بڑھکر تائید الٰہی کے نمونے پیش کرتی ہے اور یہی وجہ تھی
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آپ پر اسقدر کامل اور مضبوط درجے کا ایمان تھا کیونکہ ان تمام وعدونکو
جو اس دنیا کے متعلق انکے ساتھ کئے گئے تھے پورا ہوتے دیکھکر انہون نے یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا کہ آخرۃ
کے وعدے بھی سچے ہین اور خدا تعالےٰ کو گویا اپنی آنکھون سے دیکھ لیا یہی وجہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہین اور اس
بات پر ایمان رکھتے ہین کہ چونکہ مسیح بھی اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے تھے اس لئے تائید الٰہی نے انکو جب وہ گویا
موت کے جبڑون مین پہنچ چکے تھے بچا لیا اور صلیب کی لعنتی موت سے انکو نجات دی۔ اگر ہم یہ مانین کہ انکو
اسوقت خدا کیطرف سے مدد نہین آئی۔ تو ہم کو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آخرت مین بھی انکو خدا کی مدد نہین مل سکتی
اس طرح پر انکی شفاعت بالکل جھوٹ ثابت ہوگی۔ الغرض اگر عیسائی یسوع کی شفاعت کے مسئلے کو ٹھیک
طور پر حل کرنا چاہتے ہین جس سے عصمت خود بخود ثابت ہو جائے گی تو انکا فرض ہے کہ اس زندگی مین یسوع کی
شفاعت کے نمونے ثابت کرین اور چونکہ وہ دوسرے انبیاء کو گنہ گار سمجھتے ہین اس لئے انکا یہ بھی فرض ہے کہ دوسرے انبیاء کی شفاعت
کے جو یہ صاف اور صریح نمونے ہم نے پیش کئے ہین ان کی کوئی معقول توجیہ کر کے دکھلاوین ✣

اسی طرح پر ایک اور عملی معیار اسلام یا عیسائیت کی صداقت معلوم کرنیکے لئے یہ ہے کہ عیسائی یہ دعوے کرتے ہین اور ملک مین اشتہار بھی دیتے ہین کہ خدا ان کی دعاؤنکو قبول کرتا اور ان کا جواب دیتا ہے لیکن جب اسکا جواب مانگا جاتا ہو تو کچھ پیش نہین کرسکتے دنیا کو کس طرح معلوم ہو کہ وہ اس دعوے مین سچے ہین جبتک کہ وہ یا ان مین سے کوئی قبل از وقت یہ شائع نہ کرے کہ کسی خاص امر کے متعلق دعا کرنے پر خدا تعالی کی طرف سے اسکو یہ جواب ملا ہے اور پھر جب وہ امر اسی کے مطابق ہوگا تو دنیا تو سمجھ لے گی کہ واقعی خدا کیطرف سے یہ جواب ملا تھا اور اگر اسکے مطابق نہ ہوا تو یہ روشن ہو جائیگا کہ یہ لوگ اپنے دعوون مین جھوٹے ہین اس کے علاوہ مسیح موعود کا یہ دعوے ہے کہ دنیا مین خدا تعالے میری دعا کو سب سے بڑھکر قبول کرتا ہے اور میری دعاؤن کا جواب دیتا ہے اور ان امور کو کئی دفعہ شائع کر چکے ہین اور اسکے ثبوت مین وہ بہت دفعہ ایسا بھی کر چکے ہین کہ ایک خاص امر پر خدا تعالے سے دعا کر کے اسکے جواب کو قبل از وقت شایع کیا اور پھر جس طرح شایع کیا گیا تھا عین اسی طرح وقوع مین آیا لیکن عیسائی دنیا مین سے کسی شخص نے بھی ایک بھی ایسا نمونہ نہین دکھایا۔ مسیح موعود کا یہ سچا دعوے ہو کہ دعا کے مقابلہ مین اس کی دعا خدا تعالے یقیناً قبول کریگا اور اسکے مخالف کی دعا کو رد کریگا۔ خواہ ساری دنیا اس کی مخالفت پر اکٹھی ہو اس رنگ مین بھی کوئی عیسائی اسکے مقابلہ کی جرأت نہین رکھتا یہ کسقدر افسوس کی بات ہو کہ جب کبھی کسی متنازع فیہ مسئلے کے فیصلہ کیلئے کوئی آسان راہ پیش کیجاتی ہو تو عیسائی صاحبان اسے ٹالدیتے ہین لیکن کسی مذہب کے مقدس پیشواؤن کے متعلق نکتہ چینی اور عیب شماری کرنے مین سب سے بڑھکر قدم رکھتے ہین۔ صرف یہی نہین کہ وہ یہ نہ چاہتے ہون کہ صداقت ظاہر ہو بلکہ جہان تک ان سے ہو سکتا ہو وہ اسپر پردے ڈالنے کی بھی کوشش کرتے ہین۔ اور سچائی کو عمداً چھپاتے ہین +

"ترک اسلام کا جواب"

ایک نام کے مسلمان جنٹلمین نے کچھ عرصہ ہوا آریہ سماج کا مذہب اختیار کر کے ملک مین ایک شور ڈالا تھا۔ اس کی مذہبی تحقیقات کی صرف اس قدر شہادت ملتی ہو کہ اس نے شاید محنت کے ساتھ مختلف تحریرون سے ایک سو سولہ اعتراض اسلام کے خلاف جمع کئے ہین ان اعتراضونسے ہم صرف اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہین کہ اگرچہ اسکا نام ایک اسلامی نام تھا لیکن اس نے اسلام کے اصولونکو کبھی مطالعہ نہین کیا اور قرآن شریف کا اسے سطحی علم بھی نہین۔ اس کتاب کے جسکا نام ترک اسلام ہی چھپنے کے کچھ مدت بعد حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب کے بعض دوستون نے ان سے التجا کی کہ وہ اس کتاب کا جواب

لکھیں چنانچہ انہوں نے ان کی اس التجا کو قبول کرکے کتاب شروع کردی جو ۲۷ فروری گذشتہ کو مطبع سے نکلی ہے جیسا کہ اسکے مصنف کی شہرت سے امید کیجا سکتی تھی یہ کتاب واقعی علم اور محنت کی ایک قابل قدر یادگار ہے۔ اس کتاب کا نام بھی اس کتاب کے مصنف کیطرح اسم بامسمٰے نور الدین ہے اور تین سو سے زائد صفحہ پر لکھی گئی ہے۔ مصنف کتاب نے بڑی محنت کے ساتھ ہنود مذہب کی کتب مقدسہ کو پڑھا ہے۔ اور جستہ جستہ مقامات پر اسقدر ذخیرہ معلومات کا ان کتابوں میں سے پیش کیا ہے جس سے آریہ سماج کے اصولوں اور تعلیم پر اسکا پڑھنے والا نہایت عمدگی سے رائے لگا سکتا ہے انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تارک اسلام کا مصنف دھرم پال اس مذہب سے بھی محض جاہل اور بے بہرہ ہے جو اس نے اب قبول کیا ہے۔ کیونکہ اسکے اکثر اعتراض جو اس نے محض نادانی سے اسلام پر کئے ہیں خود سماج کی تعلیم پر بڑے زور سے پڑتے ہیں اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دھرم پال کو چونکہ اس نئے مذہب سے کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے وہ ایسے اعتراضوں کے کرنے میں معذور تھا۔ لیکن کم از کم آریہ سماج کو ایسی کتاب شایع کرتے وقت شرم آنی چاہئے تھی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کس قسم کے معترض ہیں جو مذہبی جوش اور عداوت میں تمام حدود سے باہر نکل جاتے ہیں اور تعصب سے اندھے ہوکر اپنے مذہب کے اصولوں کو بھی بھول جاتے ہیں وہ اندھیرے میں پتھر مارتے ہیں اور ان میں سے بہت سارے اپنے ہی شیشے کے گھروں کو جا توڑتے ہیں اسی طرح عیسائی پادریوں کا بھی حال ہے اگر یہ لوگ اعتراض کرنے میں کسیقدر غور سے کام لیتے اور دوسرے مذاہب کی ایسی باتوں پر ہاتھ ڈالتے جنسے وہ اپنے مذہب کو بری سمجھتے ہیں تو بیشک کچھ فائدہ بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اگر پادری اور آریہ سماجی اسلام پر اعتراض کرنے میں اس قاعدے کی پابندی اختیار کریں تو وہ اسلام کے خلاف کوئی بڑا اعتراض نہیں کر سکتے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ انکے اعتراضوں سے بھی آخر اسلامی اصولوں کی سچائی اور خوبی ہی اور بھی زیادہ چمک کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔ جہاں کہیں دشمن نے اسلام پر اعتراض کرکے زد کرنی چاہی ہے۔ وہیں صداقتوں کا ایک چھپا ہوا خزانہ ظاہر ہوا ہے اور نور الدین نے یہ ثابت کردیا ہے کہ درحقیقت جس جگہ تارک اسلام کی متعصب آنکھ کو کوئی بدصورتی معلوم ہوئی ہے وہ درحقیقت خوبصورتی کی شاندار روشنی ہے ؂

کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں بارہ فقرات ہیں جنمیں اور بہت سارے مضامین کے علاوہ مصنف کتاب نے ایسے چند اعتراضوں کا جواب دیا ہے جو اصلی اعتراضوں کے اندر نہیں آئے اور اسلئے اصل کتاب میں ان پر بحث نہیں آئی اور اسکے علاوہ آریہ سماج کی کتب مقدسہ اور قرآن شریف سے احکام جنگ اور عورتوں کے حقوق کا مقابلہ کرکے دکھلایا ہے اور اخیر پر تارک اسلام کی گندہ زبانی دریدہ دہانی کو اس کی اپنی کتاب سے ثابت کرکے دکھلایا ہے۔ سب سے پہلا فقرہ مذہب اسلام کی خصوصیت کو بیان کرتا ہے اسلام کا اصلی اور حقیقی سرچشمہ خود خدا تعالےٰ ہے جسکا نام اسلام قرآن شریف کی اس آیت میں آیا ہے:

ہُوَ اللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ ہُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ (پارہ ۲۸ حشر) یعنی وہی اللہ ہے جو کوئی معبود اور کاملہ صفات سے موصوف اسکے سوا نہین۔ وہ حقیقی بادشاہ ہر ایک نقص سے منزہ اور بے عیب اور سلامتی ہے اسلئے اسلام کے جتنے بڑے بڑے ارکان ہین ان سب مین یہی حفاظت اور سلامتی پائی جاتی ہے سچا مسلمان گناہ و شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے اور وہ دل کی سچی طمانیت اور سلامتی رکھتا ہے اسلئے اسلام کا ثمرہ سلامتی اور حفاظت ہے اسلام کی اخیری منزل دارالسلام ہے جہان ہر طرف سلامتی اور امن کی آرزو ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے و تحیتہم فیہا سلام۔ (پارہ ۱۱ یونس) اسلام کے ظہور کے دو شہر مقدر تھے۔ ان مین سے اول جو اسلام کا مرکز ہے اور جہان سے اسلام کا جلال دنیا مین پھیلا وہ مکہ شریف ہے جسکے متعلق قرآن شریف مین ایسی زبردست پیشگوئی ہے جو بڑے سے بڑے دہریہ کو بھی خدا تعالے کے علم اور طاقت کا قائل کرتی ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰہِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (پارہ ۴۔ آل عمران) یقیناً وہ پہلا گھر جو لوگون کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو بکہ مین ہے مبارک اور ساری دنیا کیلئے ہدایت۔ اس مین ظاہر نشان ہین مقام ابراہیم اور جو شخص اس مین داخل ہوا وہ امن پا گیا۔ یہان اسلام کے مرکز کیلئے امن کا وعدہ ہے جہان خدا تعالی کا گھر بنایا گیا۔ سب سے بڑا فتنہ جس سے امن کی ضرورت تھی وہ دجال کا فتنہ تھا جسکے متعلق یہودی اور عیسائی نوشتون مین پیش گوئیان ہین۔ لفظ دجال کے معنے مفتری یا جھوٹ کے پھیلانیوالے کے ہین اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس سے بڑھکر جھوٹ اور افترا اور کیا ہوگا کہ ایک عورت کے بیٹے کو خدا کہا جائے۔ اور پھر اس جھوٹ کے پھیلانے کیلئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جائے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہین جو اس جھوٹے عقیدے کے پھیلانیوالون سے محفوظ رہا ہو لیکن خدا تعالی کی حکمت بالغہ نے اس پیش گوئی کے مطابق جو پہلے سے کر رکھی تھی یہی چاہا ہے کہ مکہ کا مقدس شہر اس عظیم الشان فتنہ سے محفوظ رہے۔ یہ انسان کی طاقت نہین کہ وہ اس قسم کی پیشگوئی کرے کہ کوئی خاص جگہ دنیا مین ہمیشہ کیلئے معزز رہے گی اور فتنون سے امن مین رہے گی۔ بہت سے مذاہب ہین جن کے متبرک مقامات یا تو بالکل تباہ ہوچکے ہین اور یا غیرون کے قبضے مین ہین مکہ کا امن مین رہنا ایک نہایت عظیم الشان پیش گوئی ہے جسکا پورا ہونا ساری دنیا اپنی آنکھون سے دیکھ رہی ہے پھر مکہ کو مبارک کہا گیا ہے اور ساری دنیا کے لئے ہدایت کہا گیا ہے۔ ایک ایسے وقت مین جبکہ مذہب اسلام ابھی ایک شہر مین بھی قائم نہین ہوا تھا۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج مٹا یا کل مٹا۔ قرآن شریف نے مکہ کو ساری دنیا کے لئے ہدایت کہکر یہ پیش گوئی کردی کہ یہ پاک مذہب ساری دنیا مین پھیلیگا اور پھر ایک دوسری عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ کون انسان اسوقت یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ مذہب جو پاؤن کے نیچے روندا جارہا ہے کسیوقت دنیا کے بڑے بڑے بڑے اعظمون اور ملکون کا مذہب ہو جائیگا۔ ہان یہ طاقت صرف خدا کا کام تھا۔ اور اسی طاقت سے اس نے اسکو پورا کرکے دکھایا ہے۔ کسقدر شاندار یہ پیشگوئی ہے۔ لیکن ان لوگون کیلئے جو آنکھین رکھتے ہین

لفظ مبارک جو مکہ کیلئے استعمال کیا گیا ہے اس طاقتور پیشگوئی کا مؤید ہے اور اسکا مفہوم یہ ہی کہ اسکا پاک شہر ہمیشہ دنیا مین بڑھتا رہیگا اور دنیا کے مختلف حصون سے لوگ ہمیشہ وہان جمع ہوتے رہین گے۔ دوسری جگہ جو اسلام کے لئے بطور مظہر کے قرار دی گئی ہے مدینہ ہو اور اسکے لئے بھی اُسی طرح حفاظت کا وعدہ ہے جیسا کہ مکہ کے لیئے +

اسلام کی پاک کتاب قرآن شریف ہو اور اسکے متعلق خداتعالے فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون - یعنے ہم ہی نے اس ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرینگے اس طرح پر خداتعالے خود اس پاک کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے اور یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ یہ ہمیشہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گی اگر اس کی حفاظت بھی انسانون کے سپرد کیجاتی تو اس مین بھی اسی طرح تغیر و تبدل ہو جاتے جس طرح کہ دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ مین ہوئے ہین لیکن قرآن شریف ہمارے ہاتھون مین آج اپنی عبارت کے لحاظ سے اپنے الفاظ کے لحاظ سے اپنی ترتیب کے لحاظ سے بالکل وہی ہی جس طرح یہ نازل ہوا تھا اور ایک شوشے یا نقطے تک بھی اسمین کچھ تغیر نہین ہوا - یہ اسلام کا ایک عظیم الشان معجزہ ہو جسکے ماننے سے اسلام کے دشمنونکو بھی انکار نہین ہو سکتا - نہ صرف خود قرآن شریف ہی اس حیرت انگیز طریق سے محفوظ چلا آیا ہے بلکہ قرآن شریف کی زبان بھی تیرہ سو سال سے وہی زبان ہے اور اسی طرح پر محفوظ چلی آئی ہے اور اس زمانہ مین بھی خاص اور علمی عربی اسی زبان کو مانا جاتا ہے۔

ایسا ہی حفاظت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام کی ذات پاک کی نسبت دیا گیا ہو عرب مین آپکے ظہور کیوقت کسی آدمی کو مار ڈالنا ایک معمولی بات تھی بلکہ اسلام کے بعد بھی جبکہ ملک مین امن و حکومت کا اسلامی خلیفونکے ماتحت پورا انتظام تھا - حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جو عظیم الشان بادشاہ و حاکم تھے بڑی آسانی سے قتل کر دیئے گئے - عرب کا تمام ملک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تھا - کیونکہ آپ خداتعالے کی توحید کا وعظ کرتے تھے لیکن خداتعالے نے یہ وعدہ دیا تھا واللہ یعصمک من الناس یعنے اللہ تجھے لوگون سے بچا ویگا - اس عظیم الشان پیشگوئی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے دشمنون سے بچایا گیا - آپ کے قتل کیلئے بارہا منصوبے کئے گئے اور آپکے قاتلونکے لئے بڑے بڑے انعام مقرر کئے گئے اور بت پرست یہودی اور عیسائی آپ کو ہلاک کرنے کیلئے سب ایک ہو گئے اور وہ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جس طرح ہو آپ کو نیست و نابود کر دیا جائے لیکن خداتعالے نے اپنے طاقتور ہاتھ سے آپکی زندگی کی حفاظت کی بڑی پیشگوئی کو پورا کر کے دکھایا - اور آپکے تمام دشمنون کو ناکام کیا - آپ کا کوئی محافظ سوائے خدا کی ذات کے نہ تھا لیکن چونکہ خدا آپکا محافظ تھا اور اسکا وعدہ تھا کہ مین بچاؤنگا اسلئے اس نے دشمنونکے تمام منصوبے خاک مین ملا دئے - اور اس جگہ ہم اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ یہی وعدہ حفاظت کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا آپ کے آخیری خلیفہ کو بھی جو اسلام کی

مسیح ہو دیا گیا ہے جیسا کہ کل دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو گئی تھی اسی طرح مسیح موعودؑ کے بھی خلاف ہو گئی ہو اور بعض پرجوش ملاؤں نے آپکے قتل کے فتوے بھی دیدئے ہین لیکن خدا تعالے نے بہت مدت اس سے پہلے جو دنیا آپ کے خلاف ہو گئی آپ کو وعدہ دیا تھا کہ مین تمہین تمہارے دشمنوں کے ہاتھ سے بچاؤنگا۔ اگرچہ وہ لوگ تجھے قتل کرنا چاہین گے اور تیرے مار ڈالنے کے لئے منصوبے کرینگے۔ یہ سب وعدے اسی طرح پورے ہوئے ہین جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پورے ہوئے اس مین شک نہین کہ ہم انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت رہتے ہین جہان امن قائم ہے اور جہان اُس جنگ جو عرب کی سی حالت نہین۔ جہان کہ درحقیقت کوئی گورنمنٹ ہی نہ تھی۔ لیکن گورنمنٹ انگریزی کے پُرامن زمانہ مین بھی ہر روز ہندوستان مین قتل کے واقعات ہوتے ہین۔ خود آریہ سماج کا بانی کہا جاتا ہے کہ کسی دشمن کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اور پھر آریہ سماج کا دوسرا بڑا لیڈر لیکھرام عین دن کے وقت لاہور کے ایک آباد اور پر رونق محلے مین قتل کیا گیا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہین کہ پر امن اور مہذب ممالک مین ایسی آسانی سے قتل ہو سکتا ہے جیسا کہ جنگ جو اور وحشی اقوام مین۔ اب اسوقت سے جبکہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونیکا دعوے کیا ہی ہر ایک مذہبی فرقہ کھلے طور پر آپ کا دشمن ہو گیا ہے پادریوں نے آپکے خلاف اعانت قتل کا ایک مقدمہ کھڑا کیا جس مین آریوں اور مسلمانوں نے ان کو مدد دی لیکن خدا تعالے نے انکے منصوبوں کو نامراد کیا۔ اور آخر یہ ثابت ہوا کہ یہ مقدمہ جھوٹا کھڑا کیا ہو جب لیکھرام قتل ہوا تو آریوں مین مسیح موعودؑ کے خلاف سارے ملک مین ایک جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا قتل سارے واقعات مین عین اس پیش گوئی کے مطابق ہوا جو پانچ سال پہلے مسیح موعودؑ کی طرف سے شائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسی لئے آپکے گھر کی تلاشی بھی لی گئی لیکن دشمن کوئی نقصان پہنچانے مین کامیاب نہ ہو سکے۔ مولویوں کا جوش آپکے خلاف اسوقت بہت بڑھا ہوا تھا جبکہ آپنے مسیح ہونے ہونیکا دعوے کیا اور غازی مہدی کے آنیکے عقیدے کو کھلے طور پر رد کیا۔ اور ان مین سے بعضوں نے جو اپنے جوش مین دیوانگی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے یہ فتوے بھی دئے کہ آپکے اور آپکے پیروؤں کے مال و متاع لوٹ لینا اور آپ کو قتل کر دینا درست ہے۔ لیکن خدا تعالے نے ہر موقعہ پر آپ کو بچایا کیونکہ ان واقعات سے بیس سال پہلے وہ خود ان تمام واقعات کی اور آپکے ان تمام منصوبوں سے بچائے جانے کی خبر دیچکا تھا۔ یون ایک اور عظیم الشان پیش گوئی حفاظت اسلام کے متعلق پوری ہوئی

الغرض نور الدین نے یہ دکھایا ہے کہ خدا تعالے نے اسلام کے متعلق ہر ایک ضروری امر مین شفاعت اور سلامتی کا وعدہ فرمایا ہو اور اسی لئے سچا مسلمان بھی محفوظ ہے +

ترک اسلام مین اکیسو سولہ اعتراض ہین۔ اور نور الدین نے ترتیب کے ساتھ ہر ایک کا مفصل جواب دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ترک اسلام کے مصنف کے پاس یا تو اسقدر وقت نہ تھا اور یا اسقدر قابلیت

نہ تھی کہ وہ اپنے اعتراضونکو کسی ترتیب سے پیش کرتا۔ بعض جگہ ایک ہی اعتراض کو کئی دفعہ پیش
کیا گیا ہے۔ اور بعض اعتراض جو ایک جگہ اکھٹے ہونے چاہئیے تھے ساری کتاب مین بکھرے ہوئے ہین +
بعض وقت ایک ہی اعتراض کے اندر بہت سارے اعتراض بھر دئے ہین مثلاً اخیری اعتراض مین چالیس
مختلف اعتراض ہین جن مین سے اکثر پہلے بھی آچکے ہین۔ نور الدین کے فاضل مصنف نے ان اعتراضات
کا جواب دینے مین تعجب انگیز استقلال اور علمیت دکھلائی ہے اور اکثر اوقات ایک ہی اعتراض
کے بار بار آنے سے جوابون مین مختلف پیرائے اختیار کئے ہین اور نئے نئے رنگ کے جواب دئے ہین
اگرچہ غیر ضروری طوالت کے روکنے کیلئے بعض جگہ پہلے جوابون کے حوالے بھی دیدئے گئے ہین۔ یہ
کتاب صرف اعتراضونکے جواب ہی نہین دیتی بلکہ پڑھنے والیکے سامنے اسلام کی سچائیون اور خوبیون کا
ایک وسیع علمی ذخیرہ پیش کرتی ہے۔

سب سے پہلا اعتراض لفظ مکر کے متعلق ہے جو خدا تعالیٰ کی نسبت آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ
خیر الماکرین + مین استعمال ہوا ہے اور اسی قسم کے اعتراض نمبر دو[۲]۔ چار[۴] اور تیرہ[۱۳] الفاظ کید
یاس اور استہزا کے متعلق ہین۔ وہ فاضلانہ اور وسیع جواب ان اعتراضونکے جو کتاب مین دئے
گئے ہین۔ انکو ہم اس جگہ پورے نقل نہین کر سکتے کیونکہ اسقدر جگہ کی وسعت ہمارے پاس نہین۔ لیکن
ایک مختصر خلاصہ کے طور پر مندرجہ ذیل دلایل سے جوابون کی کیفیت کا ایک نامکمل سا نقشہ ناظرین
کے لئے پیش کرتے ہین۔ دھرم پال نے بڑی بدزبانی کے ساتھ مسلمانون کے خدا کے متعلق یہ کفر کے
کلمات لکھے ہین کہ وہ مکار۔ فریبی۔ مکاروں کا مکار۔ فریبیونکا فریبی۔ دھوکے باز۔ لڑاکا۔ مسخرا۔
مخولیا۔ ٹھٹول۔ بھنگڑ ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

پہلے یہ دکھایا گیا ہے کہ ان ناپاک اور گندے الفاظ مین سے کوئی لفظ بھی قرآن شریف مین نہین آیا
اور نہ اس پاک کتاب سے بطور نتیجے کے ہی کوئی ایسا نام خدا کا پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کبھی کسی
مسلمان نے قرآن کریم کے کسی لفظ کے ایسے معنے سمجھے ہین۔ اسکے بعد پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ جو معنے الفاظ
مکر۔ کید۔ وغیرہ کے عربی زبان مین آتے ہین۔ ان کو معترض نے عمداً اور بدنیتی سے چھوڑ کر ایک نئے اور
بگڑے ہوئے معنے جو کہ ان الفاظ کے ہندوستان مین لئے جاتے ہین اُنپر لگائے ہین اسکے بعد وہ اصول
قائم کیا گیا ہے جو الفاظ کے معنے کرنے مین برتنا چاہئے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآن کریم خدا تعالےٰ کے
متعلق اعلےٰ درجہ کے صفات اور اسمائے حسنےٰ بیان کرتا ہے۔ قرآن شریف مین اللہ تعالےٰ کو ہر ایک
کمال ہر ایک خوبصورتی۔ ہر ایک فوقیت۔ ہر ایک نیکی اور ہر ایک خوبی کا جو قیاس مین آسکتی ہو
مالک بیان کیا گیا ہے۔ اور اسکو ہر ایک نقص سے اور ہر ایک عیب اور کمزوری سے پاک اور منزہ
بتایا گیا ہے۔ اسکو کسی چیز کی مثل نہین کہا جا سکتا کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے لیس کمثلہ شیء اور پھر

بار بار قرآن شریف مین یہ تاکید کیگئی ہے کہ تم خدا تعالے کے نام کی تسبیح و تقدیس کرو .... اور اس کی پاکی بیان کرو اور اسکے اچھے نامون سے اسے پکارو۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ واللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اللہ کے اچھے نام ہین ان نامون سے اسے پکارا کرو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایسے آدمی کو ناپاک سمجھتا ہے جو اسکے لئے گندے اور برے نام تجویز کرے ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ خدا تعالے مین وہ تمام صفات بھی بھرے ہوئے دکھلائے گئے ہین جو کسی ادنی سے ادنی آدمی مین پائے جاتے ہین محض حماقت یا شرارت ہے۔ اگر عرب ان الفاظ کے وہ معنے سمجھتے جو تعصب سے اندھا معترض ان پر لگانا چاہتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیم کو کیون کر قبول کرتے۔ علاوہ ازین یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خود آریہ سماج کے بانی نے الفاظ کے معنے کرنے مین ایسے قاعدے تجویز کئے ہین جو انہی اصولون کے مطابق ہین جن کو اسکا بنا مرید بڑی جرأت سے قرآن شریف کے معنے کرتے وقت رد کرتا ہے۔ بالآخر ان مختلف الفاظ کے معانی مستند اور معتبر لغت کی کتابون سے جیسے راغب۔ ابن الاثیر۔ اور لسان العرب دکھلائے گئے ہین۔ الفاظ مکر اور کید کے معنے باریک اور مخفی تدابیر کے ہین۔ (یا جیسا کہ لین پول کی عربی انگریزی ڈکشنری مین جو آٹھ جلدون مین ہے یہ معنے ہین کہ کسی کام کے کرنے یا کسی انتظام مین ہنر یا تدبیر کو اعلی درجے کے غور اور سوچنے کے بعد کام مین لانا وغیرہ۔) معترض کی حماقت یہ ہے کہ وہ مناسب معنونکو مناسب موقعو نپر نہین لگاتا۔ یہ الفاظ اچھے معنون مین بھی لئے جاتے ہین اور برے معنون مین بھی لئے جاتے ہین لیکن ظاہر ہے کہ جب انکا استعمال خدا تعالے کے لئے ہوگا جسکے متعلق قرآن شریف مین یہ صاف اور صریح الفاظ ہین کہ اسکے سب نام اچھے اور خوبی کے ہین اور کہ وہ ہر ایک کمال اور ہر ایک خوبی کو اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر ایک نقص اور عیب سے پاک اور منزہ ہے تو اچھے معنونکے سوائے دوسرے معنی ہرگز نہین لئے جاسکتے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو بیان کرکے دکھلایا گیا ہے کہ کیونکر یہ معنے ان واقعات کے عین مطابق ہین لفظ بأس کے معنے آیت واللہ اشد باسًا مین انہین لعنتون کی بنا پر عذاب کے ثابت کئے گئے ہین اور ایسا ہی لفظ استہزا کے معنے آیت اللہ یستہزء بہم مین استحقار اور اہانت کے دکھائے گئے ہین افسوس ہے کہ گنجایش کے نہ ہونیکی وجہ سے پورے جواب ہم نقل نہین کرسکتے یہ چند سطرین بارہ صفحون سے زائد کا خلاصہ ہین۔ اور اسلئے اصل کی وسعت اور دلچسپی کا بڑا حصہ ان مین مفقود ہے۔

اگر گنجایش کافی ہوتی تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کسیقدر اور جوابات کے خلاصے درج کرتے۔ اگر ضرورت ہوئی اور خدا نے چاہا تو پھر کسیوقت دیکھا جاویگا۔ ایک بات ترک اسلام مین غور کے قابل ہے کہ جس صورت مین تارک نے ترک اسلام کے صحیح یا غلط وجوہ پیش کئے تھے اور ۱۱۶۔ اعتراض

جمع کرنیکا اس کو موقعہ مل گیا تھا۔ تو اس نے وہ وجوہات کیوں چھپائے ہین جن کے سبب سے اُس نے آریہ سماج کے مذہب کو اختیار کیا یا جن پر وہ آریہ سماج کو دیگر مذاہب پر فوقیت دیتا ہے تارک نے یہ نہین بتایا کہ اسے یہ اطمینان کیونکر ہو گیا کہ ہزارہا سال تک ہندو وید ون کے معنے کرنے مین غلطی پڑے رہے اور جہان تک تاریخ سے پتہ لگ سکتا ہے کسی کو صحیح معنون پر اطلاع نہ ہوئی لیکن خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے سوامی دیانند کو ان معنون پر اطلاع ہو گئی اور نہ ہی اس نے یہ بتایا کہ کیون اس نے پنڈت دیانند کے خدا کو جس کے قدیم سے دو ہمسر مادہ اور روح چلے آتے ہین۔ جس نے کوئی چیز پیدا نہین کی اور جس کا علم اور طاقت بھی ناقص ہین۔ مسلمانون کے قادر اور علیم خدا پر جو ہر شے کا خالق ہے ترجیح دی۔ اور نہ تارک نے یہ بھی بیان نہین کیا کہ کیون اس نے نیوگ کے ناپاک عقیدہ کو جو معمولی سمجھ کے لحاظ سے اور ایک عدالت کے فیصلہ کے لحاظ سے زنا کے ہم معنے قرار پا چکا ہے۔ اسلام کی اس پاک تعلیم پر ترجیح دی جس کے رو سے یہ حکم ہے کہ تم بیگانہ عورت کیطرف آنکھین اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور ایک اور بات بھی جو تارک کو بیان کرنی چاہئے تھی وہ بھی اس نے بیان نہین کی کہ کیون اس نے آریہ سماج کی عارضی نجات کو جو بندر اور سؤر بننے کے بعد ملتی ہے اسلام کی دائمی نجات پر ترجیح دی جس کی نسبت لکھا ہے کہ وما ہم منہا بمخرجین کہ وہ کبھی اس سے نکالے نہین جاوینگے۔ ہم خیال کرتے ہین کہ ایک ایسے مقابلہ کو پبلک زیادہ پسند کرتی بجائے ان اندھا دھند اعتراضون کے جو تارک نے بغیر اسلام کے اصول کو مطالعہ کرنیکے کر دئے ہین +

کتاب نورالدین جو ایک بڑی ضخیم کتاب ۳۲۰ سے زائد بڑے صفحہ پر ہے۔ مولوی حکیم فضل الدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع گورداسپور سے صرف ۸ کو مل سکتی ہے (محصولڈاک ۲ر) قیمت کم اسلئے رکھی گئی ہے تا سب مسلمان اسے پڑھکر فائدہ حاصل کر سکین +

اعلان

(۱) باوجود کئی ماہ کی متواتر یاددہانی کے بقایا زرچندہ کی ادائیگی کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ حالانکہ اب سال رواں کو بھی تین ماہ گذر چکے ہیں۔ لہذا مکرر تاکیدی عرض ہے کہ اب جن جن خریداران کے ذمہ جس قدر بقایا ہے وہ جلد تر بھیجکر بیباقی حساب کریں۔ ورنہ کم از کم اطلاع دیویں کہ کب تک ان کی جانب سے بقایا واجب الوصول ادا ہوسکیگا یا کب اُنکے نام وی پی بھیجا جاوے۔

(۲) جملہ خریداران خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔ نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت میں توقف یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہوگی۔

(۳) جملہ روپیہ خواہ مد خیراتی کا ہو یا اعانت کا یا خریداری کا بنام منیجر میگزین آنا چاہیے اور روپیہ بھیجتے وقت اس امر کی تشریح ہونی چاہیے کہ آیا مداتِ بالا میں سے کس مد کا روپیہ اور کس سال کی بابت ہے +

(۴) سابقہ سالہار کے ختم شدہ پرچہ جات دوبارہ چھپائے گئے ہیں کام طبع ثانی قریب الختم ہے جدید خریدار جلدی درخواست ہائے بھیجیں ورنہ بصورت توقف دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ جن خریداران کو بعض سابقہ نمبر نہیں ملے وہ بغیر یاددہانی ان کی خدمت میں ارسال ہونگے + منیجر۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین ۔ یہ دکان میرے متعلق ہے ۔ انہین کوئی نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے + ... المشتہر ۔ خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ - اپریل سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عہ/

تفسیر سورہ جمعہ:- ۸۰ صفحہ پر اعلےٰ درجہ کے کاغذ پر چھپی ہو اور اسکی چھپائی مین حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے بڑی کوشش سے اہتمام کیا ہو کہ جیسیا اسکے مضامین عالی ہین ویسی ہی چھپائی بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ یہ تفسیر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی بیان کردہ ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ آپ کی ایک تقریر تھی جو پہلے اخبار الحکم کے مختلف نمبرون مین ٹکڑے ٹکڑے ہوکر شائع ہوئی تھی حکیم صاحب نے اسکو ایک جگہ اکٹھا کرکے ایک رسالہ کیصورت مین شایع کیا ہو تفسیر کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہو کہ یہ نورالدین کے مصنف کی تفسیر ہو جسے قرآن کریم سے سچا عشق اور جنکی روح کی یہ کلام پاک غذا ہو۔ چار آنہ قیمت پر حکیم محمد حسین صاحب قریشی پروپرائیٹر رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور سے مل سکتی ہو زیادہ جلدون کے خریدارون کیلئے رعایت بھی رکھی گئی ہو +

سر الشہادتین:- مصنفہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی جس مین مولوی صاحب موصوف نے حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہید مرحوم اور انکے شاگرد میان عبدالرحمن صاحب شہید مرحوم کی شہادت کے متعلق قرآن کریم سے لطیف اشارون کا استنباط کیا ہو ایک آنہ قیمت دفتر البدر قادیان سے مل سکتی ہو

ریویو آف ریلیجنز کے سابقہ نمبر:- سال ۱۹۰۲ء اور سال ۱۹۰۳ء کے دوبارہ چھپ گئی ہین۔ جو صاحبان اسی سال سے یا سال گذشتہ کے اخیر سے خریدار ہین ان کو چاہئے کہ گذشتہ پرچے منگوا لیوین ان مین نہایت عجیب عجیب اور بالکل نئے مضامین حضرت اقدس کے قلم سے نکلے ہوئے ہین جو اور کسی طرح دستیاب نہین ہو سکتے علاوہ اسکے حضرت اقدس کا ارشاد بھی ہو کہ ہر ایک بیعت کنندہ میگزین کی اعانت مین پوری کوشش کرے اور اس کی اعانت کی سب سے عمدہ سبیل یہی ہو کہ اسکی خریداری بڑھائی جاوے۔ تا مضامین کی اشاعت بھی کثرت سے ہو سنہ ۱۹۰۲ء اور سنہ ۱۹۰۳ء کے رسالونکو ہم الگ الگ جلدون مین بھی عنقریب بند ھوانے والے ہین تاکہ جو صاحب پسند کرین وہ مجلد جلد ہر سال کی منگوا سکین اس مین خاص طور پر رعایت کیجاوے گی یعنی جلد نہایت عمدہ بندھوائی جاوے گی اور لاگت صرف ۴ر لیجاویگی اسطرح پر صرف ۴ر کے خرچ سے ایک بیش بہا ذخیرہ مضامین کا ہاتھ مین آسکتا ہو محصولڈاک بھی اسی قیمت مین شامل ہوگا جن خریدارون سے سابقہ نمبر گم ہو چکے ہون یا پرانے ہو کر خراب ہو گئے ہون۔ ان کے لئے پوری جلد کا خریدنا نہایت مفید ہوگا۔ جو صاحب اس طرح پر مجلد سنہ ۱۹۰۲ء و سنہ ۱۹۰۳ء کی جلدین منگوانا چاہتے ہون وہ ہمین ابھی اطلاع دیدین تاکہ کافی مقدار جلدون کی ہم تیار کرا دین +

اعلان } بعض احباب کیطرف ابھی تک سال گذشتہ کا بقایا چلا جاتا ہے ان کی خدمت مین التماس ہے کہ جلدی ادا کرکے حساب بیباق کرین اور اس سال کا چندہ بھی پیشگی آنا چاہیئے جو صاحب خود بذریعہ منی آرڈر اپنی رقوم ارسال کردین یا خود وی پی کی اجازت دیدین وہ دفتر کو بہت سی خط وکتابت سے بچا سکتے ہین امید ہے کہ تمام بھی خواہان سلسلہ اس طریق کو اختیار کرکے اپنی اپنی رقوم دفتر مین بھیجدین گے +

مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی برکات

(از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام)

اس جگہ ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہین کہ اسلام کے ثمرات کیا ہین سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولے کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قایم ہو جائے اور نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالی کی راہون مین ہر ایک قوت اُسکے کام مین لگ جائے تو آخری نتیجہ اُس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالی کی ہدایت کے اعلے تجلیات تمام حجب سے مبرا ہو کر اس کی طرف رُخ کرتے ہین اور طرح طرح کے برکات اُس پر نازل ہوتے ہین اور وہ احکام اور وہ عقاید جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفات صحیحہ اور الہامات یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہین۔ اور مغلقات شرع اور دین کے اور اسرار سربستہ ملت حنیفیہ کے اُس پر منکشف ہو جاتے ہین اور ملکوت الہی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت مین مرتبہ کامل حاصل کرے اور اُس کی زبان اور اُس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنات مین ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمت اس کو عطا کیجاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلے مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریت کے حجابون کی تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چشمی اور شہوات اور رداءت اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی بکلی اُس سے دور کر کے اُس کی جگہ ربانی اخلاق کا نور بھر دیا جاتا ہے تب وہ بکلی مبدل ہو کر ایک نئی پیدایش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدا تعالے سے سُنتا اور خدا تعالے سے دیکھتا اور خدا تعالے کے ساتھ حرکت کرتا اور خدا تعالے کے ساتھ ٹھہرتا ہے اسکا غضب خدا تعالے کا غضب اور اس کا رحم خدا تعالے کا رحم ہو جاتا ہے اور اس درجہ مین اس کی دعائین بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہین نہ بطور ابتلا کے اور وہ زمین پر حجت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے۔ اور آسمان پر اُسکے وجود سے خوشی کیجاتی ہے اور اعلے سے اعلے عطیہ جو اس کو عطا ہوتا ہے مکالمات الٰہیہ

اور مخاطبات حضرت یزدانی ہین جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل
ہونے رہتے ہین اور ایک شدید الاثر لذت اپنے ساتھ رکھتے ہین اور طمانینت اور تسلّی اور سکینت بخشتے ہین اور اس
کلام اور الہام مین فرق یہ ہی کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت مقرب لوگون مین بہتا ہے اور وہ روح القدس کے
بُلائے بولتے اور روح القدس کے دکھائے دیکھتے اور روح القدس کے سُنائے سُنتے اور ان کے تمام ارادے
روح القدس کے نفخ سے ہی پیدا ہوتے ہین اور یہ بات سچ اور بالکل سچ ہی کہ وہ ظلّی طور پر اس آیت کا مصداق
ہوتے ہین وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی لیکن مکالمہ الٰہیہ ایک الگ امر ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی
متلو کی طرح خدا تعالے کا کلام اُن پر نازل ہوتا ہے اور وہ اپنے سوالات کا خدا تعالے سے ایسا جواب پاتے
ہین کہ جیسا ایک دوست دوست کو جواب دیتا ہے اور اس کلام کی اگر ہم تعریف کرین تو صرف اس قدر
کر سکتے ہین کہ وہ اللہ جلّ شانہ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو بذریعہ اسکے مقرب فرشتہ کے ظہور مین آتی ہی۔
اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ تا دعا کے قبول ہونیسے اطلاع دیجائے یا کوئی نئی اور مخفی بات بتائی جائے یا آیندہ
کی خبرون پر آگاہی دیجائے یا کسی امر مین خدا تعالی کی مرضی اور عدم مرضی پر مطلع کیا جائے یا کسی اور قسم
کے واقعات مین یقین اور معرفت کے مرتبہ تک پہنچایا جائے بہرحال یہ وحی ایک الٰہی آواز ہی جو معرفت اور
اطمینان سے رنگین کرنیکے لئے منجانب اللہ پیرایہ مکالمہ و مخاطبہ مین ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس سے بڑھکر
اس کی کیفیت بیان کرنا غیر ممکن ہی کہ وہ صرف الٰہی تحریک اور ربّانی نفخ سے بغیر کسی قسم کے فکر اور تدبر اور
خوض اور غور اور اپنے نفس کے دخل کی خدا تعالی کی طرفسے ایک قدرتی ندا ہے جو لذیذ اور پر برکت الفاظ مین
محسوس ہوتی اور اپنے اندر ایک ربّانی تجلی اور الٰہی صولت رکھتی ہے ✢

اس جگہ ہر ایک سچے طالب کے دل مین بالطبع یہ سوال پیدا ہوگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ تا یہ مرتبہ عالیہ مکالمہ
الٰہیہ حاصل کر سکون پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نئی ہستی ہی جس مین نئی قوتین نئی طاقتین نئی
زندگی عطا کیجاتی ہی اور نئی ہستی پہلی ہستی کے فنا کے بغیر حاصل نہین ہو سکتی۔ اور جب پہلی ہستی ایک سچی اور حقیقی
قربانی کے ذریعہ سے جو فدائے نفس اور فدائے عزت و مال و دیگر لوازم نفسانیہ سے مراد ہی بکلی جاتی رہے تو یہ
دوسری ہستی فی الفور اس کی جگہ لے لیتی ہی اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلی ہستی کے دور ہونے کے نشان کیا ہین تو
اس کا جواب یہ ہے کہ جب پہلے خواص اور جذبات دور ہو کر نئے خواص اور نئے جذبات پیدا ہون اور اپنی فطرت
مین ایک انقلاب عظیم نظر آوے اور تمام حالتین کیا اخلاقی اور کیا ایمانی اور کیا تعبدی ایسی صاف بدلی ہوئی
نظر آوین کہ گویا ان پر اب رنگ ہی اور ہے غرض جب اپنے نفس پر نظر ڈالے تو اپنے تئین ایک نیا آدمی
پاوے اور ایسا ہی خدا تعالی بھی نیا ہی دکھائی دے اور شکر اور صبر اور یاد الٰہی مین نئی لذتین پیدا ہو جائین
جن کی پہلے کچھ بھی خبر نہین تھی اور بدیہی طور پر محسوس ہو کہ اب اپنا نفس اپنے ربّ پر بکلّی متوکل اور غیر سے
بکلّی لاپروا ہے اور تصور وجود حضرت باری تعالی اس قدر اُسکے دل پر استیلا پکڑ گیا ہی کہ اب اُس کی نظر شہود مین وجود

غیر بکلّی معدوم ہے اور تمام اسباب ہیچ اور ذلیل اور بیقدر نظر آتے ہین اور صدق اور وفا کا مادّہ اسقدر جوش مین آگیا ہے کہ ہر ایک مصیبت کا تصور کرنے سے وہ مصیبت آسان معلوم ہوتی ہے اور نہ صرف تصور بلکہ مصائب کے وارد ہونیسے بھی ہر ایک درد برنگ لذت نظر آتا ہے تو جب یہ تمام علامات پیدا ہو جائین تو سمجھنا چاہیئے کہ اب پہلی ہستی پر موت آگئی ✣

اس موت کے پیدا ہو جانیسے عجیب طور کی قوتین خداتعالی کی راہ مین پیدا ہو جاتی ہین وہ باتین جو دوسرے کہتے ہین پر کرتے نہین اور وہ راہین جو دوسرے دیکھتے ہین پر چلتے نہین اور وہ بوجھ جو دوسرے جانچتے ہین پر اٹھاتے نہین ان سب امور شاقہ کی اس کو توفیق دیجاتی ہے کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہین بلکہ ایک زبردست الہی طاقت اس کی اعانت اور امداد مین ہوتی ہے جو پہاڑون سے زیادہ اسکو استحکام کی روسے کر دیتی ہے اور ایک وفادار دل اس کو بخشتی ہے تب خداتعالے کے جلال کے لیئے وہ کام اس سے صادر ہوتے ہین اور وہ صدق کی باتین ظہور مین آتی ہین کہ انسان کیا چیز ہے اور آدھراد کیا حقیقت ہی کہ خود بخود ان کو انجام دیسکے وہ بکلّی غیر سے منقطع ہو جاتا ہے اور ماسوا اللہ سے دونون ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور سب تفاوتون اور فرقون کو درمیان سے دور کر دیتا ہے اور وہ آزمایا جاتا اور دکھ دیا جاتا ہے اور طرح طرح کے امتحانات اسکو پیش آتے ہین اور ایسے مصائب اور تکالیف اسپر پڑتی ہین کہ اگر وہ پہاڑون پر پڑتین تو انہین نابود کر دیتین اور اگر وہ آفتاب اور ماہتاب پر وارد ہوتین تو وہ بھی تاریک ہو جاتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا ہے اور وہ تمام سختیونکو بڑی انشراح صدر سے برداشت کر لیتا ہے اور اگر وہ ہاون حوادث مین پیسا بھی جائے اور غبار سا کیا جائے تب بھی بغیر انی مع اللہ کے اور کوئی آواز اسکے اندر سے نہین آتی جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اسکا معاملہ اس عالم سے وراء الوراء ہو جاتا ہی اور ان تمام ہدایتون اور مقامات عالیہ کو ظلّی طور پر پا لیتا ہے جو اس سی پہلے نبیون اور رسولون کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نایب ہو جاتا ہے وہ حقیقت جو انبیاء مین معجزہ کے نام سی موسوم ہوتی ہی وہ اس مین کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء مین عصمت کے نام سے نامزد کیجاتی ہے اس مین محفوظیت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء مین نبوّت کے نام سے بولی جاتی ہے اس مین محدثیت کے پیرایہ مین ظہور پکڑتی ہی حقیقت ایک ہی ہے لیکن باعث شدّت اور ضعف رنگ کے مختلف نام رکھے جاتے ہین اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات مبارکہ اشارت فرما رہے ہین کہ محدّث نبی بالقوہ ہوتا ہے اور اگر باب نبوّت مسدود نہ ہوتا تو ہر ایک محدث اپنے وجود مین قوّت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اسی قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدّث کا حمل نبی پر جایز ہی یعنے کہہ سکتے ہین کہ المحدّث نبی جیسا کہ کہہ سکتے ہین کہ العنب خمر نظرًا علی القوۃ والاستعداد ومثل ہذا الحمل شائع متعارف فی عبارات القوم وقد جرت المحاورات علی ذالک کما لا یخفی علی کل ذکی

عالم مطلع علی کتب الادب والکلام والتصوف - اور اسی حمل کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلشانہ نے اس قرأت کو جو وما ارسلنا من رسول ولا نبی ولا محدث ہے مختصر کر کے قرأت ثانی مین صرف یہ الفاظ کافی قرار دیئے کہ وما ارسلنا من رسول ولا نبی۔

اور اس سوال کا جواب کہ جس شخص کو شرف مکالمہ الہیہ کا نصیب ہو وہ کب اور کن حالات مین اجتذاب کلام الہی کا زیادہ تر مستحق ہوتا ہے - یہ ہے کہ اکثر شدائد اور مصائب کے نزول کے وقت اولیاء اللہ پر کلام الہی نازل ہوتا ہے تا ان کی تسلی اور تقویت کا موجب ہو جب وہ نزول آفات اور حوادث فوق الطاقت سے نہایت شکستہ اور دردمند اور کوفتہ ہو جاتے ہین اور حزن اور قلق انتہا کو پہنچ جاتا ہے تب خدا تعالے کی صفت کلام اُن کے دل پر متجلی ہوتی ہے اور کلمات طیبہ الہیہ سے ان کو سکینت اور تشفی بخشی جاتی ہے - حقیقت یہ ہے کہ ملہم کی انکساری حالت الہامی آگ کے افروختہ ہونیکے لئے بہت ہی دخل رکھتی ہے جب ایک شرف یاب مکالمہ الہی کمال دردمند اور مضطر ہوتا ہے اور اس کی توجہ درد اور حزن سے ملی ہوئی ایک تار بندھ جانے کی حالت تک پہنچ جاتی ہے اور وفاداری اور تضرع اور صدق کے ساتھ ربوبیت کی شعاع نکلے نیچے جا پڑتی ہے تو یکدفعہ ربوبیت کی ایک شعاع اپنی ربوبیت کی تجلی کے ساتھ اس پر گرتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے اور وہ روشنی کبھی کلام کی صورت مین اور کبھی کشف کی صورت مین ظاہر ہوتی ہے اور رجوع کرنیوالے دل کو اس فتیلہ کی طرح جو آگ کے نزدیک پہنچ جاتا ہے اپنے ربانی نور سے منور کر دیتی ہے کیا یہ بدیہی طور پر محسوس نہین ہوتا جو ایک فتیلہ جو پاکیزہ تیل اپنے اندر رکھتا ہے جب آگ کے نزدیک کیا جاتا ہے تو وہ فی الفور صورت بدل لیتا ہے اور آگ کی صحبت سے واپس آتے وقت ایک چمکتا ہوا شعلہ اپنے ساتھ لاتا ہے پس ایک عارف اور کامل انسان اس وقت مکالمہ الہیہ کے لئے نہایت ہی استعداد قریبہ رکھتا ہے جب وہ دردمند ہو کر آستانہ الہی پر گرتا ہے اور ہر ایک طرف سے منقطع ہو کر اُس موافقت اور مصادقت کو جو اسکے رگ و ریشہ مین رچی ہوئی ہے ایک تازہ اور نیا جوش دیتا ہے اور دردناک روح کے ساتھ خدا تعالی کی مدد کے لئے التجا کرتا ہے تب خدا تعالے اس کی سنتا ہے اور اسے نود د اور محبت کے ساتھ جواب دیتا ہے اور اُس پر رحم کرتا ہے اور اُسکی دعاؤن کو اکثر قبول فرما لیتا ہے آج کل کے بعض ملحدانہ خیال والے جو یورپ کے فلسفہ اور نیچر کے تابع ہو گئے ہین اور اجابت اور قبولیت دعا سے منکر ہین اُن کے یہ خیالات سراسر باطل ہین کہ قبولیت دعا کچھ چیز نہین اور تحصیل مرادات کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے - یاد رکھنا چاہیئے کہ مومن پر خدا تعالے کے فضلو نمین سے یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائین قبول ہوتی ہین اور اس کی درخواستین گو کیسی ہی مشکل کامون کے متعلق ہون اکثر بہ پایہ اجابت پہنچتے ہین اور در اصل ولایت کی حقیقت یہی ہے جو ایسا قرب اور وجاہت حاصل ہو جائے جو یہ نسبت اور ونکے بہت دعائین قبول ہون کیونکہ ولی خدا تعالے کا دوست ہوتا ہے اور خاصہ دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستین اس کی قبول کیجائین پس جو شخص کہتا ہے کہ دعا قبول ہونیکے اس سے زیادہ

اور کچھ معنے نہین کہ خدا تعالیٰ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ جان لیتا ہے کہ اس نے دعا کی ہے ایسا شخص مسخرہ ہے اور خدا تعالیٰ کی کتاب اور اسکے دین سے محض بیگانہ ہے اگر صرف دعا کا سن لینا اجابت مین داخل ہے اور اس سے زیادہ کوئی بات نہین تو یہ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ میری دعا رد نہین ہوئی کیونکہ اگر اجابت سے مطلب صرف اطلاع بر دعا ہے تو پھر کون شخص ہے جس کی دعا سے خدا تعالےٰ بے خبر رہتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ جلشانہ بباعث اپنی صفت علیم اور خبیر اور سمیع ہونیکے ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر ایک شخص کی آواز اس تک پہنچ جاتی ہے پھر ایسے سننے مین مومن اور غیر مومن کی دعا مین فرق کیا ہے اور یہ کہنا کہ مومن کو لبیک کہتا ہے اور دوسرے کو نہین یہ کیونکر ثابت ہو جبکہ اصل محرومی مین مومن اور غیر مومن دونون مساوی ہین تو ایک کافر بھی کہہ سکتا ہے کہ میری دعا پر لبیک کہا گیا ہے تو اب اسکا کون فیصلہ کرے کہ نہین کہا گیا اور ایسی بمعنی لبیک کا فایدہ کیا بلکہ مومن کی دعا ضرور قبول کیجاتی ہے اور اگر قبول کرنا مومن کے حق مین بہتر نہ ہو تو کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ مومن کو نرمی اور محبت کی راہ سے بذریعہ محبانہ مکالمہ کے اسپر اطلاع دیجاتی ہے خدا تعالےٰ جو تمام رحمتون کا سرچشمہ ہے سب سے زیادہ رحمت مومن پر ہی کرتا ہے اور ہر ایک مصیبت کے وقت اسے سنبھالتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور مومن ایک طرف تو فتح مومن ہی کو دیتا ہے اور اس کی عمر اور عافیت کے دن بڑھاتا ہے دشمن کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور ناپدید ہو جائے پر وہ دشمن کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس کی بددعائین اسی کے سر پر مارتا ہے پر مومن کی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور اس کی دعاؤنکو قبول کر کے وہ خوارق دکھلاتا ہے جنسے دنیا حیران ہو جاتی ہے کرامت کیا چیز ہے؟ مومن کی دعا جو قبول ہو کر ایک نہایت مشکل اور بعید از عقل کام کو پورا کر دیتی ہے اور تمام خلقت کو ایک حیرت مین ڈالتی ہے پھر کیونکر کہا جائے کہ دعا قبول نہین ہوتی نادان ہے وہ شخص جو ایسا خیال کرتا ہے بیوقوف ہے وہ فلسفی جو ایسا سمجھتا ہے یہ دعوے بے دلیل نہین اسپر میرے پاس کھلے کھلے دلائل اور نہایت روشن براہین ہین پر جو اپنی آنکھون پر پٹی باندھتا ہے تا آفتاب نظر نہ آوے وہ کیونکر روشنی کو دیکھ سکتا ہے ✤

اب یہ بھی یاد رہے کہ وہ اسلام جس کی خوبیان ہم بیان کر چکے ہین وہ ایسی چیز نہین ہے جسکے ثبوت کیلئے ہم صرف گذشتہ کا حوالہ دین اور محض قبرونکے نشان دکھلائین اسلام مردہ مذہب نہین تا یہ کہا جائے کہ اسکی سب برکات پیچھے رہ گئی ہین اور آگے خاتمہ ہے اسلام مین بڑی خوبی یہی ہے کہ اس کی برکات ہمیشہ اسکے ساتھ ہین اور وہ صرف گذشتہ قصونکا سبق نہین دیتا بلکہ موجودہ برکات پیش کرتا ہے دنیا کو برکات اور آسمانی نشانون کی ہمیشہ ضرورت ہے یہ نہین کہ پہلے تھی اور اب نہین۔ ضعیف اور عاجز انسان جو اندھے کی طرح پیدا ہوتا ہے ہمیشہ اس بات کا محتاج ہے کہ آسمانی بادشاہت کا اسکو کچھ پتہ لگے اور وہ خدا جسکے وجود پر ایمان ہے اسکی ہستی اور قدرت کے کچھ آثار بھی ظاہر ہون پہلے زمانہ کے نشان دوسرے زمانہ کیلئے کافی نہین ہو سکتے کیونکہ خبر معائنہ کی مانند نہین ہو سکتی اور امتداد زمانہ

سے خبرین ایک قصہ کے رنگ مین ہو جاتی ہین ہر ایک نئی صدی جو آتی ہے تو گویا ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے اِسلئے اسلام کا خدا جو سچا خدا ہے ہر ایک نئی دنیا کیلئے نئے نشان دکھلاتا ہے اور ہر ایک صدی کے سر پر اور خاصکر ایسی صدی کے سر پر جو ایمان اور دیانت سے دور پڑ گئی ہو اور بہت سی تاریکیان اپنے اندر رکھتی ہے ایک قایم مقام نبی کا پیدا کر دیتا ہے جسکے آئینہ فطرت مین نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگون کو دکھلاتا ہے اور تمام مخالفونکو سچائی اور حقیقت نمائی اور پردہ دری کے رو سے ملزم کرتا ہے۔ سچائی کے رو سے اس طرح کہ وہ سچے نبی پر ایمان نہ لائے۔ پس وہ دکھلاتا ہے کہ وہ نبی سچا تھا اور اس کی سچائی پر آسمانی نشان یہ ہین اور حقیقت نمائی کی رو سے اس طرح کہ اُس نبی متبوع کے تمام مغلقات دین کا حل کر کے دکھلا دیتا ہو اور تمام شبہات اور اعتراضات کا استیصال کر دیتا ہے۔ اور پردہ دری کے رو سے اس طرح کہ وہ مخالفونکے تمام پردے پھاڑ دیتا ہے اور دنیا کو دکھلا دیتا ہے کہ وہ کیسے بیوقوف اور معارف دین نہ سمجھنے والے اور غفلت اور جہالت اور تاریکی مین گرنیوالے اور جناب الٰہی سے دور و مہجور رہین۔ اس کمال کا آدمی ہمیشہ مکالمہ الٰہیہ کا خلعت پاکر آتا ہے اور زکی اور مبارک اور مستجاب الدعوات ہوتا ہو اور نہایت صفائی سے ان باتونکو ثابت کر کے دکھلا دیتا ہے کہ خدا ہے اور وہ قادر اور بصیر اور سمیع اور علیم اور مدبر بالارادہ ہے اور درحقیقت دعائین قبول ہوتی ہین اور اہل اللہ سے خوارق ظاہر ہوتے ہین پس صرف اتنا ہی نہین کہ وہ آپ ہی معرفت الٰہیہ سے مالا مال ہے بلکہ اسکے زمانہ مین دنیا کا ایمان عام طور پر دوسرا رنگ پکڑ لیتا ہے اور وہ تمام خوارق جن سے دنیا کے لوگ منکر تھے اور اُنپر ہنستے تھے اور اُنکو خلاف فلسفہ اور نیچر سمجھتے تھے یا اگر بہت نرمی کرتے تھے تو بطور ایک قصہ اور کہانی کے انکو مانتے تھے اب اُسکے آنیسے اور اُسکے عجائبات ظاہر ہونیسے نہ صرف قبول ہی کرتے ہین بلکہ اپنی پہلی حالت پر روتے اور تاسف کرتے ہین کہ وہ کیسی نادانی تھی جسکو ہم عقلمندی سمجھتے تھے اور کیسی بیوقوفی تھی جس کو ہم علم اور حکمت اور قانون قدرت خیال کرتے تھے غرض وہ خلق اللہ پر ایک شعلہ کیطرح گرتا ہے اور سب کو کم و بیش حسب استعدادات مختلفہ اپنے رنگ مین لے آتا ہے اگرچہ وہ اوایل مین آزمایا جاتا اور تکالیف مین ڈالا جاتا ہو اور لوگ طرح طرح کے دکھ اسکو دیتے اور طرح طرح کی باتین اسکے حق مین کہتے ہین اور انواع اقسام کے طریقونسے اُسکو ستاتے اور اسکی ذلت ثابت کرنا چاہتے ہین لیکن چونکہ وہ برہان حق اپنے ساتھ رکھتا ہو اسلئے آخران سب پر غالب آتا ہے اور اس کی سچائی کی کرنین بڑے زور سے دنیا مین پھیلتی ہین اور جب خدا تعالےٰ دیکھتا ہو کہ زمین اس کی صداقت پر گواہی نہین دیتی تب آسمان والونکو حکم کرتا ہو کہ وہ گواہی دین سو اسکے لئے ایک روشن گواہی خوارق کے رنگ مین دعاؤنکے قبول ہونیکے رنگ مین اور حقایق و معارف کے رنگ مین آسمان سے اترتی ہو اور وہ گواہی

بہرون اور گونگون اور اندھون تک پہنچتی ہے اور بہتیرے ہین جو اسوقت حق اور سچائی کی طرف کھینچے جاتے ہین مگر مبارک وہ جو پہلے سے قبول کر لیتے ہین کیونکہ انکو بوجہ نیک ظن اور قوت ایمان کے صدیقونکی شان کا ایک حصہ ملتا ہے اور یہ اُسکا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔

اب اتمام حجت کیلئے مین یہ ظاہر کرنا چاہتا ہون کہ اسی کے موافق جو ابھی مین نے ذکر کیا ہے خدا تعالےٰ نے اس زمانہ کو تاریک پاکر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک مین غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقوے اور راستبازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے کہ تا وہ دوبارہ دنیا مین علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگونکے حملہ سے بچائے جو فلسفیت اور نیچریت اور اباحت اور شرک اور دہریت کے لباس مین اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہین سو اے حق کے طالبو سوچکر دیکھو کیا یہ وقت وہی وقت نہین ہے جس مین اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی کیا ابھی تک تم پر یہ ثابت نہین ہوا کہ گذشتہ صدی مین جو تیرھوین صدی تھی کیا کیا صدمات اسلام پر پہنچ گئے اور ضلالت کے پھیلنے سے کیا کیا ناقابل برداشت زخم ہمین اٹھانے پڑے کیا ابھی تک تمنے معلوم نہین کیا کہ کن کن آفات نے اسلام کو گھیرا ہوا ہے۔ کیا اسوقت تم کو یہ خبر نہین ملی کہ کسقدر لوگ اسلام سے نکل گئے کسقدر عیسائیون مین جا ملے کسقدر دہریہ اور طبیعیہ ہوگئے اور کسقدر شرک اور بدعت نے توحید اور سنت کی جگہ لے لی اور کسقدر اسلام کے ردّ کیلئے کتابین لکھی گئین اور دنیا مین شایع کی گئین ۔ سو تم اب سوچکر کہو کہ کیا اب ضرور نہ تھا کہ خدا تعالےٰ کیطرف سے اس صدی پر کوئی ایسا شخص بھیجا جاتا جو بیرونی حملونکا مقابلہ کرتا اگر ضرور تھا تو تم دانستہ الٰہی نعمت کو ردّ مت کرو اور اس شخص سے منحرف مت ہو جاؤ جسکا آنا اس صدی پر اس صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور جس کی ابتدا سے نبی کریم نے خبر دی تھی اور اہل اللہ نے اپنے الہامات اور مکاشفات سے اس کی نسبت لکھا تھا ذرہ نظر اٹھا کر دیکھو کہ اسلام کو کس درجہ پر بلاؤن نے مجبور کر لیا ہے اور کیسے چارونطرف سے اسلام پر مخالفونکے تیر چھوٹ رہے ہین اور کیسے کروڑہا نفوس پر اس زہر نے اثر کر دیا ہے یہ علمی طوفان یہ عقلی طوفان یہ فلسفی طوفان یہ مکر اور منصوبونکا طوفان یہ فسق اور فجور کا طوفان یہ اباحت اور دہریت کا طوفان یہ شرک اور بدعت کا طوفان جو ہے ان سب طوفانون کو ذرہ آنکھین کھولکر دیکھو اور اگر طاقت ہے تو ان مجموعہ طوفانات کی کوئی پہلے زمانہ مین نظیر بیان کرو اور ایمانًا کہو کہ حضرت آدمؑ سے لیکر تا این دم اسکی کوئی نظیر بھی ہے اور اگر نظیر نہین تو خدا تعالےٰ سے ڈرو اور حدیثونکو وہ معنے کرو جو ہو سکتے ہین واقعات موجودہ کو نظر انداز مت کرو تا تم پر کھلجائے کہ یہ تمام ضلالت وہی سخت دجالیت ہے جس سے ہر ایک نبی ڈراتا آیا ہے جسکی بنیاد اس دُنیا مین عیسائی مذہب اور عیسائی قوم نے ڈالی جسکے لئے ضرور تھا کہ مجدّد وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح کی ہی امت سے ہے اور میرے پر کشفًا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا مین پھیل گئی حضرت عیسیٰؑ کو اسکی خبر دیگئی تب انکی روح روحانی نزول کیلئے حرکت مین آئی اور اُسنے جوش مین

آگرا اور اپنی اُمّت کو ہلاکت کا مفسدہ پرداز پاکر زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہا جو اسکا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی
ہو سو اُسکو خدا تعالےٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کی اور اس مین مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت
نازل ہوئی اور اس مین اور مسیح مین بشدت اتصال کیا گیا گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے اور
مسیح کی توجہات نے اسکے دل کو اپنا قرارگاہ بنایا اور اس مین ہو کر اپنا تقاضا پورا کرنا چاہا پس ان معنوں سے
اُسکا وجود مسیح کا وجود ٹھہرا اور مسیح کی پُرجوش ارادات اس مین نازل ہوئے جن کا نزول الہامی استعارات
مین مسیح کا نزول قرار دیا گیا یاد رہے کہ یہ ایک عرفانی بھید ہے کہ بعض گذشتہ کاملون کا اُن بعض پر جو زمین
پر زندہ موجود ہون عکس توجہ پڑکر اور اتحاد خیالات ہو کر ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ اُنکے ظہور کو اپنا ظہور سمجھ لیتے
ہین اور اُنکے ارادات جیسے آسمان پر اُن کے دل مین پیدا ہوتے ہین ویسا ہی باذنہ تعالےٰ اسکے دل مین جو زمین
پر ہے پیدا ہو جاتے ہین اور ایسی روح جسکی حقیقت کو اُس آدمی سے جو زمین پر ہے متحد کیا جاتا ہے ایک ایسا
ملکہ رکھتی ہے کہ جب چاہے پورے طور پر اپنے ارادات اس مین ڈالتی رہے اور اُن ارادات کو خدا تعالیٰ اُس
دل سے اِس دل مین رکھ دیتا ہے غرض یہ سنت اللہ ہے کہ کبھی گذشتہ انبیاء و اولیاء اس طور سے نزول فرماتے
ہین اور ایلیا نبی نے یحییٰ نبی مین ہو کر اسی طور سے نزول کیا تھا۔ سو مسیح کے نزول کی سچی حقیقت یہی ہے

احیاے موتے

مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ

یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے جو قدیم سے اسی طرح چلی آئی ہے کہ وہ انبیاء اور مامورین کو ایسے وقت مین
مبعوث فرماتا ہے جب دنیا مین گناہ اور غفلت اور شرک اور کفر کی موت واقع ہو چکی ہوتی ہے اور پھر وہ انبیاء
علیہم السلام کے ذریعہ مردوں کو روحانی زندگی عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ مروجہ انجیلون مین بعض فقرات ایسے
پائے جاتے ہین جن سے حضرت مسیح کیطرف اسی قسم کے مُردے جِلانے کا دعوےٰ منسوب کیا گیا ہے اور قرآن کریم
تو بار بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اسی امر کو ٹھہراتا ہے کہ تا آپکے ذریعہ سے مردوں کو ہمیشہ
کی زندگی دیجاوے بلکہ اسی امر کو آنحضرت کی صداقت اور فضیلت کی ایک دلیل ٹھہراتا ہے کہ آپ ایسے وقت
مین آئے جب تمام زمین مر چکی تھی اور ایسے وقت مین بلائے گئے جب کامل طور پر اپنے پیروؤں کو
وہ زندگی عطا فرما چکے تھے۔

یوحنا کی انجیل مین حضرت مسیح کا یہ قول لکھا ہے کہ قیامت اور زندگی مین ہی ہون جو مجھ پر ایمان لاوے

اگرچہ وہ مرگیا ہو تو بھی جئے گا۔ یوحنا ۲۵/۱۱ جسکا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی گناہ اور غفلت اور کفر اور شرک کی موت سے نجات پاکر اطاعت الٰہی کی روحانی زندگی حاصل کریگا۔ عیسائی صاحبان کا یہ خیال ہے کہ سوائے مسیح کے اور کسی شخص نے آج تک دنیا مین ایسا دعوے نہین کیا اور اگر کوئی کرتا بھی تو اس کے مطابق ثابت کر دینا غیر ممکن ہوتا جس سے غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح کا ایسا دعوے کرنا اور پھر پورے طور پر اُسکو پورا کر کے دکھا دینا دونون امر ثابت شدہ ہین حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونون باتین جھوٹ ہین اور دونون کا کھلا کھلا اور فلسفی ثبوت صرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین ہی مل سکتا ہے۔ امر اول کی متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہو کہ انجیلین حضرت مسیح کے زمانہ دراز بعد لکھی گیئین اور انکے لکھنے والونکا کچھ پتہ نہین کہ وہ کون تھے۔ حضرت مسیح کی انجیل تو ان مین کوئی ہے ہی نہین۔ چار انجیلین ہین جن کے نام یہ ہین کہ متی کے مطابق انجیل۔ لوقا کے مطابق انجیل۔ مرقس کے مطابق انجیل اور یوحنا کے مطابق انجیل۔ اب اول تو یہی معلوم نہین کہ یہ متی مرقس لوقا اور یوحنا جنکے مطابق یہ انجیلین لکھی گیئین کون لوگ تھے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ان مین سے کوئی حواری بھی تھا تو انجیل اس کی لکھی ہوئی نہین بلکہ اس کی روایت کے مطابق بعد مین کسی نے لکھی اور وہ روایت کے لکھنے والے تک کس ذریعہ سے پہنچی یہ بھی بتایا نہین گیا خود اناجیل کے تناقض دکھاتے ہین کہ ان مین بہت تھوڑے سچ کے ساتھ بڑا حصہ جھوٹ کا ملا ہوا ہے۔ کاش اگر ان اناجیل کے مصنف روایت کا سلسلہ بنا دیتے تو ان متناقض بیانون مین سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ ہمارے ہاتھ مین ہوتی۔ الغرض انجیلون کے متعلق یہ کہین سے ثابت نہین ہوتا کہ ان مین یسوع کے کلمات صحیح طور پر لکھے گئے ہین۔ اور اسلئے یہ کہنا کہ فلان فقرہ جو کسی انجیل مین پایا جاتا ہے واقعی وہ مسیح کے منہ سے نکلا تھا دعوے بے دلیل ہی کیونکہ خود عیسائی محققین کے نزدیک سب انجیلین اور خصوصاً یوحنا کی انجیل پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہین اس لئے امر اول کا ثبوت عیسائی صاحبان کے ہاتھ مین یہ ہین کہ واقعی مسیح ؑ نے یہ کلمات منہ سے نکالے تھے +

اب دوسرا امر یہ ہے کہ اگر بفرض محال اسے مسیح کا دعوے ہی تسلیم کر لیا جاوے تو آیا فی الواقع اس نے جہانتک انجیلون سے یا واقعات مسلّمہ سے ثابت ہوتا ہے کوئی ایسا کام بھی کر کے دکھایا جو اسکے اس دعوے پر دلیل ٹھہر سکے سو ہم افسوس سے ظاہر کرتے ہین کہ ان دونون ذریعون سے ایک ذرہ بھر بھی شہادت ہمین نہین ملتی جو ایسے دعوے کی موید ہو سکے۔ جسقدر حصہ مسیح کی زندگی کا اناجیل مین بیان کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی تعلیم خود ان کے شاگردون کی پست خیالی اور کم فہمی اور دنیا طلبی کو دور نہین کر سکی اور مسیح کی گرفتاری کے وقت جو کچھ انہون نے اپنی بزدلی اور بد اعتقادی اور بیوفائی دکھلائی بلکہ بعض کی زبان پر بھی جو کچھ اس آخری وقت مین لعن طعن کے الفاظ حضرت مسیح کی نسبت جاری ہوئے یہ ایک ایسی بات ہو کہ بڑے بڑے اور اعلےٰ درجہ کے فاضل مسیحیون نے حواریون کی ان

بیجا حرکات کو بیسیوں کے لئے سخت قابل شرم قرار دیا ہی پھر یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح روحانی قیامت تھے اور ان مین داخل ہوکر روحانی مُردے زندہ ہوگئے کسقدر دور از صداقت ہے جو کچھ حضرت مسیح کے پیروؤن نے آپ کی زندگی کیوقت اپنی استقامت اور ایمانداری کا نمونہ دکھلایا وہ تو ایک ایسا نمونہ ہے کہ ضرور اُن مسیحیون پر جو بعد مین اب تک دُنیا مین آتے گئے اُسکا بد اثر پڑا ہوگا کیونکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح سے درحقیقت معجزات ظہور مین آتے اور اعلےٰ درجہ کے عجائب کام اُن سے ظاہر ہوتے تو اُنکے حواریون کا جو ایمان لاچکے تھے ایسا بد انجام ہرگز نہ ہوتا کہ بعض چند درم رشوت لیکر انکو گرفتار کراتے اور بعض ان کو گرفتار ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتے اور بعض ان کے روبرو اُنپر لعنت بھیجتے جنکے دلون مین ایمان رچ جاتا ہے اور جنکو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے کیا اُن کے یہی آثار ہوا کرتے ہین اور کیا وہ اپنے مخدوم اپنے آقا اپنے رہبر سے ایسی وفاداریان کیا کرتے ہین اور حضرت مسیح کے الفاظ بھی جو انجیلون مین درج ہین دلالت کر رہے ہین کہ آپکے حواری اور آپکے دنرات کے دوست اور رفیق اور ہم پیالہ اور ہم نوالہ بکلی روحانیت سے خالی تھے اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض کو ان مین سے سست اعتقاد کے لفظ سے پکارا ہے اور بعض کو شیطان کے لفظ سے یاد کیا ہے اور اگر ہم حواریونکو الگ رکھکر اُن عیسائیون کے حالات پر نظر ڈالین جو بعد انکے وقتاً فوقتاً آج تک پیدا ہوتے رہے ہین تو ہمین ایک بھی ان مین سے نظر نہین آتا جو دُنیا اور نفس کی قبر سے نکلکر نئی زندگی کی قیامت مین برانگیختہ ہوگیا ہو بلکہ وہ تمام نفسانیت کی تنگ و تاریک قبرون مین مرے ہوئے اور سڑے ہوئے نظر آرہے ہین اور روحانی حیات کی ہوا اُنکو چھو بھی نہین گئی وہ نہین جانتے بھی نہین کہ خدا کون ہے اور اس کی عظمت اور قدرت کیا شے ہے اور کیونکر وہ پاک دلونکو پاک زندگی بخشتا اور ان سے قریب ہوجاتا ہے وہ تو ایک عاجز انسان کو خدا قرار دیکر اور بیوجہ اُسپر دوسرونکے گناہون کا بوجھ لادکر خوش ہو رہے ہین جاننا چاہئے کہ موت چار قسم کی ہوتی ہے۔ غفلت کی موت گناہ کی موت شرک کی موت کفر کی موت سو یہ چارون قسمون کی موت عیسائی مذہب مین موجود ہے غفلت کی موت اسلئے کہ ان کی تمام قوتین دنیا کی آرایشون اور جمعیتون کے لئے خرچ ہو رہے ہین اور خدا تعالےٰ مین اور ان مین جو حجاب ہین ان کے دور کرنیکے لئے ایک ذرہ بھی انہین فکر نہین اور گناہ کی موت اگر دیکھنی ہو تو یورپ کی سیر کرو اور دیکھو کہ ان لوگون مین عفت اور پرہیزگاری اور پاکدامنی کسقدر باقی رہ گئی ہے اور شرک کی موت خود دیکھتے ہو کہ انسان کو خدا بنا دیا اور خدا تعالےٰ کو بھلا دیا اور اور کفر کی موت یہ کہ سچے رسول سے منکر ہوگئے اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت یہ گمان کرنا کہ انہون نے روحانی مردون کے زندہ کرنے مین قیامت کا نمونہ دکھلایا سراسر خیال محال اور دعوے بے دلیل ہے *

اس کے بالمقابل جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا نمونہ روحانی حیات کے بخشنے مین اس ذات کامل الصفات نے دکھایا جسکا مقدّس نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے سارا قرآن اوّل سے آخر تک یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسول اسوقت بھیجا گیا کہ جب تمام قومین دنیا کی روح مین مرچکی تھین اور فساد روحانی نے برّو بحر کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسول پاک نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا۔ یسوع کا جو کچھ دعوے انجیل یوحنا مین مذکور ہی قطع نظر اس بات سے کہ بے ثبوت ہونیکی وجہ سے وہ سخت تاریکی مین پڑا ہوا ہے ویسے بھی اسکے بالمقابل قرآن کریم کا دعوے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک نہایت باعظمت اور پرشوکت دعوے ہے اور روشن دلائل اور براہین قاطعہ سے چمک رہا ہے۔ آپ کی ذات بابرکات کی نسبت قرآن کریم سورہ انفال مین فرماتا ہے۔ اذا دعاکم لما یحییکم۔ کہ یہ رسول تم کو بلاتا ہے کہ تمہین زندگی عطا کرے۔ یعنی شرک اور کفر اور گناہ کی موت سے نکالکر روحانی زندگی عطا فرماوے اور پھر بار بار فرماتا ہے کہ دنیا سب مرچکی تھی اور خدا تعالے نے اپنے نبی خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجکر دنیا کو از سر نو زندہ کیا جیساکہ فرمایا اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ یعنی اس بات کو سن رکھو کہ زمین کو اسکے مرنیکے بعد خدا تعالے زندہ کرتا ہے اور اسی کیطرف وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہی جس مین آپ فرماتے ہین کہ انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی۔ یعنی مین وہ مردونکو اٹھانیوالا ہون جس کے قدمونپر لوگ اٹھائے جاتے ہین ایسا ہی دوسری جگہ قرآن کریم مین فرمایا قل یا عبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ الجزو ۲۴۔ سورہ زمر۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو جنہون نے اپنے نفسونپر زیادتی کی ہے تم رحمت الہی سے ناامید مت ہو خدا تعالے سارے گناہ بخشدیگا (اور تمہین ایک نئی زندگی جو گناہ سے پاک ہے عطا فرمائے گا) اس جگہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بجائے یہ کہنے کے کہ قل یعبا د اللہ۔ یعنی کہہ اے خدا کے بندو۔ یہ فرمایا کہ قل یا عبادی۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو۔ یہ آیت اسلئے نازل ہوئی کہ تا خدا تعالے بیشمار رحمتون کی بشارت دیوے اور جو لوگ کثرت گناہون سے روحانی طور پر مرچکے تھے انکو نئی اور پاک زندگی کی بشارت دیوے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساطت سے اور آپ کی پیروی سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی لئے لفظ یا عبادی کا بھی استعمال فرمایا کہ جو شخص نئی زندگی کا خواہان ہے اسے چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے طور پر غلام ہو جاوے یعنی آپ کی اطاعت مین ایسا محو ہو جائے کہ گویا غلام ہے تب گناہ کی موت کو اس سے دور کر کے پاک زندگی جو ہر ایک خوف وحزن سے خالی ہے اسے عطا کیجاوے گی اور اس جگہ اپنی رحمتون کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہی اور دکھلایا ہے کہ خدا تعالے کہانتک اپنے وفادار بندون کو انعامات خاصہ سے مشرف کرتا ہے۔ سواس نے قل یا عبادی کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول دیکھو یہ میرا برگزیدہ بندہ کہ

کمال طاعت سے کس درجہ تک پہونچا کہ اب جو کچھ میرا ہے وہ اسکا ہی جو شخص نجات اور روحانی زندگی کا خواہان ہی وہ اسکا غلام ہو جائے اور اسی کے موافق یہ دوسری آیت قرآن شریف کی ہی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم جسکا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی ہی انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہی اور اسکے گناہ بخشدیئے جاتے ہین دونون آیتین از روئے مفہوم ایک ہی ہین کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم مین پائی جاتی ہے +

ماحصل ان آیتون کا یہ ہے کہ جو لوگ دل وجان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام بنتے اور آپ کی پیروی اختیار کرتے ہین ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائیگا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دیدیگا اور وہ گناہون سے نجات پا جائینگے اور اسی دنیا مین ایک نئی زندگی اور پاک زندگی ان کو عطا کیجائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ وتاریک قبر دنسے وہ نکالے جاوینگے پھر اسی کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق مین فرماتا ہے۔ وایدہم بروح منہ یعنے انکو روح القدس کے ساتھ مدد دی اور روح القدس کی مدد یہ ہے کہ دلونکو زندہ کرتا ہے اور روحانی موت سے نجات بخشتا ہی اور پاکیزہ قوتین اور پاکیزہ حواس اور پاک علم عطا فرماتا ہے اور علوم یقینیہ اور براہین قطعیہ سے خدا تعالیٰ کے مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اسکے مقرب وہی ہین جو یقینی طور پر جانتے ہین کہ وہ ہے اور یقینی طور پر جانتے ہین کہ اس کی قدرتین اور اس کی رحمتین اور اس کی عقوبتین اور اسکی عدالتین سب سچ ہین اور وہ جمیع فیوض کا مبداء اور تمام نظام عالم کا سرچشمہ اور تمام سلسلہ موثرات اور متاثرات کا علت العلل ہے مگر متصرف بالارادہ جسکے ہاتھ مین کل ملکوت السموات والارض ہے اور یہ علوم جو مدار نجات ہین یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہین ہو سکتے جو بتوسط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن کریم کا بڑے زور شور سے یہ دعوے ہے کہ وہ حیات روحانی صرف متابعت اس رسول کریم سے ملتی ہے اور تمام وہ لوگ جو اس نبی کریم کی متابعت سے سرکش ہین وہ مُردے ہین جن مین اس حیات کی روح نہین ہے اور حیات روحانی سے مراد انسان کے وہ علمی اور عملی قوے ہین جو روح القدس کی تائید سے زندہ ہو جاتے ہین اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جن احکام پر اللہ جلشانہ انسان کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ چھ سو ہین ایسا ہی اس کے مقابل پر جبرائیل ع کے پر بھی چھ سو ہین اور بیضہ بشریت جبتک چھ سو حکم کو سر پر رکھکر جبرائیل کے پرونکے نیچے نہ آوے اس مین فنا فی اللہ ہونیکا بچہ پیدا نہین ہوتا اور انسانی حقیقت اپنے اندر چھ سو بیضہ کی استعداد رکھتی ہے پس جس شخص کا چھ سو بیضہ استعداد جبرائیل کے چھ سو پر کے نیچے آگیا وہ انسان کامل اور یہ تولد اسکا تولد کامل اور یہ حیات حیات کامل ہی اور غور کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیضہ بشریت کے روحانی بچے جو روح القدس کی معرفت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے پیدا ہوئے وہ اپنی کمیت اور کیفیت اور صورت اور نوع اور حالت مین تمام انبیا کے

بچون سے اتم اور اکمل ہین اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلشانہ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس یعنے تم سب امتون سے بہتر ہو جو لوگون کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور درحقیقت جس قدر قرآنی تعلیم کے کمالات خاصہ ہین وہ اس امت مرحومہ کے استعدادی کمالات پر شاہد ہین کیونکہ اللہ جلشانہ کی کتابین ہمیشہ اسی قدر نازل ہوتی ہین جس قدر اس امت مین جو تعمیل کتاب کی مکلف ہے استعداد ہوتی ہے مثلاً انجیل کی نسبت تمام محققین کی یہ رائے ہے کہ اس کی تعلیم کامل نہین ہے اور وہ ایک ہی پہلو پر چلی جاتی ہے اور دوسرے پہلو کو بکلی چھوڑ رہی ہے لیکن دراصل یہ قصور ان استعدادونکا ہے جنکے لئے انجیل نازل ہوئی تھی چونکہ خدا تعالے نے انسانی استعدادونکو تدریجاً ترقی دی ہے اس لئے اوائل زمانون مین اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہین کہ جو غبی اور پلید اور کم عقل اور کم فہم اور کم دل اور کم ہمت اور کم یقین اور پست خیال اور دنیا کے لالچون مین پھنسے ہوئے تھے اور دماغی اور دلی قوتین ان کی نہایت ہی کمزور تھین مگر ان زمانونکے بعد ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ آیا جسمین رفتہ رفتہ استعدادین ترقی کر گئین گویا دنیا نے اپنے فطرتی قوے مین ایک اور ہی صورت بدل لی تب ان کی کامل استعدادون کے موافق کامل تعلیم نے نزول فرمایا +

اب اگر عملی طور پر اسکا ثبوت چاہو تو صرف اتنا سوچنا کافی ہے کہ جزیرہ عرب کے لوگ اول کیا تھے اور پھر اس رسول کی پیروی کے بعد کیا ہو گئے اور کیسی ان کی وحشیانہ حالت اعلے درجہ کی انسانیت تک پہنچ گئی اور کس صدق و صفا سے انہون نے اپنے ایمان کو اپنے خونون کے بہانے سے اور اپنی جانونکے فدا کرنے اور اپنے عزیزونکے چھوڑنے اور اپنے مالون اور عزتون اور آرامون کو خدا تعالے کے راہ مین لگانے سے ثابت کر دکھلایا تو بلاشبہ ان کی ثابت قدمی اور انکا صدق اور اپنے پیارے رسول کی راہ مین انکی جانفشانی ایک اعلے درجہ کی کرامت کے رنگ مین اس کو نظر آئیگی وہ پاک نظر ان کے وجودون پر کچھ ایسا کام کر گئی کہ وہ اپنے آپ سے کھوئے گئے اور انہون نے فنافی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام دکھلائے جنکی نظیر کسی قوم مین ملنا مشکل ہے اور جو کچھ انہون نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا وہ یہ تعلیم نہ تھی کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے یا خدا تعالے کو بچونکا محتاج ٹھہرایا جاوے بلکہ انہون نے حقیقی ذوالجلال کو جو ہمیشہ سے غیر متبدل اور حی قیوم اور ابن اور اب ہونے کی حاجات سے منزہ اور موت اور پیدایش سے پاک ہے بذریعہ اپنے رسول کریم کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ مچ موت کے گڑھے سے نکلکر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے تھے اور ہر یک نے ایک تازہ زندگی پالی تھی اور اپنے ایمانون مین ستارون کی طرح چمک اٹھے تھے سو درحقیقت ایک ہی کامل انسان دنیا مین آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مردون اور ہزارون برسون کے عظم رمیم کو زندہ کر دکھلایا اسکے آنیسے قبرین کھل گئین اور بوسیدہ ہڈیون مین

جان پڑگئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جسکے قدمون پر ایک عالم قبر ون مین سے نکل آیا اور بشارت و رئیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہو گئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتین اُس کے سچے تابعدارون مین رکھدین اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسان کے صحابہ کو دیا گیا تھا آینوالے متبعین اور صادق الاخلاص... لوگون کو بھی ملیگا جیسا کہ اس نے فرمایا ہو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وآخرین منہم لما یلحقوا بہم وہو العزیز الحکیم یعنے وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے امیون مین انہین مین سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتین پڑھتا ہے اور انہین پاک کرتا ہے اور انہین کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کریگا جو انہین مین سے ہو جائینگے اور انہین کے کمالات پیدا کر لین گے مگر ابھی وہ ان سے ملے نہین اور خدا غالب ہے اور حکمت والا اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت وآخرین منہم مین آخرین کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے گویا تمام آیت معہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یون ہے ہو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویعلم الآخرین منہم لما یلحقوا بہم یعنے ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور بھی ہین جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ مین پیدا ہو گا اور جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائینگے یعنے وہ لوگ ایسے زمانہ مین آئینگے کہ جس زمانہ مین ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور مذہب اسلام بہت سی غلطیون اور بدعتون سے پُر ہو جائیگا اور فقرا کے دلوںسے بھی باطنی روشنی جاتی رہیگی تب ۔ اللہ تعالےٰ کسی نفس سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلون اور طریقون کے صرف ... نبی کریم کی روحانیت کی تربیت سے کمال روحانی تک پہنچاویگا اور اسکو ایک گروہ بنائیگا اور وہ گروہ صحابہ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کریگا کیونکہ وہ تمام و کمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی زراعت ہوگی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیضان انہین جاہی دساری ہوگا اور صحابہ سے وہ ملینگے یعنے اپنے کمالات کے رو سے انکی مشابہ ہو جائینگے اور ان کو خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے وہی موقعہ ثواب حاصل کرنیکے حاصل ہو جائینگے جو صحابہ کو حاصل ہوئے تھے اور بباعث تنہائی اور بیکسی اور پھر ثابت قدمی کے اسی طرح خدا تعالےٰ کے نزدیک صادق سمجھی جائینگے کہ جس طرح صحابہ سمجھے گئے تھے کیونکہ یہ زمانہ بہت سی آفتوں اور فتنون اور بے ایمانی

کے پھیلنے کا زمانہ ہوگا اور راستبازون کو وہی مشکلات پیش آجائینگی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئی تھین اس لئے وہ ثابت قدمی دکھلانیکے بعد صحابہ کے مرتبہ پر شمار ہونگے لیکن درمیانی زمانہ فیج اعوج ہے جسمین بباعث رعب اور شوکت اسلام اور کثرت اسباب تنعم صحابہ کے قدم پر قدم رکھنے والے اور انکے مراتب کو ظلی طور پر حاصل کرنے والے بہت ہی کم تھے مگر آخری زمانہ اول زمانہ کے مشابہ ہوگا کیونکہ اس زمانہ کے لوگون پر غربت طاری ہوجائیگی اور بجز ایمانی قوت کے اور کوئی سہارا بلاؤنکے مقابلہ پر انکے لئے نہ ہوگا*

اب اس تمام تقریر کو مختصر کرکے ہم پھر کہتے ہین کہ اگر اس فقرہ کو صحیح بھی سمجھا جائے کہ حضرت مسیح نے ضرور یہ دعوے کیا تھا کہ قیامت اور زندگی مین ہون تو اس سے کچھ حاصل نہین کیونکہ ایسا دعوے جو اپنے ساتھ اپنا ثبوت نہین رکھتا کسی کے لئے موجب فضیلت نہین ہوسکتا اگر ایک انسان ایک امر کی نسبت دعوے تو نہ کرے مگر وہ امر کر دکھائے تو اس دوسرے انسان سے بدرجہا بہتر ہے۔ کہ دعوے تو کرے مگر اثبات دعوے سے عاجز رہے انجیل خود شہادت دے رہی ہے کہ حضرت مسیح کا دعوے اورون کی نسبت تو کیا خود حواریون کیحالت پر نظر ڈالنے سے ایک معترض کی نظر مین سخت قابل اعتراض ٹھہرتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اپنے حواریون کو بھی نفسانی قبرون مین ہی چھوڑ گئے اور جب ہم حضرت مسیح کے اس دعوے کو حضرت خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے مقابلہ کرتے ہین تو اس دعوے اور اس دعوے مین ظلمت اور نور کا فرق دکھائی دیتا ہے حضرت مسیح کا دعوے عدم ثبوت کے ایک تنگ و تاریک گڑھے مین گرا ہوا ہے اور کوئی نور اپنے ساتھ نہین رکھتا لیکن ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جاودانی زندگی پر یہ بھی بڑی ایک بھاری دلیل ہے کہ حضرت ممدوح کا فیض جاودانی جاری ہے اور جو شخص اس زمانہ مین بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ بلاشبہ قبر مین سے اٹھایا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی اسکو بخشی جاتی ہے نہ صرف خیالی طور پر بلکہ آثار صحیحہ صادقہ اسکے ظاہر ہوتے ہین اور آسمانی مددین اور سماوی برکتین اور روح القدس کی خارق عادت تائیدین اسکے شامل حال ہوجاتی ہین اور وہ تمام دنیا کے انسانون مین سے ایک متفرد انسان ہوجاتا ہے یہانتک کہ خدا تعالے اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اپنے اسرار خاصہ اُسپر ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے حقایق و معارف کھولتا ہے اور اپنی محبت اور عنایت کے چمکتے ہوئے علامات اس مین نمودار کر دیتا ہے اور اپنی نصرتین اس پر اتارتا ہے اور اپنی برکات اس مین رکھدیتا ہے اور اپنی ربوبیت کا آئینہ اُسکو بنادیتا ہے اس کی زبان پر حکمت جاری ہوتی ہے اور اسکے دل سے نکات لطیفہ کے چشمے نکلتے ہین اور پوشیدہ بھید اسپر آشکار کئے جاتے ہین اور خدا تعالے ایک عظیم الشان تجلی

اس پر فرماتا ہے اور اس سے نہایت قریب ہو جاتا ہے اور وہ اپنی استجابت دعاؤن مین اور اپنی قبولیتون مین اور فتح ابواب معرفت مین اور انکشاف اسرار غیبیہ مین اور نزول برکات مین سب سے اوپر اور سب پر غالب رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس زمانے مین بھی خدا تعالے نے اسلام مین ایک انسان ایسا پیدا کیا ہے جو ان تمام صفتون سے موصوف ہے اور جو ہزارون دفعہ تمام مخالفین پر اتمام حجت کر چکے ہین کہ اگر کسی کا یہ دعوے ہو کہ روحانی حیات بجز اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور ذریعہ سے بھی مل سکتی ہے وہ اس کا مقابلہ کرے یا طالب حق بن کر اسلام کی برکات اور آیات اور نشانونکے مشاہدہ کے لئے آوے لیکن کسی نے صدق اور نیک نیتی سے اسطرف رخ نہ کیا اور اپنی کنارہ کشی سے ثابت کر دیا کہ وہ سب تاریکی مین گرے ہوئے ہین ✦

اور یہ اعتراض سراسر حماقت ہے کہ یہ کہا جائے کہ مسلمانون مین بھی ایسے لوگ موجود ہین جو گناہون مین غرق ہین ان کے روحانی امراض کیون دور نہ ہوئے اور یہ لوگ کیون قبرون مین سے نہ نکلے کیونکہ اگر کوئی آفتاب کیطرف سے اپنے گھر کے کواڑ بند کر کے ایک تاریک گوشہ مین بیٹھ جائے تو اگر اس تک آفتاب کی روشنی نہ پہنچے تو یہ آفتاب کا قصور نہین بلکہ خود اس شخص کا قصور ہے جسنے ایسا کیا ماسوا اسکے اگرچہ یہ لوگ کیسے ہی محجوب اور دور از حقیقت ہین مگر پھر بھی علانیہ توحید کے قائل ہین کسی انسان کو خدا نہین بناتے اور یہ برکت توحید اپنے اندر ایک نور بھی رکھتے ہین اور کسی قدر زندگی کی حرارت انمین موجود ہے۔ اِسلئے ہم انہین کہہ سکتے ہین کہ وہ بالکل مر گئے اگرچہ خطرناک حالت مین ہین اگر کوئی عیسائی یا ہندو ہماری طرف سے منہ پھیر کر ایسی نکتہ چینی کرے تو وہ سخت متعصب یا سخت نادان ہی باغ مین کانٹونکا ہونا بھی ضروری ہی جہان پھول ہین کانٹے بھی ہونگے مگر فرقہ مخالفہ مین تو سراسر کانٹونکا ہی انبار نظر آتا ہی عیسائیون کی یہ سراسر بیہودہ باتین ہین کہ مسیح روحانی قیامت تھا اور مسیح مین ہو کہ ہم جی اٹھے حضرات عیسائی خوب یاد رکھین کہ مسیح ؑ کا نمونہ قیامت ہونا سر مو ثابت نہین اور نہ عیسائی جی اٹھے بلکہ مردہ اور سب مردون سے اول درجہ پر اور تنگ و تاریک قبرون مین پڑے ہوئے اور شرک کے گڑھے مین گرے ہوئے ہین نہ ایمانی روح ان مین ہی نہ ایمانی روح کی برکت بلکہ ادنے سے ادنے درجہ توحید کا جو مخلوق پرستی سے پرہیز کرنا چاہئے وہ بھی انکو نصیب نہین ہوا اور ایک اپنے جیسے عاجز اور ناتوان کو خالق سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہین۔ یاد رہے کہ توحید کے تین درجے ہین سب سے ادنے درجہ یہ ہی کہ اپنے جیسی مخلوق کی پرستش نہ کرین نہ پتھر کی نہ آگ کی نہ آدمی کی نہ کسی ستارہ کی دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب پر بھی ایسے نہ گرین کہ گویا ایک قسم کا انکو ربوبیت کے کارخانہ مین مستقل دخیل قرار دین بلکہ ہمیشہ مسبب پر نظر رہے نہ اسباب پر تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ تجلیات الٰہیہ کا کامل مشاہدہ کر کے ہر ایک غیر کے وجود کو کالعدم قرار دین اور ایسا ہی اپنے وجود کو بھی غرض ہر ایک چیز نظر مین فانی دکھائی دے بجز اللہ تعالے کی ذات کامل الصفات کے یہی روحانی زندگی ہی کہ یہ مراتب ثلثہ

توحید کے حاصل ہو جائیں اب غور کر کے دیکھ لو کہ روحانی زندگی کے تمام چاودانی چشمے بطفیل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا میں آئے ہیں یہی امت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالےٰ کے روشن نشان انکے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور روحانی زندگی کے دریا اس میں بہتے ہیں اور کوئی نہیں کہ انکا مقابلہ کر سکے

الپن اور الف میم کے مضامین عصمت انبیا پر

عصمت انبیا کے مضمون پر مفصل بحث ہم اس پرچہ کے مختلف نمبروں میں کر چکے ہیں لیکن خواہ کسیقدر دلائل دئے جاویں عیسائی مناظرین کے نزدیک وہ کبھی کافی نہیں ہو سکتے اس سے پہلے ہم فروری گذشتہ کے پرچے میں پادری مانرو کے اعتراضون کا جو اس نے حضرت آدمؑ کے ممنوع درخت سے پھل لینے کے متعلق کئے تھے جواب دیچکے ہیں لیکن اس وقت دو مضمون اور دو مختلف آدمیوں کیطرف سے اسی مضمون پر شائع ہو کر ہمارے پاس پہونچے ہیں یعنی ایک پادری الپن کا مضمون حضرت آدم اور داؤد پر۔ اور دوسرا ایک شخص الف میم کا مضمون مسئلہ عصمت پر عموماً اور حضرت آدم پر خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ پادری الپن نے ہمارے اصل مضامین کو نہیں پڑھا ورنہ وہ یہ بات نہ لکھتا کہ مرزا صاحب قادیانی نے بڑی جرأت سے یہ لکھا ہے کہ اس مضمون کے متعلق معتبر اور مستند کتابیں صرف امام رازی کی تفسیر اور لسان العرب جو دس جلدوں میں (۹) عربی لغت کی کتاب ہے ہیں“ چونکہ مسٹر الپن پادری کا کام کرتے ہیں اس لئے اگر انہوں نے بغیر اصل مضمون کے پڑھنے کے ہی اس کی تردید بھی لکھدی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہم نے (نہ مرزا صاحب نے کیونکہ مضامین زیر بحث حضرت مرزا صاحب کے لکھے ہوئے نہیں) یہ صاف طور پر لکھا تھا کہ ہم صرف قرآن کریم کو ہی سند مانتے ہیں اور تفسیروں کو کوئی مسلمان بھی کلام الٰہی یا وحی الٰہی نہیں مانتا اور امام رازی کا حوالہ بعض جگہ صرف ان بیہودہ قصوں کی تردید کے لئے دیا تھا جو عیسائی مناظرین اس رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا وہ معتبر اور محقق مفسرین کے نزدیک صحیح اور مسلم ہیں اور لسان العرب کا حوالہ صرف بعض الفاظ کے معانی کے لئے دیا گیا لیکن یہ ہم نے کہیں نہیں لکھا کہ اسکے سوائے باقی کل کتابیں ناقابل اعتبار ہیں۔

الف میم ابتدائے مضمون میں اس جرأت کے ساتھ جو صرف پادری صاحبان سے ہی مخصوص ہے لکھتا ہے کہ ”عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل ہیں کہ بجز مسیح کلمۃ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی ۷/۲۶) ہر انسان نبی ہو یا

دل کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہ گار اور عاصی ہوگیا"۔ اور آگے چلکر امام رازی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ مسلمانون کے بعض فرقون یا بعض مسلمان متکلمین نے عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے۔ اور یہی لوگ اسکے نزدیک "محققین ہین"۔ لیکن ان محققین نے حضرت عیسے کو بھی مستثنے نہین کیا۔ اور جیسا وہ دوسرے انبیا کو معصوم نہین مانتے ویسا ہی مسیح کو بھی معصوم نہین مانتے۔ اس لئے ان فرضی "محققین" کی رائے اگر ہمارے خلاف ہے تو الف میم کی بھی اس سے تائید نہین ہوتی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کا ایک باب اس امر کے ثابت کرنیکے لئے مخصوص کیا ہے کہ قرآن شریف کے رو سے مسیح معصوم ہے لیکن اس حصہ مضمون پر بالفعل ہم کچھ گفتگو کرنا نہین چاہتے ہم نے کبھی اس امر سے انکار نہین کیا بلکہ "عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے" کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا تھا اسکے ابتدا ہین ہی صاف طور پر لکھدیا تھا کہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی ہوئے ہین جنہون نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے لیکن تاہم ابتدائے اسلام سے اسلامی دنیا کے اکثر حصے کا مذہب عصمت انبیاء ہی رہا ہے لیکن اگر مسلمانون کے اندر کسی فرقہ یا متکلم نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے (جن مین حضرت مسیح بھی شامل ہین) تو عیسائیت بھی ایسے فرقون اور متکلمین سے خالی نہین جنہون نے یا تو یسوع کی عصمت کا انکار کیا ہے اور یا یسوع کی طرح دوسرے انبیاء اور صلحاء کو معصوم مانا ہے۔ الف میم اس واقعہ کو چھپانا چاہتا ہے (شاید مسیح کے خون نے ان باتون کو اسکے لئے جائز کر دیا ہے) اور اس لئے جب مسیح کی عصمت کے متعلق وہ عیسائیون کے عقیدہ کو بیان کرتا ہے تو ایسے الفاظ مین لکھتا ہے جنسے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام عیسائی فرقے بلا اختلاف اس بات پر متفق رہے ہین کہ یسوع بیگناہ تھا اور دوسرے تمام نبی گنہ گار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کی اس خلاف بیانی کی تردید ضروری سمجھتے ہین +

عیسائی مذہب کا فرقہ بیسلائڈ یسوع کی عصمت کا منکر رہا ہے اور وہ اسکو گناہ سے پاک نہ سمجھتے تھے ایک اور فرقہ ابیونایٹ کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسائی مذہب کا بانی حضرت موسٰے اور دوسرے انبیاء یا دوسرے مذاہب کے بانیون کی مانند ہی تھا اور کوئی خاص امتیاز اسے حاصل نہ تھا یہ کوئی معمولی چھوٹا سا فرقہ نہ تھا بلکہ ابتدائے عیسویت سے اکثر یہودی جو عیسائی مذہب کو اختیار کرتے رہے وہ اس فرقہ کے ممبر تھے اور ایک مدت تک اس فرقہ کا غلبہ رہا۔ ایبلارڈ کا خیال تھا کہ یسوع مین انسانی کمزوری کے اصل نقص موجود تھے جو بعض اسکے چاہو کر وسفر قہ پلیگین اس بات کا انکار کرتا تھا کہ آدم کا گناہ بطور ورثہ کے آگیا اور پلیگیس کی یہ تعلیم تھی کہ جو انسان دنیا مین آتا ہے وہ پاک ہوتا ہے اور گناہ صرف ایک عارضہ ہے اور اس اعتقاد کی بھی وہ تعلیم دیتا تھا کہ دنیا مین بہت انسان ایسے ہو چکے ہین جو اپنی اخیر زندگی تک گناہ سے پاک رہے چنانچہ پولوس کے خط بنام عبرانیون کی تفسیر کرتے ہوئے وہ مثال کے طور پر ہابیل۔ اسحاق اور یعقوب کے نام لیتا ہے کہ یہ معصوم تھے۔ اسکے بعد عیسائیت کے فرقہ رومن کیتھولک پر غور کرو جو کئی صدیون تک

عیسائی دنیا کا مذہب رہا ہے اور جس مین اب بھی قریبًا نصف عیسائی دنیا شامل ہی۔ اس فرقہ کے اعتقاد کے رو سے مریم بھی بیگناہ پیدا ہوئی اور یسوع کی طرح پیدایشی اور حقیقی گناہ سے پاک تھی۔ پھر رومن کیتھولک اس امر کے قائل ہین کہ پوپ بہ سبب پطرس کے جایز جانشین ہونیکے خطا سے محفوظ ہین بلکہ بعض نے پطرس کو شفیع بھی مانا ہے اگرچہ یسوع نے اسکو باوجود اسکے کہ وہ اسکے دعوے مسیح موعود کو تسلیم کرتا تھا شیطان ہی کہا ہے۔ پھر عیسائیت کا فرقہ موحدین لو جنکے عقائد اصل عیسائیت سے بہت ملتے جلتے ہین ان کی یہ تعلیم ہے کہ یسوع امتحانون اور غلطیون سے بتدریج پاک ہوا اور ایسا ہی یہ بھی کہ سب صادق انسان دنیا کی سب سے بڑی امیدون کو پورا کرنے کے باعث مسیح ہی ہوتے ہین اور کمال کیطرف جو دنیا کی کوشش ہے اس کے موید ہونیکے سبب سے وہ شفیع بھی ہوتے ہین۔ الف میم کو چاہئیے کہ غور کرے کہ عیسائیت کے اس عظیم الشان اختلاف کے بالمقابل چند یک اسلامی فرقون کا عقیدہ عصمت کو نہ ماننا کیا وقعت رکھتا ہے۔ ہان ان سب سے الف میم یہ کہکر پیچھا چھوڑا سکتا ہے کہ انکے نزدیک ایسے عقیدے والے لوگ سب مرتد تھے اور اسلئے اب ہم اس امر ان لوگون کی شہادت پیش کرتے ہین جن پر کفر کا فتوے دیتے وقت الف میم کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑے ان مین سے اول پولوس ہی جو یسوع سے بھی بڑھ چڑھ کر ایک آدمی کو پیش کرتا ہے عبرانیون ۶ مین وہ لکھتا ہے کہ یسوع ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا ہے اور پھر لکھتا ہی کہ "یہ ملک صدیق سلیم کا بادشاہ خدا تعالے کا کاہن تھا جس نے ابراہام کا جب وہ بادشاہون کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی جسکو ابراہیم نے سب چیزون کی دہیکی دی۔ وہ پہلے اپنے نام کے معنونکے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جسکے نہ دنون کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے" (عبرانیون ۷ باب ۱-۳) یہ آدمی یقینًا یسوع سے بھی بڑھکر ہے۔ یسوع کو تو مان کیطرف سے کچھ نہ کچھ گناہ کا حصہ ملا ہوگا مگر ملک صدق کا نہ باپ تھا اور نہ مان اور اسی لئے وہ راستی کا بادشاہ اور سلامتی کا بادشاہ اور گناہ سے بالکل پاک ٹھہرا۔ پھر وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور موت کا اسپر قابو نہین اسلئے حقیقی یا موروثی گناہ بھی اس کی طرف منسوب نہین ہو سکتا کیونکہ گناہ ہوتا تو موت بھی ضرور آتی۔ حالانکہ یسوع پر موت بھی واقع ہوئی اور یسوع کو یہ فخر حاصل ہی کہ وہ ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا۔ اسکے بعد لوقا کی شہادت کو جو وہ ذکریا اور اس کی عورت کے حق مین دیتا ہے "وے دونون خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکمون اور قانونون پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱ باب ۶) یہ آیت اُن عیسائیون کو جھوٹا ٹھہراتی ہے جو کہا کرتے ہین کہ کوئی شخص خدا کے سارے حکمون اور قانونون پر نہین چل سکتا اور کہ سوائے یسوع مسیح کے کوئی بے عیب نہین۔ پھر یہی مصنف (جو عیسائیونکے نزدیک الہامی مورخ ہے) ان دونون راستبازون کے بیٹے کی نسبت لکھتا ہوا کہتا ہے "وہ خداوند کے حضور بزرگ ہوگا

اور نہ مے اور نہ کوئی نشہ ہی پیئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھر جائیگا اور بنی اسرائیل میں سے بہتوں کو ان کے خداوند کیطرف پھیرے گا"۔ لوقا ۱/۱۵-۱۶ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہیں یوحنا نے انکے خداوند کیطرف پھیرا۔ اب غور کرو کہ یسوع پر تو تیس سال کی عمر میں روح القدس نازل ہوتا ہے اور اسی لئے اس کی عصمت کو اگر مانا جائے تو اسی وقت سے مانی جا سکتی ہے لیکن یوحنا پر روح القدس ان کے پیٹ میں ہی اترا اسلئے تمام سچے عیسائیوں کو چاہئے کہ اسے ابتدا سے ہی معصوم مانیں لیکن اناجیل کے ان بیانات کے عین برعکس۔ الف ہیم یہ بے بنیاد دعوے کرتا ہے کہ یسوع مادر زاد نبی تھا۔ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے وہ کیونکر نبی ہو گیا کیونکہ روح القدس کے نازل ہونیکے بغیر نبوت نہیں مل سکتی۔ اور اسلئے "مادر زاد نبی" کا خطاب یسوع پر تو کسی حالت میں چسپاں ہو ہی نہیں سکتا اسکا مستحق اگر ہے تو یوحنا ہے جسنے یسوع کو بپتسمہ دیا اور جسپر ماں کے پیٹ میں ہی انجیلوں کی شہادت کے مطابق روح القدس نازل ہوا۔ مرقس بھی یوحنا کی شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "ہیرودیس یوحنا کو بڑا راستباز اور مقدس جانکر اس سے ڈرتا تھا"۔ (مرقس ۶/۲۰) یہاں بھی یوحنا کے بیگناہ ہونیکا صاف طور پر اقرار ہے اور چاروں انجیلوں میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس سے اسکے برخلاف کوئی نتیجہ نکل سکے بلکہ جب اس واقعہ پر غور کیا جاوے کہ یوحنا نے بہت سارے یہودیوں کو جن میں یسوع بھی شامل تھا بپتسمہ دیکر برکت دی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت میں سب سے بڑا راستباز تھا۔ اور یسوع سے بھی افضل درجہ پر اس کی عصمت تھی۔ یہ سب کچھ صرف انجیلوں کی بنیاد پر ہے +

پولوس لوقا اور مرقس تو یہ شہادت دیتے ہیں لیکن اسکولیں بشپ ڈاکٹر الف ہیم جرأت سے یہ بیان کرتا ہے کہ یسوع ناصری کے سوا باقی کل کے کل دنیا کو عیسائی گنہگار مانتے ہیں بلکہ وہ یہ دعوے بھی کرتا ہے کہ یہودی بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ وہ لکھتا ہے "جسطرح اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گذر چکے" وغیرہ۔ اہل کتاب میں یہود اور نصاریٰ دونوں شامل ہیں اور اگر مصنف کا اس عبارت سے یہ منشا نہ بھی ہو تاہم اس امر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہود کا عقیدہ کیا تھا کیونکہ اصل عقیدہ وہی ہے اور عیسائیوں نے صرف یسوع کو خدا بنانیکے لئے یہ عقیدے گھڑے ہیں اور اسواسطے ان عقیدوں کی ان کی اپنی مسلم کتابوں میں تردید پائی جاتی ہے اسلئے اب بڑے حصہ عیسائی دنیا کے مذہب اور ان کی کتب مقدسہ پر غور کرنیکے بعد ہم یہودیوں کا اعتقاد دیکھتے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو ان کے گذشتہ انبیاء کی مانند ہو۔ اسکا آنا موسوی شریعت کے خادم کے رنگ میں تھا اور اس لئے وہ خادم ہونیکی حیثیت میں اپنے آقا بنی اسرائیل کے عظیم الشان شارع اور نجات دہندہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا۔

اور ایسی فضیلت اسکو دینا کوئی یہودی روا نہ رکھ سکتا تھا۔ یہود کے اعتقاد مین حضرت موسےٰ سے اسکا کم درجہ پر ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اسکے آنیکا بڑا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دوسرے لوگونکی غلامی سے نجات دے۔ اگرچہ یسوع نے اتنا بھی نہ کر دکھایا لیکن حضرت موسےٰ نہ صرف انکے نجات دہندہ تھے بلکہ انکے شارع بھی تھے جنکے پیچھے ہر پیغمبر چلتا تھا اور جن کی شریعت کے مطابق وہ عمل کرتا تھا۔ اب جب عیسائیونکا یہ دعوے ہے کہ جو پیشینگوئیان مسیح کے متعلق ہین وہ مسیح کو معصوم قرار دیتی ہین تو اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ دوسرے انبیاء بھی یہودیونکے نزدیک معصوم تھے ابتدائی عیسائیونکی شہادت سے جو مسیح کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم تھے جیساکہ وہ یہودیونکے درمیان چلا آتا تھا۔ اور ان فرقون کی شہادت سے جو ابتدائی عیسائیون کے عقائد کے مطابق قائم ہوئے اس نتیجہ کی جو اوپر بیان کیا گیا ہے کھلی کھلی تائید ہوتی ہے اور اسکے متعلق حوالجات ہم اوپر دے چکے ہین ان امور کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہودی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال روا نہ رکھ سکتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اور موسےٰؑ اور انکے دوسرے بڑے بڑے انبیاء گنہگاری کیحالت مین اس دنیا سے گذر جائین اور انکو گناہونسے پاک کرنیکے لیے مسیح انکے پیچھے آوے بلکہ مسیح کے آنے کی امید بھی صاف صاف الفاظ مین حضرت موسےٰؑ کے بہت مدت بعد یہودیونکو دی گئی جبکہ وہ مصائب کے نیچے پیسے جا رہے تھے اور ایسے وقت مین پیشگوئیان کی گئین کہ ایک ایسا نبی آوے گا جو انکو غیر قومون کی غلامی اور حکومت سے نجات دیگا کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ شیثؑ نوحؑ ابراہیمؑ اسحاقؑ یعقوبؑ موسےٰؑ اور دوسرے مقدس نبی جنہون نے مسیح کے آنے کی کبھی کوئی پیش گوئی نہین کی اور نہ کبھی اپنی امتونکو یہ تعلیم دی کہ خدا انسان بن کر آسمان سے اتریگا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کی نجات ایک شخص کی پھانسی سے ہوگی جو ہزارہا سال بعد آنیوالا ہے۔ جو پیغمبر آتا رہا وہ خدا کا حکم لوگونکو پہونچاتا رہا اور یہی تعلیم انکو دیتا رہا کہ نجات اور گناہ کی غلامی سے آزادی صرف احکام الٰہی پر چلنے سے مل سکتی ہے اور سچی پاک زندگی ان شبنا... کے طریقون پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو خدا تعالےٰ نے انکے ذریعہ ظاہر کئے ہین۔ ایک بھی فقرہ صحف انبیاء مین ایسا نہین بتایا جا سکتا جس مین کسی نبی نے اپنی امت کو یہ بھی کہا ہو کہ خواہ وہ شریعت کے سارے حکمونکو پورا کرین اور اللہ تعالےٰ کی پوری پوری اطاعت اختیار کرین تاہم ایک حصہ انکے گناہون کا ایک انسان یسوع کی خاطر باقی رکھ لیا جاوے گا اور اس لئے نفس کی کامل پاکیزگی سے انہین بالکل مایوس رہنا چاہئے جبتک کہ وہ انسان دنیا مین ظاہر نہ ہو۔ نہ ہی کبھی کسی نبی نے یہ کہا کہ خدا کے احکام کے پورا کرنے کی انسان کو طاقت نہین دیگئی بلکہ برعکس اس کے اللہ تعالےٰ اسرائیلیونکو یون فرماتا ہے "تاکہ تم میرے سب حکمون کو یاد کرو اور انکو عمل مین لاؤ اور اپنے خدا کے لئے مقدس ہو" (گنتی ۱۵ باب) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سب حکمون پر عمل کر سکتے اور خدا کے نزدیک مقدس ٹھہر سکتے تھے اسلئے

اگر انبیاء علیہم السلام نے یہ تعلیم دی جیسا کہ واقعی انہون نے دی کہ سچی پاکیزگی صرف ان احکام کی پورے طور سے پیروی کرنے سے ملسکتی تھی جو اللہ تعالے نے انکے ذریعہ لوگون کو دئے تھے تو مسیح کی بنیظیر عصمت تاکہ وہ دنیا کے گناہون کو جو ایک پاک اور الہی شریعت سے دور نہ ہو سکے اٹھالے ایک سراسر لغو اور باطل خیال ٹھہرتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا کام جو وہ کر سکتے ہین وہ صرف یہ ہے کہ لوگون کو نیم فرشتے اور نیم شیطان بنادین تو وہ اپنی امتون کو بھی نوالیسا کہدیتے اور پھر ایسی حالت مین جب کوئی انسان بھی بدکاری سے خالی نہین تھا تو مومن اور غیر مومن مین خدا نے یہ فرقان کیون قائم کیا کہ ایک فریق کو تو آسمان سے مدد بھیجی اور اپنی نصرتین ان کے شامل حال کین اور دوسرے فریق کو سزاؤن مین مبتلا کیا اور اسی دنیا مین ان کو ذلیل و خوار کیا۔

پھر ایک اور پہلو اس سوال کا ہے یوحنا $\frac{9}{16}$ مین لکھا ہے کہ یہودیون نے کہا کہ "کیونکر ہو سکتا ہے کہ گنہگار انسان ایسے معجزے دکھائے" اور پھر آگے چلکر اسی مباحثہ کی اثنا مین یہ کہا گیا ہے کہ "ہم جانتے ہین کہ خدا گنہگارون کی نہین سنتا پر اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پہ چلے تو اس کی وہ سنتا ہے" یوحنا $\frac{9}{31}$۔ ان آیات سے یہود کے اعتقاد کا واضح طور پر پتہ ملتا ہے۔ کوئی گنہگار معجزے نہین دکھا سکتا اور نہ اللہ تعالے کسی کی سنتا ہے جبتک وہ اس کی مرضی کی راہون پر نہ چلے اگر یہود اپنے انبیاء کو گنہگار سمجھتے تو وہ ان کی طرف معجزات کو منسوب نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ انبیاء کے صحایف زبردست معجزات سے بھرے پڑے ہین جو انہون نے دکھلائے اس نتیجہ کو کہ گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا عیسائیون کو بھی ماننا پڑیگا کیونکہ جس آدمی کا یوحنا نوین باب مین ذکر ہے اس نے مسیح کے دعوے کو اسی دلیل پر تسلیم کیا تھا کہ وہ معجزات دکھاتا ہے اور گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا۔ اگر اس نے اس دلیل پر یسوع کا دعوے تسلیم کرنے مین غلطی کی تو دوسرے لوگ جنہون نے مسیح کے دعوے کو تسلیم کیا انہون نے بھی ایسی ایسی غلطیون سے ہی تسلیم.... کیا ہوگا۔ اور اس طرح پر یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح کو جن لوگون نے قبول کیا وہ سب کسی نہ کسی غلطی مین پڑکر گمراہ ہو گئے تھے اور نہ ہی اس دلیل پر کہ معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہین اور شیطان کے توسل سے بھی معجزات دکھائے جا سکتے ہین۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیا کا بیگناہ ہونا معجزات سے ثابت نہین ہوتا کیونکہ جن انبیا کے معجزات کا بائیبل مین ذکر ہے وہ جھوٹے نبی نہ تھے اور نہ ہی شیطان کی طاقت سے وہ معجزات دکھاتے تھے۔ یہ امر یہودیون اور عیسائیون کے نزدیک مسلم ہے۔

علاوہ ازین جن الفاظ یا فقرات سے یسوع کی عصمت کی دلیل نکالی جاتی ہو وہی اور ویسے ہی الفاظ اور فقرات دوسرے انبیاء کی نسبت بھی بائیبل مین استعمال ہوئے ہین اور اس لئے یا تو یسوع بھی معصوم نہین یا دوسرے انبیاء بھی اس کی طرح معصوم ہین۔ حضرت نوح کے متعلق بائیبل مین یہ الفاظ ہین کہ "نوح اپنے قرنون مین صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا" (پیدایش $\frac{6}{9}$)۔

ابراہیم کو خداوند نے مخاطب کرکے فرمایا "مین خدائے قادر ہون تو میرے حضور مین چل اور کامل ہو" (پیدائش ۱۷/۱)۔ حضرت موسے کو اللہ تعالے نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا کے آگے کامل ہوگا" اور پھر "موسی بہت ہی حلیم تھا روے زمین کے سب لوگون سے بڑھکر" (استثنا ۱۸/۱۳)۔ پھر زبور مین حضرت داؤد خداوند کے مقدس لوگو نکا یون ذکر کرتے ہین "مبارک وے جو راہ مین کامل رفتار ہین اور خداوند کی شرع پر چلنے والے ہین۔ مبارک وے جو اس کی شہادتونکو یاد رکھتے ہین اور اپنے سارے دل سے اسے ڈھونڈتے ہین وے بدی بھی نہین کرتے وے اس کی راہونپر چلتے ہین" (زبور ۱۱۹/۱-۳) اور پھر "صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اسکے خدا کی شریعت اسکے دل مین ہے اسکا پاؤن کبھی نہ پھسلیگا" (زبور ۳۷/۳۰-۳۱) لاوی کے متعلق خداوند تعالے یون فرماتا ہے "سچائی کی شریعت اسکے منہ مین تھی اور اسکے لبون مین کوئی شرارت پائی نہ گئی وہ میرے ساتھ سلامتی اور راستی سے چلتا رہا اور اس نے بہتونکو بدی کی راہ سے پھیرا" (ملاکی ۲/۶) لوقا کے الفاظ ذکریا کے متعلق کہ وہ خداوند کے تمام احکام پر چلتا اور بے عیب تھا اور مرقس کے الفاظ یوحنا کے متعلق کہ وہ راستباز اور مقدس تھا پہلے نقل کئے جا چکے ہین۔ اس قسم کے حوالے بائبل سے بکثرت دئے جا سکتے ہین لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہونگے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ بائبل مین اگر یسوع کو بے عیب اور حلیم اور بدی نہ کرنے والا اور راستباز کہا گیا ہے تو یہی کلمات اور ان سے بھی بڑھکر دوسرون کی نسبت موجود ہین اور اسلئے عیسائیونکا یہ عقیدہ کہ یسوع کے سوا باقی سب گنہگار ہین اور اکیلا یسوع ہی بیگناہ ہے محض یسوع کی خدائی کی تائید کے لئے گھڑ لیا گیا ہے اور اب بھی عیسائیون کی ایک کثیر تعداد یسوع کی طرح کسی اور انسان کو بھی بیگناہ مانتی ہے خواہ وہ مریم ہو جو عیسائیون کے محاورہ مین "خدا کی مان" ہے یا کوئی اور ہو کیونکہ اگر یسوع کے سوا ایک بھی اور انسان بیگناہ ٹھہر جائے تو پھر مسیح کی یکتائی اور اسکے کفارہ کی ضرورت اور ساتھ ہی پانی پھر جاتا ہے۔ رومن کیتھولک مریم کی عصمت کے لئے جو دلیل دیتے ہین وہ نہایت سیدھی سادھی دلیل ہے۔ اگر اصلی گناہ موروثی ہے تو ضرور ہے کہ یسوع کو بھی اپنی مان کے ذریعہ اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ مین ملا ہو جبتک کہ یہ نہ مان لیا جاوے کہ مریم بھی بیگناہ تھی اسلئے مریم کی عصمت یسوع کی عصمت کیلئے نہایت ضروری ہے ہان یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر مریم کے والدین بھی معصوم ہونے چاہیئے کیونکہ انکے بغیر مریم معصوم نہین ہو سکتی اور اسی طرح آدم تک سارا سلسلہ بیگناہ اشخاص کا ہونا چاہیئے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی بھی ٹوٹ جاوے تو ساری زنجیر نکمی ٹھہرتی ہے پس موروثی گناہ کو مانکر اکیلے یسوع کو معصوم ماننے والون اور یسوع کے ساتھ مریم کو بھی معصوم ماننے والون مین یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زیادہ بیہودگی کا مرتکب ہے ہان دونون فریق مین سے ہر ایک اپنی بات کو بالمقابل زیادہ معقول کہہ سکتا ہے*

اس کے بعد الف میم نے کیفیت عصمت پر کچھ بحث کی ہے جسے وہ ہماری عصمت کی تعریف قرار دیتا ہے وہ انبیاء کی حالت کا ایک نقشہ تھا کہ انکے اقوال و افعال سب الٰہی سر چشمہ سے ہوتے ہین اور ان کے اپنے نفس کی خواہشات کا نتیجہ نہین ہوتے کچھ تعجب نہین اگر یہ بات الف میم کی سمجھ مین نہ آسکے اور وہ اسپر اعتراض کرے۔ روحانیت کا وہ اعلےٰ مقام جسپر اسلام انسان کو پہونچاتا ہے عیسائیون کی سمجھ سے برتر ہے کیونکہ ان کے روحانی قوے ایک انسان کی خدائی کے جھوٹے عقیدہ اور اسکے خون پر جھوٹے بھروسہ کے باعث مرچکے ہین وہ نہ صرف اعمال مین ہی مردہ ہین بلکہ ایمان مین بھی مردہ ہین اور اس لئے روح القدس کی روشنی ان کے اندر سے بجھ چکی ہے۔ قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی ایسے اس کی محبت مین کھوئے ہوئے ہوتے ہین کہ خدا کے سوائے ہر ایک چیز بلکہ ان کی اپنی ہستی بھی ان کی نظر مین کالعدم ہوتی ہے ان کی اپنی خواہشات اور نفسانی جذبات پر ایک موت وارد ہو چکی ہوتی ہے اور اس لئے جب وہ بولتے یا کوئی کام کرتے ہین تو اپنی خواہش یا نفسانی جذبہ سے نہین کرتے یہ روحانیت کا سب سے اعلےٰ مقام ہے اور اس مقام مین روح القدس کی روشنی سے بھر کر انکا ہر ایک قول و فعل روح القدس کی ہدایت سے ہوتا ہے۔ نیکی ان کی فطرت ہو جاتی ہے اور انکے ارادے ایسے کامل طور پر خدا کے تصرف مین اور اس کی مرضی کے تابع ہوتے ہین کہ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہین وہ سب الٰہی تصرف سے اور اسکی مرضی سے کرتے ہین۔ قرآن کریم مین اس اعلےٰ مقام کی شہادت بکثرت موجود ہے۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات منہ سے نہین نکالتے بلکہ جو کچھ بولتے ہین خدا کے بلائے بولتے ہین اور اپھر فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی یعنی جو کچھ فعل وہ کرتے ہین وہ ان کا فعل نہین بلکہ خدا کا فعل ہے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال انسانی خواہش کا نتیجہ نہین تھے بلکہ الٰہی سر چشمہ سے نکلتے تھے پھر قرآن کریم صاف الفاظ مین انسان کی تین حالتین بیان کرتا ہے سب سے پہلی حالت نفسانی خواہشات کے غلبہ کی ہے جسکو قرآن کریم مین نفس امّارہ کے نام سے موسوم کیا ہے اسکے بعد دوسری حالت وہ ہے جب انسان کی نیک خواہشات اس کی بدخواہشات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آتی ہین چونکہ یہ حالت ایک کشمکش کی حالت ہوتی ہے اسلئے اس مین انسان کبھی ٹھوکر بھی کھاتا ہے مگر جلدی سنبھل جاتا ہے لیکن یہ روحانی ترقی کا آخیری مقام نہین ہے۔ جو انسان اسی حالت پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مجاہدات کا انجام خیال کرتا ہے وہ سخت دھوکے مین پڑا ہوا ہے۔ ابھی روح القدس کی روشنی نے پورے طور پر اسکو روشن نہین کیا ہوتا اور نہ شیطان

اس سے پورے طور پر مایوس ہوتا ہے۔ اس کے ارادے اور خواہشیں ابھی پورے طور پر خدا تعالے کے تابع نہیں ہوئے اور نہ ہی اسکے نفسانی جذبات پر کلی موت وارد ہوئی ہے جو لوگ سچے خدا کو نہیں پہچانتے اور اسلئے اس کی طاقت اور جلال کے سامنے اس طرح نہیں جھک سکتے جس طرح انہیں جھکنا چاہیئے اس ناقص اخلاقی حالت پر مطمئن ہو جائیں تو ہو جائیں لیکن خدا تعالے کیساتھ سچا تعلق جو مذہب کا اصل مقصد اور غرض ہو وہ ابھی بہت دور پڑا ہوا ہے۔ جب ایک انسان روحانی ترقی کے اعلے مدارج پر پہونچتا ہے تو بدی کی تمام کششیں مغلوب ہو جاتی ہیں اور الہی نور سے انسان بھر جاتا اور روح القدس اسکا دائمی رفیق ہو جاتا ہے اسکے ارادے خدا تعالے کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتے ہیں اور اسلئے ایسے مقام پر اس کی نسبت یہ کہنا غلط نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح خدا کے تصرف تام میں ہوتا ہے جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب اعتراض ہے (ہاں اگر ایک عیسائی کے منہ سے نکلے تو کچھ تعجب بھی نہیں) کہ اگر انسان کے ارادے خدا کے کامل طور پر تابع ہو جاویں اور خدا کی مرضی سے اسے موافقت تامہ حاصل ہو جاوے تو پھر وہ فاعل ذی اختیار نہ رہا ایسے اعتراض سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معترض نہیں سمجھ سکتا کہ روح القدس کیونکر انسان کے اندر کام کرتا ہے اور انسان کا روحانی کمال کیا ہے۔ اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ ایک لفظ میں ہی اپنے نام کے اندر اس نے ساری حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کاش عیسائی دیکھ سکتے کہ وہ کن غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ سچائیاں کیسی مبارک ہیں جو اسلام سکھاتا ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انکو نجات مل گئی ہے جبکہ نجات کی اصلی حالت سے جو اسی دنیا میں انسان کو ملتی ہے وہ اسقدر ناواقف اور بے بہرہ ہیں کہ اسپر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ حقیقی نجات کیا چیز ہے وہ کامل اطمینان اور سکینت کی حالت ہے۔ جب انسان بدی کی طاقت سے بچ کے پورے طور پر تابع ہو کر اور اسکے ارادہ سے موافقت تامہ حاصل کر کے کامل خوشحالی اور سچی خوشی حاصل کرے لیکن عیسائی اس حالت سے ایسے ہی بیخبر ہیں جیسے کہ وہ سچے خدا سے بیخبر ہیں اور ان کا اعتراض کرنا کچھ تعجب کی جگہ نہیں ان کی عقلیں اس بات کو تو سمجھ سکتی ہیں کہ ایک آدمی کیونکر ساری دنیا کے گناہ اٹھا کر سب کو آزاد کر گیا اور کس طرح باوجود اسکے کہ وہ گناہ کرتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کو نجات مل گئی ہے لیکن سچی نجات جو گناہ سے آزادی اور روح کی پاکیزگی کا نام ہے وہ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ الفت بیگم کی اس تحدی کا جواب کہ قرآن شریف کی وہ آیتیں بتلائی جاویں جس میں انسان کے اس اعلے مقام پر پہونچ جانے کا ذکر ہو۔ صرف اسقدر کافی ہے کہ اگر اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ یہ تحدی نہ کرتا کیونکہ جہاں سے اس نے عبارت نقل کی ہے عمداً آیت کے اور قرآن شریف کے ذکر کو چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی ہے

چنانچہ وہ لکھتا ہے "انہون نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے..... الخ" حالانکہ جہان یہ مضمون ہی وہ عبارت اس طرح پر چلتی ہی (جلد ۲ صفحہ ۷) "قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہین ہوتی بلکہ وہ اس طرح انکلی خدا کے تصرف مین ہوتے ہین جس طرح ایک کل انسان کے تصرف مین ہوتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے حکم دیتا ہے۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین..... الخ" اب یہ کیسی ایمانداری ہی کہ آیت کو اور قرآن شریف کے ذکر کو بالکل اور عمداً ترک کرکے تحدی یہ کی ہے کہ کوئی آیت پیش نہین کی ایسا ہی اسی مضمون کے جو استغفار پر لکھا گیا ہے صفحہ ۷۰ و ۷۱ پر اور عصمت کی بحث مین دوسرے اکثر مقامات پر ان آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جنسے پایا جاتا ہے کہ انبیاء کے اقوال وافعال سب الٰہی سرچشمہ سے ہوتے ہین اور بار بار ان آیتوں کا نقل کرنا صرف موجب طوالت ہے اس جگہ اتنا بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ یہ حالت انبیاء کی استغفار کے کسی طرح منافی نہین بلکہ حقیقت یہ ہی کہ یہ حالت دائمی استغفار کی حالت ہوتی ہے یعنی حفاظت الٰہی طلب کرنیکی۔ جب انسان اپنے آپ کو خدا تعالے کے ارادہ اور مرضی کے تابع کردیتا ہے تو وہ یہ سمجھ کر کرتا ہی کہ وہ اپنی طاقت سے کوئی نیکی کا کام نہین کرسکتا۔ اور اسلئے اپنے آپ کو الٰہی آستانہ پر گرا دیتا ہے اور سب طاقت اس طاقتون والے خدا سے طلب کرتا ہے اسلئے اس کو اس طاقت کے سرچشمہ سے استغفار کے ذریعہ سے غذا ملتی ہی۔ اور پھر جو طاقت اسکے اندر کام کرتی ہی وہ اس کی اپنی طاقت نہین ہوتی بلکہ خدا کی طاقت ہوتی ہی۔

اس کے بعد ہم کسیقدر اس اصول پر بحث کرینگے جو قرآن کریم کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھنا چاہئے جولائی کے پرچہ مین جو کچھ اسکے متعلق ہمنے لکھا تھا اسکو الف میم نے اپنے مطلب کے لئے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنالیا ہے۔ ہمنے کبھی یہ نہین لکھا کہ قرآن شریف مین جب ایک لفظ ایک ہی معنی دیگا تو ضرور یہی ہر موقعہ پر اسکے وہی معنے لینے چاہئے ہمنے یہ لکھا تھا جیساکہ الف میم نے اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہی کہ "قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اسکے بعض حصے دوسرون پر روشنی ڈالتے ہین۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ کو ہی پیش کرینگے اور معنے کرنے مین انہین معنون کو صحیح سمجھین گے جو قرآن شریف کے دوسرے حصونکے مخالف نہ ہون اور جنکا مؤید خود قرآن شریف ہو" یہ وہ اصول ہی جسے خود قرآن شریف نے بیان کیا ہی اس سچے اور صحیح اصول کو الف میم بگاڑ کر یون بتاتا ہی کہ جب قرآن شریف مین کسی موقعہ پر ایک لفظ ایک خاص معنی مین استعمال ہوا ہی تو دوسری جگہ بھی اس لفظ کے وہی معنے لئے جاوینگے۔ حالانکہ جب کوئی لفظ مختلف معانی برداشت کرسکتا ہو تو اسوقت اسکے معنے کسی خاص عبارت مین کرنیکے لئے خاص امور پر غور کرنا ہوگا۔ مثلاً قرآن کریم مین آیا ہی کہ شیطان کہتا ہی لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ مین ان سب کو گمراہ کرونگا سوائے تیرے مخلص عباد کے یہان جو لفظ گمراہ کرنیکے

لئے استعمال کیا گیا ہے وہ "غوے" ہے جسکے معنے ہین غلطی کرنا یا سیدھے راہ سے انحراف کرنا اور مایوس ہونا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کرسکنا وغیرہ وغیرہ اور اغوا کے معنے گمراہی مین ڈالنا وغیرہ وغیرہ انہی معنون سے لئے ہوئے ہین۔ اسلئے لفظ اغوینہم کے معنے گمراہی یا غلطی مین ڈالنے کے ہوئے۔ لیکن ان لوگون مین سے جنکو شیطان گمراہی مین ڈال سکتا ہی ایک خاص گروہ مستثنیٰ کیا گیا ہی اور وہ گروہ خدا کے ان خاص بندونکا ہی جنکو مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہی جس لفظ کے معنے لین کی ڈکشنری مین اس طرح پر کئے ہین کہ خدا کے وہ برگزیدے جو ہر ایک آلایش سے پاک ہین اسلئے یہ جماعت ایسی ہی جنکو شیطان گمراہ نہین کرسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ بھی اسجگہ فرماتا ہے ہذا صراط علی مستقیم ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ گویا خداوند تعالےٰ شیطان کو فرماتا ہی جو میرا ہو گیا اسکو تو نہین بہکا سکتا اور نہ تو اسپر قابو پا سکتا ہے اسلئے یہ صفائی سے ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم خدا کے برگزیدہ بندون کی ایسی جماعت بیان کرتا ہے جو ہر آلایش سے پاک ہین جن پر شیطان کا کوئی قابو نہین چل سکتا۔ اور جنہین وہ صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی نہین پھیر سکتا یہ امر ظاہر ہی اور اسپر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہین کہ اس ممتاز جماعت مین سب سے پہلے انبیاء کا گروہ ہی شامل ہی۔ اب قرآن شریف نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً الخ کہ خدا نے اپنے بندے آدم اور نوح.... کو چن لیا اور برگزیدہ کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ آدم کو بھی برگزیدون مین سے قرار دیتا ہے اور پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان برگزیدونکو بہکا نہین سکتا۔ یہ نتائج ایسے روشن ہین جس طرح سورج اور ان الفاظ کے سوائے ان معنونکے اور کوئی معنے بھی نہین ہو سکتے اسلئے یہ آیت محکمات مین سے ہے۔ متشابہات کے معنے کرنے مین اس آیت کو مدنظر رکھنا ہوگا یعنی جہان کسی آیت کے معنے دو طرح سے ہو سکتے ہون تو وہ معنے اختیار کرنے ہونگے جو اس آیت کے معنون سے مطابقت رکھتے ہون۔ چنانچہ اس اصول کو مدنظر رکھکر اب ہم آیت عصیٰ آدم ربہ فغویٰ کے معنے کرتے ہین یہان اگر لفظ غویٰ کے معنے وہی لئے جاوین جو آیت مذکورہ بالا مین لئے ہین تو صاف ظاہر ہی۔ کہ دونون آیتین ایکدوسرے کی نقیض ہون گی اس لئے ایسے معنے کرنے یہ کہنے کے برابر ہین کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کو رد کرتا ہی حالانکہ جو اصول قرآن شریف ہمین بتاتا ہی وہ یہ ہی کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کا مؤید ہے اور قرآن شریف مین اختلاف جایز نہین جیساکہ فرمایا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً گویا قرآن کریم نے الف میم جیسون کی بیہودہ حرکات اور نکتہ چینی کا جواب پہلے سے یون دے رکھا ہی کہ مجھے تو دعوے ہے خدا کیطرف سے ہونیکا پس مجھ مین اختلاف کیون تجویز کرتے ہو۔ مین خدا کیطرف سے ہون اور مجھ مین کوئی اختلاف نہین۔ اب پہلی آیت سے یہ تو قطعی فیصلہ ہوگیا کہ اس آیت متنازعہ فیہا مین لفظ غویٰ کے معنے گمراہ ہو جانیکے نہین ہو سکتے کوئی اور معنے ہونے چاہئیے یہ ممکن ہی نہین کہ پہلے تو خدا تعالےٰ کہے -

کہ میرے برگزیدہ بندونکو شیطان گمراہ نہین کر سکتا اور پھر کہے کہ آدم کو جو میرا برگزیدہ بندہ تھا شیطان نے گمراہ کر دیا۔ لیکن لفظ غوی کے اور معنے بھی ہین چنانچہ لسان العرب کے علاوہ اب ہم لین صاحب کی ڈکشنری پیش کرتے ہین جس مین غوی کے یہ معنے بھی لکھے ہین کہ اس کی زندگی مصیبت مین پڑگئی (یعنے اسکے آرام مین خلل آگیا) یا وہ مایوس ہوگیا اسلئے دوسری آیت مین ان معنون مین سے کوئی معنے لفظ غوی کے ہم کر سکتے ہین مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ گمراہ ہونیکا مفہوم قطعاً ان معنون سے خارج ہے کیونکہ یہ مفہوم پہلی آیت کے مضمون کے خلاف ہے یہ معنے ہین اس فقرہ کے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے پر روشنی ڈالتا ہے اب یہ ایک ایسی دلیل ہے کہ ہزار مفسر کی رائے بھی اسکے خلاف کچھ نہین کیونکہ مفسرون کی رائین وحی الہی نہین ہین اور قرآن شریف کی صریح آیت کی تکذیب کرنا یا اس مین اختلاف ڈالنا اس طریق کو کوئی مسلمان اختیار نہین کر سکتا۔ چونکہ الف میم اسوقت قرآن شریف پر اعتراض اسکی سچائی کو مانکر کر رہا ہے اسلئے اسے انہین باتونکا پابند ہونا ضروری ہے جنکا پابند ایک مسلمان ہوگا +

آیت لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین سے اور بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہین یہ قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ خدا کے برگزیدونکو شیطان راہ راست سے کبھی نہین پھیر سکتا۔ اگر قرآن شریف مین اور کوئی آیت ایسی نہ بھی ہوتی جس سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی تاہم یہ ایک ہی آیت ان سارے نتائج کی تردید کے لئے کافی تھی جو اسکے خلاف نکالے جاتے ہین کسی نبی کے متعلق قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہین انکے معنے کرنے مین ہمین صرف اس حد تک آزادی ہے کہ کوئی ایسے معنے انکے نہین ہو سکتے جنسے کسی نبی کیطرف گناہ کا ارتکاب ثابت کرنا پڑے کیونکہ اس آیت کے معنے تو سوائے اسکے کچھ اور ہو ہی نہین سکتے کہ اللہ تعالے نے اپنے بندون کی ایک خاص جماعت کو شیطان کے قابو سے باہر نکالکر خالص اپنے لئے بنالیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دو لفظ ہین جنسے اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے یعنی عبادک اور المخلصین۔ عبادک سے مراد خدا کے عبد ہین اور عبد کے معنے پوری فروتنی اور عاجزی سے اطاعت کرنیکے ہین اسلئے عبد کے معنو مین عاجزی سے پوری پوری اطاعت کا مفہوم لازمی ہے اور عبد کے معنے ہین غلام جو آقا کے ہر ایک حکم کو مانتا اور اس کی پوری فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لہذا عبادک سے مراد وہ بندے ہوئے جو پوری عاجزی اور فروتنی سے خدا کے ہر ایک حکم کو مانتے ہین اور اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہین کرتے (لفظ عباد صیغہ جمع ہے۔ یہ ہم اس ڈر سے بیان کرتے ہین کہ مبادا الف میم کہدے کہ اسجگہ مراد صرف عیسےٰ سے ہے) اگر شیطان نے یہ لفظ نہ بھی کہے ہوتے کہ خدایا تیرے مخلص عباد پر مجھے کوئی قابو نہین تاہم لفظ عباد ہی اس بات کو بتا رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے پورے فرمانبردار ہین اور اسلئے شیطان کے فرمانبردار نہین ہو سکتے۔ شیطان کی فرمانبرداری کرنیوالونکو قرآن شریف مین عبد الطاغوت کہا گیا ہے جس طرح پر عبد الطاغوت شیطان کی فرمانبرداری

کرتے اور خدا کے حکمون کی خلاف ورزی کرتے ہین اسی طرح یہ عباد اللہ صرف خدا کے احکام کو مانتے
ہین اور شیطان کا انمین کوئی حصہ نہین ہوتا اسلئے وہ انکو گمراہ بھی نہین کرسکتا۔ لفظ المخلصین کا
استعمال جو عبادک کی تعریف مین ہوا ہے اس مضمون پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے اسکا مادہ خلص ہر
جسکے معنے صاف ہونا پاک ہونا ہر ایک ملاوٹ سے یا کھوٹ سے پاک ہوتا امن یا حفاظت مین ہونا یا
آزاد ہونا ہین اس لئے مخلصین وہ لوگ ہین جو ہر ایک میل کچیل سے اور کھوٹ سے پاک کئے گئے
ہون اور شیطان سے جو ہلاک کرنیوالا ہے محفوظ کئے گئے ہون۔ چنانچہ اخلص للہ العمل کے معنی ہین
کہ اسکا عمل جو خدا کے لئے اس نے کیا ہر ایک کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک تھا اور خالص خدا کیلئے
ہی تھا اور اخلصنا ہم بخالصۃ ذکری الدار جو قرآن شریف مین آیا ہی اسکے بھی یہی معنے ہین کہ ہمنے
انکو ایک نہایت پاک صفت سے پاک کر دیا ہے اور وہ کیا ہے دار آخرت کا یاد رکھنا۔ اسلئے لفظ مخلصین
کا عبادک کی صفت مین لانا صاف اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اطاعت
کا جو مفہوم عبادک مین پایا جاتا ہے وہ ایسی اطاعت نہین جس مین غیر کی اطاعت بھی ملی ہوی ہو
بلکہ وہ اطاعت خالص خدا کی اطاعت ہر اور اس مین کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہین مخلص
جسکی جمع مخلصین ہر اسکے معنے جو لین نے اپنی ڈکشنری مین کئے ہین وہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین کہ اسکے
معنے ہین وہ جسے خدا نے چن لیا اور جو ہر ایک قسم کی آلائش سے پاک ہر اور یہ بھی اسکے معنے ہین کہ جو
وہ کہے یا کرے اپنے قول وفعل مین خالص اور بالکل پاک ہو۔ اب یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ
مین آسکتی ہے کہ شیطان کا قابو ان لوگون پر نہین چل سکتا جو خدا کے ہاتھ سے پاک اور محفوظ کئے گئے
ہون اور جنکو فطرتاً ایک پاکیزگی نفس کی عطا کی گئی ہو جو ان سے جدا نہین ہو سکتی اور جنکے دلونکو
ہر قسم کی بدی کے خیال سے محفوظ کیا گیا ہو۔ ایسے لوگون پر شیطان کا کوئی تصرف نہین ہو سکتا
اور وہ پیدایش سے ہی پاک اور معصوم ہوتے ہین اس تمام بحث کا یقینی نتیجہ ہر کہ ان لوگون کیطرف
گناہ ہرگز منسوب نہین ہو سکتا جنکو عباد اللہ اور مخلصین کہا گیا ہے خصوصاً اس حالت مین جب کھولکر
یہ بھی بیان کر دیا گیا ہر کہ شیطان کا انپر کوئی تصرف نہین اور وہ کبھی شیطان کی اطاعت نہین کرتے +

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ غوی جہان حضرت
آدم کیلئے استعمال ہوا ہر اسکے معنے وہان گمراہ ہو جانیکے نہین بلکہ اس سے صاف طور پر یہ بھی ثابت
ہوتا ہے کہ انبیاء جو سب سے پہلے مخلصین مین شامل ہین بالکل معصوم ہین۔ اور اس لئے قرآن شریف
کی بہت سی آیتونکے معنے کرنے مین ہمین اس اصول کو مدنظر رکھنا ہوگا جو قرآن کریم نے ایک جگہ بیان
کر دیا ہے اور ایسے صاف الفاظ مین بیان کیا ہے جنکے معنو نمین کسی تاویل یا شبہ کی گنجایش باقی نہین
رہی یہی ہماری مراد تھی جب ہمنے کہا تھا کہ قرآن شریف بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ مگر الف میم

نے اسکو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہا ہے اور وہ اس سے مراد یہ سمجھتا ہے کہ جب قرآن شریف مین ایک جگہ ایک لفظ کسی خاص معنے مین مستعمل ہو جائے تو پھر ہر جگہ اس لفظ کے وہی معنے لینے ہونگے لیکن یہ اصول ہمارا بیان کردہ نہین نہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے متفق ہو سکتا ہے کیونکہ ہر جگہ لفظ کے معنے کرنے مین مختلف باتون پر غور کرنا ہوگا یہ نہین کہ ایک جگہ ایک معنے آگئے تو اب اندھا دھند ہر جگہ وہی معنے لگاتے چلے جائین ہم اس کی اور بہت سی مثالین دیسکتے ہین لیکن بالفعل صرف ایک مثال اور دیکر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین۔

یہ مثال لفظ ظالم کے متعلق ہے۔ قرآن شریف کی سورہ بقرہ مین اللہ تعالے فرماتا ہے واذا ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین۔ ترجمہ۔ اور جب ابراہیم کو اسکے رب نے احکام بھیجکر آزمایا تو ابراہیم نے ان سب احکام کو پورا کیا اللہ تعالے نے فرمایا کہ مین تجھے لوگونکے لئے امام بناؤنگا۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری ذریت مین سے بھی فرمایا ظالمونکو میرا عہد نہین پہنچیگا۔ چونکہ لفظ ظالم مختلف معنون مین آیا ہے اسلئے سب سے پہلا امر قابل غور آیت مذکورہ بالا مین یہ ہے کہ لفظ ظالم سے یہان کیا مراد لی گئی ہے مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالے نے جب دیکھ لیا کہ وہ اسکے پورے طور پر فرمانبردار ہین اور احکام الہی کی بجاآوری مین ان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ دیکھی تو عنایت الہی نے انکو اس قابل دیکھکر امامت یعنی نبوت کا منصب عطا فرمایا۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ میری اولاد مین سے بھی نبی مبعوث فرمائے جاوین تو خدا تعالے نے فرمایا کہ ہان مین نبی تو بناؤنگا لیکن انکو نہین جو ظالم ہون اس لفظ کے اسجگہ معنونکا فیصلہ کرنیکے لئے ہمین دیکھنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کیا کام کیا تھا جو انکو نبوت عطا ہوئی تھی کیونکہ لفظ ظالم مین اسکا خلاف ہونا چاہیئے وہ کام احکام الہی کی کامل طور پر فرمانبرداری تھی جسکا اسی آیت مین ذکر ہے اسلئے لفظ ظالم سے مراد لامحالہ اسجگہ یہی ہوئے کہ جس سے احکام الہی کی کامل فرمانبرداری مین کوئی نقص رہ گیا ہو۔ اب لغت کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ظالم کے ایک معنے یہی ہین جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہین پس اس مین کوئی شک نہین کہ ظالمین سے اس جگہ وہ لوگ مراد ہین جو کسی حکم الہی کی عمداً خلاف ورزی کرتے ہین اب اس لفظ کے معنونکا فیصلہ ہو جانیسے ایک نہایت ضروری اور یقینی اصول ہمارے ہاتھ مین آجاتا ہے۔ ابراہیم کو حکم ہوتا ہے کہ تیری اولاد مین سے اسی کو نبی بناؤنگا جو میرے حکمونکا کامل طور پر فرمانبردار ہو۔ لیکن اللہ تعالے نے اسکو ایک عام رنگ مین بیان کیا ہے کہ لاینال عہدی الظالمین جسکے معنے یہ ہوئے کہ میرا عہد ظالمونکو کبھی نہین پہنچتا۔ اسکے یہ معنے تو ہو ہی نہین سکتے کہ اس سے پہلے خدا تعالے ظالمونکو نبی بنادیا کرتا تھا مگر اب آئندہ کے لئے اس نے ایک نیا اصول بنادیا ہے خدا تعالے کے قانون اٹل اور لاتبدیل ہین خود حضرت ابراہیم کو جنکی

اولاد کے ساتھ یہ وعدہ ہوتا ہے اسیوقت نبوت عطا ہوئی جب انہون نے احکام الہی مین کامل فرمانبرداری کھائی چنانچہ انکے متعلق لفظ ہین فاتمہن یعنی سب کے سب احکام کو پورا کیا اور خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہین کیا اسلئے خدا تعالے نے یہان اپنی ایک سنت بیان کی ہے کہ مین ظالمونکو کبھی نبی نہین بناتا۔ اب اگر ہم اسی کلام مین جس نے خود یہ اصول بیان کیا ہے کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال پادین تو ہم اسکے معنے حکم الہی کی خلاف ورزی نہین کرسکتے کیونکہ ایسے معنے قرآن شریف کے اپنے بیان کردہ اصول کے نقیض ہونگے۔ بلکہ ایسے موقعہ پر لفظ ظلم کے اور کوئی معنے کرینگے کیونکہ یہ لفظ ایسا ہے کہ اسکے مختلف معنے ہوسکتے ہین اس آیت سے ہمین صرف یہی پتہ نہین لگتا کہ قرآن شریف مین اگر کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال ہوا ہو تو اسکے کیا معنے ہونے چاہیئے بلکہ یہ ایک قطعی شہادت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر ہے اور اسلئے ہم اس سے ان تمام آیتون کے معنے کرنے مین فائدہ اٹھا سکتے ہین جنسے ہمارے مخالف انبیا کے گنہگار ہونیکا استدلال کرتے ہین۔ اب جو کوئی کہے کہ معنے کرنے مین یہ اصول مدنظر نہین رکھنا چاہیئے بلکہ اگر لفظ ظلم ایک جگہ ایک معنے مین استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ قرآن شریف مین اس کے وہی معنے مراد لینے چاہیئے تو یہ محض حماقت ہے ہمارا فرض ہے کہ قرآن شریف کے معنے کرنے مین اس امر کو مدنظر رکھین کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھکر قرآن شریف کے الفاظ کے معنے کئے جاوین تو وہ تمام آیتین جنسے انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کیا جاتا ہے بالکل صاف ہو جاتی ہین۔ سچا اصول یہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ دوسرے کے مخالف نہین اور اسلئے جب اسمین ایک دفعہ اللہ تعالے نے یہ فرمادیا کہ انبیاء ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتے ہین اور شیطان ان کو راہ راست سے پھیر نہین سکتا اور کوئی خدا کے حکم کی نافرمانی کرنیوالا کبھی نبی نہین ہوسکتا تو پھر کسی لفظ یا آیت سے اسکے خلاف نتیجہ نہین نکالا جاسکتا اگر معترضین اس اصول کو مدنظر رکھ کر اعتراض کرتے تو اپنے سارے اعتراضون کا جواب انکو خود قرآن شریف سے ہی ملجاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا مختلف معانی کے لئے استعمال ہونا زبان کی بڑی خوبی ہے لیکن اسی بات پر معترض ٹھوکر کھارہے ہین۔ عربی زبان اس بارے مین ہر ایک زبان پر فوقیت رکھتی ہے اور معترضین بھی اس سے بے خبر نہین ہین لیکن اپنے پیشہ کے لحاظ سے انکو یہ سب کام کرنے پڑتے ہین۔ وہ اپنی کتابون مین یہ لکھا ہوا پڑھتے ہین کہ خود مسیح نے پطرس حواری کو شیطان کہا لیکن اس مین انکو کوئی اعتراض پیدا نہین ہوتا مگر جب حضرت آدم کے متعلق لفظ ظلم انکو ملجاتا ہے تو اسکو بڑی فتح سمجھتے ہین کہ اب آدم گنہگار ہوگیا حالانکہ خود قرآن شریف ایسے صریح اور صاف الفاظ مین جن کے اور کوئی معنے ہو ہی نہین سکتے یہ فرماتا ہے کہ خدا کے نبی کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہین چلتے اور لفظ ظلم کے ایسے معنے لغت کی کتابون مین موجود ہین جو قرآن شریف کے بیان کردہ اصولونکے بالکل مطابق ہین یون پادریصاحبان مچھر چھانتے پر اونٹ نگل جاتے ہین۔

یہ دلائل الف میم اور السین کے اعتراضوں کی تردید کے لئے کافی ہیں لیکن اس مضمون کو پورا کرنیکے لئے انکے چھوٹے چھوٹے اعتراضوں کا جواب بھی مختصر طور پر اب ہم دیتے ہیں۔ السین اپنے اعتراضونکے شروع میں لکھتا ہے کہ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت انبیاء کے بیخطا ہونے پر موقوف ہے اور لکھتا ہے کہ یہ امر سکے نزدیک مسلم ہے۔ گذشتہ پرچے میں الف میم کے دیباچہ کا جواب دیتے وقت ہم نے یہ واضح طور پر بیان کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے آپ کی عصمت پر ہمیں اور کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں۔ اصل میں اس بحث کے ختم کرنے کی ایک نزدیک راہ ہے مگر اسی وجہ سے کہ وہ نزدیک راہ ہے عیسائی اسکو اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ عصمت شفاعت کا جزو ہے اور اسلئے اگر شفاعت کا ثبوت قطعی ہاتھ میں آجائے تو عصمت خود ثابت ہو جاتی ہے برعکس اسکے محض عصمت شفاعت کے لئے کافی نہیں ہے کم از کم مسلمانوں کے نزدیک۔ کیونکہ ہر ایک معصوم شفیع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے نمونے جو اس دنیا میں آچکے دکھائے پیش کئے تھے۔ اور عیسائی صاحبان سے یہ سوال کیا تھا کہ یسوع کی شفاعت کا بھی کوئی ایسا صاف نمونہ پیش کریں لیکن عیسائیوں نے اسکے برعکس طریق اختیار کیا ہے اور اسلئے ہم بھی اسی طریق پر اب انکے اعتراضونکا جواب دیتے ہیں۔ اسکے بعد السین آدمؑ اور داؤدؑ کے تذکرہ کو لیتا ہے اور ان ہی دو مثالوں سے عصمت کے کل سوال کا فیصلہ کرتا ہے "اگر آدمؑ اور داؤدؑ گنہگار ہوں تو گنہگار کو چاہئے کہ وہ نجات کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرے" معلوم ہوتا ہے پادری صاحب نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر یسوع کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا ثابت ہو جائے جسکی عصمت پر عیسائی حملہ نہ کر سکیں تو انکے ہاتھ میں خاک بھی نہیں رہتی اور تعجب یہ ہے کہ یسوع کی عصمت کو ثابت نہیں کر سکتے جس صورت میں ہم قرآن شریف سے یہ دکھاتے ہیں کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام پر تصرف نہیں ہوتا اور خدا ظالم کو نبی نہیں بناتا جس سے انبیاء علیہم السلام کی بالعموم عصمت ثابت ہوتی ہے تو اسکی تردید ایک یا دو نبیونکو لیکر نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ثابت کرنا چاہئے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات ہیں جن میں عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو گنہگاروں کی جماعت کہا گیا ہو یا یہ نہ ہو تو کم از کم انکا فرض ہے کہ جسقدر انبیاء کے قرآن شریف میں نام آئے ہیں ان سب کو گنہگار کہا گیا ہے لیکن ان دونوں باتوں میں سے وہ کسی کو بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ تعجب ہے کہ کبھی ان لوگوں کے دلمیں یہ خیال نہیں آتا کہ قرآن شریف تو کھلے لفظوں میں انبیاء کی نسبت بار بار فرماتا ہے کہ وہ خدا کے حکموں کے خلاف نہیں چلتے اور اعلے سے اعلے درجہ کی تعریف کے الفاظ میں انکی تعریف کرتا ہے اور انکے اقوال اور افعال کو الٰہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے بیان کرتا ہے اور اسکے برعکس ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں اسی عمومیت سے انبیاء کو گنہگار کہا گیا ہو یا خدا کے حکمونکو نہ ماننے والے کہا گیا ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو ہر طالب حق اور بے تعصب محقق

کا فرض ہے کہ جہان کسی خاص نبی کے خاص فعل کا ذکر ہے اسکے معنے کرنے مین اس طریق کو اختیار کرے جو انبیاء کی عام تعریف کے مطابق ہو۔ اسلئے ہم بار بار اس بات پر زور دیتے ہین کہ پادری صاحبان قرآن شریف سے ایک ہی ایسی آیت پیش کرین جس مین انبیاء کو عمومیت کے ساتھ گنہگارون کی جماعت کہا گیا ہو اور جبتک وہ ایسی آیت پیش نہین کر سکتے تو ایسے الفاظ کی بنا پر جنکے مختلف معنے ہو سکتے ہون کسی خاص نبی پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف اور مباحثہ کی ایک سب سے اہم اور ضروری تنقیح کو ٹالنا ہی تعجب ہے کہ اگرچہ ہمنے بار بار اس امر کیطرف توجہ دلائی ہے اور ان ہمارے مضامین کی تردید بھی مخالفین نے لکھی ہی لیکن اس ضروری بات کو وہ ایسے ٹال جاتے ہین کہ گویا پیش ہی نہین ہوئی۔

اب ہم ان اعتراضونکو لیتے ہین جو پادری ایپسن نے حضرت آدم کی عصمت پر کئے ہین اور چونکہ ایپسن اور الف میم کے اعتراض قریباً قریباً ایک ہی ہین اور ان مین سے یا ایسے ہی بعض اعتراضات کا جواب پادری مانڈ کو ہم دیچکے ہین اس لئے ہم ان اعتراضون کا جواب دیتے وقت الف میم کو مخاطب کرنیکی ضرورت نہین سمجھتے ہان اگر کوئی ضروری امر ایسا ہوگا جو ایپسن صاحب نے پیش نہ کیا ہو تو اسوقت ہم الف میم کو جواب دینگے پادری ایپسن سب سے پہلے آیت ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما۔ کو لیتا ہے اسکے معنے کرنے مین وہ امام رازی کی سند پیش کرتا ہے لیکن جہانسے وہ رازی اور کشاف کا حوالہ لیتا ہے وہان نسیان کے دو معنے لکھے ہین یعنی اول ماہو نقیض الذکر (بھول جانا) اور دوسرا ترک (چھوڑ دینا) اور دونون نے اول الذکر معنونکو پہلے بیان کرکے یہ ظاہر کر دیا ہی کہ انکے نزدیک ترجیح اول معنی کو ہی یعنی بھول جانا امام رازی انہین معنونکے نیچے حسن رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہین کہ خدا کی قسم ہی آدم نے خلاف ورزی حکم الہی کی نہین کی مگر بھول جانیکے باعث۔ اگر یہ ترجیح نہ بھی پائی جاتی تو بھی ہمارا فرض ہی کہ ہم ایسے معنی کرین جو ان آیتونکے مخالف نہ ہون جن مین انبیاء کو معصوم کہا گیا ہی اور علاوہ ازین جب وہ نسیان کے معنی ترک کر دیتے ہین تو انکی یہ مراد نہین ہوتی کہ حضرت آدم نے گنہگارونکی طرح حکم الہی کی نافرمانی کی بلکہ اسوقت وہ اسے اجتہادی غلطی قرار دیتے ہین اب ایپسن صاحب ان معنی کو جسکو ترجیح دی گئی ہی ترک کرکے صرف دوسرے معنی کو پیش کرتے ہین اور وہ بھی الٹے رنگ مین اور اس طرح پر ناظرین کو دھوکا دیتے ہین۔ علاوہ ازین جہان امام رازی نسیان کے یہ دو معنے دیتے ہین وہ صرف مختصر طور پر دو مختلف رائون کا جو علما کے درمیان رہی ہین اظہار کرتے ہین اور مفصل بحث کے لئے سورہ بقرہ کا حوالہ دیتے ہین اسجگہ انہون نے ان دونون رائون پر مفصل بحث کی ہی پہلے وہ اس صورت پر بحث کرتے ہین کہ حضرت آدم بھول گئے اور اس صائم کی مثال دیتے ہین جو روزہ رکھتا ہی مگر بھول کر کھا پی لیتا ہی ایسی صورت مین کبھی یہ نہین کہا جاتا کہ اس نے گناہ کیا اسکے بعد وہ دو اعتراض بیان کرتے ہین جو ان معنون پر کئے گئے ہین اور دونونکی تردید کرکے دکھاتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ انہین معنون کو ترجیح دیتے ہین یہ ہم صرف اسلئے لکھتے ہین تا ایپسن

صاحب کی غلط بیانی کو ظاہر کرین ورنہ اگر امام رازی اس معنی کو ترجیح نہ بھی دیتے تاہم اس معنی کی تائید مین دلایل اس قدر زبردست موجود ہین کہ کوئی انصاف پسند طبیعت ان کو رد نہین کرے گی۔ مذکورہ بالا دو اعتراضون مین سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے وقت امام رازی لکھتے ہین "ہم اس بات کو تسلیم نہین کرتے کہ آدم اور حوا نے ابلیس کی بات کو مان لیا نہ ہی یہ کہ انہون نے اسکو صادق سمجھا..... آیت مین کوئی ایسا لفظ نہین جس سے یہ معلوم ہو کہ آدمؑ اور حوا نے یہ کام اسیوقت کیا جب ابلیس کے لفظ سنے یا بعد مین اور اس بات کا ثبوت کہ آدم جانتا تھا کہ ابلیس اس کا دشمن ہے قرآن شریف کی یہ آیت ہے ان ہذا عدو لک"۔ اسکے بعد امام رازی اس پہلو پر بحث کرتا ہے کہ حضرت آدم کا یہ فعل عمداً تھا اس صورت مین نسیان کے معنے ترک کے لئے جاوینگے پھر اسمین چار مذہب بیان کئے گئے ہین اور ان دو کو جو آدم کیطرف گناہ عاید کرتے ہین رد کیا گیا ہے +

افسوس ہے کہ اسقدر مضمون ایک غیر ضروری بحث کیلئے ہمین لکھنا پڑا لیکن پادری صاحبان کی غلط بیانی نے ہمین اس طریق کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کی غلطی کو ظاہر نہ کیا جاوے تو پھر ان کی باتین سچی سمجھ لی جاوینگی اسکے بعد عزم کے معنو پر اعتراض کیا گیا ہے اسکا مفصل جواب پادری مانرو والے مضمون مین ہم دے چکے ہین اور اسلئے اسکا دہرانا ضروری نہین۔ فروری کے پرچے مین ہم سند مین پیش کر چکے ہین کہ کیون ہمنے وہ معنے لئے ہین جو وہان بیان کئے گئے ہین۔ ہان اسجگہ الف میم کا ایک اعتراض قابل غور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اولوالعزم انبیا مین سے نہ تھے یہ اسی قسم کی ایک غلط فہمی معانی الفاظ کے متعلق ہے جیسے ہم اوپر بیان کر چکے ہین کیونکہ لفظ عزم دونون جگہ ایک ہی معنون مین نہین آیا اس آیت کے متعلق کہ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل مفسرین کی دو رائین ہین بعض کہتے ہین کہ اس سے مراد کل انبیاء ہین اور من تبیین کے لئے ہے نہ تبعیض کیلئے۔ یہ رائے دوسری رائے پر ترجیح رکھتی ہے جسکے رو سے بعض انبیاء اولوالعزم ہین اور بعض نہین اور اسکے کئی وجوہات ہین اول تو یہ کہ قرآن شریف کل نبیون کا نام نہین تا کوئی یہ کہہ سکے کہ فلان فلان نبی اولوالعزم ہین اور فلان نہین۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک۔ یعنی بعض نبیونکا ہمنے ذکر بھی نہین کیا۔ دوم بعض انبیاء کو اولوالعزم کی تعریف مین داخل نہ سمجھنا ان آیات کے خلاف ہے جنمین کل انبیاء کی عصمت کا ذکر ہے سوم مختلف نام اولوالعزم انبیاء کے تجویز کئے جاتے ہین اور اس امر پر کبھی اتفاق نہین ہو سکتا کہ فلان فلان نبی ضرور اولوالعزم اور دوسرے ضرور ہی اس تعریف سے خارج ہین اسلئے احسن طریق یہی ہے کہ سب انبیاء کو اولوالعزم سمجھا جاوے بلکہ عیسائیونکے لئے تو ایک اور مشکل بھی ہے یعنی یہ کہ کم سے کم نام انبیاء کے جو اولوالعزم کی فہرست مین داخل سمجھے گئے ہین ان مین حضرت مسیح شامل نہین ہین اس لئے وہ بھی حضرت آدم کیطرح انہین مین سے سمجھے گئے ہین جنمین عزم نہین پایا گیا یعنی اللہ تعالی کے احکام کو پورا کرنیکا ان مین عزم نہین تھا چنانچہ صرف چار انبیاء اس طرح اولوالعزم سمجھے گئے ہین جو بعض کے نزدیک حضرت نوح۔ ابراہیمؑ موسےٰؑ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور بعض کے نزدیک حضرت موسی کی

بجائے انمین حضرت ہود شامل ہین لیکن دونو نمین حضرت مسیح شامل نہین ہین حالانکہ الف میم صاحب کے عجیب استدلال کے روسے صرف وہی ایک شخص تھا جو قرآن شریف اور حدیث کے روسے معصوم تھا گویا بعض مسلمانون نے حضرت مسیح کو اولوالعزم مین بھی داخل نہین سمجھا اور اسلئے اگر حضرت آدم مین الف میم کے معنونمین عزم نہین پایا گیا تو حضرت مسیح بھی اس عزم سے خالی ہین الف میم کی اس بحث سے ایک اور نتیجہ خیز بات پیدا ہوتی ہی اسکے نزدیک حضرت آدم نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی اور اسلئے وہ اولوالعزم انبیاء مین سے نہ سمجھا گیا اسکا صاف نتیجہ یہ ہی کہ اولوالعزم وہی نبی ہین جنہون نے کبھی حکم الٰہی کی نافرمانی نہین کی لیکن چونکہ قرآن کریم صاف الفاظ مین اولوالعزم انبیاء کا ذکر کرتا ہی اسلئے اگر الف میم کی بات کو بھی مان لیا جاوے تو بھی بعض انبیاء تو قرآن کریم کے نزدیک ضرور معصوم ٹھہرے لیکن چونکہ رسولونمین اس قسم کی تفریق کو قرآن شریف نے جائز نہین رکھا اسلئے اگر بعض انبیاء معصوم ہین تو کل معصوم ہین اور یہ نتیجہ الف میم کی اپنی بحث کا ہے۔

اسکے بعد الیسن صاحب آیت عصے آدم ربہ فغوی کے معنو نپر بحث کرتے ہین ہم نے کبھی اس سے انکار نہین کیا کہ عصیان کے معنے نافرمانی ہین ہمنے تو یہ لکھا تھا کہ جہان ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آدم کے اس فعل کا نام عصیان رکھا ہی خود ہی یہ بھی کہدیا کہ وہ بھول گئے تھے قرآن شریف مین جو کھانیکی چیزون کے متعلق ممانعت کا حکم ہے اسمین اور دوسری نواہی مین خدا تعالےٰ نے ایک خاص امتیاز رکھا ہی انکی ممانعت کا حکم قرآن کریم مین چار جگہ ہی دو جگہ حکم کو بیان کرکے اسکے بعد یہ استثناء دیا گیا ہی۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم۔ (دوسری جگہ ہی فان ربک غفور رحیم) یعنی جو کوئی مضطر ہو جائے لیکن حکم کو توڑنیکی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ حد سے گذرنیوالا ہو تو اللہ غفور رحیم ہی۔ تیسری جگہ جہان یہ استثناء بیان کی گئی ہے وہان یہ لفظ ساتھ اور بڑہا دئے گئے ہین فلا اثم علیہ کہ اسپر کوئی گناہ نہین۔ اس استثناء مین یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہی کہ ایسے شخص کا گناہ کوئی نہین اور اللہ غفور ہی۔ اب اگر لفظ غفر کے معنے جیسا کہ کہا جاتا ہے گناہون کی معافی کے سوائے اور کچھ نہین تو غفور کے معنے بھی صرف یہی ہو سکتے ہین کہ جو گناہ سرزد ہو چکے ہین انکا معاف کرنیوالا لیکن ان معنونکے روسے لفظ غفور یہان استعمال نہین ہو سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ایسے شخص کا کوئی گناہ نہین اور جب گناہ نہین تو معاف کیا چیز ہوگی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ لفظ غفر کے معنے صرف گناہ کی معافی کے نہین بلکہ انسانی فطرتی کمزوری جس سے انسان گناہ مین پڑتا ہی اس سے بچانیکے بھی ہین ورنہ اسکے کیا معنے کہ خدا اس شخص کیلئے غفور ہی جس نے کوئی گناہ نہین کیا۔ اس سے استغفار کے معنون پر روشنی پڑتی ہی لیکن اسجگہ یہ بحث ہمارا مقصود نہین ہی۔ چوتھی جگہ اسی استثناء کو ان لفظونمین بیان کیا گیا ہی فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔ جو کوئی مضطر ہو جائے بھوک سے لیکن گناہ کیطرف جھکنے والا نہو تو اللہ غفور رحیم ہی اس سے بھی استغفار کے معنونکے متعلق وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہی جو اوپر بیان ہوا۔ ان استثناؤنکو ہمنے اسلئے بیان کیا ہی کہ قرآن شریف مین جہان جہان کھانیکی چیزون

کی ممانعت کا ذکر ہی وہان ضرور اس استثنا کو بھی بیان کیا ہی لیکن دوسری نواہی کے ساتھ اس استثنا کو ہرگز بیان نہین کیا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ کھانیکی چیزونکے متعلق خدا تعالےٰ نے انسانی کمزوری کو مدنظر رکھکر ایک اجازت دی ہی جو دوسری نواہی کے متعلق نہین دی - اب حضرت آدم کو جو حکم تھا وہ بھی کھانیکے متعلق ہی تھا کہ فلان درخت کا پھل نہ کھانا لیکن ایسی صورت مین خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا ہی کہ جو شخص مجبوری کیحالت مین کھاتا ہی وہ گناہ کا مرتکب نہین اگرچہ یہ سچ بات ہی کہ خدا تعالیٰ کی نہی کی خلاف ورزی تو اس سے ہوگئی اب کیسوا جاناگر اضطرار کیحالت سے بڑھکر نہین تو کم ازکم اس جیسا عذر تو ضرور ہی اور اسلئے حضرت آدم کا فعل گناہ نہین کہلا سکتا - حضرت آدم کے متعلق یہ لفظ کہ وہ ایسا کرنیمین باغ یا عاد تھا یعنی حکم الٰہی کو توڑنیکی خواہش رکھنیوالا یا حد سے گذرنیوالا کہین نہین آئے - حضرت آدم کی دعا کے الفاظ بھی اللہ تعالےٰ کی ان صفات کے مطابق ہین - جو استثناء مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوئے یعنی غفور اور رحیم - کیونکہ حضرت آدم بھی یہی دعا کرتے ہین کہ ان لم تغفر لنا و ترحمنا اور اس طرح اللہ تعالےٰ کی صفات غفر اور رحم سے ہی پناہ مانگتے ہین اور یہی وہ صفات ہین جو اس شخص کیلئے حرکت مین آتی ہین جو مضطر ہوکر ممنوع کھانیکی اشیاء مین سے کوئی چیز کھا بیٹھے اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہی کہ حضرت آدم کا فعل گناہ ہرگز نہین کہلا سکتا -

اعتراض کا دوسرا حصہ لفظ غوی کے معنونکے متعلق ہی اور ہمین پھر یہی کہنا پڑتا ہی کہ اسکی تردید بھی فروری کے پرچہ مین ہوچکی ہی - ایلسن صاحب کا یہ بھی خیال ہی کہ لسان العرب مین جو غوی کے معنی فسد علیہ عیشہ لکھے ہین انکے معنے ہمنے ٹھیک نہین کیئے اسمین شک نہین کہ فساد کے معنے وہ بھی ہین جو ایلسن صاحب نے لکھے ہین لیکن اس لفظ کے معنے کسی قسم کا خلل واقع ہونا بھی آتے ہین جسکے لئے کم ازکم لین کی ڈکشنری کو دیکھا جا سکتا ہی - ایلسن کے نزدیک اس فقرہ کے صحیح معنے یہ ہین کہ اسکی زندگی پاکیزگی کیحالت سے بگڑ گئی یعنی وہ ناپاک زندگی بسر کرنے لگا ایسے خیال پر قرآن شریف لعنت بھیجتا ہی اور ایلسن کے الفاظ سے اسکے سوائے اور کوئی نتیجہ نہین نکلسکتا اب ہم ان وجوہات کو بیان کرتے ہین جنکی بنا پر ہمنے اس فقرہ کے یہ معنے کیئے تھے - کہ اسکی امن مین خلل آگیا جس جنت مین حضرت آدم رکھے گئے تھے اسکے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ان لک الا تجوع فیہا ولا تعری و انک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی - اس جنت مین ہم تجھکو یہ آرام دیتے ہین کہ یہان نہ تو بھوکا ہوگا نہ ننگا اور نہ تجھے پیاس لگیگی نہ دھوپ - یہ آدم کی زندگی کا نقشہ ہی جو اسے جنت مین حاصل تھی - اور اسی ہم امن کی زندگی نہ کہین تو اور کیا کہین یہی امن کی حالتین جو حضرت آدم کو میسر تھی ممنوع درخت کے کھانیسے خلل آیا اور اسکو روح کی پاکیزگی یا پلیدی سے کچھ تعلق نہین بلکہ یہ زندگی کی ایک خاص حالت کا نقشہ ہی جو بعد مین جب حضرت آدم کو وہ جنت چھوڑنا پڑا بدل گیا کیونکہ اس جنت سے باہر یہ آرام اسکو نہ مل سکتے تھے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس نہ دھوپ چنانچہ جہان خدا تعالےٰ نے حضرت آدم کے دانہ کھانیکا ذکر کیا ہی وہان ساتھ ہی اسکا یہ فوری نتیجہ لکھا ہی کہ فبدت لہما سوآتہما یعنی انکا ننگا ہونا انپر ظاہر ہوگیا اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو فرماتا ہی فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی - نکلتا ہی کہ جو امن حضرت آدم کو اس جنت مین حاصل تھا ممنوع پھل کھانیسے اسمین خلل آگیا + (باقی آیندہ)

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل کے لئے پھر یاددہانی

رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت و اعانت کے متعلق جسقدر حد سے بڑھے ہوئے پُر زور الفاظ میں حضرت اقدس عہ نے اپنی جماعت کے پر جوش باہمت و مخلص احباب کو تاکید اکید فرمائی ہے وہ اس امر کی مقتضی تھی کہ اپنی جماعت کا کوئی فرد اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا لیکن موجودہ تعداد خریداری ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت اقدس عہ کے یہ دل کو ہلا دینے والے تاکیدی پُر زور الفاظ ابھی اپنی جماعت کے جملہ مخلص احباب کے کانوں تک نہیں پہونچے ورنہ اپنے مخلص احباب کی باہمت دل اور پر جوش روحین جب تک رسالہ کی خریداری کو حضرت اقدس عہ کی فرمائی ہوئی دس ہزار تعداد تک نہ پہونچا دیتیں اپنے پیارے مطاع امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجاآوری میں اپنے من تن دھن کسی قسم کی خدمت و اعانت سے فرق نہ رکھتین +

بلا ریب نسبتاً اب درخواست ہائے خریداری کا بڑھنا شروع ہو گیا ہو مگر الحال اس میں وہ روزافزون ترقی نظر نہین آتی جو جلد تر تعداد خریداری کو حضرت اقدس عہ کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہنچانے کے لئے درکار ہو لہذا ایک دفعہ پھر اپنے مخلص احباب و برادران کو حضرت اقدس ع کے ارشاد کی تعمیل کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعداد خریداری کو بڑھانے کی کوشش کے علاوہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے ان تاکیدی الفاظ کو اپنے دیگر برادران کے کانون تک پہنچانے کی بھی سعی فرماوین تاکہ اپنی جماعت کا ہر ایک مخلص بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے مطلع ہو کر رسالہ کی اشاعت و اعانت مین حسب استطاعت و حسب توفیق خود حصہ لیکر سابق بالخیرات بنے جو اسکے لئے باعث حصول ثواب عقبےٰ ہو حسنات دارین حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے کاش کوئی وقت پر اس کی قدر کرنے والا ہو۔ درگاہ رب العزت سے تہ دل سے دعا ہو کہ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم و رحمت غیر متناہی سے اپنی جماعت کے جمیع مخلص احباب کے دلونکو ایسی کارہائے خیر مین سبقت لیجانیکی توفیق بخشے جس سے ثمرات حسنہ اخروی حاصل کر سکین آمین۔ ثم آمین

(نوٹ) جملہ خریداران خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کرین۔ نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین توقف یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہوگی +

منیجر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی سٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی ہ

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۴ کو شائع ہوا - چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عه

"تفسیر سورۂ جمعہ"

نورِ فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✤ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے ✤ جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ✤ مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ✤ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

اعلان

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم و بطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نورٌ من اللہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے مجھے انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بینظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت عملی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیر میں بھی مسلم ہے۔ سوئم یہ سورۂ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلام خداوند کریم۔ الرحمٰن۔ الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا۔ سمجھنا سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورۂ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر میں ہی ملاحظہ فرماوینگے۔ اسکے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہیے کہ جس طرح آپ سے ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۱؎ ...... ایک جلد کے خریدار کو معہ محصولڈاک وغیرہ ۔۵؎ ٹکٹوں کے ذریعہ لفافہ میں بند کر کے بھیجنی چاہئیں۔
پانچ جلد عہ ؎ بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔
دس جلد ؎ ″ ″ ″
پچیس جلد للعہ ؎ ″ ″ ″

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نجات کیلئے کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے

اس عنوان کے ماتحت ہم یہ بحث کرین گے کہ اسلام انسان کی نجات کے لئے اُس سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے۔ اور آیا اسکے سوائے کسی اور مذہب نے بھی کوئی ایسی قربانی پیش کی ہے جو ذریعہ نجات ہو سکے۔ ظاہری قربانیان جو اسلام مین کی جاتی ہین وہ خدا تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری مین اور اس کا قرب حاصل کرنیکے لئے کی جاتی ہین۔ اسلام کی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم الشان قربانی کی یادگار ہے جو اس نے حکم الٰہی کی فرمانبرداری مین کرکے دکھائی اور قربانی کرنیوالے کے عمل کا اصل منشار یہ ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری مین ہر ایک چیز کو ابراہیم کی طرح قربان کرنیکو تیار رہے اور بکلی اللہ تعالےٰ کی رضا کے نیچے ہو کر چلتا ہے چنانچہ قرآن شریف مین قربانیون کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان کا گوشت پوست یا خون خدا کو نہین پہنچتا بلکہ اصل چیز جو اللہ تعالیٰ کی نظر مین منظور ہے۔ وہ تمہارا تقویٰ ہے۔ قربانی کے لئے جو الفاظ عربی زبان مین استعمال کئے جاتے ہین وہ خود اس امر پر بطور دلیل کے ہین کہ قربانی کا مفہوم اسلام مین دوہرا ہے۔ یعنی ایک تو وہ قربانی جو بطور خدا تعالیٰ کی عبادت کے کیجاتی ہے اور دوسرا روح کی سچی فرمانبرداری جو قربانی کا اصل منشا ہے۔ چنانچہ لفظ قربان قرب سے مشتق ہے جسکا منشا یہ ہے کہ جو انسان قربانی کو اخلاص اور خدا پرستی اور ایمانداری سے کرتا ہے اسکے لئے قربانی خدا تعالےٰ کے قرب اور ملاقات کا موجب ہوتی ہے اسی طرح پر قربانی کو نسیکہ بھی کہا گیا ہے جو نسک سے مشتق ہے جسکے اصل معنے عربی زبان مین طاعت اور عبادت ہین پس یہ اشتراک معنی کہ قربانی کے الفاظ کا لغوی مفہوم طاعت اور عبادت اور قرب الٰہی ہے قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سچا عابد فی الحقیقت وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے اور اس کی راہ مین اپنے نفس کو اپنے تمام محبوبات کو اور اپنی خواہشات کو قربان کر دیتا ہے۔ اور جس کی

نفسانی خواہشین ایسی مرجاتی ہین کہ گویا بالکل نیست ونابود ہو جاتی ہین جو شخص ان دو مشترک مفہومون پر غور اور تدبر کریگا وہ آسانی سے اس بات کو معلوم کر لیگا کہ اسلام مین قربانی کا مغز اللہ تعالے کی عبادت اور اطاعت ہے اور حقیقی عبادت ایک قربانی چاہتی ہے یعنی نفس امارہ کا ذبح کرنا انسان کو خدا سے دور کرتا ہے اور خدا تعالے کے تعلق کے سوا باقی تمام تعلقات کا توڑ ڈالنا۔ اور خدا کی راہ مین ہر طرح کے مصائب وشدائد برداشت کرنا۔ جبتک انسان قربانی نہین کرتا وہ خدا کا حقیقی عابد نہین کہلا سکتا اور اسوقت تک غفلت کی موت سے نجات نہین پاتا یہی لفظ اسلام کا مفہوم بھی ہے یعنی خدا تعالے کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جانا جسکے لئے ضرورت ہے خدا کے ماسوا کی قربانی کی حقیقی مسلم وہ ہے جو کامل طور پر خدا کے تابع ہو کر چلتا ہے اور جسکے شہوات اور خواہشات پر موت وارد ہو چکتی ہے۔ حاصل کلام اسلام مین قربانی نفس کی قربانی کا ایک ظاہری نشان ہے اور اس مقصود کے لئے بطور یاددہانی کے ہے اور اس مقام کے حاصل کرنیکے لئے بطور ترغیب کے ہے اور اس حقیقت کے لئے جو سلوک تام کے بعد حاصل ہوتی ہے ایک ارہاص ہے +

یہ وہ قربانی ہے جو اسلام انسان سے اُس کی نجات کے لئے چاہتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم سچی پاکیزگی حاصل کرنیکے لئے اپنے وجود کی پاک قربانی پیش کرین جو اخلاص کے پانیون سے دھوئی ہوئی اور صدق اور صبر کی آگ سے صاف کی ہوئی ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ بلےٰ من اسلم وجہہ للہ وہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون + یعنی جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھدے اور اپنی زندگی اسکی راہون مین وقف کرے اور نیکی کرنے مین سرگرم ہو سو وہ سرچشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائے گا۔ اور ان لوگون پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم یعنی جو شخص اپنے تمام قوے کو خدا کی راہ مین لگادے اور خالص خدا کے لئے اسکا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جائے۔ اور حقیقی نیکی کے بجالانے مین سرگرم رہے سو اسکو خدا اپنے پاس سے اجر دے گا اور خوف وحزن سے نجات بخشے گا۔ یاد رہے کہ یہی اسلام کا لفظ اسجگہ بیان ہوا ہے دوسرے لفظون مین قرآن شریف مین اس کا نام استقامت رکھا ہے جیساکہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم یعنی ہمین استقامت کی راہ پر قائم کر ان لوگون کی راہ جنہون نے تجھ سے انعام پایا اور جن پر آسمانی دروازے کھلے۔ واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اس کی علت غائی پر نظر کر کے سمجھی جاتی ہے۔ اور انسان کے وجود کی علت غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیساکہ وہ اطاعت ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ایسا ہی درحقیقت خدا کے لئے ہو جائے اور جب وہ تمام اپنے قوے سے خدا کے لئے ہو جائے گا تو بلاشبہ اسپر انعام نازل ہوگا جسکو دوسرے لفظون مین پاک زندگی کہہ

سکتے ہین۔ جیساکہ تم دیکھتے ہوکہ جب آفتاب کیطرف کی کھڑکی کھولی جائے تو آفتاب کی شعاعین ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہین ایسا ہی جب انسان خدا تعالی کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے اور اس مین اور خدا تعالی مین کچھ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اسپر نازل ہوتا ہے اور اسکو منوّر کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اسکے اندر پیدا ہوتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی۔ اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہ اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے ۔ من کان فی ہذہٖ اعمٰی فہو فی الآخرۃ اعمٰی واضلّ سبیلا + یعنے جو شخص اس جہان مین اندھا رہا اور خدا کے دیکھنے کا اسکو نور نہ ملا وہ اُس جہان مین بھی اندھا ہی ہوگا غرض خدا کے دیکھنے کے لئے انسان اسی دنیا سے حواس لیجاتا ہے۔ جسکو اس دنیا مین یہ حواس حاصل نہین ہوئے اور اسکا ایمان محض قصون اور کہانیون تک محدود رہا۔ وہ ہمیشہ کی تاریکی مین پڑے گا غرض خدا تعالے نے پاک زندگی اور حقیقی نجات حاصل کرنیکے لئے ہمین سکھلایا ہے کہ ہم بالکل خدا کے ہو جائین اور سچی وفاداری کے ساتھ اسکے آستانہ پر گرین اور اس بدذاتی سے اپنے تئین الگ رکھین کہ مخلوق کو خدا کہنے لگین اگرچہ مارے جائین ٹکڑے ٹکڑے کئے جائین آگ مین جلائے جائین اور خدا کی ہستی پر اپنے خون سے مہر لگائین۔ اسی وجہ سے خدا نے ہمارے دین کا نام اسلام رکھا تا یہ اشارہ ہو کہ ہمنے خدا کے آگے سر رکھدیا ہے۔

اس تمام تحقیق سے یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم نجات کے لئے انسان سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے اسکے خلاف عیسائی ایک اور قسم کی قربانی پیش کرتے ہین جسے وہ انسان کی نجات کے لئے ضروری سمجھتے ہین۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اس امر پر موقوف نہین ہے۔ کہ وہ اپنی دوئی کی قربانی کرے یا دوسرے لفظون مین پورے طور پر اللہ تعالی کی مرضی کے تابع ہوکر۔۔ اُس کی راہون مین چلے بلکہ انکے عقیدہ کی رو سے انسانون کی نجات یسوع کی قربانی سے ہوئی جسکے متعلق وہ یہ فرض کرلیتے ہین کہ وہ تمام دنیا کے گناہ اٹھا کر لے گیا گویا خدا نے اپنا اکلوتا بیٹا گنہ گارون کی قربان کر دیا اور اس قربانی کی قدر انکے نزدیک اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ خدا کے ہان یہ ایک ہی بیٹا تھا۔ عیسائی عقیدہ مین خدا کی محبت کی جو اسے انسان سے ہے یہ اعلے سے اعلے تجلّی ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر کے گنہ گارون کو نجات دیدی اور صرف یہی ایک ذریعہ نجات کا ہے۔ اسلئے اب ہمین ان دونون قسم کی قربانیون کا مقابلہ کر کے یہ دیکھنا ہے کہ ان مین سے واقعی اور سچی قربانی جسکا لازمی اور قدرتی نتیجہ نجات ہو کونسی ہے۔ اسلئے ہم پہلے یہ دیکھین گے کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے یعنی کیونکر انسان ایک پاکیزہ زندگی حاصل کر سکتا ہے جسے انسان کی نجات سمجھنا چاہئے۔ گناہ درحقیقت ایک ایک ایسا زہر ہے جو اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور پُر جوش محبت اور محبانہ یاد

الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اکھڑ جائے اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے اور اس کی تمام سرسبزی برباد ہو جاتی ہے یہی حال اُس انسان کا ہوتا ہے جسکا دل خدا کی محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے بس خشکی کی طرح گناہ اُسپر غلبہ کرتا ہے سو اِس خشکی کا علاج خدا کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے (۱) ایک محبت (۲) استغفار جسکے معنے ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑ جمی رہے تب تک وہ سرسبزی کا امیدوار ہوتا ہے (۳) تیسرا علاج توبہ ہے یعنے زندگی کا پانی کھینچنے کے لئے تذلل کے ساتھ خدا کیطرف پھرنا اور اس سے اپنے تئیں نزدیک کرنا۔ اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالح کے ساتھ اپنے تئیں باہر نکالنا۔ اور توبہ صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالح کے ساتھ ہے تمام نیکیاں توبہ کی تکمیل کے لئے ہیں کیونکہ سب سے مطلب یہ ہے کہ ہم خدا سے نزدیک ہو جائیں۔ دعا بھی توبہ ہے کیونکہ اس سے بھی ہم خدا کا قرب ڈھونڈتے ہیں اس لئے خدا نے انسان کی جان کو پیدا کر کے اسکا نام روح رکھا کیونکہ اسکی حقیقی راحت اور آرام خدا کے اقرار اور اس کی محبت اور اسکی اطاعت میں ہے اور اسکا نام نفس* رکھا کیونکہ وہ خدا سے اتحاد پیدا کرنیوالا ہے۔ خدا سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے یہی انسان کا جنت ہے۔ اور جس طرح درخت زمین کے پانی کو چوسنا اور اپنے اندر کھینچتا اور اس سے اپنے زہریلے بخارات باہر نکالتا ہے اسی طرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدا کی محبت کا پانی چوسکر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے اور بڑی آسانی سے ان مواد کو دفع کرتا ہے اور خدا میں ہو کر پاک نشو و نما پاتا جاتا ہے اور بہت پھیلتا اور خوشنما سرسبزی دکھلاتا اور اچھے پھل لاتا ہے مگر جو خدا میں پیوستہ نہیں وہ نشو و نما دینے والے پانی کو چوس نہیں سکتا اسلئے دمبدم خشک ہوتا چلا جاتا ہے آخر پتے بھی گر جاتے ہیں اور خشک اور بدشکل ٹہنیاں رہجاتی ہیں۔ پس چونکہ گناہ کی خشکی بے تعلقی سے پیدا ہوتی ہے اسلئے اس خشکی کے دور کرنے کے لئے سیدھا علاج مستحکم تعلق ہے جسپر قانون قدرت گواہی دیتا ہے اس کی طرف اللہ جلشانہ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنے اے وہ نفس جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کیطرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میرے بہشت کے اندر آ +

غرض گناہ کے دور کرنیکا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے۔ لہٰذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمہ سے نکلتے ہیں گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انسان خدا کے لئے نیک کام کر کے اپنی محبت پر مہر لگاتا ہے۔ یہ ہنسی کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے سردرد پر رحم کر کے اپنے سر پر پتھر مارے یا دوسرے کے بچانے کے خیال سے خودکشی کرے۔ دنیا میں کوئی ایسا دانا نہیں ہوگا کہ ایسی

* نفس لغت میں کہیں شے کے معنے رکھتا ہے۔ منہ۔

خودکشی کو انسانی ہمدردی میں خیال کر سکے۔ اگر بالفرض ایسا شخص ہمدردی کے خیال سے بھی ایسا فعل کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر دوسرے کے بچانے کی طاقت نہیں پاتا اور اسلئے مایوس ہو کر اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیتا ہے۔ بیشک انسانی ہمدردی عمدہ چیز ہے اور دوسروں کے بچانیکے لئے تکلیف اٹھانا بڑے بہادروں کا کام ہے۔ مگر کیا ان تکلیفوں کے اٹھانے کی یہی راہ ہے۔ جو یسوع کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کاش اگر یسوع خودکشی سے اپنے تئیں بچاتا اور دوسروں کے آرام کے لئے معقول طور پر عقلمندوں کی طرح تکلیفیں اٹھاتا تو اس کی ذات سے دنیا کو فایدہ پہنچ سکتا تھا۔ مثلاً اگر ایک غریب آدمی گھر کا محتاج ہے اور معمار لگانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اگر ایک معمار اسپر رحم کر کے اسکا گھر بنانے میں مشغول ہو جائے اور بغیر لینے اجرت کے چند روز سخت مشقت اٹھا کر اسکا گھر بنا دیوے تو بیشک یہ معمار تعریف کے قابل ہوگا اور بیشک اس نے ایک مسکین پر احسان بھی کیا ہے جسکا گھر بنا دیا لیکن اگر وہ اس شخص پر رحم کر کے اپنے سر پر پتھر مارے تو اس غریب کو اس سے کیا فایدہ پہنچے گا۔ افسوس دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو نیکی اور رحم کرنیکے معقول طریقوں پر چلتے ہیں اگر یہ سچ ہے کہ یسوع نے اس خیال سے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پا جائیں گے در حقیقت خودکشی کی ہے تو یسوع کی حالت نہایت ہی لائق رحم ہے اور یہ واقعہ پیش کرنے کے لائق نہیں بلکہ چھپانے کے لائق ہے۔

اور اگر ہم عیسائیوں کے اس اصول کو لعنت کے مفہوم کے رو سے جانچیں جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کر کے عیسائیوں نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا کی کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہیں کی ہوگی کیونکہ یسوع کا لعنتی ہو جانا گو وہ تین دن کے لئے ہی سہی عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل ہوا اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جائے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہو جاتے ہیں۔ گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے ÷

اور یہ باتیں جو یسوع نوع انسان کی محبت کیلئے دنیا میں بھیجا گیا اور نوع انسان کی خاطر اس نے اپنے تئیں قربان کیا۔ یہ تمام کارروائی عیسائیوں کے خیال میں اس شرط سے مفید ہے کہ جب یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یسوع اول دنیا کے گناہوں کے باعث ملعون ہوا۔ اور لعنت کی لکڑی پر لٹکایا گیا اس لئے یسوع مسیح کی قربانی لعنتی قربانی ہے گناہ سے لعنت آئی اور لعنت سے صلیب ہوئی اب تنقیح طلب یہ امر ہے کہ لعنت کا مفہوم کسی راستباز کیطرف منسوب کر سکتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ عیسائیوں نے یہ بڑی غلطی کی ہے کہ یسوع کی نسبت لعنت کا اطلاق جائز رکھا گو وہ تین دن تک ہی ہو یا اس سے بھی کم کیونکہ لعنت ایک ایسا مفہوم ہے جو شخص ملعون کے دل سے تعلق رکھتا ہے

اور کسی شخص کو اسوقت لعنتی کہا جاتا ہے جبکہ اسکا دل خدا سے بالکل برگشتہ اور اسکا دشمن ہو جائے اسلئے
لعین شیطان کا نام ہے اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ لعنت قرب کے مقام سے رد کرنیکو کہتے ہین
اور یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جسکا دل خدا کی محبت اور اطاعت سے دور جا پڑے اور در حقیقت
وہ خدا کا دشمن ہو جائے لفظ لعنت کے یہی معنے ہین جسپر تمام اہل لغت نے اتفاق کیا ہے۔ اب ہم
پوچھتے ہین کہ اگر در حقیقت یسوع مسیح پر لعنت پڑ گئی تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ در حقیقت وہ مورد
غضب الٰہی ہو گیا تھا اور وہ خدا کا دشمن ہو گیا تھا اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو گیا
تھا جیسا کہ لعنت کا مفہوم ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ لعنت کے دنون مین در حقیقت کافر اور خدا
سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور شیطان کا حصہ اپنے اندر رکھتا تھا پس یسوع کی نسبت ایسا اعتقاد
کرنا گویا نعوذ باللہ اسکو شیطان کا بھائی بناتا ہے ایک راستباز نبی کی نسبت ایسی بے باکی کوئی خدا ترس
نہین کریگا بجز اس شخص کے جو خبیث طبع اور ناپاک طبع ہو +

پس جبکہ یہ بات باطل ہوئی کہ حقیقی طور پر یسوع مسیح کا دل مورد لعنت ہو گیا تھا پس ساتھ
ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی لعنتی قربانی بھی باطل اور نادان لوگون کا اپنا منصوبہ ہے۔ اگر نجات
اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ اول یسوع کو شیطان اور خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ٹھہرایا جاوے
تو لعنت ہے ایسی نجات پر!! اس سے بہتر تھا کہ عیسائی اپنے لئے دوزخ قبول کر لیتے لیکن خدا کے
ایک مقرب کو شیطان کا لقب نہ دیتے افسوس کہ ان لوگون نے کیسی بیہودہ اور ناپاک باتوں پر بھروسہ
کر رکھا ہے ایک طرف تو خدا کا بیٹا اور خدا سے نکلا ہوا اور خدا سے ملا ہوا فرض کرتے ہین اور دوسری
طرف شیطان کا لقب اسکو دیتے ہین کیونکہ لعنت شیطان سے مخصوص ہے اور لعین شیطان کا نام
ہے اور لعنتی وہ ہوتا ہے جو شیطان سے نکلا اور شیطان سے ملا ہوا اور خود شیطان ہے۔ پس
عیسائیونکے عقیدہ کے رو سے یسوع مین دو قسم کی تثلیث پائی گئی۔ ایک رحمانی اور ایک شیطانی اور
نعوذ باللہ یسوع نے شیطان مین ہو کر شیطان کے ساتھ اپنا وجود ملایا اور لعنت کے ذریعہ سے شیطانی
خواص اپنے اندر لئے۔ یعنے یہ کہ خدا کا نافرمان ہوا خدا سے بیزار ہوا خدا کا دشمن ہوا۔ اب ناظرین انصاف
فرماوین کہ کیا یہ مشن جو مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے کوئی روحانی یا معقولی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا
ہے؟ کیا دنیا مین اس سے بدتر کوئی اور عقیدہ بھی ہو گا کہ ایک راستباز کو اپنی نجات کیلئے خدا کا دشمن
اور خدا کا نافرمان اور شیطان قرار دیا جائے؟ خدا کو جو قادر مطلق اور رحیم کریم تھا اس لعنتی قربانی کی
کیا ضرورت پڑی؟۔

پھر جب اس اصول کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ کیا اس لعنتی قربانی کی تعلیم یہودیونکو بھی
دیگئی ہے یا نہین تو اور بھی اسکے کذب کی حقیقت کھلتی ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالے کے

ہاتھ مین انسانون کی نجات کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ اسکا ایک بیٹا ہوا اور وہ تمام گنہگارونکی لعنت کو اپنے ذمہ لے اور پھر لعنتی قربانی بنکر صلیب پر کھینچا جائے تو یہ امر ضروری تھا کہ یہودیونکے لئے توریت اور دوسری کتابون مین جو یہودیونکے ہاتھ مین ہین اس لعنتی قربانی کا ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی عقلمند اس بات کو باور نہین کر سکتا کہ خدا کا وہ ازلی ابدی قانون جو انسانون کی نجات کے لئے اسنے مقرر کر رکھا ہے ہمیشہ بدلتا رہے اور توریت کے زمانہ مین کوئی اور ہو اور انجیل کے زمانہ مین کوئی اور قرآن کے زمانہ مین کوئی اور ہو۔ اب ہم جب تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور یہودیون کی تمام کتابون مین اس لعنتی قربانی کی تعلیم نہین ہے۔ نجات کے بارہ مین توریت کی تعلیم بالکل قرآن کے مطابق ہے یعنے خدا کی طرف سچا رجوع کرنا اور گناہون کی معافی چاہنا اور جذبات نفسانیہ سے دور ہوکر خدا کی رضا کے لئے نیک اعمال بجا لانا اور اسکے حدود اور قوانین اور احکام اور وصیتون کو بڑے زور اور سختی کے ساتھ بجا لانا یہی ذریعہ نجات ہے جو بار بار توریت مین ذکر کیا گیا جسپر ہمیشہ خدا کے مقدس نبی پابندی کراتے چلے آئے ہین اور جسکے چھوڑنے پر عذاب بھی نازل ہوتے رہے ہین۔

اب ہم مختصر طور پر یہ دکھانا چاہتے ہین کہ یسوع کی قربانی کے متعلق عیسائیونکے درمیان یہ خیال کیونکر پیدا ہوا۔ ایک ہی امر پر غور کرنیسے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ عیسائیون نے یہ عقیدہ کس طرح بنایا۔ مسیح سے پہلے جو نبی گذرے ہین ان کے متعلق تو ہم دکھا چکے ہین کہ انہون نے عیسائیون والے طریق نجات کی کبھی تعلیم نہین دی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود یسوع نے بھی اس عقیدہ کی تعلیم اپنی ساری عمر مین نہین دی اور وہ اپنی پیدائش سے لیکر موت تک یہودی عقیدہ کا پابند رہا اسکی شہادت اناجیل سے ملتی ہے۔ یسوع کی ماں کا بچہ جننے کے بعد موسوی شریعت کے مطابق قربانی کرنا۔ یسوع کا اپنا معہ والدین کے یروشلم کو عید فسح کے موقعہ پر جانا اور پھر صلیب سے پہلی رات اپنے تمام شاگردون سمیت عید فسح کا منانا یہ تمام امور۔۔۔۔ جو اناجیل مین مذکور ہین ظاہر کر رہے ہین۔ بلکہ قطعی طور سے اس امر کو ثابت کر رہے ہین کہ پیدائش سے لیکر موت تک یسوع موسوی شریعت پر عمل کرتا رہا۔ اور اسکو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا رہا اور خود کوئی نیا عقیدہ اپنی قربانی کا اسنے نہین سکھلایا یہی نہین کہ یسوع خود ہی موسوی شریعت کے احکام کے مطابق اسی معمولی قربانی کا پابند رہا ہے بلکہ وہ تعلیم بھی اسی قربانی کی دیتا رہا اور ایک لفظ تک اناجیل مین نہین پایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ یسوع یہ سمجھتا تھا کہ اسکی قربانی سے پہلی قربانیونکا قانون منسوخ ہو چکا ہے انجیلونکے قصے کے مطابق اس نے جب ایک مجذوم کو اچھا کیا تو اسے کہا کہ کاہن کے پاس جا اور موسےٰ کی شریعت کے مطابق قربانی گذران (مرقس ۱/۴۴)۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی پر ایسا بڑا معجزہ یسوع نے دکھایا یا وہ اسپر ایمان

بھی رکھتا ہوگا لیکن باوجود ایمان کے یسوع نے اسے شریعت کے مطابق قربانی کرنیکا حکم دیا۔ اور پھر اپنی پہاڑی وعظ مین جس پر عیسائیون کو بہت بڑا فخر ہے۔ یسوع کہتا ہے "پس اگر تو قربانگاہ مین اپنی نذر لیجاوے اور وہان تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھ سے کچھ مخالفت رکھتا ہے تو وہان اپنی نذر قربانگاہ کے سامنے چھوڑ کے چلا جا۔ پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آکے اپنی نذر گذران" (متی ۵ باب ۲۳-۲۴) یہ یسوع کی صاف صاف تعلیم ہے۔ علاوہ ازین اس کی اس تعلیم مین جو اناجیل مین موجود ہے ایک لفظ بھی ایسا نہین ملتا جس سے یہی سمجھا جاوے کہ یہودیون مین قربانی کے اصول پر اس نے کوئی نئی روشنی ڈالی ہو یا اسکا نبی اسرائیل کے پیغمبرون کی نسبت کوئی عمدہ فلسفہ بیان کیا ہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہود کے اندر قربانی کا مسئلہ ایک سطحی مسئلہ یا روحانیت سے خالی تھا۔ بلکہ انبیا نے قربانی کی اصل حقیقت کو ان پر خدا تعالے سے الہام پاکر منکشف کر دیا تھا۔ بعنوان "روحانیت مسئلہ قربانی" جیوش انسکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۷۶۔ پر لکھا ہے "موسوی شریعت مین قربانی کا خون گرانیکا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالی سے دوبارہ تعلق قائم کیا جاوے اور روح اور اسکے خالق کے درمیان بُعد کو دور کر کے پھر صلح پیدا ہو اسلئے اس قسم کی قربانی کے ساتھ گناہونکا اقرار بھی لازمی تھا جن گناہونکے کفارہ کے طور پر یہ قربانی دیجاتی تھی۔ ...... یا جیساکہ فائلو کہتا ہے "یہ غرض بغیر توبہ کے خلوص کے حاصل نہین ہو سکتی یعنی صرف الفاظ سے نہین بلکہ اعمال سے اور ایسی تسلیم سے جو اسے بیماری سے شفا دے اور اسکی صحت کو قائم کرے" اور پھر لکھا ہے " درآنحالیکہ قربانی کی رسومات صرف لوگون کے دلونپر اللہ تعالے کی تقدیس اور انسان کی گنہگاری کے خطرناک نتائج کا اثر پیدا کرنیوالی تھین گناہونکے کفارہ کا خیال انبیا کی زندگی اور تعلیم مین ایک بڑے گہرے اور روحانی معنے حاصل کر چکا تھا ہوسیع ۔ عاموس ۔ میکہ اور فرقی ایل نے توبہ کے سوا کوئی ذریعہ اللہ تعالے سے صلح کا اور گناہ کے بُعد کو دور کرنیکا نہین تسلیم کیا" چنانچہ ہوسیع باب ۱۴ مین ہے۔ اے اسرائیل تو خداوند اپنے خدا کیطرف پھر کیونکہ تو اپنی بدکاری کے سبب گر گیا۔ تم کلمہ ساتھ لے کے خداوند کیطرف پھرو۔ اور اسے کہو کہ ساری بدکاری کو دور کر اور ہمین عنایت سے قبول کر۔ تب ہم اپنے ہونٹھون کے بچھڑے نذر گذرانین گے (ہوسیع ۱۴/۱-۲) اور ایسا ہی میکہ نبی کہتا ہے۔ مین کیا لیکے خداوند کے حضور مین آؤن اور خدا تعالے کے آگے کیونکر سجدہ کرون کیا سوختنی قربانیون اور ایک سالہ بچھڑون کو لیکر اسکے آگے آؤنگا۔ کیا خداوند ہزارون مینڈھون سے یا تیل کی دس ہزار نہرون سے خوش ہوگا کیا مین اپنے پلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض اپنے پیٹ کے پھل کو اپنی جان کی خطا کے بدلے مین دیڈالونگا۔ اے انسان اس نے تجھے وہ دکھایا ہے جو کچھ کہ بھلا ہے اور خداوند تجھ سے اور کیا چاہتا ہے مگر یہ کہ تو انصاف کرے اور رحمدلی کو پیار کرے اور اپنے خدا کے ساتھ فروتنی سے چلے۔ (میکہ ۶/۶-۸) ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیونکا اصل عقیدہ کیا تھا اور یسوع نے

نہ اس سے کچھ کم کیا اور نہ اسپر کچھ بڑھایا بلکہ اسیکا پابند رہا۔ ابتدائی زمانہ کے عیسائی بھی اپنے استاد کے قدم بقدم چلتے رہے اور ہیکل مین عبادت کرتے اور قربانیان گذرانتے رہے جیساکہ یہودی کرتے تھے بلکہ پولوس بھی جس نے آخرکار شریعت کے احکام کو چھوڑ کر نیا دین بنایا۔ ابتدائے زمانہ مین جب اس نے عیسائی واعظ کا کام شروع کیا اسی عقیدے کا پابند تھا چنانچہ فیلکس کے سامنے اس نے یہی اظہار دیا کہ مین موسوی شریعت کے مطابق عبادت کرتا اور نذر چڑھاتا اور شریعت کے سب احکام پر یقین رکھتا ہون۔ (اعمال باب ۲۴)۔

ان تمام باتون پر غور کرکے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی صلیب سے کچھ عرصہ بعد تک عیسائیون نے ہرگز کوئی نیا عقیدہ نجات کا نہین گھڑا اور نہ ہی پچھلے عقیدہ کو منسوخ سمجھا۔ بلکہ یہ بھی نہین کہ صلیب کے مابعد ان کا عقیدہ بدل گیا ہو۔ اور یہ سمجھ لیا گیا ہو کہ یسوع کی قربانی نجات کے لئے ایسی کافی ہے کہ نجات کا طریقہ جو انبیاء نے سکھایا تھا وہ اس سے منسوخ ہوگیا۔ اگر یسوع اپنی موت کا واقعی کوئی ایسا اثر سمجھتا تو سب سے پہلے وہ اپنے حواریون کو یہ تعلیم دیتا کہ میری موت سے موسےٰ کی شریعت منسوخ ہو جائیگی اور عیسائیونکا ابتدا ہی سے یہی عقیدہ ہوتا۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ یہ عقیدہ بتدریج پیدا ہوا اور بڑھتا گیا جیساکہ نئے نئے مشکلات پیش آتے گئے پہلے یسوع کی قربانی کو محض استعارہ کے رنگ مین بیان کیا گیا اور پھر آہستہ آہستہ اسکے لفظی معنے لئے گئے۔ یسوع کی ظاہری موت اس کی رسالت سے اسقدر تھوڑا عرصہ بعد اسقدر مشکلات کا سبب نہ تھے۔ جیسے کہ اس موت کا طریق۔ موسےٰ کی شریعت نے یہ فتوے دیا تھا کہ جو صلیب پر مرے گا وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیون نے سازش کی کہ مسیح کو صلیب مارا جائے تاکہ عوام کی یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ یسوع بہ سبب ہونیکے (نعوذ باللہ) خدا کی لعنت کے نیچے ہے اور اسلئے وہ سچا نبی بلکہ ایک راستباز انسان بھی نہین ہو سکتا۔ بظاہر اس مدعا مین یہودی کامیاب بھی ہوگئے۔ اور اسواسطے جب وہ عیسائیونکو بار بار یہ طعنے دینے لگے کہ تمہارا مرشد خدا کی لعنت کے نیچے ہے۔ تو عیسائی مجبور ہوئے کہ اس کی صلیب کے لئے کوئی توجیہ پیدا کرین یعنی یہ توجیہ انکو سوجھی کہ یسوع لوگون کی خاطر قربان ہوا اور انہی کی خاطر ملعون ہوا۔ اور جب ایک دفعہ یہ توجیہ کارگر معلوم ہوئی تو پھر دن بدن اسکا اثر زیادہ پھیلنا شروع ہوگیا۔ یہ خیال بھی توریت سے ہی لیا گیا جہان انبیاء کی اپنی امتون کیخاطر طرح طرح کے مصائب برداشت کرنیکا ذکر ہے۔ انبیاء بھی اپنی امتون کے گناہونکی معافی چاہتے تھے مگر نہ خودکشی کرکے بلکہ روزے اور عبادت اور دعا اور شفاعت کے ذریعہ چنانچہ جب حضرت موسےٰ کی قوم نے بچھڑے کی عبادت کی تو اللہ تعالے انپر سخت ناراض ہوا اور انکو ہلاک کرنیکا ارادہ کیا تب موسےٰ خدا کے آگے روئے اور تضرع کیا اور دعا کی کہ اس عذاب کو اس کی قوم کے سر سے ٹال دیا جائے اور ان کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ تب حضرت موسےٰ کی شفاعت اللہ تعالےٰ

نے قبول کر کے بنی اسرائیل کے گناہ کو معاف کیا (خروج ۳۲/۳۰) یہ معنے تھے راستبازون کے گنہ گارون
کی خاطر مصائب برداشت کرینگے اور ہر ایک عقلمند انسان آسانی سے اسکو سمجھ سکتا ہے لیکن عیسائیون
کو جب سخت مشکلات کا سامنا ہوا تو انہون نے اسی خیال سے ایک پرلے درجہ کا بیہودہ عقیدہ بنا لیا
کہ ایک انسان باقی دنیا کے لئے خودکشی کر کے انکو نجات دے سکتا ہے اور خود ان کی ساری لعنتین
اٹھا لیتا ہے اور جو نتائج سزا اور عذاب کے گنہ گارون نے بھگتنے تھے وہ خود بھگت سکتا ہے یعنی خدا سے
بیگانہ ہو جاتا ہے بیزار ہو جاتا ہے اسکا دشمن ہو جاتا ہے اور شیطان کا بھائی بن جاتا ہے +

پھر جب اس عقیدہ کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ باوجودیکہ توریت کی متوارث اور قدیم تعلیم
کی مخالفت کی گئی اور ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا گیا اور ایک راستباز کے دل کو لعنتی اور خدا سے
دور اور مہجور اور شیطان کا ہم خیال ٹھہرایا گیا پھر ان سب خرابیوں کے ساتھ اس لعنتی قربانی کو قبول
کرنیوالون کے لئے فائدہ کیا ہوا۔ کیا وہ گناہ سے باز آ گئے یا ان کے گناہ بخشے گئے تو ادھر بھی اس عقیدہ
کی لغویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ گناہ سے باز آنا اور سچی پاکیزگی حاصل کرنا تو بداہت خلاف واقعہ
ہے کیونکہ یسوع کے حواریون سے بھی ایمان لانے کے بعد قابل شرم گناہ سرزد ہوئے اور یورپ مین
جو آج کل شراب خواری اور زناکاری کا طوفان برپا ہے اسکے لکھنے کی حاجت نہین۔

اب دوسرا شق یہ ہے کہ اگر گناہ رک نہین سکتے تو کیا اس لعنتی قربانی سے ہمیشہ گناہ بخشے
جاتے ہین۔ گویا یہ ایک نسخہ ہے کہ ایک طرف ایک بدمعاش ناحق کا خون کر کے یا چوری کر کے یا جھوٹی
گواہی سے کسی کے مال یا جان یا آبرو کو نقصان پہنچا کر اور یا کسی کے مال غبن کیطور پر دبا کر اور پھر
اس لعنتی قربانی پر ایمان لا کر خدا کے بندون کے حقوق کو ہضم کر سکتا ہے اور ایسا ہی زناکاری
کی ناپاک حالت مین ہمیشہ رہ کر صرف لعنتی قربانی کا اقرار کر کے خدا تعالے کے قہری مواخذہ سے
بچ سکتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہین کیونکہ اس سے تو کوئی گناہ گناہ نہین رہتا
اور مذہب کی آڑ مین ہر قسم کی بدمعاشی جائز ہو جاتی ہے علاوہ ازین کفارے کے عقیدے کو ان
ہر دو نتائج سے کوئی تعلق بھی نہین یہ ایک لغو خیال ہے کہ جب ایک انسان یہ خیال کرے کہ
یسوع اس کی خاطر مر گیا ہے تو وہ گناہ سے بچ جاتا ہے یا گناہ کرے تو اسکے گناہ معاف ہو جاتے
ہین ہم پہلے دکھا چکے ہین کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے۔

غرضیکہ اس امر کا کوئی ثبوت نہین کہ یسوع کی قربانی نجات کا ذریعہ ہو سکتی ہے یا انسان
کو پاک زندگی عطا کر سکتی ہے بلکہ سچا عقیدہ یہی ہے کہ انسان کے اپنے نفس اور خواہشات کی
قربانی ہی اسے اللہ تعالے کا مقرب بنا سکتی ہے ہم یہ نہین کہتے کہ عیسائیون مین اچھے لوگ بالکل
نہین بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ جو لوگ ان مین سے نیکی پر قائم ہین وہ ایک کم درجہ کی نیکی انکی فطرتی سعادت

کے سبب سے ہے نہ کفارے سے۔ لیکن مذہب کے اثر کے رو سے کسی قوم کا اچھا ٹھہرانا کسی مذہب کو کسی قوم کی شائستگی کا اصل موجب قرار دینا اسوقت ثابت ہوگا کہ اس مذہب کے بعض کامل پیروؤن مین اس قسم کے روحانی کمال پائے جائین جو دوسرے مذہب مین ان کی نظیر نہ مل سکے سو ہم زور سے کہتے ہین کہ یہ خاصہ اسلام مین ہے اسلام نے ہزارون لوگون کو اس درجہ کی پاک زندگی تک پہنچایا ہے جسمین کہہ سکتے ہین کہ گویا خدا کی روح ان کے اندر سکونت رکھتی ہے قبولیت کی روشنی انکے اندر ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ گویا وہ خدا کی تجلیات کے مظہر ہین۔ یہ لوگ ہر ایک صدی مین ہوتے رہے ہین اور ان کی پاک زندگی بے ثبوت نہین اور نرا اپنے منہ کا دعوے نہین بلکہ خدا گواہی دیتا رہا ہے کہ ان کی پاک زندگی ہے۔ یاد رہے کہ خدا تعالے نے قرآن شریف مین اعلے درجہ کی پاک زندگی کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ ایسے شخص سے خوارق ظاہر ہوتے ہین اور خدا تعالے ایسے شخصون کی دعا سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور پیش از وقت انکو غیب کی خبرین بتلاتا ہے اور انکی تائید کرتا ہے سو ہم دیکھتے ہین کہ ہزارون اسلام مین ایسے ہوتے آئے ہین چنانچہ اس زمانہ مین یہ نمونہ دکھلانے کے لئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود ہین جن پر یہ تمام برکات اکمل اور اتم طور پر نازل ہو رہی ہین۔ مگر عیسائیون مین یہ لوگ کہان اور کس ملک مین رہتے ہین جو انجیل کے قرار دادہ نشانیون کے موافق اپنا حقیقی ایمان اور پاک زندگی ثابت کر سکتے ہین؟ ہر ایک چیز اپنی نشانیون سے پہچانی جاتی ہے جیسا کہ ہر ایک درخت اپنے پھلون سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اگر پاک زندگی کا صرف دعوے ہی ہو اور کتابون کے مقرر کردہ نشان اس دعوے پر گواہی نہین دیتے تو یہ دعوے باطل ہے کیا انجیل نے سچے اور واقعی ایمان کی کوئی نشانی نہین لکھی؟ کیا اس نے ان نشانون کو فوق العادت کے رنگ مین بیان نہین کیا؟ پس اگر انجیلون مین سچے ایماندارون کے نشان لکھے ہین تو ہر ایک عیسائی پاک زندگی کے مدعی کو انجیل کے نشانون کے موافق آزمانا چاہیئے۔ ایک بڑے بزرگ پادری کا ایک غریب سے غریب مسلمان کے ساتھ روحانی روشنی اور قبولیت مین مقابلہ کر کے دیکھ لو تو معلوم ہوگا کہ حقیقی ایمان اور واقعی پاک زندگی جو آسمانی روشنی سے حاصل ہو بجز اسلام کے کسی طرح مل نہین سکتی۔ یہ پاک زندگی جو اہل اسلام کو ملی ہے۔ یہ صرف منہ کی لاف و گزاف نہین اسپر آسمانی گواہیان ہین کوئی پاک زندگی بجز آسمانی گواہی کے ثابت نہین ہو سکتی۔ اور کسی کے چھپے ہوئے نفاق اور بے ایمانی پر ہم اطلاع نہین پا سکتے تا ان جب آسمانی گواہی والے پاک دل لوگ کسی قوم مین پائے جائین تو باقی تمام قوم کے لوگ بظاہر پاک زندگی نما بھی پاک زندگی والے سمجھے جائینگے کیونکہ قوم ایک وجود کے حکم مین ہے اور ایک ہی نمونہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو آسمانی پاک زندگی مل سکتی ہے۔

ایلسن اور اکبر مسیح کے مضامین عصمت انبیاء پر

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوع پھل کھانیکے متعلق ہم کُل بحث رسالہ کے پچھلے نمبر مین کر چکے ہین۔ اور انکے باقی اعتراضون کا جواب جو حضرت آدمؑ کے متعلق یا جیسے مسیح حضرت داؤدؑ کے متعلق ہین اب دیتے ہین۔ ان الزامات کا مفصل جواب ہم سال گذشتہ مین جولائی اور اگست کے پرچون مین دے چکے ہین۔ اور ایلسن یا الف میم دونون مین سے کسی نے ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہین دیا اور نہ جواب دینے کی کوشش کی ہے مثلاً ہم نے دس دلایل اس دعوے کے اثبات مین دئے تھے کہ سورہ اعراف کی آیت زیر بحث مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہے لیکن ہر دو معترضین نے جنکا دعوے یہ ہے کہ وہ ہمارے مضمون کی تردید کر چکے ہین ایک دلیل پر بحث نہین کی۔ شاید ہم یہ کہنے مین غلطی پر نہین کہ اس طریق بحث سے یہ لوگ پبلک کو دھوکا دے رہے ہین یعنی اس امر کو جانکر کہ انہون نے تردید کوئی نہین کی۔ کتابون مین اور اخبارون مین مضمون اس رنگ مین لکھ رہے ہین کہ گویا ہمارے دلائل کی تردید کر چکے ہین۔ مشکل یہ ہے کہ اگر مباحثہ اسی صورت مین چلا جائے تو کبھی ختم نہین ہو سکتا۔ چونکہ بے ضرورت ان مضامین کو طوالت دینا فضول ہے اسلئے جو دلایل ہم پہلے دے چکے ہین اور جنکا ابتک کوئی جواب نہین دیا گیا انکو ہم اسجگہ نہین دہرائین گے ناظرین کو چاہیئے کہ مضمون کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے پہلے مضامین کو ساتھ پڑھین

الف میم روحانی امور مین قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ اسکے طریق مناظرہ سے یہی سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی اور کام کے لئے بنایا گیا ہے اسکے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان خدا تعالے کی رضا کی راہون مین چل سکے اور اسکے نزدیک صالحین کبھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتے بلکہ ہر ایک آدمی جو دنیا مین پیدا ہوا شیطان کے قابو مین چلا آیا ہے اور اسلئے اسے اس بات سے بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم صالحین کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ اللہ تعالے انکو گناہ سے محفوظ کر دیتا ہے صرف اگر وہ صالح کے معنے ہی کسی لغت کی کتاب مین دیکھ لیتا تو ایسا اعتراض جس کی وجہ صرف ناواقفیت ہے نہ کرتا۔ صالح کے معنے ہین ایسا انسان جو نیک ہو۔ کسی قسم کا فساد اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ راستباز ہو۔ پاک ہو اور نیک کام کرنیوالا ہو۔ قرآن شریف انبیاء کو صالحین مین سے قرار دیتا ہے اور نہ ہی جیسا کہ پادریون کا خیال ہے حضرت مسیح کو مستثنی کرتا ہے کہ وہ صالحین مین سے ایک نہ تھے بلکہ انکو خصوصیت سے من الصالحین کہا ہے یعنی وہ بھی صالحین مین سے ایک تھے اور یہ کلمہ تعریف کے موقعہ پر استعمال کرتا ہے۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت

مسیح کو تو صالحین مین سے ہونیکا فخر ہو اور ان کے جھوٹے پیرو ون کو آج شرم آتی ہو کہ انہین صالحین مین سے ایک سمجھین - اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ جب صالح کے معنے ہی یہ ہین کہ وہ راستبازی اور نیکی کی راہون مین چلنے والا اور فساد سے خالی ہو تو اسکو معصوم کہنے پر اعتراض کیسا - ہان پادری صاحب لغت پر یہ اعتراض کرین کہ کیون اسکے یہ معنے دئے لیکن اگر الف میم صرف عیسائیون کے متعلق یہ کہتا کہ ان مین سے کوئی بھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتا اور کبھی کوئی عیسائی اس اعلے مرتبہ تک نہین پہونچ سکتا تو ہمین اس سے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ واقعی یہ سچ ہے اور در اصل یہی فخر تو اسلام کو ہے کہ اسکے اندر ایسے راستباز ہر زمانے مین پائے جاتے ہین کیونکہ وہ زندہ مذہب ہے اور اس کی برکات قیامت تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہین حالانکہ دوسرے کسی مذہب مین ایسے کامل افراد نہین پائے جاتے - یہی نہین بلکہ عیسائی تو اس مقتدر اور زندہ خدا سے بہ سبب اپنی مردہ پرستی کے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ انکے فہم اس بات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہین کہ کیونکر ایک انسان گناہ کی بنیادستون سے نکل کر نیکی کے اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہے جہان شیطان اسپر تصرف نہین پا سکتا - وہ انسان کو ایک نہایت حقیر ہستی سمجھتے اور اس کی اخلاقی حالت کو اسقدر گرا ہوا سمجھتے ہین کہ وہ اس خیال کو بھی پسند نہین کرتے کہ انسان کبھی شیطان کے قابو سے نکلے - انسان جس کمال کو پہونچ سکتا ہے محض اس کی ناواقفیت کیوجہ سے الف میم اس بات کو نہین سمجھتا کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد بھی جن کو وہ "امتی راستباز" کہتا ہے - عصمت کے بلند مقام پر پہونچ سکتے ہین - اگر یہ سچ نہین تو پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ اگر مذہب کی غرض صرف یہی ہے کہ انسان کسی قدر نیک ہو جاوے اور ایک ناقص اخلاقی حالت تک پہونچ جاوے تو وہ غرض تو اسکے بغیر بھی پوری ہو رہی ہے - الف میم انکار کرے تو اسکا اختیار ہے مگر کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہین کر سکتا کہ دہریون اور بت پرستون کو نیک صفات سے خالی نہین کہا جا سکتا - مذہب کی غرض اس سے بہت بڑھکر ہے کیونکہ وہ انسان کو کمال کے اوج پر پہونچاتا ہے اور اگر کوئی مذہب اس غرض کو پورا نہین کرتا تو یقیناً وہ مذہب نابود ہو جائیگا خواہ جلدی ہو خواہ دیر سے ہو - شائد الف میم اس بات کو جانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ عیسائی مذہب انسان کو اس کمال پر نہین پہونچا سکتا اور ہم بھی جانتے ہین کہ یہ بالکل صحیح ہے اور یقین رکھتے ہین کہ یہ سچ ہے لیکن ساتھ ہی ہم اسکو یہ خوشخبری دیتے ہین کاش وہ دل رکھتا ہو کہ اس بلند مقام پر انسان اسلام کے پاک مذہب کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اس نے عیسائی مذہب کو آزما کر اور تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے (جیسا کہ اسکے اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد انسانی بھی عصمت کے مرتبہ پر پہونچ سکتے ہین) کہ یہ مذہب اس غرض کو پورا کرنے سے قاصر ہے

جو سچے مذہب سے ہو سکتی ہے اور اصل میں اس بات کو تو وہ پہلے بھی سمجھ سکتا تھا اگر خدا تعالےٰ اسے سمجھ دیتا کیونکہ وہ
دیکھ سکتا تھا کہ جو نشان انجیل راستبازوں کے لئے مقرر کرتی ہے وہ کسی عیسائی میں نہیں پائے جاتے
اور اسلام کے متعلق جو ہم نے دعوے کیا ہے وہ بے دلیل نہیں۔ ابتداء سے اسلام نے یہی تعلیم دی ہے
کہ وہ انسان کو کمال کے بلند مقام تک پہونچا سکتا ہے بلکہ اسکا نام ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس مقصد
عالی کو پورا کرتا ہے۔ جو راستہ اسلام انسان کو بتاتا ہے اسکا ذکر اس آیت شریف میں ہے۔ بلیٰ من
اسلم وجہہ للّٰہ و ہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون یعنے جو شخص اپنے
سارے قوے کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی رضا کے پورے طور پر تابع ہو جاتا ہے اور نیک کاموں پر
قائم ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے نیک اجر پاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنپر نہ کوئی خوف ہے
اور نہ انہیں کوئی حزن ہوگا۔ لفظ اسلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ کامل
طور پر اللہ تعالےٰ کی مرضی کے نیچے چلنے والا ہو۔ اور یہ معنے بھی ہیں کہ مذہب اسلام کو اختیار کرے
اس اشتراک معنے سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ سچے طور پر وہی شخص مذہب اسلام کو اختیار
کرتا ہے جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اب الف میم ہمیں بتادے کہ اس
مرتبہ سے کہ انسان اپنے وجود کو اپنے سارے قوے کے ساتھ خدا تعالےٰ کو سونپ دے اور
ہر ایک امر میں اسی کی مرضی کو دیکھے اور اسی کی فرمانبرداری کرے جو اسلام کا مفہوم ہے اس
مرتبہ سے بڑھ کر کونسا مرتبہ کمال کا ہے جسکے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش کرنی چاہیے
عصمت کا مفہوم کیا ہے یہی تو ہے کہ انسان خدا کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ جو شخص پورے طور
پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق چلتا ہے وہ عصمت کے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم
کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ جب اسکے رب نے
اسے حکم دیا کہ میرا فرمانبردار ہو تو اس نے کہا میں سارے جہانوں کے خداوند کا فرمانبردار ہوں یہ
فرمانبرداری حضرت ابراہیم کی دوسرے رنگ میں قرآن شریف میں یوں مذکور ہے واذ
ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن۔ جسکا منشا یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دیئے
تھے ان سب کو ...... اس نے پورا کیا۔ اور پھر اسی مقام کیطرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے وابراہیم الذی وفی۔ یعنے حضرت ابراہیم نے احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں اور
اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق میں پوری وفاداری دکھلائی۔ ان تمام باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ
کی رضا کے پورے طور پر تابع ہو جانا یہی وہ اعلےٰ مقام ہے جس پر پہونچنے کی انسان کو کوشش کرنی
چاہیئے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جاوے تو پھر وہ ہر طرح سے اللہ تعالےٰ کے احکام کے نیچے
ہو کر چلتا ہے اور نافرمانی اس سے صادر نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام انسان کو

اس اعلی مقام پر پہونچاتا ہے - اس مقام کے کمال کے متعلق خود قرآن شریف فرماتا ہی - ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وہو محسن واتبع ملۃ ابراہیم حنیفا واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا + یعنی فرمانبرداری مین اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کو سونپ دے اور اسی کی رضا کے تابع ہو جاوے - اور نیک کامون پر قائم ہو جاوے اور ابراہیمی طریقہ کو اختیار کرے جو فرمانبرداری الہی مین خالص اور یکرنگ تھا اور اللہ تعالے نے ابراہیم کو دوست بنایا -

ہم نہین کہہ سکتے کہ ان تمام امور سے الف ہم جیسے عیسائی کی تسلی ہو سکتی ہی یا نہین لیکن کوئی سمجھدار آدمی اس نتیجہ کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہین پہنچ سکتا کہ اسلام انسان کو کامل فرمانبرداری کے مرتبہ پر پہونچا سکتا ہے - اس مرتبہ پر جس کی تعریف حضرت ابراہیم کی بابت مین کیگئی ہی اور جسکے سبب سے اللہ تعالے نے اسے دوست کے نام سے یاد فرمایا - یہ وہ مرتبہ ہے جسپر سچا مسلمان پہونچتا ہی لیکن یہ راستہ ان لوگونکے لئے بند ہے جو اسلام پر نہین چلتے - قرآن شریف سب مسلمانونکو یہی ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اس راستے کو ڈھونڈین اور اسپر چلین - چنانچہ سورۂ فاتحہ مین جو ہر مسلمان کو پانچ وقت نماز مین پڑھنی پڑتی ہے - یہ دعا سکھائی گئی ہے - اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم - ہمین استقامت کے راستے پر چلا ان لوگونکے راستے پر جنپر تیرے انعام نازل ہوتے رہے + یہ صاف طور پر سمجھ مین آتا ہی کہ یہ راستہ انبیاء اور برگزیدونکا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالے کے انعام سب سے بڑھکر الہی لوگونپر نازل ہوئے - جب خدا تعالے ہمین خود یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمین وہی نعمتین طلب کرنی چاہئین جو پہلے برگزیدون اور انبیاء کو عطا ہوئین تو اسکا صاف اور سیدھا نتیجہ یہ ہی کہ جنکو وہ اس قابل پاتا ہے انکو وہ نعمتین کامل طور پر بھی عطا فرماتا ہے اگر اللہ تعالے کا یہ منشاء ہوتا کہ جو انعامات انبیاء پر نازل ہوئے وہ اور کسی فرد کو نہ دئے جاوین تو کیون یہ دعا سکھائی جاتی جسکے ذریعہ سے ہمین وہ نعمتین طلب کرنی چاہئین اور کیون اس دعا کو ہر ایک مسلمان پر فرض کیا جاتا - نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہی کہ ان انعامات سے مراد وہ انعامات ہین جو نبیون پر نازل ہوئے کیونکہ دنیوی نعمتین اس جگہ کسی صورت مین مراد نہین ہو سکتین - علاوہ ازین اس دعا کے بعد جو الفاظ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین واقع ہوئے ہین وہ اور بھی اس امر پر روشنی ڈالتے ہین کیونکہ ان الفاظ سے جن مین غضب الہی اور غلطیون والے راہ کی نفی کیگئی ہی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمین وہ راہ طلب کرنی چاہئے جو ہر قسم کی غلطیونسے پاک ہو اسلئے ہمکو محض اس بات پر مطمئن نہین ہو جانا چاہئے کہ ہم اگرچہ کسی قدر غلطیونمین پڑے ہوئے ہین لیکن کسیقدر رخنے پر بھی ہین - جو راہ ہمین بتائی گئی ہی وہ راہ کامل راستبازونکی راہ ہی - وہ راہ جسپر چلکر ہم غضب الہی کے محرک نہون - وہ راہ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو اگر یہ راہ ہمین شیطان کے قابو سے نہین نکال سکتی اور گناہ سے محفوظ نہین کر سکتی تو پھر کیا یہ غرض

اس راہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہو جو عیسائی ہمیں بتاتے ہیں کہ گناہ کرو اور یسوع کے خون پر بھروسہ رکھو۔ الف میم کو یہ دوسرا راہ آسان تو ضرور نظر آتا ہوگا مگر یہ ہلاکت کا راہ ہے امن اور حفاظت کا راہ صرف ایک ہی ہے جو قرآن کریم نے بنادیا جسکا جی چاہے اسپر چلکر دیکھ لے۔

ایک اور امر جسکا ہم نے ذکر کیا تھا۔ الف میم کی سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتا ہو ہم نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ چونکہ سزا گناہ کا لازمی نتیجہ ہو اور چونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے سزا سے بری قرار دیتا ہے اس لئے انبیاء کو گنہگار کہنا غلطی ہے۔ الف میم اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ سزا سے محفوظ تھے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گناہ سے بھی محفوظ تھے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف جس اصول کو سزا کے بارہ میں عام طور پر بیان کرتا ہے وہ یہ ہے من یعمل سوءً یجزبہ جو کوئی بدی کریگا اسکا پاداش اسکو ملکر رہیگا لیکن ایک خاص گروہ کی نسبت وہ ہمیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ انکے خالص نیک اجر اور سزا سے بریت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے پہلے سے ہو چکا ہے جیساکہ ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی سے ظاہر ہے۔ اگر انکے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا امکان ہوتا تو ایسا وعدہ انکے لئے نہ ہو سکتا۔ اسلئے چونکہ انکی صورت میں سزا کا امکان نہیں اور سزا گناہ کے لئے لازمی جزو ہے اسلئے گناہ کا امکان بھی نہ ہوا۔ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ ایسے ہیں۔ پھر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ لایحب الظالمین۔ اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا اور فرماتا ہے وماللظالمین من انصار۔ ظالم کو نصرت نہیں ملتی۔ اور پھر فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا خدا تمسے محبت کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پورے طور پر فرمانبرداری کرتا ہو وہ محبوب الٰہی بن جاتا ہے۔ لیکن ظالم محبوب الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ایسا شخص ظالم نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اگر آپ کے ایک سچے تابعدار کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ وہ ظالم نہیں تو اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کہ متبوع بھی ہر عیب سے پاک ہر خطا سے مبرا اور ہر ظلم سے خالی ہے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔ پھر ایسا ہی قرآن کریم یہ بھی فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا یعنی ہم رسولوں کو اور مومنوں کو دنیا کی زندگی میں نصرت بھیجتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ ظالموں کو نصرت نہیں دیجاتی اسلئے رسول اور سچے مومن ظالموں میں شامل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکے لئے صاف صاف وعدہ نصرت الٰہی کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی نسبت لفظ ظلم قرآن شریف میں استعمال بھی ہوا ہے تو بھی وہ نبی ان معنوں میں ظالم نہیں جن معنوں میں انبیاء کے مخالفین کو ظالم کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کی

نافرمانی کے معنے مین ظالم نہین ہوگا۔ جو لفظ ظلم کا موٹا مفہوم ہی بلکہ جیسا اسکا خدا کے ساتھ تعلق دنیا سے نرالے رنگ کا ہوتا ہے ویسا ہی اسکا ظلم بھی دنیا سے الگ رنگ کا ہوگا اسکو ہم واضح الفاظ مین پھر بیان کرتے ہین *

قرآن شریف مین اللہ تعالے کافرونکے اس اعتراض کے جواب مین کہ ہم ایمان نہین لائینگے جبتک ہم پر بھی رسول کی طرح وحی نازل نہ ہو فرماتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے منصب کے کون قابل ہی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے جسکو رسول بنانا چاہتا ہے اسے خاص طور پر چنتا ہے اور وہ کوئی معمولی انسان نہین ہوتا بلکہ اللہ تعالے دیکھ لیتا ہے کہ اسکے قوے اس قابل ہین کہ وہ رسالت کے فرایض کی بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس منصب کے قابل ہی۔ جسوقت وہ دنیا مین بھیجا جاتا ہے اسوقت کی دنیا ان عقائد کو جن کی وہ تعلیم دیتا ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور جن عقائد سے دنیا پیار کرتی ہے اُنکو وہ برا کہتا اور ان کی برائیان بیان کرتا ہے۔ اسلئے دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اسکے دوست اور پیارے اقربا اسکو چھوڑ دیتے ہین اس کی مخالفت کیجاتی ہے اور اسکو طرح طرح کے دکھ اور ایذائین پہونچائی جاتی ہین۔ دنیا کی تمام طاقتین اس کی اور اس کی تعلیم کی بیخ کنی کے لئے جمع ہو جاتی ہین لیکن وہ ساری دنیا کی کچھ پروا نہین کرتا۔ اور اس کی دھمکیون اور تدابیر کو جو اسکے استیصال کے لئے کی جاتی ہین ہیچ سمجھتا ہے ایک طرف اسکے تمام فوائد اور منافع اور انسانی خواہشات اور خون اور محبت کے گہرے تعلقات اور آرام اور آسایش کی کششین ہوتی ہین اور اسکے بالمقابل دوسری طرف صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے لیکن وہ اللہ تعالی کی رضا کے لئے تمام منافع اور خواہشات کو قربان کر دیتا ہے خوشی سے ساری دنیا کی عداوت اور دشمنی کو قبول کرتا ہے ہر ایک قسم کے تعلق کو توڑ دیتا ہے۔ ہر ایک آرام اور آسایش کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہر ایک تکلیف کو اٹھاتا ہے۔ تمام ایذاؤن اور تکالیف کی برداشت کرتا ہے بلکہ موت کو قبول کر لیتا ہے لیکن اسکے دل مین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین آتا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کو چھوڑ دے اسکے دل کا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ اسقدر مضبوط ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ پھر یہ کیسا قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ شخص جو ان تمام امتحانون سے کامیابی کے ساتھ ہو گذرتا ہے تمام تکلیفون اور ایذاؤن کو برداشت کر لیتا ہے تمام منافع کو قربان کر دیتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی آسایش کو ہیچ سمجھتا ہے اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے کی فرمانبرداری سے ایک بال برابر انحراف نہین کرتا۔ وہی شخص کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کے لئے عمداً خدا کے احکام کو توڑتا اور اسکے

خلاف چلنا ہے کیا وہ تمام خواہشات اور منافع اور آسایشون کو قربان کرکے اور تمام تعلقات کو قطع کرکے دنیا پر یہ ثابت نہین کر چکا کہ خدا تعالے کے احکام کے بالمقابل یہ سب چیزین اسپر کوئی اثر نہین کر سکتین۔ اگر اسکے دل مین کوئی کمزوری ہوتی جو بڑی سے بڑی خواہش کے وقت اسکو خدا کی فرمانبرداری سے الگ کر سکتی تو وہ اسوقت ظاہر ہونی چاہیئے تھی جب تمام دنیا اسکی مخالفت مین کھڑی ہوگئی تھی جب دکھون تکلیفون کا کوئی انتہا نہ تھا اور جبکہ اپنے اغراض کے پیچھے چلنے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنیسے عملی طور پر اسے یہ فائدہ پہونچ سکتا تھا کہ تمام مخالفتین فرو ہو جاتین اور تمام تکلیفون سے نجات ہو جاتی۔ مگر نہین وہ امتحانون کے چلتے ہوئے تنور مین ڈالا جاتا ہے اور مصایب و شدائد کی کٹھالی مین ڈالکر پاک کیا جاتا ہے اور اس طرح پر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسکے دل مین کوئی کمزوری نہین اور خدا کی فرمانبرداری سے کوئی چیز اسے منحرف نہین کر سکتی اگر خدا کی اطاعت کے لئے اس مین اسقدر فوق الطاقت استقامت اور وفاداری نہ ہوتی تو وہ رسالت کے منصب کے لایق نہ ہوتا اور اللہ تعالے ایسے شخص کو نبی نہ بناتا جسکو وہ ایسا کمزور سمجھتا کہ خدائے تعالے کے احکام کی فرمانبرداری کو چھوڑکر اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کریگا۔ ایسا آدمی ایک لحہ کیلئے بھی دنیا کی مخالفت کی برداشت نہین کر سکتا اور نہ ان دکھون اور تکلیفون کو اٹھا سکتا ہے جو انبیاء کو اٹھانے پڑتے ہین۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی نسبت یہ خیال کرنا کسی طرح جائز نہین کہ وہ خدا کی اطاعت سے پھر جاتے یا اپنی نفسانی خواہشون کے لئے گناہون کے مرتکب ہوتے ہین +

اب ہم حضرت آدم کے متعلق شرک کے الزام کو لیتے ہین پادری ایسن اپنے دعوی کی تائید مین کشاف اور امام رازی کی تفسیر کو پیش کرتا ہے دونون تفسیرون مین سے ایک دو قول نقل کرکے وہ لکھتا ہے "اس طرح پر ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ہماری بات کی تائید کرکے اپنے مقدمہ کو ہار دیا ہے" ہمین بارہا اس مباحثہ کے اثنا مین عیسائی مناظرین کی غلط بیانی کی شکایت کرنیکا موقعہ ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پھر بھی پادری صاحبان اس امر کی طرف کچھ توجہ نہین کرتے۔ پادری ایسن غلط بیانی کو اختیار کرکے کشاف کے الفاظ سے اپنے مطلب کے موافق ایک نتیجہ نکالتا ہے حالانکہ جو کچھ کشاف نے آگے چلکر لکھا ہے وہ پادری صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے۔ کشاف نے پہلے ان معنون کا ذکر کیا ہے جنکے رو سے نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد لئے گئے ہین اور جب وہ ان الفاظ کی تفسیر پر پہونچتا ہے۔ لئن اتیتنا صالحاً لنکونن من الشاکرین فلما اتٰھما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما اتٰھما۔ تو لکھتا ہے "اتینا اور لنکونن مین ضمیر کا مرجع وہ دونون اور ان کی اولاد ہے..... جعلا لہ شرکاء یعنی ان کی اولاد نے خدا تعالے کے شریک ٹھہرائے۔ مضاف حذف کرکے اور مضاف الیہ کو اسکے قایمقام کرکے اور ایسا ہی

فیما اتیٰھما مین یعنی جوکچھ انکی اولاد کو دیا اور اسپر خدائے تعالےٰ کے یہ الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون دلالت کرتے ہین کیونکہ یہان ضمیر جمع لائی گئی ہے اور آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہین...... ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت مین خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل تھے اور وہ قصی کی اولاد ہے...... اسصورت مین معنے یہ ہونگے کہ خدا وہ ہے جس نے تمام ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اسی جنس کی اس کی بیوی بھی بنائی یعنی عربیہ قرشیہ۔ لیسکن الیھا۔ لیکن جب خدا تعالےٰ نے انکو جو مانگتے تھے ایک صحیح سالم بچہ دیا تو پھر وہ اسکے شریک ٹھہرانے لگے کیونکہ انہون نے اپنے چارون بیٹونکے نام عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد قصی۔ اور عبد الدار رکھے اور یشرکون ضمیر ان دونون کیطرف پھرتی ہے اور نیز ان کی اولاد کیطرف جو انکے نقش قدم پر چلے۔ اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جس مین کسی قسم کی مشکل نہین"۔ اخیری الفاظ پر پادری الپسن کو خاص طور پر غور کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہین اسکے نتیجے کے عین خلاف بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ان معنونکو پسند تو نہین کیا جو ہم نے اختیار کئے تھے اور جو نتیجہ وہ نکالتا ہے اس کی صاف الفاظ مین یہ کہکر تردید تو نہین کی کہ آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہین۔ امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے الپسن کے قول کو قول فاسد کہکر اس کی تردید کرتے ہین اور اسکے وجوہات دیتے ہین ان غلط بیانیون کے بعد پادری الپسن بڑی جرات کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو "شریر مشرکین" مین داخل کرتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ تعجب ہے کہ ایک شخص کو جو خود مشرک ہے اور ایک یہودی کو خدا سمجھ رہا ہے اسقدر دلیری ہو کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو شریر مشرک کہے اسی نبی کو جس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ۔ خدا نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھے راہ پر چلایا۔

اب ہم الف میم کے بعض اعتراضات پر غور کرتے ہین وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان الفاظ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا کی صورت ہی ایسی ہے کہ ان سے سوائے آدمؑ کے اور کچھ مراد نہین ہو سکتی اور اس کی تائید مین سورہ نساء کی اس آیت کو پیش کرتا ہے۔ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا جس سے مفسرین نے عموماً حضرت آدم کو ہی مراد لیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک حدیث پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ حواؑ حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئین اور ایک اور حدیث کو پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ اور جلالین کے مصنف کی رائے کو بھی پیش کرتا ہے۔ جہانتک مفسرین کی رائے ہے اول تو ہم اسکے پابند نہین اور دوسرا کوئی مفسر حضرت آدم کو اس طرح مشرک نہین سمجھتا جس طرح کہ الپسن اور یہ الف میم پبلک کو یقین دلانا چاہتے ہین۔ باقی رہین حدیثین سو آج تک اہل اسلام نے قرآن شریف

برابر انکو نہین مانا اور اسلئے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی وہ رد کیجاویگی۔ اسلئے صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی زیر بحث ہین اس سے پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنیمین کس اصول کو مدنظر رکھنا چاہئیے۔ اگر ایک جگہ ایک لفظ یا فقرہ استعمال کر کے ایک معنی مراد لئے گئے ہین تو یہ اس امر کی دلیل نہین کہ دوسری جگہ جہان اس لفظ یا فقرہ کا استعمال ہوا ہو وہان بھی وہی معنے مراد لئے جاوینگے جس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ ایسے معنے قرآن شریف کے الفاظ کے کئے جاوین۔ جس سے مختلف حصونمین اختلاف واقع نہ ہو۔ الفاظ اور فقرات اکثر اوقات مختلف معانی کے متحمل ہوتے ہین اور اس بات کا فیصلہ کرنیمین کہ ہمین کسی خاص موقعہ پر کونسے معنے لینے چاہئیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ ان معنوںسے قرآن شریف کے کسی اور حصہ کی تردید نہ ہوتی ہو نہ یہ کہ انہین الفاظ کے کسی اور جگہ جو معنے لئے گئے ہون انکے علاوہ دوسرے معنے ہی نہ لئے جاوین۔ موخرالذکر قاعدہ کی پابندی کرنا نہ صرف زبان کی وسعت معنی کا انکار کرنا ہو بلکہ قرآن کریم کے بعض حصونمین بعض سے اختلاف ڈالنا ہی اسلئے سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہو کہ آیا قرآن شریف ہمین یہ اجازت دیتا ہو کہ ایک نبی کیطرف شرک منسوب کرین مفصلہ ذیل آیات پر غور کرو۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ (خدا شرک کو نہین بخشتا) ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا۔ (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو وہ سخت گمراہی مین پڑجاتا ہے) انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰیہ النار وما للظالمین من انصار (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالے اسپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالمونکا کوئی مددگار نہین) ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما (جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا افترا کرتا ہے) ہم عیسائی صاحبان سے درخواست کرتے ہین کہ وہ اس امر پر غور کرین اور ایک سچے طالب حق کیطرح اور خدا کے خوف کو دل مین جگہ دیکر غور کرین کہ ان آیات کے وعید انبیا علیہم السلام کے لئے ہو سکتے ہین افسوس ہو کہ ان لوگون نے انبیا کی حقیقت کو کچھ بھی نہین سمجھا اور کیونکر سمجھ سکتے ہین جب وہ روحانیت سے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ مردہ پرستی مین گرفتار ہو گئے ہین۔ ان آیات کے مطابق مشرک مفتری ہے جسپر جنت حرام اور جسکا گناہ معاف نہین ہو سکتا۔ کیا ایک پیغمبر کو خود خدا تعالے مفتری ٹھہراتا اور دوزخ اسکی جگہ قرار دیتا ہی؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ مفسرین نے الفاظ زیر بحث کے کوئی معنے اختیار کئے ہون۔ انہون نے حضرت آدم کو شرک سے بری سمجھا ہے۔ اصل بات یہ ہو کہ عیسائی اپنے ایمان کی کمزوری کے سبب سے جسکی بنا قصون اور کہانیون پر ہے اور سچے ایمان کے نشانون سے بالکل خالی ہی۔ یہ سمجھ ہی نہین سکتے کہ انبیا کا ایمان اللہ تعالے پر کسقدر مضبوط اور زندہ ایمان ہوتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ کیسا گہرا اور طاقتور ہوتا ہے۔ ہمین بعض اوقات یہی خیال گذرتا ہی۔

کہ انبیار علیہم السلام کو ان لوگوں کا برا بھلا کہنا اسقدر کینہ کے سبب سے نہین جتنا جہالت کے باعث ہو۔ کیونکہ انہون نے اس شخص کو بھی باہر نہین چھوڑا جسکو وہ خدا بنا رہے ہین۔ عجیب مسئلہ نجات کا ایجاد کیا ہے کہ اس کی خاطر نہ صرف تمام انبیاء کو ہی گنہ گار ٹھہرانا پڑا بلکہ یہ بھی جزو ایمان ٹھہرانا پڑا کہ یسوع نعوذ باللہ ملعون ہوا اور تین دن تک خدا کی لعنت کے نیچے رہ کر خدا سے بیگانہ بلکہ خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن رہا۔ انکو معلوم نہین کہ انبیاء کے دلونکا خدا سے کیا تعلق ہوتا ہے اور اسی اپنی ناواقفیت کے سبب جو منہ پر آتا ہے کہدیتے ہین۔ اگر انکو اس گہرے تعلق کی کچھ بھی خبر ہوتی جو انبیار علیہم السلام کو اللہ تعالے سے ہوتا ہے۔ اور جو تعلق ہر ایک انسان کو پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہئیے تو کبھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس قسم کی بیباکی اور گستاخی کے الفاظ منہ سے نکالتے اصل مین جن لوگون نے انبیاء کے بعض افعال کے متعلق ٹھوکر کھائی ہے اپنی بے علمی اور اللہ تعالے سے بعد کے باعث ہی کھائی ہے جن لوگون کو اللہ تعالے سے کچھ بھی تعلق ہے وہ خوب سمجھتے ہین کہ ان انبیار کو جن کی برکت سے انہین وہ تعلق حاصل ہوا ہے کسقدر اعلے درجہ کا اور گہرا تعلق اللہ تعالے سے ہوتا ہے جب ایک شخص خود اپنے نفس پر اس واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کی پیروی اور اسکی برکات سے وہ اس اعلے درجہ کے روحانی مقام پر پہونچ جاتا ہے جہان وہ شیطان کی طاقت سے آزاد اور محض اللہ تعالے کے تصرف مین ہو جاتا ہے تو اس مشاہدہ کے بعد وہ کیونکر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان جس کی برکات سے ایک تھوڑا سا حصہ پاکر وہ اس اعلے مقام روحانیت پر پہونچ گیا ہو شیطان کے تصرف مین رہا اور نفسانی جذبات کے ماتحت ہوکر خدا کے حکمون کی خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور پھر وہ بھی قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے جو فرماتا ہے "اِنَّ عبادی لیس لک علیہم سلطان"۔ جو گناہ حضرت آدم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا ایک قبیح فعل ہو کہ کوئی معمولی مسلمان بھی جسکو اللہ تعالے کی ہستی پر کچھ بھی یقین حاصل ہو اسکا مرتکب نہین ہو سکتا چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کیطرف اسے منسوب کیا جاوے جو توحید کے وعظ اور تعلیم کے لئے دنیا مین بھیجا جاتا ہو اور جسکا تعلق خدا تعالی سے ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض دنیا مین آنیکا توحید الہی کا پھیلانا اور شرک کی بیخ کنی کرنا ہی رہا ہے۔ کیونکہ شرک ایک ایسی بری چیز ہے جسپر سب سے بڑھکر اللہ تعالی کا غضب ہے اور یہ عیسائیونکا ہی خیال ہو کہ کسی نبی کو بھی شرک کا مرتکب سمجھین کیونکہ وہ اپنے نبی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہین کہ اس نے خدا سے برابری کا دعوے کیا اور دوسرے وہ نکو نہین تو اپنے آپکو خدا کا شریک بنایا۔ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا پیغام

دنیا مین خدا کی توحید ہی رہا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہ غیرہ (اے
میری قوم خدا کی عبادت کرو۔ اسکے سوا اور کوئی معبود تمہارا نہین) لا تشرکوا باللّٰہ (اللہ کے ساتھ
کسی کو شریک مت بناؤ)۔ ءالٰہ مع اللہ۔ (کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہوسکتا ہے۔) ایسا
ہی کثرت سے اور آیات موجود ہین اور قوم کیا جواب دیتی ہے اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ ونذر ما کان
یعبد آباؤنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔ کیا تو اسلئے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی پرستش کرین
اور ان اپنے معبودونکو چھوڑ دین جنکی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہین اگر تو سچا ہے تو وہ
عذاب لا جسکا تو وعدہ کرتا ہے اب اگر خود نبی ہی خدا کے ساتھ اور دنکو معبود بناتے تھے تو پادری
صاحبان بتائین کہ یہ عذاب کس پر آنا چاہیئے آیا نبی اور اسکے ساتھیون پر۔ یا انکے مخالفین پر
یا ہر دو پر۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو نہین سمجھ سکتے تو پھر کوئی ذریعہ نہین کہ ہم انکو سمجھا سکین +

الفاظ "خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا" اور انکے قریب قریب الفاظ جو سورہ
نساء مین واقع ہوئے ہین انکے متعلق الف ہیم مانتا ہے کہ دونون جگہ مین آدمؑ کا نام نہین اور ہم تسلیم
کرتے ہین کہ سورہ نساء مین مفسرین کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان الفاظ سے مراد حضرت آدم
ہی ہین لیکن بعض لوگون نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ الناس سے جو ان الفاظ کے پہلے واقع ہوا ہے مراد
صرف اہل مکہ ہی ہین اور اسپر آیت کا آخری حصہ واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام
شاہد ہے کیونکہ عرب مین ہی خصوصیت سے یہ محاورہ بولا جاتا ہے "انشدک اللّٰہ والرحم" مین تجھے
خدا کی اور رحم (قرابت) کی قسم دیتا ہون۔ لیکن ہمین اس بحث سے کچھ سروکار نہین۔ ہم کہتے ہین
کہ یہ الفاظ عام ہین اور ان سے مراد حضرت آدم یا کوئی اور ہوسکتا ہے جسپر ان لفظونکا اطلاق
ہوسکے۔ خالی الفاظ سے پورے یقین سے کوئی تعیین نہین ہوسکتی اور اس امر کے فیصلہ کے لئے
بہت سارے دوسرے وجوہات پر غور کرنا ضروری ہے چنانچہ بڑی وجہ جسکے سبب سے سورہ
نساء مین مراد حضرت آدم لئے گئے ہین یہ ہے کہ اسجگہ خطاب یہ ہے یاایہا الناس اتقوا ربکم۔ اے لوگو اپنے خدا سے
ڈرو۔ اور یہ خطاب عام سب دنیا کے لئے ہے۔ اسلئے الناس سے مراد صرف اہل مکہ نہین ہوسکتے بلکہ کل دنیا
مراد ہے۔ برخلاف اسکے سورہ اعراف کے ان الفاظ مین جو زیر بحث ہین یہ وجہ موجود نہین اور نہ صرف
یہی بلکہ صاف الفاظ مین الفاظ زیر بحث کے پہلے اور پیچھے مشرکین عرب کو خطاب کیا گیا ہے چنانچہ اس سے
پہلا رکوع اس طرح شروع ہوتا ہے۔ والذین کذبوا بایاتنا سنستدرجہم من حیث لا یعلمون جن لوگون
نے ہماری آیتون کی تکذیب کی ہے انپر بتدریج ہم اپنا عذاب ایسی راہ سے لائینگے جسکو وہ نہین جانتے
واملی لہم ان کیدی متین۔ اور مین ان کو ڈھیل دے رہا ہون میری تدبیر بڑی مضبوط ہے یسئلونک
عن الساعۃ ایان مرسٰہا یعنی اس عذاب کی گھڑی کا وقت پوچھتے ہین کہ وہ کب آئے گی جواب

ملتا ہو کہ کبھی نہ کبھی آئیگی ضرور مگر اسکا علم اللہ تعالے کو ہی ہے کہ کب آئے گی۔ جب آئے گی تو ناگہان ہی آئے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب خطاب مخالفین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ پھر اسی خطاب کے اثنا مین فرماتا ہے۔ ہوالذی خلقکم الخ۔ جو آیات متنازعہ فیہا ہین جن کا ترجمہ یہ ہے۔ وہی خدا ہے جسنے تمہین ایک نفس سے پیدا کیا۔ اور اسکی جنس سے اسکی بیوی بنائی۔.........

..... لیکن جب خدا نے انکو صالح بچہ دیا تو وہ اسکے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے۔ اس چیز مین جو انکو دی مگر بلند تر ہے خدا اس سے جو یہ لوگ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہین انکو جو کچھ پیدا نہین کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہین۔ اور نہ اپنے پرستارون کی مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہین اور اگر تم ان لوگونکو ہدایت کیطرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہین چلتے برابر ہے تمہارے لئے کہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو۔ یقیناً وہ جنکو تم خدا کے سوا بلاتے ہو تمہاری طرح مخلوق ہین۔ پس ان کو بلاؤ اگر تم سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمکو جواب دین...... کہو بلاؤ ان اپنی شرکاء کو پھر جب تدابیر کر لو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو یقیناً میرا کارساز خدا ہے جس نے مجھپر وحی نازل کی ہو۔ اور وہی اپنے صالح بندون کا متولی ہوتا ہو اور وہ جنہین تم اسکے سوا بلاتے ہو نہ وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہین۔

جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھیگا اسپر واضح ہو جائیگا کہ انمین ایک ہی مضمون پر بحث کی گئی ہے اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا شرک اور اسکی سزا ہو اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ بت جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہین وہ نہ خود تباہی سے بچینگے اور نہ اپنے پرستارونکو بچا سکینگے۔ بفرض محال اگر حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے بھی ہون تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین مین داخل تھے جوانکا ذکر اس مضمون مین کیا گیا۔ قرآن کریم دو جماعتون کا ذکر کرتا ہے ایک انبیاء علیہم السلام اور ایک انکے مخالفین۔ انبیاء علیہم السلام خدا کی توحید اور راستبازی کا پیغام لاتے ہین اور انکے مخالفین انکا مقابلہ کرتے ہین اور انکے انذار کی کچھ پروا نہین کرتے اسلئے جب انبیاء علیہم السلام کو بہت تکلیفین اور دکھ دئے جاتے ہین اور انکے کام مین طرح طرح کی روکین ڈالکر اسکو بند کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تو وہ عذاب الہی جسکا پہلے سے وعدہ ہو چکا ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے مخالفین پر نازل کیا جاتا ہو اور نصرت الہی انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہے۔ ہر ایک پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم مین ہوا ہے وہ اس عام اصول کی ایک تشریح ہے۔ اور ان آیات مین جو آیات زیر بحث کے پہلے اور پیچھے ہین ایسا ہی عذاب کا ایک وعدہ دیا گیا ہے۔ یہ دراصل پیش گوئی ہو کہ تمام بت ہلاک کئے جائینگے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخر کار اپنے مخالفین پر فتحیاب ہونگے اور آپ کے مخالفین ذلیل وخوار ہونگے اور اسکے اندر حضرت آدم کے ذکر کو داخل سمجھنا محض حماقت ہو۔ الف ہیم نے یہ بھی لکھا ہو کہ امام رازی نے دوسری جگہ

جہان مخالفین کے اعتراضونکا ڈر نہین تھا سچی بات کا بھی اعتراف کر لیا ہے ہم پوچھتے ہین کہ کیا رازی نے کہین اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے ہرگز نہین بلکہ ایک اور بحث کرتے ہوئے اتفاقاً انہون نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آیت ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا سے آدمؑ اور حواؑ مراد ہین لیکن وہان انہون نے نہ ان معنون پر کوئی بحث کی ہے اور نہ اسکی تائید نہ اسکے خلاف دلائل پر غور کیا ہے لیکن جب اس آیت کی تفسیر پر پہنچے ہین اور ان دلائل پر غور کیا ہے جو مختلف معنون کی تائید مین یا انکے خلاف پیش ہو سکتی ہین تو انہون نے اسی معنے کو اختیار کیا ہے جو ہم نے بیان کئے ہین - علاوہ ازین بعض مفسرین نے نفس واحدہ سے حضرت آدم کو بھی مراد لیا ہے لیکن وہ آیت کے اخیری حصے کی جہان شرک کا ذکر ہے اور تفسیر کرتے ہین جیسا کہ ہم نے کشاف کے حوالہ سے اوپر لکھا ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ان الفاظ کے معنونکے متعلق مختلف رائین ہون بلکہ ہم اوپر یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ سورہ نسار مین ایسے ہی الفاظ جہان آتے ہین انکے متعلق بھی مفسرین مین اختلاف رائے ہے +

اسکے بعد الفاہیم ایک حدیث پیش کرتا ہے لیکن ہم لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث جو قرآن کی مخالف ہوگی ہم اسکو نہین مانتے - قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے - قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون - یعنے اے کافرو مین ہرگز اس چیز کی عبادت نہین کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو ان الفاظ مین قرآن شریف نے گویا ہر نبی کی فطرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور یہ الفاظ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپان ہین ویسے حضرت آدم پر بھی چسپان ہین ایسا ہی حضرت یوسفؑ قیدیونکو مخاطب کر کے فرماتے ہین ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیئ - یعنے یہ کب ہو سکتا ہے کہ ہم یعنی گروہ انبیاء اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرین - تمام نبی ایک جماعت کے حکم مین ہین اور جو نقشہ قرآن شریف کسی ایک نبی کا کھینچتا ہے وہ ساری جماعت کا نقشہ ہے - ایسا ہی جہان قرآن شریف عباد الرحمن کے صفات بیان کرتا ہے - تو ایک صفت ان کی یہ بیان فرماتا ہے - والذین لا یدعون مع اللہ الٰہ آخر - اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہین پکارتے - اب یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سب سے پہلے عباد الرحمن مین شامل ہین اور اسلئے جب حضرت آدم نبی ہین ثابت ہوا کہ انہون نے شرک نہین کیا ہم خیال نہین کرتے کہ کون سمجھدار آدمی قرآن شریف کے ان صاف اور صریح الفاظ کے بالمقابل اب بھی حضرت آدم کو شرک کا مرتکب سمجھیگا +

"حضرت مسیح کی قبر سرینگر مین"

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین بندہ نے لاہور کے ایک پادری وائیٹ برکٹ کی قبر مسیح کی نسبت چند غلط بیانیونکو ظاہر کیا تھا۔ اس نے حضرت مسیح کی قبر کے لئے ایک نیا نام تجویز کر کے لوگونکو دھوکہ دینا چاہا تھا پہلے تو اس نے لکھا کہ اس مقبرہ مین دو قبرین ہین۔ بڑی جو شمالی طرف ہے نبی یوز آسف کی قبر بیان کیجاتی ہے اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر دوسری چھٹی مین اس نے اپنا پہلو بدل لیا اور کہا کہ یوز آسف کا نام مرزا صاحب کے مریدون نے لوگونکو سکھایا ہے۔ لوگون کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سید نصیر الدین کی قبر ہے یہ پادری صاحب کیطرف سے ایک غلط بیانی تھی اور عمداً انہون نے اسکا ارتکاب کیا۔ انہون نے دیکھا کہ یہ مصلحت نہین کہ اس قبر کو نبی یوز آسف کی قبر تسلیم کیا جاوے۔ کیونکہ اول تو یہ نام ہی عبرانی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا اس نبی یوز آسف کی نسبت ایسے امور بیان کئے جاتے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح ہی تھے جو کشمیر مین یوز آسف کے نام سے مشہور ہین اس لئے انہون نے یہ مناسب دیکھا کہ اس قبر کو ایک اسلامی قبر ثابت کیا جاوے اور ایک اسلامی نام اس قبر والے کیلئے تجویز کیا جاوے۔ مگر ایسا ثابت کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن یکایک انکے دل مین یہ خیال آیا کہ نبی یوز آسف کی قبر کے پاس ہی سید نصیر الدین کی قبر ہے آؤ یہی نام چھوٹی قبر والے سے منتقل کر کے بڑی قبر والے کو دیدیا جاوے اسمین کوئی بڑا ہرج نہین صرف ذرا سی بددیانتی کا ارتکاب کرنا پڑے گا مگر کیا ہے مین یہ کام اپنے نفس کیلئے نہین کرتا۔ خداوند یسوع کا جلال ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہون اور ہمارے بزرگ بھی ایسا کرتے رہے ہین خداوند یسوع کا خون یقیناً اس گناہ کو دھو دیگا۔ اگر یہ بات بن گئی تو بڑی کامیابی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قبر جسکی نسبت اتنا جھگڑا ہے یہ یوز آسف کی قبر نہین بلکہ سید نصیر الدین کی قبر ہے تو یہ خیال کرنیکی گنجایش نہ رہے گی کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہان مدفون ہین۔ آخر پادری صاحب نے جرأت کر کے یہ ظاہر کیا کہ یہ تو سید نصیر الدین کی قبر ہے۔ وہان کے لوگون نے یہی شہادت دی ہے میرے نزدیک اس بزرگ کا نام غالباً سید نصیر الدین تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انجیل کی منادی کرنیوالے اس قسم کی غلط بیانیونکے مرتکب ہون پادری صاحب سرینگر کے لوگون نے تو آپکو یہ نہین کہا تھا کہ اس بزرگ کا نام جسکی نسبت جھگڑا ہے سید نصیر الدین ہے انہون نے تو آپکو صاف بتلایا تھا کہ اس بزرگ کا نام نبی یوز آسف ہے اور سید نصیر الدین اس شخص کا نام ہے جو پاس کی چھوٹی قبر مین مدفون ہے آپ انکی شہادت کو کیون عمداً بگاڑتے ہین آپ جانتے ہین کہ ہماری بحث تو بڑی قبر کی نسبت ہے جسکو لوگون نے نبی یوز آسف کی قبر بیان کیا۔ نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین مین نے پادری صاحب

سے دریافت کیا کہ انہون نے کیون لوگون کی شہادت کو بگاڑا اور کیون جان بوجھکر قبر یوز آسف کے لئے ایک غلط نام تجویز کیا۔ میری چٹھی کا انہون نے اپنی فنینی مین جواب الجواب تو چھپوایا ہے مگر اس معاملہ مین بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ میرے اس سوال کا کہ کیون انہون نے لوگون کی شہادت کو بگاڑا۔ اور عمداً ایک غلط نام بڑی قبر والے کو دیا کوئی جواب نہین دیا اور نہ کوئی اس امر کا جواب ہوسکتا تھا کیونکہ یہ الزام بڑی صفائی کے ساتھ ان پر عائد ہوتا تھا + مگر پادریصاحب کو اس جواب الجواب مین ایک اور مشکل امر پیش آگیا۔ آپکو اپنی چٹھی کے عنوان مین قبر کا نام لکھنا پڑا۔ چٹھی کے اندر تو وہ بغیر صراحتہً نام لینے کے بھی کام چلا سکتے تھے۔ مگر عنوان مین قبر کا نام لکھنے سے اُن کو چارہ نہ تھا۔ اس سے پہلی چٹھی کا عنوان یہ تھا "سید نصیر الدین کی قبر واقع سرینگر"۔ اگر وہ اس دفعہ کوئی اور نام عنوان خط مین لکھتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آپنے اپنی غلط بیانی کا اقرار کر لیا ہے اسی لئے اب نام بھی بدلا لیا ہے اس طرح آپ کو دوہری ذلت پیش آتی۔ ایک تو صریح غلط بیانی کا ارتکاب دوسرا اپنے قصور کا اقرار۔ اسلئے اگرچہ پادریصاحب سے کچھ جواب بن نہین پڑا کہ کیون انہون نے غلط نام عمداً اختیار کیا اور اگرچہ چٹھی کے اندر انہون نے ایکدفعہ بھی اس قبر کو سید نصیر الدین کی قبر نہین کہا مگر پھر بھی دوہری ذلت سے بچنے کے لئے اپنی آخری چٹھی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھ ہی دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غلط بیانی کی عادت پادری صاحبان کی طبیعت مین ایسی رچی ہوئی ہے کہ انکو کتنی ہی ملامت کرو وہ اس عادت کو چھوڑ نہین سکتے۔ اس پادری نے اول تو عمداً ایک غلط نام اختیار کیا اور جب اسکی اس چالاکی کو دکھلایا گیا اور اس سے جواب طلب کیا گیا کہ کیون تمنے عمداً اس غلط بیانی کا ارتکاب کیا تو اس نے سکوت اختیار کیا اور لاجواب رہ کر اپنے قصوروار ہونیکا ثبوت بھی دیدیا۔ مگر بایں ہمہ چٹھی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آیا۔ آیندہ مین امید کرتا ہون کہ پادری صاحب اس نام سے بالکل اجتناب کرینگے اور چٹھیونکے عنوان مین بھی اس نام کے لکھنے سے باز آجائینگے۔ یا اگر لکھینگے تو ساتھ وجہ بھی بیان کرینگے کہ کیون انہون نے یہ نام اختیار کیا اور کیون دھینگا دھانگی سے چھوٹی قبر والیکا نام بڑی قبر والے کو دیدیا۔ اور یہ بھی بتائینگے کہ کیون انہونے اہل سرینگر کی شہادت کو بگاڑا۔ انہون نے کب کہا تھا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہے +

اب مین پادری صاحب کی چٹھی کے عنوان کو چھوڑ کر ان کی چٹھی کے اصل مضمون کیطرف آتا ہون وہ اپنی چٹھی مین دو باتون پر بحث کرتے ہین۔ اول یہ کہ اگر یوز آسف بُشری یعنی انجیل کا وعظ کرتے تھے اور انجیلی تعلیم لوگونکو دیتے تھے۔ اور انجیلی مثالین لوگونکو سناتے تھے تو صرف اتنی بات سے کسطرح ثابت ہوگیا کہ وہ حضرت مسیح خود تھے۔ ممکن ہے کہ انکا کوئی شاگرد ہو۔ دوم وہ یوز آسف اور بُدھ ایک ہی شخص ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہین وہ بیان کرتے ہین کہ سینٹ جوزافٹ (یوز آسف) کا جو قصہ یورپ مین مروج ہے اسمین بہت سے واقعات بُدھ کے حالات سے ملتے جلتے ہین اسلئے یوز آسف اصل مین بدھ ہی تھا اور یوز آسف لفظ بودی ستوا کا بگڑا ہوا ہے جو بُدھ کا

ایک خطا ہے۔ مین پادریصاحب کی دوسری بات کو اوّل لیتا ہون + جن لوگون نے یہ خیال کیا ہے کہ یوز آسف اصل مین بدھ ہی کا نام ہے اور یہ لفظ بودی ستوا سے بگڑ کر بنا ہے انکو یوز آسف کی نسبت اتنا ہی علم تھا۔ جتنا کہ انکو سینٹ جوزافٹ کے قصہ سے معلوم ہوا اس سے بڑھکر کوئی علم نہ تھا اور جب انہون نے دیکھا کہ اسکے قصہ کے بعض واقعات بدھ کے قصہ سے کچھ مشابہت رکھتے ہین تو انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ یوز آسف اور بدھ ایک ہی آدمی کے دو نام ہین انہون نے اس امر کی کچھ پروا نہ کی کہ یوز آسف اور گوتم بدھ ان دونوں کے نامون مین کچھ بھی مشابہت نہین اور خیال کر لیا کہ یوز آسف بودی ستوا کا بگڑا ہوا ہوگا اگر انکو معلوم ہوتا کہ یوز آسف ایک الگ شخص کا نام ہے جو اپنا مستقل وجود رکھتا ہے تو وہ یہ کبھی خیال نہ کرتے کہ یوز آسف بدھ کا ہی دوسرا نام ہے + اب ایسے نئے امور پیدا ہوگئے ہین جنسے ثابت ہوگیا ہے کہ یوز آسف خود ایک الگ آدمی دنیا مین گذرا ہے۔ اب ہمارا انحصار صرف سینٹ جوز آفٹ کے قصون پر نہین ہے بلکہ الگ اور نئی راہون سے ثابت ہوگیا کہ درحقیقت کشمیر مین ایک شخص مغرب کیطرف سے آیا تھا جس نے اپنا نام یوز آسف ظاہر کیا اور جو انبیاء بنی اسرائیل مین سے ایک نبی تھا۔ حضرت مرزا صاحب کو سینٹ جوز آفٹ کے قصہ کی کچھ بھی خبر نہین تھی کہ انکو خبر ملی کہ سرینگر کے محلہ خان یار مین ایک نبی یوز آسف کی قبر ہے۔ نبی کے لفظ نے انکی توجہ کو اس قبر کیطرف کھینچا کیونکہ یہ لفظ صاف بتلا رہا تھا کہ یہ کوئی اسرائیلی نبی ہے۔ مزید تحقیقات پر معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ نبی ملک شام کیطرف سے اس ملک مین آیا۔ اور اسکو آئے قریبًا انیس سو برس ہوگئے ہین۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ دوسریطرف جب نظر اٹھاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ انیس سو برس ہوئے کہ ملک شام مین حضرت مسیح کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسکی وجہ سے انکو ملک شام سے ہجرت کرنی پڑی۔ ان سب امور کو جب یکجائی نظر سے دیکھا تو فورًا ہماری طبیعتین اسطرف جھک گئین کہ یہ شہزادہ نبی جنکا محلہ خانیار مین مزار ہے وہی حضرت مسیح ہین جو ملک شام سے ہجرت کرآئے تھے۔ اور حضرت داؤد کی نسل سے ہونیکی وجہ سے اپنے تئین شہزادہ کہا کرتے تھے۔ غرض میری اس بیان سے یہ ہے کہ یوز آسف کا پتہ سینٹ جوز آفٹ کے قصہ سے نہین ملا بلکہ ایک الگ راہ سے ہم نے انکا کھوج لگایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف اور بدھ دو الگ الگ آدمیون کے نام ہین ایک ہی آدمی کے نام نہین ہین۔ اب پادریصاحب اور میرے درمیان امر تنقیح طلب یہ ہے کہ آیا سرینگر کی قبر درحقیقت یوز آسف کی قبر ہے یا نہین اگر یہ یوز آسف کی قبر ہے تو یوز آسف اور گوتم بدھ دو الگ الگ آدمی ہین اور اگر یہ قبر یوز آسف کی قبر نہین ہے تو پادریصاحب کا اختیار ہے کہ یوز آسف اور بدھ کو ایک ہی شخص کے دو نام مان لین۔ اس امر کا صریح ثبوت ہمارے پاس موجود ہے کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے + پادریصاحب قبول کرتے ہین کہ اس قبر کے مجاورون اور دوسرے لوگون نے بیان کیا کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے ہمارے پاس بیس پچیس خواندہ اور قابل اعتبار آدمیونکی تحریری گواہیان موجود ہین اور ناخواندہ آدمیونکا تو کوئی شمار ہی نہین جو شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر ہے

کشمیر کی تاریخوں میں بھی اس قبر کا ذکر ہے۔ اور ان میں لکھا ہے کہ اس شہزادہ نبی کا نام یوز آسف تھا میں نے اپنی پچھلی چٹھی میں تاریخ اعظمی کشمیر کا حوالہ دیا تھا۔ پادری صاحب اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تاریخ اعظمی کشمیر کا مصنف یوز آسف کا نام لکھتا ہے تو یہ مرزا صاحب کے کچھ مفید مطلب نہیں کیونکہ وہ یہ نہیں لکھتا کہ اس قبر والے کا نام یوز آسف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پادری صاحب نے محض دھوکہ دہی کے راہ سے یہ لکھا ہے کیونکہ میں نے تاریخ اعظمی کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا تھا جس میں بالصراحت درج تھا کہ یوز آسف اس نبی کا نام ہے جو سید نصیر الدین کی قبر کے متصل مدفون ہے میں وہ الفاظ دوبارہ ناظرین کے ملاحظے کے لئے درج کرتا ہوں تا ان پر پادری صاحب کا جھوٹ اچھی طرح روشن ہو جائے۔ تاریخ اعظمی کی اصل عبارت فارسی میں ہے اسکا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔ سید نصیر الدین کے مزار کے پاس جو دوسری قبر ہے عام خیال ہے کہ یہ ایک پیغمبر کی قبر ہے...... ایک شہزادہ کسی اور ملک سے آیا تھا اور زہد اور تقوے اور ریاضت اور عبادات میں وہ کامل درجہ پر تھا وہی خدا کیطرف سے نبی ہوا اور کشمیر میں آکر کشمیریوں کی دعوت میں مشغول ہوا۔ ان کا نام یوز آسف ہے اور اکثر صاحب کشف خصوصاً ملا عنایت اللہ جو راقم کا مرشد ہے فرما گئے ہیں کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہو رہے ہیں*

پادری صاحب چار غلط بیانیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اول اہل سرینگر کی گواہی کو بگاڑ کر پیش کیا۔ دوم۔ اپنے پہلے بیان کی خود تردید کی۔ پہلے کہا کہ بڑی قبر والے کا نام یوز آسف ہے اور چھوٹی قبر والے کا نام سید نصیر الدین۔ دوسرے بیان میں کہا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہے۔ سوم۔ جب انکی یہ غلط بیانیاں ظاہر کی گئیں۔ اور ان سے جواب طلب کیا گیا تو جواب نہ بن پڑا مگر پھر بھی عنوان میں سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آئے۔ چہارم۔ تاریخ اعظمی کشمیر نے صاف قبر کا حوالہ دیا ہے اور میں نے تاریخ اعظمی کی عبارت بھی پیش کی مگر پھر بھی پادری صاحب نے اخبار اپی فینی کے پڑھنے والوں کو یہ کہکر دھوکہ دینا چاہا کہ تاریخ اعظمی میں یوز آسف کا نام تو ہے مگر اس قبر کا ذکر نہیں کیا۔ پادری صاحب ان چار الزاموں سے اپنی تئیں بری ثابت کر سکتے ہیں۔ غرض صرف اہل کشمیر کی زبانی شہادت سے ہی معلوم نہیں ہوتا کہ اس قبر کا نام یوز آسف ہے بلکہ کشمیر کی تواریخ میں بھی اس قبر والے کا یہی نام درج ہے اور تاریخ اعظمی جسکا میں نے دیا ہے قریباً دو سو برس کی کتاب ہے۔ اسی پر بس نہیں ایسی کتابوں میں بھی اس قبر کا صریح ذکر پایا جاتا ہے جنکو لکھے ہوئے ہزار برس کے قریب گذر گیا ہے۔ میں نے اپنی پچھلی چٹھی میں کتاب اکمال الدین کی اصل عربی عبارت درج کی تھی جس میں لکھا ہے کہ حضرت یوز آسف کشمیر میں آئے اور اسجگہ وفات پائی اور اپنے شاگرد کو وصیت کی کہ میرے لئے ایک مقبرہ تیار کرنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مقبرہ کے لئے بالخصوص اسلئے وصیت کی تا انکا مقبرہ ایک زمانہ تک قایم رہے اور آنے والی نسلوں کیلئے ایک عظیم الشان راز کے کھلنے کا ذریعہ ہو کیونکہ معمولی قبریں تو جلد زمین کے ساتھ ملجاتی ہیں اور مقبروں کی عموماً حفاظت کیجاتی ہے

اور وہ ایک زمانہ تک قائم رہتے ہین چنانچہ آخر حضرت مسیح کے کشمیر مین آنیکا پتہ اول اول اسی مقبرہ کے ذریعہ سے ملا تعجب کی بات ہی کہ سینٹ جوزآفٹ کے قصہ مین بھی حضرت یوزآسف کے کشمیر مین آنے اور اسی جگہ وفات پانیکا صریح ذکر ہی + چنانچہ مسٹر جوزف جیکبس اپنی کتاب "جوزآفٹ اور برلام" کے صفحہ ۱۰۵ پر پرانے نسخون کے حوالے سے بیان کرتا ہی کہ یوزآسف آخر کشمیر پہنچتا ہی جہانکہ وہ اپنا سر مغرب کیطرف کرتا ہے اور اپنے پاؤن مشرق کیطرف کرتا ہی اور اپنے شاگرد کو برکت دینے کے بعد مرجاتا ہی + غرض نہ صرف موجودہ زمانہ کے لوگ بالاتفاق شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوزآسف کی قبر ہی بلکہ کشمیر کی تاریخین بھی یہی شہادت دیتی ہین اور یوزآسف کے قدیم قصے بھی یوزآسف کے کشمیر مین آنے اور یہان انکا مقبرہ بنائے جانیکا ذکر کرتے ہین۔ اس سے بڑھکر اب پادری وائیٹ برکٹ صاحب اس امر کا کیا ثبوت مانگتے ہین کہ یہ نبی یوزآسف کی قبر ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ درحقیقت یہ نبی یوزآسف کی قبر ہے تو یہ خیال باطل ہوگیا کہ یوزآسف اور گوتم بدھ ایک ہی ہین اگر پادری صاحب ثابت کرنا چاہتے ہین کہ یوزآسف اور ساکی منی ایک ہی شخص کے دو نام ہین تو انکو چاہیئے کہ پہلے یہ ثابت کرین کہ یہ قبر نبی یوزآسف کی قبر نہین ہے۔ علاوہ ازین جن امور کی بنا پر یوزآسف اور بدھ کو ایک ہی شخص خیال کیا جاتا ہی ان کی تردید ان نئے امور سے ہوتی ہی جو اب یوزآسف کی نسبت معلوم ہوگئے ہین یعنی یہ کہ وہ ایک نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور اسکو آئے قریباً ۱۹۰۰ برس ہوئے ہین پس جن امور کی بنا پر یوزآسف اور بدھ کو ایک ہی شخص مانا گیا تھا جب ان امور کی دوسرے پہلو سے تردید ہوگئی تو انکا اعتبار جاتا رہا اور غیر معتبر واقعات کی بنا پر کوئی نتیجہ نکالنا عقلمندی سے بعید ہی جس طریق سے یہ ثابت کیا گیا ہی کہ یوزآسف لفظ.... بودی ستوا سے بگڑکر بنا ہی اسکی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہون۔ اس امر سے بعض لوگون نے بہت تعجب ظاہر کیا ہی کہ قصہ تو ہندی کا ہی اور اس مین نام اسرائیلی ہین اسلئے بعض نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہی کہ یہ نام ہین ہندی نامون سے بگڑکر بنے ہوئے ہین اس امر کیلئے انکو عربی اور فارسی حروف کی شکلون نے بہت مدد دی ہے۔ عربی ابجد کے اکثر حروف ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہین صرف نقطونکے ذریعہ سے ایسے حروف مین تمیز کیجاتی ہی مین مثال کیطور پر لفظ یوزآسف کا ہی پہلا حرف لیتا ہون اگر اسکے نقطونکو نظر انداز کیا جاوے تو ہم اس حرف کو عربی مین - با - تا - ثا - لام - نون - یا - چھ مختلف طریق سے پڑھ سکتے ہین اور فارسی مین آٹھ طریق پر - یعنی علاوہ مندرجہ بالا حروف کے پ یا ٹ بھی پڑھ سکتے ہین یہی حال قریباً کل حروف کا ہی انمین بھی صرف نقطونکے ذریعہ سے تمیز کیجاتی ہی ان حروف کی مشابہت نے ان لوگونکو بہت مدد دی ہے جنھون نے قصہ یوزآسف کے عبرانی نامونکو ہندی بناکر دکھانا چاہا ہے اسی طریق سے انھون نے یوزآسف کو

بودی ستوا بنا کر دکھایا ہے - حروف علت کو چھوڑ کر ان دو لفظون مین صرف ایک ہی حرف مشترک ہے یعنے س - اور یہ دونون لفظ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہین مگر ایک نرالے رنگ سے ان دونون لفظونکو ایک ثابت کیا ہے - اوّل تو یاء کے ایک نقطہ کو اڑا دیا پھر ذال کا نقطہ اڑا کر اسکو دال بنا لیا - اور آخری فاء کی جگہ واؤ رکھدیا پھر پادری وائیٹ برکٹ صاحبنے ایک اور کمال کیا ہے انہون نے آخری حرف سے پہلے ایک تاء اپنی جیب خاص سے نکال کر رکھدی ہے اور ایسے ہی کچھ اور تغیر کرکے یوزآسف کو بودی ستوا بنا لیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جب حروف کی تمیز کا مدار ہی نقطونپر ہے تو کیا ہم اپنی مرضی سے نقطونکو اڑا سکتے ہین - اگر پادریصاحب سمجھتے ہین کہ کاتبون نے غلطی سے نقطے بڑھا دئیے ہین تو انکو کوئی صحیح نسخہ بھی پیش کرنا چاہئیے جسمین صحیح نام لکھا ہوا موجود ہو - اگر کاتبون کی طرفسے کوئی غلطی ہوتی تو وہ نقطہ نہ دینے مین ہونی چاہئیے تھی نہ کہ زائد نقطے ڈالنے مین کیونکہ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے - کہ کاتب اپنی طرفسے لفظ یا حرف یا نقطے بڑھا دیوے - اگر وہ غلطی کرتا ہے تو وہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ وہ کوئی لفظ یا حرف چھوڑ دیتا ہے - پھر اگر کاتبنے غلطی کی تھی تو ایک حرف مین کرتا یہ کس طرح ہو گیا کہ یوزآسف مین تین حرف نقطہ دار ہین اور تینون پر ہی نقطہ ڈالنے مین اس نے غلطی کی - پھر اگر ایک دفعہ غلطی کر چکا تھا تو ساری کتاب مین وہ کس طرح غلطی کرتا گیا اور اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوا - ہان ایک صورت ہے جس سے یہ ماننے مین آسکتا ہے کہ صحیح نام بودی ستوا ہی ہو اور غلطی سے یوزآسف لکھا گیا ہو - اور وہ یہ ہے کہ یہ یوزآسف کے قصے جو عربی وغیرہ زبانون مین موجود ہین یہ سب تراجم ہین پادریصاحب کے نزدیک اصل قصہ کسی ہند کی زبان سنسکرت یا پالی وغیرہ مین تھا - اگر وہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ صحیح لفظ بودی ستوا ہے مترجم نے غلطی سے بودی ستوا کی جگہ یوزآسف لکھ دیا تو وہ یہ دکھائین کہ سنسکرت یا پالی مین بودی ستوا کا لفظ اس طرز سے لکھا جاتا ہے کہ اسکو آدمی بودی ستوا بھی پڑھ سکتا ہے اور یوزآسف بھی پڑھ سکتا ہے تب ہم قبول کرلینگے کہ مترجم نے لفظ بودی ستوا کے پڑھنے مین غلطی کی ہوگی اور اسکی جگہ یوزآسف لکھدیا ہوگا - جب مین نے کہا کہ یوزآسف اصل یسوع آسف ہے تو پادریصاحب اعتراض کرتے ہین کہ یوز یسوع کا بگڑا ہوا نہین ہو سکتا کیونکہ لفظ یوز مین ع نہین جو یسوع مین ہے اور آپ یوزآسف کو بودی ستوا سے بگڑا ہوا قرار دیتے ہین اور یہ نہین دیکھتے کہ ان دونون لفظون مین حروف علت کو چھوڑ کر سوائے ایک حرف کے کوئی اور حرف مشترک نہین - پہلے پادریصاحب ذرا خود عین بول کر دکھائین پھر ہندیونکو ملامت کرین کہ وہ یسوع کا آخری عین کیون کھا گئے یہ بھی تو آپ کے بھائی ہی ہین - اب بھی آپکے انجیلی مناد اگرچہ لکھنے مین تو دیکھا دیکھی یسوع لکھتے ہونگے مگر بولنے مین تو یسو یسو ہی پکارا کرتے ہین تو کیا ہم خیال کرلین کہ یہ شخص اس یسوع کی منادی نہین کرتے ہین جسکے نام مین ع ہے کسی اور شخص یسو نامی کا وعظ کرتے ہین -

پادریصاحب کو معلوم ہوگا کہ انگریزی مین توعین کے مقابل کوئی حرف ہی نہین اگر یسوع کو انگریزی
حروف مین لکھنا ہو تو یسو ہی لکھینگے یسوع نہین لکھ سکتے۔ پادریصاحب بھی اپنی انگریزی چھٹی مین
یسو ہی لکھتے ہین۔ پادریصاحب یسوع کے یوز بن جانے پر تعجب کرتے ہین ہند کے مشہور شاعر فیضی کا
مصرع پڑھین۔ سہ اے نام تو یوز و کرستو + اس نے تو یوز بھی نہ رہنے دیا۔ یوز و بنادیا۔ پھر مین لفظ
یوز آسف اور بودی ستوا کیطرف عود کرکے کہتا ہون کہ صحیح نام یوز آسف ہی ہے اہل کشمیر نے بھی ہمکو یوز آسف
ہی نام بتایا عربی ترجمون اور دوسرے نسخون مین بھی ہم نے یوز آسف ہی لکھا ہوا پایا۔ جدھر سے یہ نام
نکلتا ہے یوز آسف کی ہی شکل مین نکلتا ہے پھر ہم کس طرح پادریصاحب کے کہنے سے مان لین کہ یہ لفظ اصل
مین بودی ستوا ہے۔ بلکہ عام ناخواندہ لوگ تو یوس آسف ہی بولتے ہین جس سے اس امر کی تائید ہوتی
ہے کہ یہ نام اصل مین یسوع آسف ہی ہے۔

اب مین پادری صاحب کے دوسرے سوال کو لیتا ہون وہ کہتے ہین کہ اگر یوز آسف انجیل کا وعظ
کرتے تھے اور انجیلی مثالین سناتے تھے تو کس طرح ثابت ہوگیا کہ وہ خود حضرت مسیح ہی تھے ممکن ہے کہ آپکا
کوئی شاگرد ہو۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ کے بعد بھی اس زمین مین زندہ
پھرتے رہے اسمین تو شک نہین کہ انکو ایک قبر مین رکھا گیا۔ جو ایک چھوٹے سے کمرے کے مشابہ تھی اور
انکے ایک شاگرد یوسف کے باغ مین واقع تھی اور اسقدر وسیع تھی کہ چند آدمی اسمین سما سکتے تھے۔ مگر تیسرے
دن دیکھا گیا کہ پتھر جو اس قبر کے منہ پر تھا وہ ہٹا ہوا ہے اور حضرت مسیح قبر مین نہین ہین۔ پھر مسیحؑ اس
باغ مین دیکھے گئے کہ انہون نے ایک باغبان کا بھیس بدلا ہوا ہے اور انکے کفن کے کپڑے قبر ہی مین
پڑے پائے گئے۔ اسمین شک نہین کہ انکے شاگرد یوسف کے مالیون نے آپکو کپڑے بھیس بدلنے کیلئے دئیے ہونگے
پھر آپنے اسی بھیس مین اپنے وطن کیطرف سفر کیا اور راستے مین کچھ فاصلہ تک اپنے دو شاگردون کی ہمراہی مین
چلتے گئے مگر اپنا چہرہ لپیٹ کر اور شام کے قریب انکو پتہ دیا کہ مین مسیح ہی ہون جو قبر سے زندہ نکلکر آیا ہون
اپنے دوسرے شاگردون سے بھی ملے مگر خلوت مین اور انکو یقین دلایا کہ مین زندہ ہون۔ انجیل مین لکھا ہے
کہ شاگرد انکو دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھا کہ ہم بھوت کو دیکھ رہے ہین اور حضرت مسیح نے انکو کہا کہ کیون تم گھبراتے ہو
اور کیون تمہارے دلون مین شک پیدا ہوتے ہین میرے ہاتھون اور میرے پاؤن کو دیکھو کہ مین خود ہی ہون
مجھے ہاتھ لگا کر دیکھو روح پر گوشت اور ہڈیان نہین ہوتین اور یہ کہکر انہون نے اپنے ہاتھ اور پاؤن دکھلائے
اور جب پھر بھی شاگردون نے تعجب کیا اور حیران ہوئے تو انہون نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ کھانیکی چیز ہے
اور شاگردون نے انکو ایک بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا۔ انہون نے لیا اور انکے سامنے کھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ حضرت مسیح اسی عنصری جسم کے ساتھ قبر سے زندہ نکلے + اب ہمین ان حالات پر نظر کرنی چاہئے جو اسکے
قبر مین رکھا جانے سے پہلے گذرے اور دیکھنا چاہئے کہ پہلے واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے آیا یہ کہ وہ تقینی طور پر

مردہ تھے جب وہ قبر میں رکھے گئے یا ان کی موت ظنی تھی مگر جب واقعات پر ہم نظر ڈالتے ہین تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ جس چیز کو موت سمجھا گیا وہ ایک ظنی موت تھی یقینی موت نہ تھی۔ مثلاً اول تو وہ صلیب پر صرف تین گھنٹہ لٹکے رہے جس سے موت واقع نہین ہوسکتی تھی اور جو دو شخص انکے ساتھ لٹکائے گئے تھے وہ بالکل زندہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ صلیب سے انکے ساتھ اترے۔ پھر ان چورونکی تو ہڈیان توڑی گئین اور حضرۃ مسیح کی ہڈیان بھی کسی نے نہ توڑین اور جب پلاطوس نے سنا کہ مسیح مر گیا ہی تو اس نے سخت تعجب کیا کہ وہ ایسی جلدی کس طرح مر گئے اور تاریخ سے ثابت ہی کہ کئی کئی دن تک بھی آدمی صلیب پر نہین مرتے تھے ان واقعات سے ایک با انصاف انسان ضرور یہ نتیجہ نکالتا ہی کہ اسکی موت یقینی نہین تھی بلکہ ایک شکی امر تھا۔ پھر برچھی چبھونے سے خون بھی نکل آیا۔ ایکطرف تو ہم یہ واقعات دیکھتے ہین اور دوسریطرف ہم دیکھتے ہین کہ یہی شخص پھر اپنی قبر سے نکل بھی گیا اور اپنی زندگی کا لوگونکو یقین دلایا۔ اب ہم ان واقعات مجموعے سے کیا نتیجہ نکال سکتے ہین کہ وہ زندہ تھا جب وہ قبر میں رکھا گیا اور زندہ ہی نکل آیا۔ مین پادریصاحب سے پوچھتا ہون کہ یہی واقعات کسی اور شخص کے پیش آوین تو وہ کیا نتیجہ نکالین گے ایسا بارہا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک شخص کو مردہ یقین کر لیتے ہین اور جب پھر اسمین زندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہین تو وہ اپنے پہلے خیال کو غلط قرار دیتے ہین اور سمجھ لیتے ہین کہ جس چیز کو انہون نے موت سمجھا تھا وہ حقیقی نہین تھی۔ مگر حضرت مسیح کا معاملہ تو بڑا صاف ہے ایکطرف انکی موت کا قطعی ثبوت نہین بلکہ ان کی زندگی کے دلایل نہایت قوی ہین اور لوگونکا اظہار تعجب موجود ہے دوسریطرف انکا زندہ پھر نکلنا ثابت ہے پھر ہم کیونکر سمجھ لین کہ مر تو گئے تھے مگر پھر جی اٹھے۔ کیا پادری صاحب انکی قبر مین موجود تھے اور انکو دیکھ رہے تھے جب انکے جسم مین دوبارہ روح داخل ہوئی تھی لوقا۔ باب ۲۴۔ آیت ۲۲ و ۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حضرت مسیح قبر مین ہی تھے اور عیسائیونکی کج فہمی کے بموجب مردہ پڑے تھے کہ بعض عورتونکو فرشتہ نے خواب مین آکر کہا کہ وہ زندہ ہین حضرۃ مسیح عیسائیونکے خیال کے بموجب تیسرے دن صبح تڑکے جی اٹھے اور رات کو فرشتہ نے آکر کہا کہ وہ زندہ ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر مین زندہ ہی تھے کیونکہ فرشتون نے اسوقت کہا کہ وہ زندہ ہین جبکہ وہ ابھی قبر مین پڑے تھے اور ابھی قبر سے خروج نہین کیا تھا۔ علاوہ ازین جب کسی شخص کی نسبت کہا جاوے کہ وہ زندہ ہی اسکے یہی معنی ہوتے ہین کہ اس نے ابھی تک موت کا پیالہ نہین پیا۔ اسی طرح فرشتہ کے الفاظ کے بھی یہی معنے کرنے چاہئے۔ کہ حضرت مسیح نے ابھی تک موت کا مزہ نہین چکھا تھا چند سال ہوئے کہ خود پادری صاحب نے اخبار نور افشان مین ایک شخص رفیع الدین احمد کے بیان کی تردید مین لکھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب امرتسری زندہ ہی اسوقت پادریصاحب کا کیا مطلب تھا کیا یہ کہ وہ مر گیا تھا اور پھر زندہ ہو گیا یا یہ کہ ابھی تک نہین مرا۔ ایسا ہی فرشتہ نے عورتونکے خیال کی تردید مین کہ حضرت مسیح مر گئے ہین یہ کہا کہ وہ زندہ ہی۔ پادری صاحب آپ ہی

فرماوین کہ فرشتے کے الفاظ کے کیا معنی کرنے چاہئے۔ پھر لکھا ہی کہ جب عورتین قبر پر گئین تو انکو کہا گیا کہ تم کسکو ڈھونڈتی ہو تو انہون نے کہا کہ مسیح کو تو انکو جواب ملا کہ تم زندہ کو مردون مین کیون ڈھونڈتی ہو۔ اسکے بھی یہی معنے ہین کہ مسیح مرے نہین تھے۔ بلکہ زندہ تھے۔

عیسائی یہ کہکر کہ حضرت مسیح مردہ تھے جب قبر مین رکھے گئے صرف ایک غیر معقول اور بے بنیاد بات ہی نہین کرتے بلکہ ایسا کہکر حضرت مسیح کے ایک معجزہ کا بھی انکار کرتے ہین۔ حضرت مسیح نے فرمایا کہ حرامکار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہین ان کو کوئی نشان نہین دکھلایا جاویگا سوائے حضرت یونس نبی کے نشان کے۔ مگر حضرت یونس تو زندہ تھے۔ جب مچھلی کے پیٹ مین داخل ہوئے اور زندہ ہی اسکے اندر رہے۔ اور زندہ ہی مچھلی کے منہ سے نکلے۔ اب مشابہت چاہتی ہے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی زندہ ہی قبر مین رکھے گئے ہون۔ قبر کے اندر بھی زندہ ہی رہے ہون اور زندہ ہی باہر نکلے ہون۔ جب پلاطوس کے آگے حضرت مسیح کا مقدمہ پیش تھا تو اس کی بیوی کو ایک فرشتہ نے آکر کہا ایسا نہ ہو کہ تیرا خاوند حضرت مسیح کو قتل کرے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ حضرت مسیح کو بچا لینے کا تھا ورنہ فرشتہ کے بھیجنے کے کیا معنے۔ اور خود بائبل سے ثابت ہی کہ جس غرض کے لئے خدا تعالےٰ فرشتہ بھیجتا ہے وہ غرض پوری ہی ہوکر رہتی ہے اور بے شک حضرت مسیح کا صلیب پر چڑھکر اور دشمنو نکے پنجہ مین آکر پھر بچ نکلنا انکا ایک نشان تھا اور خدا تعالیٰ کی باریک تدبیرو نکا ایک نمونہ۔ حضرت مسیح صلیب سے اسی طرح بچے جیسے حضرت ابراہیم آگ سے محفوظ رہے اور جیسا بڑے بڑے انبیاء کو ایک ہجرت کرنی پڑی ایسا ہی حضرۃ مسیح کو بھی شام سے ہجرت کرنی پڑی اور بھی کئی امور ہین جو اس امر کی تائید کرتے ہین کہ حضرۃ مسیح صلیب سے بچ نکلے مثلاً پلاطوس کی خواہش کہ حضرت مسیح قتل نہ کئے جاوین اور نہایت قرین قیاس ہی کہ اس نے اپنے افسرون کو پوشیدہ ہدایتین دی ہون۔ چنانچہ جب اتارے گئے تو سپاہیون نے دوسرے چورون کی ہڈیان تو توڑ دین مگر عمداً حضرت مسیح کی ہڈیان نہ توڑین۔ آج کل تو عیسائی یہودیون کی طرح افسوس کرتے ہونگے کہ کاش کہ حضرت مسیح کی اسوقت ہڈیان توڑ دیجاتین تا یہ جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ اندر اندر سپاہیون اور پلاطوس کو کوستے کہ کیون انہون نے حضرۃ مسیح کے بچانے کی کوشش کی۔ اور ہمکو مصیبت مین ڈالا۔ اسی وقت فیصلہ کیون نہ کردیا۔ پھر پلاطوس نے حضرت مسیح کا جسم انکے ایک دولتمند شاگرد کے حوالہ کردیا اور یہودیون کے سپرد نہ کیا۔ پھر مسیح کا مالی کے کپڑے پہننا بھی گواہی دیتا ہے کہ انکے بچانے کے لئے ایک پوشیدہ سازش تھی۔ کیونکہ یہ کپڑے انکو ضرور مالیون سے ملے ہونگے۔ اگر حضرت مسیح کا جسم اسی خاک کا تھا۔ تو اس مین بھی شک نہین کہ یہ کپڑے بھی کھدڑ کے تھے اگر حضرت مسیح مرکر جی اٹھے تھے۔ تو چاہئے تھا کہ بڑی

شان و شوکت کے ساتھ اٹھتے اور زرق برق آسمانی لباس مین دشمن و دوست کے سامنے آسمان کیطرف صعود فرماتے - یہ کیا وجہ کہ مایوسانہ بھیس بدلا - اپنے چہرے کو لپیٹ کر پھرتے رہے اور آسمان پر بھی چڑھے تو خفیہ ہی چڑھ گئے انجیل نویسون کے سوا کوئی گواہی نہین دیتا کہ مین نے ایک شخص آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا - جس پہاڑ سے آسمان پر چڑھے تھے اگر وہان کا کوئی گڈریا ہی گواہی دیدیتا کہ مین نے ایک شخص کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھا تو بھی ہم قبول کر لیتے تعجب ہے کہ ایک پتنگ کو تو ہزار ون آدمی دیکھ لیتے ہین مگر ایک انسان کو کسی نے نہ دیکھا مین پادری صاحب سے پوچھتا ہون کہ اگر مسیح کا کوئی آسمان پر جانا نہ مانے تو اسکا کیا قصور پھر تم کیون کہتے ہو کہ جو شخص حضرت مسیح کے آسمانی پرواز کو نہ مانے گا وہ دوزخ کا ایندھن ہوگا +

غرض عیسائیونکا اس امر کو قبول کر لینا کہ حضرت مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ قبر سے نکلے اور اپنے شاگردونکو ملے - اور ۴۰ دن تک ملک شام مین پھرتے رہے اور کباب شراب کھاتے پیتے رہے انکے اعتقاد کے لئے بڑا مضر ہے کیونکہ اب کوئی نہین مان سکتا کہ وہ اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے - گوشت اور ہڈیان آسمان کیطرف چڑھ نہین سکتین خواہ وہ خدا کی ہی ہڈیان اور گوشت کیون نہ ہون - اب عیسائیونکو چاہیئے کہ انکے لئے کوئی اسی زمین پر جگہ تلاش کرین اگر ہمین نہ بھی پتہ ملتا کہ اسکے بعد حضرت مسیح کدھر گئے اور کہان انہون نے باقی دن کاٹے تو بھی ہم یہ تو قبول نہین کر سکتے تھے کہ وہ آسمان کیطرف اڑ گئے کیونکہ آسمان پر گوشت اور پوست کیلئے کوئی جگہ نہین - باپ کے تخت پر بھی ہڈیون اور چمڑے کے لئے کوئی جگہ نہین نہ اسکے دائین ہاتھ کوئی جگہ ہے نہ بائین ہاتھ - ضرور وہ خاکی جسم اسی زمین مین رہا ہوگا اور کسی نے اسی مٹی مین گاڑا ہوگا - کسی کا مفقود الخبر ہوجانا اس امر کی دلیل نہین کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا - مگر عیسائیون کی بدقسمتی سے اب یہ بھی پتہ لگ گیا ہے کہ وہ کس طرف گئے + حضرت مسیح اپنے واقعہ کو حضرت یونس کے واقعہ سے مشابہت دیتے ہین اور حضرت یونس کو جب مچھلی نے اگل کر نکالدیا تو خدا نے انکو حکم دیا کہ اٹھ اور اس بڑے شہر نینوہ کیطرف جا اور میرے حکم کے مطابق انکو تبلیغ کر - اسلئے مشابہت چاہتی ہے کہ حضرت مسیح بھی حضرت یونس کیطرح قبر سے نکلکر کسی قوم کیطرف بھیجے گئے ہون - وہ کل قوم بنی اسرائیل کیلئے نبی ہو کر آئے تھے - نہ کہ کسی خاص فرقہ بنی اسرائیل کیلئے - مگر شام مین صرف دو فرقے موجود تھے - اور باقی دس قومین جلاوطن ہو کر مشرق مین آباد ہو گئی تھین اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی ہین - اور حضرت مسیح کا فرض تھا کہ انکو بھی وعظ کرتے - کشمیر کے لوگ بالاتفاق یہ گواہی دیتے ہین کہ جو شخص سرینگر محلہ خانیار کے مزار مین مدفون ہے وہ ایک شہزادہ نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور یہین وفات پائی اور یہ بھی شہادت ملی ہے کہ اسکو آئے قریباً ۱۹۰۰ برس ہوگئے کشمیر کی تاریخی کتابین بھی یہی گواہی دیتی ہین - یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اسکی کتاب کا نام بشری تھا - جو انجیل کا عبرانی نام ہے اور وہ انجیلی تعلیم اور انجیلی مثالین بھی سنایا کرتا تھا چنانچہ یوز آسف کے قصہ مین کسان کی مثال بھی درج ہے جو اناجیل کی

کرتا تھا اور اپنی تعلیم کا نام انجیل رکھتا تھا + والسلام علی من اتبع الہدی + آپکا تابعدار شیر علی از قادیان +

"حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاکیدی ارشاد کا اعادہ"

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن پر زور تاکیدی الفاظ میں ایک نور عرفان سے بھرے ہوئے لب ولہجہ سے اپنی احمدی جماعت کے پر جوش و مخلص جوانمردوں کو کثرت اشاعت رسالہ میگزین کیطرف ملتفت کرنا چاہا تھا وہ برکت مجسم و پر شوکت الفاظ تو خوابیدگان خواب غفلت کے بیدار کرنے کے لئے کافی تھے چہ جائیکہ اپنی جماعت کے باخبر۔ باہمت و اخلاص مند احباب اپنے پیارے امام صادق و مامور برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری میں تساہل و تکاہل سے کام لیتے۔ خدا تعالےٰ کے فرستادہ کی زبان دُرفشان سے ان سراپا برکت خیز و تبشیر و تنذیر آمیز الفاظ کا نکلنا کہ "میں پورے زور کے ساتھ اپنے مخلص جوانمردوں کو اسطرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت و اعانت میں جہانتک اُنکے ممکن ہے ہمت دکھلاویں" کیا کچھ کم توجہ طلب و کم وزن دار تھے اور سعادت کیش احباب کے دلوں کو اپنی تعمیل کیطرف کھینچنے کے لئے کچھ کم اثر مقناطیسی رکھتے تھے حضرت اقدس نے اس تاکیدی ارشاد میں کھول کھولکر زور سے توجہ دلا کر فرمایا ہے کہ "اے جماعت کے سچے مخلصو! تم اس رسالہ کی اعانت کے لئے ہمت کرو میں بار بار کہتا ہوں کہ اس خدمت میں جان توڑ کوشش کرو یہی وقت خدمت گذاری کا ہے" پھر ساتھ ہی بشارت دی ہے کہ "جو کوئی میری موجودگی میں میری اس غرض میں مدد دیگا وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا اسکے مال میں برکت ہوگی اور عمر میں زیادہ ہونگی" انسان اس دار الابتلا میں اپنے حسن خدمات و حسن کردار کا اس سے بڑھکر اور کیا صلہ حاصل کر سکتا ہے؟ اگرچہ اس تاکید اکید کے بعد کسی دیگر بیرونی تحریک یا تاکید یا یاد دہانی کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ ہونی چاہیئے مگر پھر بھی ہم نے بدیں خیال کہ کوئی بھائی اس پر نور خیز حکم کی بجا آوری سے قاصر رہکر ثواب و مفاد دارین سے محروم نہ رہے حتی الوسع پہلے بھی اس ارشاد حضرت اقدس کو جملہ برادران کے کانوں تک پہونچانیکی بڑی جد وجہد کی ہے اور اب بھی الاعمال بالنیات کے اصول پر وہی سعی کیجاتی ہے اب وقت ہے کہ اپنے پیارے امام صادق کے فرمان پر جان قربان کردینے والے دل اس خاص خدمت کی وقت پر قدر کر کے سابق بالخیرات بنیں اور حسنات دارین کی وراثت سے حصہ لیکر اس چندروزہ قیام گاہ سے فائز المرام رخصت ہوں۔ اور تخلیق انسانی کی اصل غرض کو پورا کریں۔ اللہ کرے جملہ سعید الفطرت روحیں مامور و مرسل برحق کے اس تاکیدی فرمان پر اپنا روح و روان نثار کرتے ہوئے اس یگانہ ذات مقتدر رب الافواج کے آستانہ کی حقیقی دہلیز بنکر دین و دنیا و ما فیہا کی نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ اندوز ہوں آمین ثم آمین

مینیجر

"تعلیم الاسلام کالج قادیان"

یکم جون ۱۹۰۳ء سے ہر دو کلاس ایف اے کی جماعت بندی ہوکر تعلیم شروع ہو جاویگی ہر مذہب و ہر فرقہ کے طلباء تعلیم پا سکتے ہیں۔ سر دست ایکسال کیلئے فیس معاف رہیگی۔ انگریزی و ریاضی کے علاوہ دینیات و عربی و فارسی و فلاسفی و ہسٹری کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے اس خاص رعایت سے مستفید ہونیکے خواہشمند طلباء خصوصاً جنہوں نے حال ہی میں انٹرنس پاس کیا ہے جلدی کالج میں پہونچنے کی سعی کریں بصورت توقف ہرج تعلیم کا خطرہ ہے۔ والسلام۔

مولوی شیر علی پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

ضروری استدعاء

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹینٹ یا غیر پیٹینٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑتی ہیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں - یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

اطلاع :- جناب ابو سعید صاحب عرب احمدی بحر السادات الا ... مرزا ... پہنچ گئے ہیں - انکے جملہ احباب خصوصاً انکو بڑھانے دوست انکے نام خط کتابت قادیان ضلع گورداسپور کے پتہ پر کریں +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ÷ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰-جون سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ ...عہ

"تفسیر سورۂ جمعہ"

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ÷ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے ÷ جو ضروری تھا وہ اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ÷ مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ÷ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

"اعلان"

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم و بطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نورٌ من اللہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے مجھے انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنی پایہ کا وہ بے نظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیروں میں بھی مسلم ہے۔ سوئم یہ سورۂ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلام خداوند کریم الرحمٰن الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا سمجھنا۔ سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورۂ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر ہی میں ملاحظہ فرماوینگے اسکے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بے حد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہئے کہ جس قدر آپ سے ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴ر ..... ایک جلد کے خریدار کو معہ محصولڈاک وغیرہ۔ ۵ر ٹکٹوں کے ذریعہ لفافہ میں بند کر کے بھیجنا چاہئیں
پانچ جلد ۱۴ر بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔
دس جلد عہ ،، ،، ،, ،،
پچیس جلد للعہ ،،

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بے عیب نبی اور زندہ نبی

اس مین ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ اس نبی نے خود کیا دعوے کیا۔ اس کی قوم نے اس کی نسبت کیا شہادت دی ...... اس نے کارروائی کیا کی کیسے وقت مین وہ آیا اور کس حالت مین اس دنیا سے گیا۔ اس نے اپنی دائمی زندگی کا ثبوت اور نشان کیا چھوڑا۔ یہ پانچ باتین ہین جن پر ہم مختصراً لکھنا چاہتے ہین **والموفق ہو اللہ سبحانہ وتعالےٰ**۔

پہلی شق مین ہم دو طرح پر نظر کرتے ہین۔ اول یہ کہ وہ کس طرح فوق العادت قوت اور دلیری سے اپنے وجود اور اسکے متعلقات کو سوسائیٹی کے عرف اور مسلم قوانین کے معیار کے آگے پیش کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اخلاق اور روحانیت اور عقائد کے میدان مین کس طرح اپنے تئین اپنی صداقت اور حقیقت کے دلی احساس اور بصیرت کے نقشہ سے جلوہ گر کرتا ہے پہلی بات کے ثبوت کیلئے یہ آیت **وقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون** ایسی لانظیر دلیل ہے کہ کسی مصلح اور ماموری لائف مین کسی ملت و مذہب کا کیون نہ ہو اسکی مثل تلاش کرنا پوری ناکامی اور نامرادی کے ساتھ تھک کر رہ جانا ہے۔

ایک شخص ایک غیور اور جنگی قوم اور تکبر کے خمیر سے تیار شدہ قوم کے معروف و مسلم عقائد اور صدیون کی مالوف رسمون اور انکے قابل عزت معبودون کی اہانت اور بیخ کنی کرتا اور اس اثنا مین انہین اشتعال پر اشتعال دلاتا ہے کہ ہر قسم کے عرفی پہلوؤن سے اسکا مقابلہ کرین اور اسکے مغلوب کرنیکے لئے متفق اور منفرد کوششون اور منصوبون کو جمع کرین۔ اور مخاطبین بھی رات دن اسی انتھک کوشش مین ہین کہ اسکے قلعہ پر حملہ کرنیکے لئے کوئی ایک سوراخ کہین سے انہین ملجائے ایسی حالت مین یہ دعوے کرنا کہ مین عمر کا بڑا حصہ یعنی چالیس سال تک اس عظیم الشان دعوے سے پہلے تم مین گذار چکا ہون **افلا تعقلون** یعنی اس پر بھی تم اپنی عقلون کی طرف رجوع نہین کرتے کیا تمہاری دانشین اور زمانہ کے عرف سے واقف عقلین اس نتیجہ پر پہونچ نہین سکتین کہ اتنے دراز عرصہ تک اور ایسی عمر مین جو جذبات جوانی اور جوشون کے کمال کا وقت ہوتا ہے کوئی جھوٹ اور افترا اور بددیانتی اور بدچلنی کا کوئی الزام جس شخص کے ذمہ عائد نہ ہو سکتا ہو کیا وہ اب ہی کذب اور افترا کا مرتکب ہوگا۔ اس آیت مین عجیب بات یہ ہے کہ مکی

دعوے کے بعد اپنی صداقت اور حقیت کے ثبوت اور ذہن نشین کرنیکے لئے عقول سلیمہ کے آگے اپیل کرتا ہے اس اپیل سے ایک شخص جو دل کے انفعالات اور کیفیات کا علم رکھتا ہے یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مدعی کے دل میں کس زندہ احساس اور نا قابل تردد شوخی سے یہ یقین اور عرفان بھرا ہوا ہے کہ وہ بے عیب ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کی کتاب کے اوراق ایسے جلی اور بے داغ ہیں کہ اس کی راستی پر ایمان لانیکے لئے اسکا ایک دفعہ مطالعہ کرنا کافی معلم اور رہنما ہوگا +

ہم بالفعل اس ہیبت انگیز دعوے کو مذاہب کے حامیوں کے آگے پیش کرتے اور کشادہ دلی سے درخواست کرتے ہیں کہ دلایل سے قطع نظر کرکے وہ اپنی کتابوں سے اپنے مسلّم مقتداؤں کے مونہوں سے اس دعوے کی مثل دکھائیں میں نے بارہا اس میں غور کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مبارک اور زندہ کتاب میں جس نے الٰہیات کے علوم کے احیا اور ابقا کا ذمہ لیا ہوا ہے اس دعوے کو محفوظ اور مکتوب رکھنے سے کیا مدعا ہے اور اسکا تعلق اثبات نبوت سے کیا ہے۔ ان امور میں غور کرنیکے بعد میں ہمیشہ لذت اور بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک مدعی کی راستی کو پرکھنے اور اسپر ایمان لانیکے لئے اس معیار سے بڑھکر کوئی معیار نہیں۔ انسان کی فطرت میں علی السوا یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ قول کو سننے کے بعد معًا اسکے دل میں یہ گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اسکے قائل کی زندگی کس طرح کی ہے خصوصًا ایسے شخص کی بات سن کر جو کھلے میدان میں دعوے کرتا ہے کہ میں امین ہوں میں پرلے درجہ کا دیانت دار ہوں لوگوں کو چاہئیے کہ اپنی گرامی قدر امانتیں جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکتی اور چوروں اور ڈاکوؤں کے دستبرد کے خطرہ سے مامون نہ ہوں وہ میرے پاس رکھا کریں۔ میں عند الطلب صحیح و سالم دینے سے دریغ نہیں کرونگا اور اتنی بڑی خدمت کے مقابلہ میں کوئی اجرت اور معاوضہ کسی سے نہیں لونگا ظاہر ہے کہ انسان کی عادت اور الف میں یہ ہرگز داخل نہیں کہ ایسے دعوے کو سنے اور بلا تردد ان بلند الفاظ پر سچا ایمان لے آئے۔ بلکہ امانت کی قدر و قیمت کا احساس اسے مجبور کریگا کہ مدعی کے گذشتہ اور معروف چال چلن کی حد سے زیادہ چھان بین کرے۔ ہم عرف میں روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک قرض خواہ کو قرض کا ملنا دشوار ہوتا ہے جبتک قرض دہندہ کو اسکی سیرت کی پاکیزگی کی نسبت پورا اطمینان نہ ہو جائے اس کو جیہ سے عرف کے باہر نکلکر دیکھو اور غور کرو کہ ایک شخص یہ دعوے کرتا ہے کہ دین و ایمان کی امانتیں میرے سپرد کرو۔ اپنی عقلوں اور دانشوں اور علموں اور تجربوں اور ارادوں اور خواہشوں کو میری باتوں کی تسلیم کے مقابل قربان کردو۔ اس خود مختار مرضی اور نیک و بد کی ممیز قوت کو جو تمہاری مایہ ناز طاقت ہے میرے حکم کے آگے تیز چھری سے ذبح کردو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب کی یہ آیت تعلیم دیتی ہے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ مجھے اپنی ربوبیت کی قسم جس نے اپنے بڑے مقاصد اور اغراض کے اتمام کے لئے تیری

تربیت کی اور تجھے کامل معلم اور کامل نمونہ بنایا ہے لوگ ایمان مین کامل نہین ہونگے جبتک اپنے اختلاف
اور جھگڑے کی باتون مین تجھے حکم نہین بنائینگے پھر ایسا ہو کہ تیرے فیصلہ پر اپنے دلون مین کوئی تنگی اور
گھبراہٹ محسوس نہ کرین اور سر تسلیم جھکا کر اس پر عملدرآمد کرین۔ بظاہر یہ آیت آزاد۔ بیباک اور من مرضی
اور اختیار کا خون کرتی ہے اور کس جبر اور حکومت سے ہزارون مختلف دانشون اور عقلون اور بے شمار
ذہین جوانون اور تجربہ کار بوڑھون کی طبع آزمایان اور فہم و فراست کے نچوڑون کو ایک انسان کی گفتار
پر قربان کرتی ہے یہ ایسی بات ہے کہ انسان کی غیرت مند طبیعت آسانی سے اسکو اختیار اور قبول نہین
کرتی۔ مشورت اور صلاح کاریون کے ہوتے ہوئے مین رات دن اس اختلاف رائے کی شورا شوریون کے نظارے
دیکھے جاتے ہین جو مسلم اہل الرائے اور مدبران ملکی کی تقریرون کے خلاف برپا کیجاتی ہین لیکن ان
سب کے خلاف ہم دیکھتے ہین کہ گرم ملک اور پاک آب و ہوا والے میدان کے غیر مفتوح اور آزاد جبلی طبیعت
کے نوجوانون اور تجربہ کار بوڑھون نے سچا نمونہ اس انقیاد اور اطاعت کا دکھایا جو اس آیت سے سمجھی جاتی ہے

غرض دین و ایمان کی امانت بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ پتھرون کی امانت سے جسکے سپرد
کرنیسے پیشتر امین مؤتمن کے حالات کی نسبت تا بمقدور تفحص اور تجسس اسقدر ضروری سمجھا جاتا ہے یہ آواز **وقد لبثت
فیکم عمراً من قبلہ** کیسی قابل قدر اور ضروری ہے اسکے ثبوت کے لئے ہمارے پاس ہمارے زمانہ مین
ایک نمونہ موجود ہے۔ ہمارے آقا و مولے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت بھی مدتون اس سے پہلے
براہین احمدیہ مین یہ وحی موجود ہے۔ **وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ**۔ ہم نے عملی زندگی مین اپنے مشاہدہ
مین اس دعوے کا اتنا بڑا فائدہ دیکھا ہے کہ اس سے زیادہ تصور مین نہین آسکتا۔ سنہ ۱۸۹۲ء اور سنہ ۱۸۹۳ء مین
اجتماع کے موقعہ پر سیکڑون آدمیون کے دلون مین بے اختیار یہ بات گذری کہ قادیان کے لوگون سے حضرت
مسیح موعود کی گذشتہ اور ان کی نگاہون سے پوشیدہ زندگی کی نسبت دریافت کرین۔ بہت سے تیز طبع زندہ دل
نوجوان چارون طرف اسی تلاش اور دھن مین پھیل گئے۔ کسی نے گاؤن کے سادہ بے شر سناتن دھرم بوڑھون
سے۔ کسی نے مسلمان بوڑھون سے کسی نے ادھر ادھر کے کھیتون مین کام کرنیوالے بوڑھون سے بعض نے
یہان کے مسلم مخالفون اور ڈاہ اور حسد کے مریض ہم عمرون سے پوچھا سب نے بے اختیار اور بالاتفاق یہی
جواب دیا کہ اس شخص کی زندگی مین ہم نے کوئی عیب نہین دیکھا۔ مین نے دیکھا کہ اتنے متضاد اور مختلف مونہون سے
ایک ہی یکسان بات کے سننے سے طالبان حق کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے دل حضرت مامور موعود کے دعوے کے قبول
کرنیکے لئے شرح صدر اور نور سے لبریز ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین مجھے اس سلسلہ کے مسلّم اور مشہور مخالف اور
حضرت موعود کے بہت نزدیکی ہمسایہ مولوی محمد حسین صاحب کے مکان مین ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت
قادیان سے موعودیت کی آواز باہر نکل چکی تھی مگر ہنوز صاف اور منفصل نہین تھی۔ اثنائے گفتگو مین
مولویصاحب مذکور نے مجھ سے پوچھا اور مین دیکھتا تھا کہ مولویصاحب پر سراسیمگی اور اضطراب غالب ہو رہے

کہ یہ کیسی آواز قادیان سے آئی ہے۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ لفظ موعود سے آپ کی صاف صاف کیا مراد ہے مجھے یہ فکر لگ رہی ہے کہ کہیں مرزا صاحب کی مراد اس سے یہ نہ ہو کہ وہ وہی مسیح موعود ہیں جسکا وعدہ احادیث میں دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو دنیا میں ایک انقلاب اور قیامت قائم ہونیوالی ہے اور اگر کوئی اور مراد ہے تو مضایقہ نہیں۔ اس بات کو سن کر پہلا سوال جو بلا تکلف میرے دل میں پیدا ہوا اور جسے میں فطرت انسانی کی اضطراری کیفیت سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ تھا کہ مولوی صاحب سے میں نے پوچھا۔ مولویصاحب فرمائیے آپ مرزا صاحب کی نسبت ان کی گذشتہ لائف کے مطالعہ کے بعد کیا رائے رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب کا ہم عمر اور ہم مکتب اور پھر ہمسایہ ہوں اور علاوہ برآں اب تک ان سے میرے تعلقات ہیں مجھ سے زیادہ کوئی شخص ان کے حالات سے واقف نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بے عیب۔ پہلے درجہ کے متقی اور خدا و رسول کے عاشق اور اسلام کے شیدا ہیں۔ اگرچہ میں خود ملہم نہیں مگر مرزا صاحب کی سچائی پر مجھے اسقدر یقین اور وثوق ہے کہ میں ان کے دعوے الہام کو کلی تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے سن کر کہا بہت خوب مرزا صاحب کی عمر کا جو حصہ ہم سے پوشیدہ تھا اس کی پاکیزگی اور تقدس کی آپنے گواہی دیدی آیندہ عمر کے حالات ہم خود دیکھ لینگے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے برگزیدہ رکن جناب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے مرزا امام الدین کو جو حضرت موعود کا سخت دشمن تھا اور رات دن آپ کی ایذارسانی کی تجویز و ن میں لگا رہتا اور اپنی تنہا کوشش سے تھک کر گاؤن کے بہت سے سانہیوں اور بھیڑیوں کو ہمیشہ اپنی مدد میں بلاتا دو تین دفعہ کہا کہ اگر تم ہمارے مرزا صاحب میں کوئی عیب نکالدو تو میں اتنے ہزار روپیہ نقد تمہیں دونگا۔ وہ مولویصاحب کی وجاہت اور متانت کو خوب جانتا اور یقین رکھتا تھا کہ مولویصاحب اپنی بات میں سنجیدہ اور صادق ہیں مگر وہ مبہوت اور خاموش رہا۔ اور لا طائل باتوں سے وقت کو ٹالدیا۔

غرض سلیم فطرتوں کی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ ایک منجانب اللہ مامور کے لئے از بس ضروری ہے۔ کہ اس کی لائف کی کتاب پبلک لائبریری میں رکھی ہوئی ہو اور ہر ایک شائق اور پڑھ سکنے والا اسے پکڑنے اور پڑھنے سے اپنے ہاتھ کو تاہ نہ سمجھے۔ اسلئے کہ ایک مستورالحال شخص کی زندگی کی نسبت کوئی نقاد اور صاحب نظر کیا نکتہ چینی کر سکتا اور بالآخر کس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس خصوص کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سوا کسی مامور و مرسل کی زندگی پبلک کی تنقید اور نظر کے لیئے واضح اور کشادہ نہیں۔ گذشتہ زندگی نبوت کے دعوے سے پہلے ہمیں اسی آیۃ **وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ** نے اس کی تلاش اور تجسس سے پوری طرح فارغ کر دیا ہے۔ جبکہ ہمعصروں اور نہایت قریبی رشتہ داروں اور آپ سے سابقہ پڑنے والوں کی گواہیاں آپکے **امین** اور **مامون** ہونے کی نسبت ہماری سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ

بیس پچیس برس کے نوجوان تھے - اور اس وقت بھی قوم میں نہایت راست باز اور امین مشہور تھے تو با این ہمہ ایک پاکیزہ دل اور سلیم فطرت اور نیک گمان نقاد کے نزدیک اس دعوے کے ہوتے اور تاریخ کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے - ایک اہل دل ہی اس بڑے یقین اور شرح صدر کا اندازہ کر سکتا ہے جو اس دعوے کو سن کر ایک طالب حق کو ملنا ممکن ہوتا ہے ❊

لیکن کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ یسوع مسیح کی لائف اور سوانح میں کوئی اسکے مقابل دلیرانہ دعوے ہمیں ملے - کیا کوئی دکھا سکتا ہے کہ یسوع نے قوم سے خطاب کر کے کبھی ایسا دعوے کیا ہو اور اپنی موجودہ زندگی کی راستی کے ثبوت میں اپنے گذشتہ چال چلن اپنے حسب و نسب کے بے داغ ہونیکو بطور گواہ کے پیش کیا ہو - ہم ابھی یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے اگر یسوع ایسا دعوے کرتا تو اس کی قوم اسکے جواب میں کہتی اسے تسلیم کرتی یا ناگفتنی اور ناشنیدنی جوابوں سے اسکا بخیہ ادھیڑ ڈالتی بالفعل ہم اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ ان کتابوں میں جو یسوع کی سہ سالہ زندگی کی ناتمام سوانح ہیں یسوع کے منہ میں اس قسم کا دعوے دیا گیا ہے - میں امید کرتا ہوں کہ یہ ایسی بات ہے کہ خدا ترس اور طالب حق دلوں کو اس سے بہت فائدہ اٹھانا چاہئے ❊

دوسرا پہلو اس دعوے کا بحث کے نیچے لانیکے لئے ہم اس خوبصورت اور قیمتی متاع کو دیکھتے ہیں جو کس قوت اور دلیری سے پانچ دفعہ ہر رات اور دن میں تمام دنیا کے آگے کھول کر رکھی جاتی ہے وہ ہے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ✤ - اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ ان دو فقروں میں یا اللہ اور محمد کے نام میں کیا مناسبت اور ملابست ہے پہلے فقرہ یعنی آلہہ کی نفی اور اللہ کے اثبات سے یہ مقصود ہے کہ الہیت اور معبودیت کا استحقاق اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں اس لئے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور اسکے سوا سب کو نقص اور ضعف اور عجز کا داغ لگا ہوا ہے انسانی طبیعتوں نے اشتراک اور اتفاق سے اس قاعدہ کو مانا ہے کہ مرئیات اور معلومات سے مجہولات اور نظریات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لیکن اس مقام میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا تمام الاہوں کی نفی اور اللہ کے لئے استحقاق الہیت کے اثبات کی نسبت دعوے کیا جا سکتا ہے کہ اس نفی اور اثبات میں دعوے اور دلیل کا تلازم ہے دوسرے لفظوں میں اسے یوں ادا کر سکتے ہیں کہ کیا آلہہ کی نفی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ہے - اس میں شک نہیں کہ اللہ کے لئے اثبات الہیت دعوے ہے اور بڑا بھاری دعوے ہے - اگر ہم ان دونوں کو دعوے اور دلیل دعوے مان کر ان میں کوئی باریک اور نازک تعلق قائم کرنا چاہیں تو وہ اس سے زیادہ نہ ہوگا جو مصنوعات اور صانع میں ہوتا ہے یعنی اگر کوئی بلند نظر صافی الفطرت تمام مخلوق معبودوں اور انسانی تخیلات کے تراشیدہ بتوں کی ہستیوں میں غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب ناتوان اور ناقص اور داغ حدوث سے داغدار ہیں اور پھر پیاس اور تلاش اسے سچی زندگی کے پانی کیطرف دوڑنے کیلئے کسی اور طرف رہبری کرے تو وہ اس سے زیادہ کسی اور نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ ان مٹی اور پتھر کی بد نما مورتوں

✤ اسکا مطلب یہ ہے کہ اذان میں ان ہی کلمات کی گواہی بلند آواز سے پانچ دفعہ دی جاتی ہے - منہ

یا عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے نکمے نالایق معبودون سے بالاتر ایک کامل اور اعلے ہستی ہونی چاہیئے اس شخص کا وہی حال ہوگا جو مصنوعات سے صانع کا سراغ لگانیوالے کا حال ہوتا ہے۔ یہ محنتی ڈھونڈنے والا مدت دراز تک ٹکرین مار مار کر اسکے سوا جھولی مین کچھ نہین لیگا کہ ان مصنوعات کا ایک صانع ہونا چاہیئے۔ اس بات کو اور زیادہ صاف لفظون مین یون سمجھو کہ یسوع مسیح ایک جھوٹا الہ اور باطل کا ایک چیدہ اور برگزیدہ نمونہ ہے الا اللہ کے اثبات کی ضرب اور لا الہ کی نفی کا تبر اُسکے سر پر بھی ویسا ہی پڑتا ہے جیسا کہ زمین کے اور معبودون پر جو اسکے بخارات کی ترکیب سے متولد ہوئے ہین یورپ کے ذہین اور رشید طالبان حق بڑی غورون اور تنقیدونکے بعد جو آزادی اور کشادہ دلی سے اس ناقص اور ادھورے آدمزاد اور جعلی خدا کی نسبت کرتے رہے ہین اس تراشیدہ بُت مین ہزارون نقص اور داغ دیکھکر بے اختیار اس نتیجہ پر اور سچے نتیجہ پر تو ضرور پہنچے ہین کہ یسوع مسیح کو خدا ماننا انسانی عقل پر شرمناک داغ لگانا ہے مگر با این ہمہ وہ سچا کامل ہمہ علم ہمہ قدرت متصرف حی و قیوم خدا اور اسکا لذیذ عرفان ان کی فہم کی رسائی سے ہنوز بالاتر ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہے اور ہونا چاہیئے مین بڑا فرق ہے۔ ایک عاشق کی پیاس جو اس مچھلی کی طرح بیقرار ہو جو پانی کے سوا کسی اور چیز سے خواہ کیسی ہی عجیب اور لذیذ ہو قرار نہین پکڑ سکتی کیونکر بجھ سکتی ہے جبتک وہ زندگی کا شیرین چشمہ یقینی طور پر اُسے نہ ملے۔ فطرت انسانی خیالی تصویرون اور بے جان مورتون اور اپنے ایجاد کردہ تصورات سے کب سیر ہو سکتی ہے محبت مین ایک جوش ڈالا گیا ہے جو کسی طرح اس کی آگ بجھ نہین سکتی جبتک محبوب کا کلام اُس مین زندگی کی روح نہ پھونکے۔ یہ فطرتی تقاضا صاف بتاتا ہے کہ فاطر فطرت نے عمداً اس مین یہ جوش اور تقاضا خمیر کیا ہے۔ درحقیقت اسکے سوا اور کوئی راہ ہے ہی نہین کہ کامل قادر حی قیوم خدا خود اپنی آواز سے اپنے تئین شناخت کرائے اور اپنی پرقوت اور پرہیبت اور پرلذت آواز سے اپنی ہستی کا آپ ثبوت دے اسی دقیقہ معرفت کے ثابت کرنیکے لئے قرآن کریم مین آلہہ باطلہ کی تردید مین بارہا اللہ جلشانہ فرماتا ہے کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے اور اسکا جواب دیتے ہین جب تم اُنہین پکارتے ہو چنانچہ گوسالہ سامری کی پرستش کے احمقانہ فعل پر بنی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے **افلا یرون الا یرجع الیہم قولاً ولا یملک لہم ضرًّا ولا نفعا**۔ کیا وہ سوچتے نہین کہ وہ ان کی بات کا کچھ جواب نہین دیتا اور انکا ضرر اور نفع کچھ بھی اسکے اختیار مین نہین۔ اس آیت اور اس قسم کی اور بہت سی آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ باریتعالے کی ہستی کے ثبوت کے اعلے اور اکمل اور ابین ذریعون سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے کلام اور تکلیم سے اپنے وجود کا آپ ثبوت دے۔ دوسرا بڑا بھاری اور نہایت ہی مرد آزما مرحلہ اس راہ مین یہ پیش آتا ہے کہ مصنوعات کی ابلغ اور محکم ترکیب اور نظام شمسی کی ہندسی ترتیب مین غور و فکر سے اگرچہ سلیم اور مصفا فطرتین ہے اور ہونا چاہیئے کی پست حالت سے ترقی کرکے اس نتیجہ پر بھی پہونچ گئی ہین کہ خدا تعالے ہے مگر عبودیت

اور الوہیت مین رابطہ اور تعلق پیدا ہونے کے لئے اتنا اعتقاد کافی نہین کہ خدا ہے۔ بڑا بھاری طلسم اور گنبد بے در جسکے توڑنے اور کھولنے مین ہزارون مادی دانشمند اور یورپ و یونان کی ارضی فراستین سر اسیمہ ہوکر راہ بھول گئی ہین صفات الٰہیہ کا مسئلہ ہے۔ فلسفیون کی راہ مین بڑا بھاری مسئلہ یہی پڑا اور پڑتا ہے سے بڑا ہے کہ خدا اور انسان مین کیا تعلق ہونا چاہئیے بہت سے لوگون کی ہمت اتنی ہی بات پر قناعت کرجاتی ہے کہ اسقدر ماننا کافی ہے کہ خدا ہے وہ اپنے دل مین اس بات کی تڑپ محسوس ہی نہین کرتے کہ اسکا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ کمزوری اور حجاب اسوجہ سے پیدا ہوا کہ خدا تعالےٰ کو ایک معطل طاقت مانا گیا جسکا نظام عالم سے کوئی تعلق نہین اور جو کبھی تعلق تھا تو اس معمار سے زیادہ نہ تھا جو ایک عمارت کے پورا کرنیکے بعد اس سے بے تعلق ہوجاتا ہے۔ ذرات کائنات پر متصرف اور ہر آن اور شان مین جلالی اور جمالی تجلیات کے دکھانے پر قادر یعنی اپنی مشیت اور ارادہ کو ہر وقت نافذ اور جاری کرنے کی قدرت رکھنے والا اور ہر ایک ذرہ موجودات کو اپنے منشا کے پورا کرنیکے لئے کٹھ پتلی کی طرح نچانے والا ہمیشہ کلام کرنیوالا۔ دعاؤن کا سننے والا صریح اور صاف آواز سے جواب دینے والا ہر زمانہ مین لاتبدیل طور پر وحی اور الہام اور رؤیا کے سلسلہ کو جاری رکھ کر ان امور کو اپنے وجود کا گواہ اور زندہ گواہ ٹھہرانیوالا۔ اپنے ایک ارادہ اور مقصد کے پورا کرنیکے لئے اپنی مصلحت کے اقتضا سے اچھی ہوا کو بری اور بری کو اچھی کرسکنے والا۔ غرض اس قسم کا قادر قاہر حی قیوم اسے مانا نہین گیا اور ظاہر ہے کہ جب تک اسپر ایسا ایمان پیدا نہ ہو انسان کی فطرت مین اس سے تعلق لگانیکے لئے جوش پیدا نہین ہوسکتا۔ ایسے گہرے تعلق کے پیدا کرنیکے لئے انسان کی فطرت مین ایک جوش بخشا گیا ہے جو زندگی کے انقلابات کی مختلف گھڑیون مین تحریک مین آتا۔ اور ہر طرف سے انسان کی ساری امید ونکو کاٹ کر بیچارگی اور ناتوانی سے اسکے منہ کو اوپر کیطرف متوجہ کرتا ہے اور اسکے دل مین القا کرتا ہے کہ اسوقت زمین کی ساری طاقتین تیری کاربرآری مین سراسر عجز اور ناتوانی ...... ہین۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اس غرض کے حاصل ہونیکے لئے کہ دعا جذر قلب سے نکلے اور استبعاد کی کوئی آلایش اسکے ساتھ نہ ملی ہوئی ہو سب سے بڑا شہتیر جسپر داعی کے ایمان کی چھت کو قائم ہونا ضروری ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر ذوق اور بصیرت سے یقین ہو اور دل اس عرفان سے مسرور اور لبریز ہو کہ اس کی قدرت اور علم اور قاہر ارادہ کی راہ مین کوئی روک نہین۔ عام تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مادی تعلیمون اور ملمع صنعت کاریون اور دنیا کی چند روزہ کامیابیون اور تعیشات کے ورطہ مین مستغرق ہوجانے کے باعث دلونسے دعا کی تاثیر اور نافع ہونیکا اعتقاد اٹھ گیا ہے اور دعا کو من جملہ اسباب موثرہ اور علل کے یقین کرنا بیہودہ خیال اور توہم کی جنس سے سمجھا جاتا ہے۔ طبائع کی ساری توجہ اسباب کی دیوی کی پرستش مین مصروف ہے اور ان لاانتہا پتھر دن کی پوجا سے دلونکو خالق اسباب کیطرف ایک لحظہ

بھی توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تمام قوموں عیسائی۔ آریہ۔ برہمو اور عام مسلمانوں میں دعا کا رواج تو ہے مگر وہ خشک بے اثر الفاظ سے زیادہ نہیں۔ ہر ایک کو ان میں سے استبعاد کا جذام لگا ہوا ہے جس سے دل کے سارے اعضاء گل سڑ کر گرنے کے قریب ہوگئے ہیں۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہیں اور دل اس دغدغہ اور خلجان سے ناکوں ناک بھرا ہوا ہے کہ یہ بات تو ہونے والی نہیں یہ تو اٹل امر ہے۔ ایک شخص جس امر کو اپنے نزدیک ناممکن سمجھ لیتا اور چاروں طرف نظر دوڑا کر اپنے زعم میں اسباب کو مفقود پاتا ہے خدا تعالے کو بھی اسکے سر انجام دینے یا ناگہاں غیر مترقب اسباب کے پیدا کرنے سے عاجز اور قاصر یقین کر لیتا ہے اسکا دل اسکو اسوقت یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ اگرچہ یہ آگ جس میں عنقریب ڈالا جائیگا بڑے طاقتور ہاتھوں کی جلائی ہوئی ہے مگر ان سب ہاتھوں پر ایک اور ہاتھ ہے جو ہر قسم کے توقع اور انتظار کے خلاف اسکے بجھا دینے اور گلزار کر دینے پر قادر ہے +

غرض ان دونوں فقروں لا الہ الا اللہ میں اللہ اور محمدؐ میں یہ رابطہ اور یہ مناسبت ہے کہ لا الہ الا اللہ دعوے اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہے اسلئے کہ تمام آلہۂ باطلہ کی نفی کے بعد لفظ اللہ کے معنے اور مفہوم میں یہ داخل ہے اور اسکا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے یعنی اس میں وہ تمام صفات کامل طور پر موجود ہیں جو اس عالم کے ذرہ ذرہ سے تعلق رکھنے اور اسپر قاہر اور قادر حکمرانی کرنیکے لئے ضروری ہیں تمام جہان اور اسکے ذرات کی کوششیں اور اجتماع اسکے غالب امر اور قاہر مشیت اور نافذ ارادہ کو کسی طرح بھی روک نہیں سکتے با ایں ہمہ یہ دعوے اور مجرد دعوے ہے اور ایسی ذات کی نسبت دعوے ہے کہ جسکے وجود کی نسبت بڑی مشکل سے یقین نے ہوش سنبھالنا شروع کیا ہے چہ جائیکہ اس کی صفات کاملہ کی نسبت وہ ایمان اور یقین پیدا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے لیکن محمدؐ نے ان تمام مشکلات کو بڑی قوت سے رفع کر دیا ہے۔ اسلئے کہ اس انسانِ کامل کا وجود ایک معلوم اور مثبت حقیقت اور حسی مدرک ہونے کے سبب سے اس غیر مرئی۔ غیر مدرک اور مجہول الکنہ ذات کے اثبات اور دکھا دینے کے لئے دلیل راہ ٹھہرا ہے۔ اس دعوے اور دلیل میں بالفظ دیگر اللہ اور محمدؐ میں کمال رابطہ اور مناسبت یہ ہے کہ دونوں لفظ اپنی ترکیب اور مفہوم کے رو سے کمال تام پر دلالت کرتے ہیں یعنی جس طرح لفظ اللہ کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسی پاک ذات ہے کہ جس میں تمام کامل صفتیں جمع ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقص اور کمزوری نہیں اسی طرح لفظ محمد بھی اپنی بین اور واضح ترکیب سے ایسے وجود پر دلالت کرتا ہے جو جامع ہے۔ ان تمام صفات کاملہ کا جو نشاء بشریت اور عالم انسانیت کے لئے ممکن ہو سکتی ہیں اور من کل الوجوہ بری ہے ان تمام نقصوں اور کمزوریوں سے جو گری ہوئی بشریت اور ذلیل انسانیت کے چہرہ پر بدنما داغ کی طرح لگی ہوئی ہیں۔ اسلئے کہ محمد کے معنے ہیں بہت حمد کیا گیا یا ایسا انسان کہ جسکی حمد اور ستائش سے زمین اور آسمان بھر جائیں اور یہ مرتبہ کسی انسان کو مل نہیں سکتا جبتک وہ ہر قسم کے کامل صفات سے موصوف اور عیوب اور نقائص سے منزہ نہ ہو۔

ہے کوئی معرفت الٰہی کا بھوکا اور پیاسا جسے ذوق سلیم اور ذہن مستقیم بخشا گیا ہے۔ جو ان اسمار کی مناسبت اور رابطہ مین غور کرے کیا یہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنے احسن نظام اور ابلغ ترکیب سے ایک عظیم الشان اور لانظیر صداقت اور صداقت کا ثبوت نہین۔ کیسا خوبصورت اور دلکش دعوے ہی کہ اللہ ہے اور اسکے سوا کوئی معبود اور الٰہ نہین اور اس دعوے کی اسی کی مانند کیسی خوبصورت اور دلکش دلیل ہی کہ محمد اسکا رسول ہی یعنی ایسا کامل انسان جس کے افعال و اعمال محمودہ نے اس جہان مین ہر قسم کی حمد و ستائیش کا استحقاق پیدا کیا ہے جب ایسا کامل اور بے عیب فرد اسکا ایلچی اور اسکا پتہ دینے والا ہے تو اس مین شک نہین کہ اللہ ہے اور لاریب تمام کاملصفات کا جامع ہے۔

دنیا کے عرف اور رسم مین یہ بات داخل ہی کہ ہر دولت اور قوت کا سفیر اسکا قائممقام اور اس کی شوکت اور قدرت کا غیر سلطنت کے دلون پر نقشہ اور سکہ جمانیوالا اور اپنی دولت کے سچے منشا کو ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے اسلیے ہر سلطنت کو اپنے جلال اور شوکت کے اندازہ پر ایک قابل اور لائق سفیر انتخاب کرنا پڑتا ہے کسقدر خفت اور تحقیر اس سلطنت کو نصیب ہوگی جسکا سفیر محض کھلونا اور سفیہ اور ابلہ ثابت ہو۔ ایسے موقع مین جہان سفرائے دول اپنی اپنی سلطنت کے منافع اور مقاصد کے لئے جمع ہوئے ہون اس قوی اور مسلم اصل کو مدنظر رکھ کر غور کرنا چاہیئے کہ کیا ایسے شہنشاہ کے لئے جسکا نام اللہ ہے کوئی اور سفیر بجز اس شخص کے جسکا نام محمدؐ ہے تجویز ہو سکتا ہی بلکہ اس سے بڑھکر مین دعوے کرتا ہون اور بصیرت سے دعوے کرتا ہون کہ اللہ کے معنے اور مفہوم اور اسکے تمام مقاصد کو دل مین رکھ کر اور کوئی نام بجز اسم مبارک محمدؐ کے موزون اور برمحل ہی نہین +

میرا دل اس امید سے بھرا ہوا ہے کہ سلیم الفطرت ناظرین جو مذہب سے دلچسپی رکھتے ہین یا کم از کم ندرت پسند طبیعت رکھنے والے اس امر مین غور کرینگے کہ مذہب اسلام کی یہ زرین اصل کیا بڑے بڑے مقاصد کیطرف رہنما نہین۔ کیا یہ اتفاقی اور ناندیشیدہ ترکیب سے بے جوڑ اور مہمل لفظون سے مرکب ہے یا اسکے ایک ایک لفظ مین ایسی صداقت بھری ہوئی ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے قدیم و جدید مذاہب مین پائی نہین جاتی مین فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے مذاہب موجودہ کے حامیونکو اجازت دیتا ہون کہ دلائل سے قطع نظر کرکے بالفعل دعوے کا مقابلہ دعوے سے کرین اسکے بعد دلایل کا دلایل سے موازنہ کرین۔ ایک شخص اپنی سچائی اور کاملیت اور سچی عصمت اور قدوسیت کا کسقدر یقین اور احساس رکھتا ہے جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے نام کو شامل کرتا اور اجازت دیتا ہے کہ دن اور رات مین پانچ مرتبہ بلند جگہون پر اللہ تعالے کے نام کے ساتھ اسکے نام کی ندا کیجائے۔ اُس احساس اور ذوق کا کوئی اندازہ کر سکتا ہی جیسے وہ اور اسکے پیرو دلون مین محسوس کرتے ہین جبکہ وہ اس مناسبت اور ربط کا تصور کرتے ہین جو اللہ اور محمدؐ مین واقع ہے اس ترکیب کے کامل اور ابلغ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ

جیسے **اللہ** کے اسم کے سوا یہ اشتہار کسی اور نام کیطرف سے موزون نہین ہوسکتا اسی طرح اسم **محمد** کے سوا بھی کوئی اور مشتہر اسکا موزون نہین ہوسکتا اس لئے کہ عرف اور لغت مین ایسے اور ان کی مانند کوئی اور الفاظ موجود ہی نہین جو ان اغراض اور مقاصد کا آلہ اور واسطہ بن سکین جو ان لفظون سے مقصود ہین اسے بلفظ دیگر یون سمجھنا چاہئے کہ جیسے ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ کا ایسا وجود ہو جو ہر قسم کے کاملہ صفات سے موصوف اور تمام نقصون اور عیبون سے مبرا اور منزہ ہو ویسا ہی ضروری ہے کہ اس کی خبر دینے والا اور اسکا خلیفہ بھی اپنی جنس کے دائرہ مین ہر قسم کے حسن کا جامع اور ہر قسم کے قبح سے پاک ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بڑی عظیم الشان اور نازک اور دقیق حکمت ہے ہم چاہتے ہین کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا قالب پیدا کرین اور مفرد لفظون کے ذریعہ ہزارہا معارف اور حقائق کو ایک ہی لحظہ مین دلون پر نازل اور القا کرسکین اور بڑی مفصل تقریرون اور مطول ثبوتون سے طرفۃ العین مین بے نیاز ہو جائین۔ ہم دعوے سے کہتے ہین کہ اسکے لئے بجز ان دو نامون **اللہ** اور **محمدؐ** کے اور کوئی لفظ ہمین مل ہی نہین سکتے۔ اور اگر کوئی اور ثبوت اسلام کے پاس اپنی حقیت اور صداقت کا نہ بھی ہوتا جب بھی یہ کلمہ اسکے منجانب اللہ ہونیکا کافی اور وافی ثبوت تھا۔ فالحمد للہ رب العالمین ثم الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ۔

دوسرے سوال کی نسبت بڑا صاف اور مختصر جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دعوے نبوت سے پہلے اپنی قوم مین **الامین** اور **المامون** کے نام سے مشہور تھے یہ مسلم اور مشہور روایت ہے کہ قریش ان برگزیدہ اور قیمتی امانتو نکو جن کی نسبت کسی جگہ سپرد کرنے پر ان کے دل مطمئن اور امین نہین ہوتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے تھے۔ اس طرح پر آپ خدا تعالیٰ کے خاص ارادہ اور حکمت سے اس بڑے دعوے سے پہلے ہی **الامین** مشہور ہو چکے تھے۔ بنو ہاشم کی عظمت اور وقعت تمام قریش اور سائر عرب کے دلون مین ایسی جاگزین تھی کہ کوئی فرد بشر انکی ذات اور خاندان کی وجاہت اور طہارت کی نسبت کوئی عیب نکال نہین سکتا اور داغ لگا نہین سکتا تھا۔ کس قدر شوکت اور دلی شعور سے بھرا ہوا یہ آپ کا دعوے ہی جو اپنی سوسائٹی مین آپنے کیا کہ ہماری تمام نسل مین آدم تک کوئی سفاح (زنا) واقع نہین ہوا۔ اس دعوے کی تکذیب کی کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس دعوے کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس قوم کیحالت سے واقفیت حاصل ہو جسکے سامنے یہ دعوے کیا گیا۔ یہ مسلم امر ہے کہ عرب عموماً اور قریش خصوصاً زندگی کا فرض اور مایۂ ناز کام اس امر کو سمجھتے تھے کہ ہر ایک قابل شخص اور میدان مین نکل سکنے والا آدمی اپنے باپ دادون اور حریفون کے باپ دادون کے کارنامون کو پشت در پشت بیسیون پشتون تک یاد رکھتا۔ وہ اپنے آبا کے محاسن اور حریف قبیلہ کے آبا کے مثالب کو مقابلہ کے بازارون مین ہزارون ناظرین کے روبرو بیان

کرنا قابل فخر کارنامہ سمجھتے تھے ان مین ہزارون آدمی ایسے تھے جنہین صدیونکے واقعات اور ایام اور ان کی جزئیات کے متعلق لاکھون اشعار زبانی یاد تھے۔ ان کی اس لانظیر قوت حافظہ کو یورپ کے نامی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ با این ہمہ ایسی مشالب شمار قوم ایسے وقت مین جبکہ مخالفت کا جوش انہین ہر طرف دوڑاتا ہے کسی طرح دعوے کرنیوالے کے مُنہ پر مہر سکوت لگائین اس دعوے کے مقابل سر تسلیم جھکا دے۔ اس سے زیادہ ثبوت ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بے عیب اور معصوم زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے +

سیرۃ ابن ہشام مین جو بہت پُرانی اور نہایت معتبر سیرۃ کی کتاب ہے لکھا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر سال موسم یعنی میلہ پر تشریف لے جاتے اور لوگون پر اسلام پیش کرتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک موسم مین بنو عامر آئے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں تبلیغ کی مگر انہون نے سرکشی سے انکار کیا۔ اس قوم بنو عامر مین ایک بہت بوڑھا اور معتمد علیہ بزرگ تھا جو کبر سنی کی وجہ سے میلہ مین حاضر ہونیسے قاصر ہو گیا تھا قوم کے نوجوانون نے یہ التزام کر رکھا تھا کہ میلہ سے واپس ہوتے ہوئے جو کچھ دیکھا سنا ہوتا اسے سناتے جاتے۔ ایکی دفعہ انہون نے یہ نیا واقعہ بھی اُسے سنایا۔ ابن ہشام کہتے ہین۔ فوضع الشیخ یدیہ علی راسہ ثم قال یا بنی عامر والذی نفس فلان بیدہ ماتقولہا اسمٰعیلی قط انہا الحق یعنی ان کی سرکشی اور انکار کی باتین سن کر اس بزرگ نے اپنے دونون ہاتھ سر پر رکھے اور کہا اے بنی عامر مجھے خدا کی قسم کسی اسمٰعیلی نے ایسا دعوے کر کے خدا تعالے پر افترا نہین کیا اور یہ دعوے سچا ہے۔ پھر اسی سیرۃ مین لکھا ہے کہ حضرت حمزہ علیہ السلام کے اسلام لانیکے بعد عتبہ بن ربیعہ نے ایک دن قوم سے کہا جبکہ وہ لوگ تعجب اور رنج سے دیکھ رہے تھے کہ اسلام دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یا معشر قریش الا اقوم الی محمد فاکلمہ واعرض علیہ امورا لعلہ یقبل بعضہا فنعطیہ ایہا شاء ویکف عنا فقالوا بلی یا ابا الولید قم الیہ فکلمہ۔ فقام الیہ عتبۃ حتی جلس الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا ابن اخی انک منا حیث قد علمت من السطۃ فی العشیرۃ والمکان فی النسب الخ۔ اے قوم قریش اگر تم پسند کرو تو مین محمد سے بات چیت کرون اور کچھ باتین پیش کرون ممکن ہے کہ وہ کسی امر کو قبول کرلے۔ اور جس بات کو وہ قبول کرے ہم بھی اسپر راضی ہو جائین اور اس طرح وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دے۔ انہون نے کہا بہت بہتر آپ ان سے کلام کرین۔ پھر عتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین گیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے برادر زادے تجھے خوب علم ہے کہ ہم تجھے قبیلہ مین کسقدر اکرم اور برگزیدہ اور صاحب مجدت ورفعت مانتے اور بلحاظ نسب کے تجھے اعلےٰ درجہ کا یقین کرتے ہین۔ پھر اسی کتاب مین لکھا ہو کہ کعبہ کو نئے سرے تعمیر کرنیکے وقت جب قریش مین نزاع کھڑی ہو گئی کہ رکن اسود کو کون نصب کرے اور قریب تھا کہ فتنہ کی آگ مشتعل ہو کر بہت سے خاندانون کو راکھ کر دیتی

ابوامیہ بن مغیرہ نے جو سب میں بڑا تھا کہا۔ اجعلوا بینکم فیما تختلفون اول من یدخل من باب ہذا المسجد یقضی بینکم ففعلوا فکان اول داخل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلما رأوہ قالوا ہذا الامین رضینا ہذا محمد۔ تم اس اختلاف اور نزاع کے معاملہ میں ایسے شخص کو حکم مان لو جو اس مسجد کے دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہو ان سب نے منظور کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ سب سے اول داخل ہونیوالا شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے لوگ آپکو دیکھکر پکار اٹھے۔ یہ **الامین** ہے ہم اسپر راضی ہیں یہ محمد ہے۔ اسکے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں۔ وکانت قریش تسمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی الامین یعنی قریش نزول وحی سے پہلے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو الامین کہا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک موقعہ پر حضرت ابن ہشام کس محبت اور عاشقانہ ادا سے لکھتے اور امر واقع کی گواہی دیتے ہیں۔ فشب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واللہ تعالے یکلؤہ ویحفظہ ویحوطہ من اقذار الجاہلیۃ لما یرید بہ من کرامتہ ورسالتہ حتی بلغ ان کان رجلا افضل قومہ مروۃ واحسنہم خلقا واکرمہم حسبا واحسنہم جوارا واعظمہم حلما واصدقہم حدیثا واعظمہم امانۃ وابعدہم من الفحش والاخلاق التی تدنس الرجال تنزہا وتکرما حتی ما اسمہ فی قومہ الا الامین لما جمع اللہ فیہ من الامور الصالحۃ۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بڑھتے اور پھولتے اور اللہ تعالے آپ کی پاسبانی اور حفاظت فرماتا اور آپکو جاہلیت کے تمام عیبوں اور گندوں سے بچاتا اس لئے کہ آپکو اپنا رسول اور مورد فضل و کرم بنانا تھا تاآنکہ آپ سن بلوغ کو پہنچکر ایسے مرد نکلے کہ ساری قوم سے مروت میں افضل خلق میں احسن۔ حسب میں اکرم۔ ہمسایوں سے حسن سلوک میں احسن حلم میں اعظم۔ بات میں اصدق۔ امانت میں اعظم اور ان تمام اخلاق سے جو مردوں کے دامن کو آلودہ اور چرکین کردیتی ہیں اور ہر قسم کی بدگفتاری اور بدکرداری سے پاک تھے چنانچہ ان سب امور کے لحاظ سے قوم میں آپ الامین کے نام سے مشہور ہوگئے +

غرض یہ سب شہادتیں ہیں ایسی قوم کے منہ سے جنکے نزدیک کسی کی تعریف کرنا سرخ موت کے اختیار کرنے سے زیادہ گران تھا اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ زندگی کے اس چبوترہ پر جلوہ فرما ہوئے تھے جہاں بیٹھکر عرف اور عادت کے نزدیک بہت ہی تھوڑے بے عیب ثابت ہوئے ہیں۔ یہ درحقیقت خدا تعالے کے فضل اور بڑے شکر کی بات ہے کہ اسلام کی وہ ساری کتابیں جو کتب سیر کے نام سے مشہور ہیں اور احادیث کی کتابیں جو تاریخی اور تنقیدی لحاظ سے بھی تمام دنیا کی مذہبی اور مقدس کتابوں سے بڑھی ہوئی ہیں اور وہ دواوین اشعار جو جاہلیت کیطرف منسوب ہیں یہ ساری کتابیں بالاتفاق گواہی دیتی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل اور بعد دونوں زمانوں میں قوم کے عرف اور رسم اور عادت اور الف کے لحاظ سے مسلّم پاک اور بے داغ مانے گئے۔ کوئی تاریخ گواہی نہیں دے سکتی کہ کسی مامور مصلح کی زندگی کی کتاب ایسی صاف اور خوشخط لکھی ہوئی موجود ہو اور پھر ایسی صحیح اور بلیغ ہو کہ جلدوں کی جلدیں پڑھ کر بھی عدو کو نکتہ چینی کے لئے ایک حرف پر بھی ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکے۔

ہین بڑی دلیری اور بصیرۃ سے دعوے کرتا ہون کہ پہلے اور پچھلے زمانون مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص ہین جو **انسان تاریخ** ہین اس لیئے کہ آپنے وہ کام کیئے اور وہ نشان چھوڑے ہین جنہین تاریخ فخر و ناز سے اپنے صحیفون مین جگہ دیتی ہے اور آپ ایک ہی بے داغ اور بے عیب انسان ہین کہ جن کی پیدایش اور طفولیت اور جوانی اور بڑھاپے اور انجام کی زندگی کے اوراق کے پبلک کی آنکھون کے آگے کھولکر رکھ دینے سے تاریخ کبھی شرمندہ نہین ہوتی اور تاریخ بھی آپ ہی کے اسم گرامی کیطرف مضاف ہوکر واقعی اور معنی خیز ترکیب بن سکتی ہے یا اسے یون تعبیر کرو کہ آپ ہی ایک گرامی اور مسلم اور واقعی شخص ہین کہ جن کی سوانح زندگی ابتدا سے آخر تک دنیا مین محفوظ ہین اور اس خصوص مین مصلحان عالم کے گروہ سے کوئی بھی آپ کا شریک نہین۔ غرض صرف ایک ہی شخص کے لحاظ سے ہسٹری آف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور محمد آف ہسٹری دونون ترکیبین درست اور واقعی ہین ✤ (باقی دارد) **عبدالکریم**

✤ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تقریر کا خلاصہ

آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہے تو مین چاہتا ہون کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ تمہین کہون۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہین۔ اگر کوئی شخص خدا پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالےٰ نے کیا کچھ قرآن مین فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ خدا کا ہو جاوے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند۔ اب خدا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کیطرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقعہ اسکا دل ایسا نہین کہ اُس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا مین دیکھتے ہین کہ اسکے مقاصد حاصل کرنیکے لئے جبتک کافی حصہ اپنا ان کی طلب مین خرچ نہ کردین وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہین۔ مثلاً اگر طبیب ایک دوائی اور اس کی ایک مقدار مقرر کردے اور ایک بیمار وہ مقدار دوائی کی تو نہین کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوائی کا استعمال کرتا ہے تو اسکو کیا فایدہ اس سے ہوگا۔ ایک شخص سخت پیاسا ہے تو ممکن نہین کہ ایک قطرہ سے اس کی پیاس دور ہوسکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک لقمہ سے سیر نہین ہوسکتا اسی طرح خدا تعالے یا اسکے رسولؐ پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہر رسم کے طور پر بیعت کرلینا بالکل بے سود ہے۔ جبتک انسان پوری طاقت سے خدا تعالیٰ کی راہ مین نہ لگ جاوے۔ نفس کی خیر خواہی اسی مین ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصے جو روحانی زندگی کیلئے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ مین مسلمان ہون کافی نہین۔ مین نصیحت کرتا ہون کہ آپنے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالے اس مین برکت ڈالے) اسکو بڑھانے اور مضبوط کرنیکی فکر مین ہر وقت

✤ یہ تقریر حضرت اقدسؑ نے بمقام گورداسپور ۲۰ مئی ۱۹۰۴ء کو بعد از نماز عصر کی تھی۔ تحریک کا باعث چند احباب حیدر آباد دکن کے نفو ذوان سے جنہوں نے اس روز حضور علیہ السلام سے شرف بیعت حاصل کیا تھا +

لگے رہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جبتک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لایفتنون** الخ یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم صرف آمنا کہکر ہی چھٹکارا پا لینگے اور کیا وہ آزمائش میں ڈالے نہ جاوینگے سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالےٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانیوالے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا کی راہ کو اپنے مصالح کے برخلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکام سے انکو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کے راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان ہیں وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکم الحاکمین ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہو۔ کہ جبتک انسان خدا کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اتارے تب تک وہ خدا کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ہمارے نزدیک بھی ایک بیوفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں جو نوکر صدق و وفا نہیں دکھلاتا وہ قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح جناب الٰہی میں وہ شخص پرلے درجہ کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھکر خدا کو چھوڑتا ہے۔ بیعت سے مراد خدا تعالےٰ کو جان سپرد کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا کے ہاتھ بیچدی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا کی راہ میں چلکر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے جو کاذب ہے جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالےٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے وہ یاد رکھے کہ بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ اسے نہ چھوڑا سکیگا اس نے احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کریگا کہ تونے میرا پاس کیوں نہ کیا اسلئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو مالک السموات والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر کبھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے خدا ہی یہ امر دلمیں بٹھاے تو بیٹھ سکتا ہے سو اسکے لئے دعا بکار ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان طاقت اور خارق عادت قوت دیجاتی ہے مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوت جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مینہیں سمجھ سکتا۔ کہ اگر تم میں جذب محبت خدا کی راہ میں کافی ہو۔ تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھینچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت پیدا نہ ہو جاوے۔ دیکھو قرآن میں سورہ یوسف میں آیا ہے۔ "**ولقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان را برہان ربہ**" یعنے جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ ایکطرف تو یوسف جیسا متقی نبی۔ اور اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی زلیخا کیطرف مائل ہو ہی چکا تھا۔ اگر ہم نہ روکتے۔ اسمیں سر یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کشش محبت اسقدر

غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متنفی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سوچا جائے شرم ہے کہ ایک عورت مین جذب اور کشش اسقدر ہو کہ اسکا اثر ایک مضبوط دلیر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہونیکا دعوے کرتا ہے اس مین جذب محبت الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آوین۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہین کہ زبان مین یا وعظ مین اثر نہین۔ اصلی نقص قوت جاذبہ مین ہے جبتک وہ کامل نہیز تب تک زبانی خالی باتونسے کچھ حاصل نہین ہوتا۔

اور ہمارے مسائل سو وہ بھی بالکل صاف ہین۔ مثلاً قرآن کی یہ آیت **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم**۔ اس مین ایک سوال جواب ہو خدا تعالےٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھیگا کہ کیا تونے لوگونکو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو معبود بنا لینا تو وہ جواب مین عرض کرینگے کہ بار خدایا جبتک مین زندہ رہا اور ان مین رہا مینے تو ان کو ایسی تعلیم نہین دی۔ البتہ جب تونے مجھکو مار دیا تو پھر تو ہی انکا نگران حال تھا۔ مجھے کوئی علم نہین کہ میرے پیچھے انہون نے کیا کیا۔ یہ کیسی موٹی بات ہو کہ خود مسیحؑ اپنی وفات کا اقرار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ عیسائی اگر بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے۔ جبتک مین ان مین زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدے پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہین تو بالضرور مسیح مرچکا ہے۔ اور اگر مسیح آج تک نہین مرا تو پھر عیسائی بھی نہین بگڑے۔ اور اگر عیسائی نہین بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیح عم کا یہ کہدینا کہ مجھے تو انکے بگڑنیکا علم نہین جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے کیا یہ جواب ان کا جھوٹا نہین ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دنیا مین آنا درست ہو کیونکہ یہ سوال جواب تو قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انہون نے دوبارہ دنیا مین آکر چالیس سال رہنا ہو۔ اور عیسائیون اور کفارہ کو قتل کرکے اسلام کو پھیلانا ہے۔ تو بالضرور انہون نے عیسائیون کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھکر وہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے جاوینگے تو پھر جناب مسیحؑ کا یہ جواب دینا خدا کے حضور مین دروغ بیانی ہو گیا وہ احکم الحاکمین نہ کہیگا کہ تو تو دوبارہ دنیا مین گیا اور تو نے دیکھ لیا کہ میری امت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی دروغ حلفی کے جرم کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب مین ایسی دروغ بیانی کیجا

تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف انکے دوبارہ دنیا مین تشریف لانیکا ابطلان کر دیا اسکے مقابل جب ہم حدیثون پر غور کرتے ہین تو وہان سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالتماب نے فرمایا اور یہ متفق علیہ حدیث ہو کہ مین نے جناب مسیحؑ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحیےٰ کا مرجانا اور ان کا اس جماعت مین داخل ہونا جن کی قبض روح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ مسیح عم بلا قبض روح و انتقال کرنیکے ایک ایسے شخص کا جلیس ہو جو دنیا سے مرچکا ہے اب ایکطرف قول خدا اور دوسری طرف رویت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہو وفات

مسیح اور ان کا دوبارہ دنیا مین واپس نہ آنا قطعی ثابت ہوگیا۔ اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیح سے باز نہ آوین تو یہی سمجھا جاویگا کہ سچی ہدایت اور سعادت صرف خدا کیطرف سے ہے انکے حال پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی + اینست جوابش کہ جوابش ندہی + رہا یہ کہ آنیوالا کون ہے اسکا فیصلہ بھی قرآن و حدیث نے کر دیا ہے سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلعم کے خلفا اس امت مین سے ہونگے۔ بخاری اور مسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آنیوالا مسیح اس امت مین سے ہوگا۔ اب ایک طرف قرآن و حدیث بنی اسرائیلی مسیح کی موت اور اسکے دوبارہ نہ آنیکو بیان کرتے ہین دوسری طرف یہی قرآن و حدیث آنیوالے مسیح کو اسی امت مین سے ٹھہراتے ہین تو پھر اب انتظار کس بات کا ہے۔ اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بھی بطور مجدد صدی کے سر پر آویگا صدی مین سے بائیس سال گذر گئے اور اسوقت تک مجدد نظر نہین آیا آخر اس صدی کے سر پر جس مجدد نے آنا تھا وہ کہان ہے۔ مہدی کا نشان کسوف و خسوف تھا جو رمضان مین ہوتا تھا۔ اس کسوف و خسوف پر بھی آٹھ سال گذر گئے مہدی نہ آیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو ہوگیا لیکن صاحب نشان بعد مین آویگا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بنا ہے۔ اگر ایک زمانہ کے بعد کئی ملبس الشان مہدویت کے مدعی ہو جاوین تو پھر ان مین کون فیصلہ کریگا ضرور ہے کہ صاحب نشان نشان کے ساتھ ہو۔ یہ لوگ ممبرون پر چڑھکر صدی کے سرے کو اور کسوف و خسوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بنگئے۔ حدیث کے مطابق تمام نشان واقع ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہین آتے کسوف خسوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہوگیا لیکن خدا کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی اسی طرح کل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن و حدیث مین ایک اور بلا کیطرف اشارہ تھا جو کسوف خسوف کے آسمانی نشان کے بعد آنیوالا تھا اور وہ طاعون ہے جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اولوالعزم نبی نے بالتصریح یا بالاجمال اشارہ کیا ہے طاعون آگئی۔ لاکھون انسان تباہ ہوگئے اور نہ معلوم کب تک اسکی تباہی چلتی رہیگی لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے ابتک ان لوگون نے نہ پہچانا۔ اسی طرح زمین اور آسمان نے شہادت دی لیکن ان شہادتون کو ردی سمجھا گیا۔ خدا غیور ہے اور وہ اپنی غیرت دکھلائیگا ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہین کرتا تو وہ احکم الحاکمین غیور خدا کب اس عدول حکمی کو بلا سزا چھوڑیگا ایک اور نشان اس زمانہ کا وہ **نئی سواری** تھی جس نے اونٹونکو بیکار کر دینا تھا۔ قرآن نے **اذا العشار عطلت**۔ (جب اونٹنیان بیکار ہو جاوین گی) کہکر اس زمانہ کا پتہ تبلایا۔ حدیث نے مسیح کے نشان مین یون کہا "لیترکن القلاص فلا یسعی علیہا" پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا حتٰے کہ اس سرزمین مین بھی جہان آج تک اونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اونٹوں کے گذارہ نہ تھا۔ وہان بھی اس سواری کا انتظام ہو گیا

اور چند سالوں مین اونٹوں کی سواری کا نام نشان نہین ملیگا۔ اونٹنیاں بیکار ہوگئین۔ مقرر کردہ نشان پورے ہوگئے۔ لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچانا نہ گیا۔ یہ امور بھی میرے اختیار مین تھے کہ ایک طرف تو مین دعوے کرون۔ اور دوسری طرف یہ نشان پورے ہوتے جاوین۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو کسوف وخسوف موعود کو پیدا کر لیتا۔ یا میرے ہاتھ مین کوئی ایسے مواد ہین جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہوگئی۔ یا حج کا رُکنا جو بھی مسیح کا نشان تھا۔ کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا۔ اسی طرح بیسیون نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے وہ سب پورے ہوگئے۔ خدا تعالےٰ نے کونسی حجت کو ان پر پورا نہین کیا لیکن ان کا انکار ابھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ مین دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کر رہی ہے۔ خشیت الٰہی دن بدن مفقود ہو رہی ہے۔ کان رکھتے ہین پر سن نہین سکتے۔ آنکھین رکھتے ہین پر نہین دیکھتے۔ دل رکھتے ہین پر نہین سمجھتے یہی وجہ ہے کہ انکار ہے ورنہ معاملہ تو بہت ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر اتمام حجت کیگئی ہے اب انکے پاس کوئی جواب نہین خدا نے قوی دلائل سے انکار کی رگ و ریشہ کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہین دیکھتے

ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہین۔ نقل۔ عقل۔ تائیدات سماوی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہین۔ دانیال اور دیگر انبیاء نے تو اسکے آنیکا زمانہ مقرر کر دیا ہے حتی کہ صدی اور سال بھی مقرر کر دیا ہے۔ تمام عیسائیوں مین ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ کتب سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے اور مسیح ابھی تک آیا نہین۔ اسلئے بعض علماء اخیر مجبور ہو کر اسطرف گئے ہین کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہے جو ہو چکی ہے۔ اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثت مسیح کا یہی زمانہ ہے حجج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کل اہل کشوف اسی طرف گئے ہین کہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے چودھوین صدی مقرر ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لئے اسے چراغ دین کہا ہے۔

غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے۔ وہ چودھوین صدی سے آگے نہین گیا اگرچہ ان مین کچھ اختلاف ہے۔ چودھوین صدی مین لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دین اسلام چودھوین رات کے چاند کی طرح اس زمانہ مین چمک اٹھیگا جس طرح چاند کا کمال چودھوین رات کو ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا کمال کل دنیا مین چودھوین صدی مین ظاہر ہوگا۔ تیرھوین صدی کی تاریکی ان لوگون مین ضرب المثل ہے بعض کہتے ہین کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھوین صدی کے لئے منتظر تھے۔ لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے اسی طرح قرآن مین ذکر ہے۔

"ولما جاءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ" اہل کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اسکے ساتھ ملکر کفار سے جنگ کرینگے۔ لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہوگئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ مسیح کا ہی معلوم ہوتا ہو اسلام اسقدر کمزور ہو گیا ہو کہ ایک وقت ایک شخص کے مرتد ہو جانے پر اسلام میں شور پڑ جاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مرتد ہو گئے رات دن مخالفت اسلام میں کتب تصنیف ہو رہی ہیں اسلام کی بیخ کنی کے واسطے طرح طرح کی تجاویز ہو رہی ہیں عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" کا وعدہ دیا ہے وہ اسوقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے یہ زمانہ کس قسم کی مصیبت کا اسلام پر ہے کہ شرفا کی اولاد دشمن اسلام ہو کر گرجاؤں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسول اکرمؐ کی توہین ہو رہی ہے ہر ایک قسم کی گالی اور سب و شتم میں آنحضرتؐ یاد کیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو بہیئت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہو کہ یہی وقت خدا کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالے نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو سنبھالا +

تائیدات سماوی بھی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالے نے اپنے فضل سے ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز میں اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اسکے صرف براہین احمدیہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے جو بیس برس ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اسوقت مکہ مدینہ مصر بخارا۔ لنڈن اور ایسا ہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں پہونچ گئی۔ کئی ایک پادریوں اور دیگر مخالفین اسلام کے گھروں میں اسوقت پہونچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہو کہ خدا کیطرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اسوقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آویگا کہ لوگ تیرے پاس دور دور سے آوینگے (یاتون من کل فج عمیق) تو لوگوں میں پہچانا جاویگا اور تیری شہرت کیجاوے گی۔ تیری امداد اور تائید کو دور دور سے لوگ آوینگے۔ پھر کہا کہ لوگ کثرت سے آوینگے اور تو ان سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ ان کی ملاقات سے مت گھبرانا (ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس) پھر آخرکار فرمایا اذا جاء نصر اللہ و الفتح۔ و انتہی امر الزمان الینا۔ الیس ہذا بالحق۔ یعنے جب خدا کی فتح اور نصرت آویگی۔ اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا تو اسوقت کہا جائیگا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں۔ اب لاہور اور امرتسر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے اکثر لوگ اسبات سے واقف ہیں کہ براہین کی اشاعت کیوقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا حتے کہ قادیان میں بھی بہت کم لوگ ہونگے جو مجھے پہچانتے ہونگے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہ اتم ابھی پوری نہیں ہوئیں لیکن جسقدر ان الہامات کا ظہور ہو رہا ہے وہ طالب حق کے لئے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کیا ایک انسان

آج سے چوبیس سال پہلے آج کل کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہزارہا مخلوق کا مرجع ہوگا خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور کسی فراست کا نتیجہ نہین ہو سکتے۔ ان امور کو دیکھ کر مین کہہ سکتا ہون کہ جسقدر نشانات خدا تعالے نے میری تائید مین ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت مین ایسے ہین کہ بجز حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہین ہوئے لیکن اس مین میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس پاک نبی کی فضیلت ہے جسکی امت مین ہونیکا مجھے فخر حاصل ہے۔ پھر مین کہتا ہون کہ آج کل کے پیرزادون اور سجادہ نشینون کو آزمالو کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل مین لاؤ خدا تعالے نے نشان نمائی مین بالضرور اسکو میرے مقابل شرمندہ اور ذلیل کریگا۔ یہان تو نشانون کا دریا بہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہین جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالے نے مجھے فرمایا **انی مہین من اراد اہانتک وانی معین من اراد اعانتک**۔ اس ایک الہام کو کسقدر مختلف مواقع اور محل پر میرے دوستون نے پورا ہوتے دیکھا کس طرح لوگون نے میری اہانت اور تذلیل کے لئے بیڑے اٹھائے اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے اسکی ایک مثال نہین بلکہ کئی ایک مثالین ہین ہان یہ ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہین سو بات یہ ہے کہ دنیا مین ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہین ایک سعید دوسرا شقی۔ ابوجہل نے ہزارون نشان دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت مین مومن کے لئے ضرور ہے کہ وہ دعا مین لگا رہے۔

آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخم ریزی کی طرح ہے۔ چاہیئے کہ آپ مجھ سے اکثر ملاقات کرین اور اس تعلق کو مضبوط کرین جو آج قایم ہوا ہے۔ جس شاخ کا تعلق درخت سے نہین رہتا وہ آخر کار خشک ہو کر گر جاتی ہے جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دنیا کی پروا نہین رکھتا دنیا ہر طرح ملجاتی ہے۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے وہ ایک مردار کی طرح ہے۔ جو کبھی سچی نصرت کا منہ نہین دیکھتا۔ یہ بیعت اسوقت کام آسکتی ہے جب دین کو مقدم کر لیا جاوے۔ اور اس مین ترقی کرنیکی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا اب اگر کوئی کسان صرف زمین مین تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کرنیکے جو جو فرایض ہین ان مین سے کوئی ادا نہ کرے نہ زمین کو درست کرے اور نہ آبیاری کرے اور نہ موقعہ بموقعہ مناسب کھاد زمین مین ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے۔ ہرگز نہین اسکا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہوگا کھیت اسی کا رہیگا جو پورا زمیندار بنے گا۔ سو ایک طرح کی تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ کس کے مقدر مین کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لئے دعا کرتا رہے۔ مثلاً نماز دن مین ایک

قسم کی تبدیلی ہونی چاہیئے مین دیکھتا ہون کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہین وہ محض ٹکرین مارنا
ہے ان کی نماز مین اس قدر بھی رقت اور لذت نہین ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مین
ظاہر کرتے ہین۔ کاش یہ لوگ اپنی دعائین نماز مین ہی کرتے شائد ان کی نمازون مین حضور اور لذت
پیدا ہو جاتا اسلئے مین حکماً آپکو کہتا ہون کہ سردست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کرین اور وہ لذت
اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے دعاؤنکو نمازون مین کرنیسے پیدا کرین میرا مطلب یہ نہین کہ نماز
کے بعد دعا کرنی منع ہے لیکن مین چاہتا ہون کہ جبتک نماز مین کافی لذت وحضور پیدا نہو نماز کے
بعد دعا کرنے مین نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہان جب یہ حضور پیدا ہو جائے تو کوئی ہرج نہین
سو بہتر ہے کہ نماز مین دعائین اپنی زبان مین مانگو جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان مین ہوتا ہے
وہ ہرگز غیر زبان مین پیدا نہین ہو سکتا سو نمازون مین قرآن اور ماثورہ دعاؤنکے بعد اپنی ضرورتو
کو برنگ دعا اپنی زبان مین خدا تعالے کے آگے پیش کر دیا کرو آہستہ آہستہ تمکو حلاوت پیدا ہو جائے سب سے
عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا کی رضامندی اور گناہ سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہون سے ہی دل سخت ہو جاتا
اور انسان دنیا کا کیڑا بنجاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالے ہم سے گناہونکو جو دل کو سخت
کر دیتے ہین دور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا مین مومن کی مثال اس سوار کی
ہے کہ جو جنگل مین جا رہا ہے اور راہ مین بسبب گرمی اور تکان سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے
کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لیکر آگے اپنے
سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل مین گھر بنا لے وہ ضرور درندون کا شکار ہوگا مومن
دنیا کو گھر نہین بناتا اور جو ایسا نہین خدا اس کی پروا نہین کرتا۔ نہ خدا کے نزدیک دنیا کو گھر بنانیوالے
کی عزت ہے۔ خدا مومن کی عزت کرتا ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا کا قرب
حاصل کر لیتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقررکردہ مین زیادتی کیجاوے۔ ہر ایک خیر کے کام
مین دنیا کا بندہ تھوڑا سا اسکے لئے سست ہو جاتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز
سے ہی مختص نہین بلکہ ہر ایک حسنات مین زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا کی خوشنودی
کیلئے ان نوافل کی فکر مین لگا رہتا ہے اسکے دل مین ایک درد ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ
دن بدن نوافل وحسنات مین ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا بھی اسکے قریب ہوتا جاتا ہے۔ حتی کہ
مومن اپنی ذات کو فنا کرکے خدا کے سایہ تلے آجاتا ہے۔ پھر اس کی آنکھ خدا کی آنکھ اسکے کان خدا کے
کان ہو جاتے ہین۔ کیونکہ وہ کبھی معاملہ مین خدا کی مخالفت نہین کرتا۔ ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ اسکی زبان
خدا کی زبان اور اسکا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے پھر خدا تعالے فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات مین اسقدر
تردد نہین ہوتا جسقدر مومن کی جان لینے مین تردد ہوتا ہے۔ یون تو خدا کی ذات سب

تردّدات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے مکوڑون کی طرح مرجاتے ہین لیکن مومن کا معاملہ دگرگون ہے مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاؑ اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریون مین مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت ان کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہین جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اس تردّد کا اظہار ہے جسکا اوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالے اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا کہ ایک الشان تردّد کی حالت مین کرتا ہے۔ اور خوفناک بیماریون سے اسے نجات دیکر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اسے معمولی انسانون کی طرح ضایع نہین کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز با برکت ہو جاتی ہے جہان وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسرونکے لئے موجب برکت ہوتی ہے اسکا پس خوردہ اورونکے لئے شفا ہے حدیث مین آیا ہے کہ ایک گنہ گار خدا تعالے کے سامنے لایا جاویگا خدا تعالے اس سے پوچھیگا کہ تونے کوئی نیک کام کیا۔ وہ کہیگا کہ نہین۔ پھر خدا تعالے اسکو کہیگا کہ فلان مومن کو تو ملا وہ کہیگا۔ خداوندا مین ارادتاً تو کبھی نہین ملا۔ وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ مین ملگیا۔ خدا تعالے اسے بخشدیگا۔ پھر ایک اور موقع پر حدیث مین آیا ہے کہ خدا تعالے فرشتونسے دریافت کریگا کہ میرا ذکر کہان پر ہو رہا ہے وہ کہینگے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہان دنیا کے ذکر کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ البتہ ذکر الٰہی آٹھون پہر ہوتا ہے۔ ان مین یہ ایک دنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالے فرماویگا کہ مین نے اس دنیا دار کو اس ہمنشینی کے باعث بخشدیا۔ انہم قوم لایشقی جلیسہم۔ بعض حدیثون مین آیا ہے کہ جہان ایک مومن امام ہو۔ اسکے مقتدی پیشتر ازین کہ وہ سجدہ سے سر اٹھاوے بخشدئے جاتے ہین۔

مومن وہ ہے کہ جسکے دلمین محبت الٰہی نے عشق کے رنگ مین جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کرلیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت مین بھی خدا کا ساتھ نہ چھوڑیگا اب جس نے یہ فیصلہ کرلیا ہو کب کسیکا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضایع ہوگا۔ کیا کوئی رسول ضایع ہوا۔ دنیا ناخنون تک انکو ضایع کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضایع نہین ہوتے۔ جو خدا اسکے لئے ذلیل ہوا وہی انجام کار عزت وجلال کا تخت نشین ہوا۔ ایک ابوبکرؓ کو ہی دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس مین شک نہین کہ پہلے کچھ نہ کچھ دُکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

؂ عشق اول سرکش وخونی بود + تا گریزد ہر کہ بیرونی بود + عشق الٰہی بیشک اول سرکش وخونی ہوتا ہے تاکہ نااہل دور ہو جاوے۔ عاشقان خدا تکالیف مین ڈالے جاتے ہین قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اٹھاتے ہین اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انکے دل پہچانے جاوین۔ خدا تعالے نے یہ امر مقرر کردیا ہے کہ جبتک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ ہوجاوے بہشت مین نہین جاتا

بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے دوزخ سے مراد آیندہ دوزخ نہین بلکہ اس دنیا مین مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مین آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ مین اور مومن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ مین متمثل کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہو دنیا مین منہمک ہوکر سگ دنیا ہو جاتا ہے۔ مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دیکر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع یہ عشق ہی ہے جو اسے ہر قسم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق مین صادق ہوتا ہے۔ اور اپنے معشوق یعنے خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنیوالا جوش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور تضرع اور ابتہال اور ثابت قدمی سے اسکے حضور مین قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اسکیلئے لذت نہین ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق مین پرورش پاتی ہے۔ معشوق کیطرف سے استغنا دیکھکر وہ گھبراتا نہین۔ اس طرف سے خاموشی اور بے التفاتی بھی معلوم کرکے وہ کبھی ہمت نہین ہارتا۔ بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے۔ اور درد دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دو چیزونکا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کیطرفسے محبت الٰہی مین پورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ طبیعت مین سچا جوش اور عہد عشق مین ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جسکو کوئی صدمہ جنبش مین لا نہ سکے۔ اور معشوق کیطرفسے کبھی کبھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کی موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالے کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل مین درد اٹھے اور خیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو اور اس کی اعانت کے لئے بیچینی پیدا ہو۔ خدا تعالے کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اسکے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ انسان کو بشریت سے الگ کرکے الوہیت کے سایہ مین لا ڈالتا ہے جب تک اس حد تک درد اور عشق نہ پہونچ جائے کہ جس مین غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اسوقت تک انسان خطرات مین پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بکلی منقطع ہوکر اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا مین داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اسکی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہیئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتوان پیارے بچے کے لئے دل مین سچا جوش محبت رکھتی ہے۔ خدا تعالے ایک تعلق چاہتا ہے اور اسکے حضور مین دعا کرانیکے لئے تعلق کی ضرورت ہے بغیر تعلق کے دعا نہین ہو سکتی۔ پہلے بزرگون کی بھی اسی قسم کی باتین چلی آتی ہین کہ جن سے دعا کرانیوالونکو دعا کرانے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخواہ بازار مین چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہین کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اسکے لئے درد دل ہی ہوتا

ہے اور نہ ہی جوش دعا پیدا ہو سکتا ہے - اللہ تعالےٰ سے تعلق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کاریوں میں مبتلا بھی رہے اور صرف منہ سے دم بھر رہا ہے کہ میں نے خدا سے تعلق پیدا کر لیا ہے - اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھا لینا ہی خدا سے تعلق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی - اللہ تعالےٰ سے تعلق کیلئے ایک محویت کی ضرورت ہے - ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونیکے لئے کہتے ہیں کیونکہ جبتک دنیا کیطرف سے انقطاع اور اسکی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالےٰ کیلئے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی اسوقت تک ثبات میسر نہیں آسکتا - بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہ جب نمازیں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے - جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آکر السلام علیکم کہے - نماز سے فارغ ہوتے وقت السلام علیکم و رحمۃ اللہ کے کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا گویا ایک مقام محویت میں جا پہونچا پھر جب وہاں سے واپس آیا تو السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہکر آن ملا - لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی - جبتک دل میں اسکا اثر نہ ہو - چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے - محض صورت کا ہونا کافی نہیں - حال ہونا چاہئیے - علت غائی حال ہی ہے مطلق قال اور صورت جسکے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو الٹی ہلاکت کی راہیں ہیں - انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ یہ بے اختیار اس کی طرف پروانہ وار گرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویت کا عالم اسپر طاری ہو جاتا ہے تو اسوقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے - اور ذرہ ذرہ اسکا خادم بنجاتا ہے -

مجھے تو اللہ تعالےٰ کی محبت نے ایسی محویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا - تمام چیزیں سوائے اسکے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھیں میں ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا - میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شہرت کو پسند نہیں کیا - میں بالکل تنہائی میں تھا اور تنہائی ہی مجھکو بھاتی تھی - شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے میں دیکھتا تھا - اسکو خدا ہی جانتا ہے میں تو طبعاً گمنامی کو چاہتا تھا - اور یہی میری آرزو تھی - خدا نے مجھ پر جبر کرکے اس سے مجھے باہر نکالا - میری ہرگز مرضی نہ تھی - مگر اس نے میرے خلاف مرضی کیا - کیونکہ وہ ایک کام لینا چاہتا تھا - اس کام کے لئے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مجھکو اس عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا - یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے میرا اس میں کچھ دخل نہیں - میں تو دیکھتا ہوں کہ میری طبیعت اس طرح واقعہ ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت کو سوں بھاگتی ہے اور مجھے سمجھ میں نہیں

آتا کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہین۔ میری طبیعت اور طرف جاتی تھی لیکن خدا مجھے اور طرف لیجاتا تھا مین نے بار بار دعائین کین کہ مجھے گوشہ مین ہی رہنے دیا جائے مجھے میری خلوت کے حجرے مین چھوڑ دیا جائے لیکن بار بار یہی حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اسوقت سخت مصیبت کیحالت مین تھا اسکو سنوارو۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقعہ ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہین کیا کرتے کسی نبی نے شہرت کی کبھی خواہش نہین کی۔ ہمارے نبی صلعم بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے آپ عبادت کرنیکے لئے لوگون سے دور تنہائی کی غار مین جو غار حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار اسقدر خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس مین جانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ لیکن آپنے اسکو اسلئے پسند کیا ہوا تھا کہ وہان کوئی ڈرکے مارے بھی نہ پہونچیگا۔ آپ بالکل تنہائی کو چاہتے تھے شہرت کو ہرگز پسند نہین کرتے تھے مگر خدا کا حکم ہوا یا ایہا المدثر قم فانذر۔ اس حکم مین ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دین۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہین کہ گویا مین شہرت پسند ہون۔ مین بار بار کہہ چکا ہون کہ مین ہرگز شہرت پسند نہین خدا نے جبر سے مجھکو مامور کیا ہے میرا اس مین کیا قصور ہے اس نے مجھے مامور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ مین شہرت پسند نہین ہون۔ مین تو دنیا سے ہزارون کوسون بھاگتا تھا حاسد لوگون کی چونکہ زمین اور اس کی اشیاء تک ہی نظر محدود ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کیڑے ہین اور شہرت پسند ہوتے ہین انکو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہین ہوسکتی۔ ہم تو دنیا کو نہین چاہتے اگر وہ چاہین اور اسپر قدرت رکھتے ہین تو سب دنیا لیجائین ہمین ان پر کوئی گلہ نہین۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دلمین ہے نہ دنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہیئے اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہین جانتا مگر ہم نے خدا کے امر پہ جان و مال و آبرو کو قربان کردیا ہے۔ جب اللہ تعالے کسی کے دلمین تجلی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہین رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے مگر بھید پانیوالے اور تاڑنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہین۔ عاشق پر وحشت کی حالت نازل ہوجاتی ہے اور اسی اسکے سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اسکے ظاہر ہوجاتے ہین وہ اگر ہزارون پردون مین چھپے اور اپنے آپ کو چھپالے مگر چھپا نہین رہتا۔ سچ کہا ہے۔ ؎ عشق و مشک را نتوان نہفتن۔ جن لوگونکو محبت الہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہین جس سے انکے دل لبریز ہوتے ہین بلکہ اسکے افشا پہ وہ شرمندہ ہوتے ہین کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اسکے بندہ کے درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے کوئی رسول نہین آیا جسکا خدا سے راز نہین ہوتا۔ اسی راز کو چھپانیکی خواہش اسکے اندر ہوتی ہے مگر معشوق خود اسکو فاش کرنے پر جبر کرتا ہے۔ اور جس بات کو وہ نہین چاہتے

وہی انکو ملتی ہے۔ جو چاہتے ہین ان کو ملتا نہین اور جو نہین چاہتے ان کو جبراً ملتا ہے۔

جب تک انسان ادنٰے حالت مین ہوتا ہے اسکے خیالات بھی ادنے ہی ہوتے ہین اور جسقدر معرفت مین گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت مین کمی ہوتی ہے معرفت سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص مین محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے **انا عند ظن عبدی بی** سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالےٰ پر حسن ظن رکھتا ہے کہ وہ اسکو کبھی نہین چھوڑیگا۔ خدا تو وفاداری کرنا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اسپر ظن نیک رکھے کہ تا وہ بھی وفا دکھلائے۔ مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہین۔ یہ تو اپنی ہوا و ہوس کے بتون کے آگے جھکے رہتے ہین اور ان کی نظر دنیا تک ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کو کریم و رحیم نہین سمجھتے اسکے وعدون پر ذرہ ایمان نہین رکھتے اگر اللہ تعالےٰ کے وعدون پر ایمان رکھتے کہ وہ رحیم و کریم ہے تو ابھی ان پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا۔ ؎ گر وزیر از خدا بترسیدے ہمچنان کز ملک ملک بودے + شر بدظنی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے بدظنی مت کرو۔ اللہ کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالےٰ ہر میدان مین مومن کی مدد کرتا ہوا اور کہتا ہے کہ میدان مین مین تیرے ساتھ ہون۔ وہ اسکے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اسکے وعدون پر بھروسہ نہین کرتا وہ بدظنی کرتا ہے جو شخص خدا سے نیک ظن کرتا ہے وہ اسکی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالےٰ سے بدظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک مین مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل سے لاتا ہے۔ کہ اسکے وعدے ٹلنے کے نہین تو وہ اسپر جان فدا کرتا ہے اور در پردہ خدا سے عشق رکھتا ہے۔ ایسا انسان خدا کا چہرہ اسی دنیا مین دیکھ لیتا ہے طرح طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اسپر نازل کرتا ہے اور اسکو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن بیوفا غدار ہمیشہ محروم رہتا ہے

"افغانون اور کشمیریون کی اصل"

(ترجمہ از سول ملٹری گزٹ لاہور)

جناب ایڈیٹر صاحب

اس مضمون پر پہلے بہت کچھ قلم فرسائی کی جا چکی ہے۔ اور مشہور و سربرآوردہ محققین

کی تحقیقاتین اِس نتیجے پر پہنچی ہین کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ امید کیجاتی ہو کہ میری یہ چند سطور بھی خالی از دلچسپی نہ ہونگی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہو کہ بنی اسرائیل کی بارہ قومون سے دس قومین گرفتار ہو کر ملک فارس مین آباد کی گیئین۔ موجودہ یہودی جو دنیا کے ایک بڑے حصے پر منتشر ہوئی ہوئی ہین یہ بنی اسرائیل کی ان دو قومون کی اولاد ہین جو کہ جلاوطنی سے بچ گئی تھین۔ یہ امر بہت زیر بحث چلا آیا ہے کہ باقی دس قومین کدہر گیئین اور اب مسئلہ قطعی طور پر حل ہوگیا ہے کہ اہل افغانستان وکشمیر انہین دس قومون کی اولاد ہین جو جلاوطن کی گئی تھین۔ افغانون اور کشمیریونکے بنی اسرائیل ہونے کی بہت سی شہادتین موجود ہین اور بعض ان مین سے ایسی قطعی ہین کہ ان مین سے ایک ایک بھی بجائے خود۔ ان قومون کے بنی اسرائیل ہونیکا کافی ثبوت ہے۔ وہ شہادتین مختصراً حسب ذیل ہین۔

(۱) قومی روایت کی شہادت۔

افغان بالاتفاق گواہی دیتے ہین کہ ہم بنی اسرائیل ہین۔ انکے مشہور خاندانونکے پاس شجرے اور نسب نامے ہین جن سے انکا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی متفق علیہ شہادت ایک ایسا زبردست ثبوت ہے جسکو ہم لاپرواہی سے نظر انداز نہین کرسکتے انکا دعوے ضرور سچائی پر مبنی ہے۔ صرف موجودہ نسل ہی بنی اسرائیل ہونیکا دعوے نہین کرتی بلکہ نسلاً بعد نسلاً افغان یہی دعوے پیش کرتے رہے ہین۔ انکے نسب نامے انکے دعوے کی تائید کرتے ہین پس ان کا یہ دعوے بے بنیاد نہین ہوسکتا۔ اگر یہ بنی اسرائیل نہین ہین تو کیا وجہ ہے کہ یہ قوم قدیم سے بالاتفاق بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتی چلی آتی ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہین کہ روئے زمین پر کوئی اور ایسی قوم موجود نہین ہے جو کہ گمشدہ اسرائیل قبیلون کی اولاد ہونیکا دعوے کرتی ہو تو یہ امر افغانونکے دعوے کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر ہم افغانونکو دعوے کو رد کردین تو ہمین کوئی اور قوم بتلانی چاہئے جو کہ گمشدہ اسرائیلیون کی نسل ہین ہونیکا دعوے کرتی ہو۔ اسرائیل قومین فارس مین قید ہوکر آئی تھین اور افغانستان فارس کی سرحد پر واقعہ ہے۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ وہ مشرق کیطرف بڑھی ہون اور افغانستان اور کشمیر مین آباد ہوگئی ہون + بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان فارس ان سے بہت بدسلوکی کرتے تھے۔ ضرور وہ انکے ظلم سے بچنے کے واسطے مشرقی بلاد مین آکر آباد ہوگئی۔ انکی تعداد روزبروز بڑھتی جاتی تھی۔ پس انکے واسطے ضرور تھا کہ وہ اپنے رہنے کے لئے اور گھر تلاش کرین۔

(۲) ظاہری خط وخال کی شہادت۔

ایک طرف تو افغان اپنی زبان سے بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتے ہین دوسری طرف انکے خط و خال بزبان حال بیان کر رہے ہین کہ ہم بنی اسرائیل ہین اور کشمیریونکے خط و خال افغانون کی نسبت اور بھی زیادہ یہودیونسے ملتے جلتے ہین ان کے پڑوس مین چینی اور ہندو ہین۔مگر انکے خط و خال افغانون اور یہودیونسے نہین ملتے ایک یہودی ایک پٹھان اور کشمیری کو ایک صف مین کھڑا کر دو تو تم ضرور بول اٹھوگے کہ یہ اپنی ظاہری شکل و شباہت مین بالکل باہم مشابہ ہین۔

(۳) **لباس کی شہادت**:۔ افغانون اور کشمیریون کا لباس بھی اس نتیجہ کیطرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ قومین بنی اسرائیل ہین۔ یہ برخلاف ہندوؤن اور چینیونکے لمبے اور کھلے چغے پہنتے ہین جسکا رواج بنی اسرائیل مین تھا جیساکہ اناجیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) **رسم و رواج کی شہادت**:۔ ان کی بہت سی رسومات یہودیون کی رسومات سے مشابہ ہین۔مثلاً افغان منگنی اور شادی مین کوئی فرق نہین کرتے اور شادی سے پہلے اکثر لڑکے اور لڑکی مین بے تکلفی رہتی ہے۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے عورتین حاملہ بھی ہوجاتی ہین۔

(۵) **اخلاق و اطوار کی شہادت**:۔ یہودیونکی طرح افغان بھی زود رنج خود غرض سرکش۔کند ذہن۔جاہل۔تند مزاج۔خونخوار۔سخت دل۔کج رو۔وغیرہ وغیرہ ہوتے ہین +

(۶) **اسماء کی شہادت**:۔ افغان صرف بنی اسرائیل ہونیکا دعوے ہی نہین کرتے۔ بلکہ انکے قبائل انکے پہاڑون۔اور انکے دریاؤنکے نام بھی۔بزرگان اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہین۔مثلاً موسے خیل۔تخت سلیمان۔کوہ مری۔کوہ سلیمان۔زئی۔داؤدزئی۔یوسف زئی درۂ خیبر وغیرہ وغیرہ۔علاوہ ازین اینک افغانون اور کشمیریون مین اسرائیلی نامونکا بہت رواج پایا جاتا ہے۔

(۷) **شہرونکے نامونکی شہادت**:۔ گو یہ شہادت نمبر ۶ کے نیچے آسکتی تھی۔مگر چونکہ یہ نہایت ضروری ہے اور خاصکر نرالے طرز کی ہے اس لئے مین نے اسکو ایک نئے عنوان کے نیچے رکھا ہے۔افغانستان اور کشمیر مین بہت سے ایسے شہر ہین جن کے نام شام کے قدیمی شہرون کے نامونپر رکھے گئے ہین جب ایک ملک کے لوگ کسی دوسرے ملک مین جاکر آباد ہوتے ہین تو وہ اپنے نئے قرارگاہ مین ایک مصنوعی وطن بنا لیتے ہین۔اپنے وطن کے خیال کو اپنے دماغ مین تازہ رکھنے کے واسطے وہ اپنے نئے شہرون اور دیہات کے نام اپنے اوطان مالوفہ کے نامونپر رکھتے ہین جن مین کہ وہ پہلے آباد تھے اور جنکی یاد کو وہ اپنے صفحۂ دل سے محو کرنا نہین چاہتے انکے نئے ملک کے مقامات کے نام بتلاتے ہین کہ وہ کس ملک سے نکل کر آئے۔اسکی ایک عمدہ مثال امریکہ

کی آبادیوں میں ملتی ہے - جہاں اہل فرنگستان جاکر آباد ہوئے ہیں - یہ لوگ اپنے عزیز شہروں کے نام بھی اپنے ساتھ لے گئے - اور اپنے نئے گھروں کے وہی نام رکھے جو انکے قدیمی گھروں کے نام تھے اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حُبّ الوطنی ایک ایسی چیز ہے کہ جہاں کہیں آدمی جائے اپنے ملک کے نام بھی وہیں ساتھ لے جاتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ ان دس بنی اسرائیلی قوموں نے بھی اسی حب الوطنی کا ثبوت دیا ہے - افغانستان اور کشمیر میں بہت سے شہر اور اضلاع ایسے ہیں جن کے نام ملک شام کے قدیمی شہروں کے ناموں سے ملتے ہیں - میں نیچے ایسے ناموں کی ایک فہرست دیتا ہوں - اور امید کرتا ہوں کہ اگر اس امر کیطرف زیادہ توجہ کیجائے تو اور بھی ایسے بہت سے نام نکل آوینگے +

افغانستان کشمیر وغیرہ کی جگہوں کے نام	کہاں واقع ہیں - عرض البلد	کہاں واقع ہیں - طول البلد	قدیمی شام میں انکے ہم نام مقام	قدیمی شام کے نقشوں میں کہاں کہاں واقع ہیں - عرض البلد	قدیمی شام کے نقشوں میں کہاں کہاں واقع ہیں - طول البلد	بائیبل میں کہاں ذکر ہے
	شمال	مشرق		شمال	مشرق	
کابل	۳۴/۲۹	۶۹/۵	کابل	۳۲/۵۱	۳۵/۱۲	سلاطین اول ۹ باب ۱۳ میں ذکر ہے
پونچھ	۳۳/۵۴	۷۴/۱۳	فونیشیا	۳۳/۲۰	۳۵/۲۵	
زیدا	سرحد پر		زائیدن اور اکزیپا	۳۳/۴۴	۳۵/۲۲	۱۸ باب ۲۸ آیت قاضیوں
حمس	لداخ کے نزدیک		حمس	۳۵/۱	۳۵/۱۳	
			حمت	۳۲/۴۷	۳۵/۳۵	
			حمس	۳۴/۵۰	۳۶/۳۹	
گلگت	۳۶/	۷۴/۱۲	گلگوتھا	۳۱/۴۴	۳۵/۱۲	متی ۲۷ باب ۳۵
			گلگال	۳۲/۹	۳۴/۵۹	یشوع ۴ باب ۱۹ و ۵ باب ۹
			گلگال	۳۱/۵۰	۳۵/۳۰	قاضیوں ۲ باب ۱ و ۸ اور دوسری جگہوں پر
تبت	۳۴/۰	۸۹/۵	تیبتھ			۱۸ باب ۸ - تواریخ
لاسہ	۲۹/۳۰	۹۱/۲	لاشا - لیشں	۳۳/۱۷	۳۵/۴۰	۱۸ باب ۲۱ و ۱۸ - ۲۹ قاضیوں
لداخ	۳۴/۰	۷۷/۳۰	لاوچ			۴ باب ۲۱ تواریخ
بیع	۳۴/۱۳	۷۷/۳۹	یعنی ایک شہر			۱۴ باب ۱۹ و ۱۵ باب ۹ قاضیوں
سورو	۳۴/۱۲	۷۶/۰	سشور	۳۰/۵۵	۳۳/۵	۱۶ باب ۷ و ۲۰ باب ۱ و ۲۵ باب ۱۸ پیدائش
سکیت	۳۴/۲۰	۷۶/۰	سکوتھ یرحال سکوتھ	۳۲/۵۱	۳۵/۳۶	پیدائش ۳۳ باب ۱۷ اور اور دوسری جگہ

(۸) **اناجیلی شہادت:**- اس بات کی اناجیل بھی تائید کرتی ہین کہ افغان کشمیری گم شدہ اسرائیلی قبیلون کی اولاد ہین کیونکہ اناجیل مین لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح پیدا ہوئے۔ تو مشرق کے چند حکمار ایک ستارے کی رہنمائی سے ملک شام کو حضرت مسیح کی زیارت کرنیکے لئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق مین ایسے لوگ موجود تھے جنکو حضرت مسیح کے آنیکا انتظار تھا۔ اور انہون نے انکے ظہور کے لئے بعض نشان بھی مقرر کئے تھے۔ سوائے بنی اسرائیل کے کسی قوم کو مسیح کے آنیکا وعدہ نہین دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکمار بھی بنی اسرائیل مین سے تھے جو ایک ستارہ دیکھکر ملک شام کو مسیح کی زیارت کے لئے گئے۔ جب انہون نے ستارے کو دیکھا تو انہون نے نتیجہ نکالا کہ وہ مسیح جسکے ظہور کا یہ ستارہ نشان ہے۔ ملک شام مین پیدا ہوگیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ہے اسلئے وہ لمبا فاصلہ طے کرکے مسیح کی زیارت کو آگئے +

(۹) **قبر کی شہادت:**- سرینگر مین ایک قبر ہے جو کہ نبی صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے یہ قبر بھی میرے نزدیک انکے بنی اسرائیل ہونے کی ایک دلیل ہے۔ لفظ نبی قابل غور ہے۔ اگر یہ شخص ہندوستان کا رہنے والا ہوتا تو بدھ یا اوتار یا رکھی وغیرہ نامون سے مشہور ہونا چاہئے تھا نہ کہ نبی کے نام سے۔ لفظ نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل قوم کا نبی تھا۔ چونکہ نبی کا لفظ اسرائیلی نبی پر ہی بولا جاتا ہے مسلمان بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی کہتے ہین مگر یہان ہمین مسلمانون سے تعلق نہین کیونکہ کشمیر کا نبی مسلمانونکا پیغمبر نہین ہو سکتا کیونکہ مسلمانونکا ایک ہی نبی ہے جو کہ عرب ہی مین پیدا ہوا اور عرب ہی مین وفات پائی پس سرینگر کا نبی ضرور ایک اسرائیلی نبی تھا اور کشمیر کے دارالخلافہ مین ایک نبی کی قبر کا ہونا اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ اہالیان کشمیر بنی اسرائیل ہین اور اس امر پر تعجب نہین کرنا چاہئے کہ کیونکر کشمیر مین ایک نبی آیا۔ بنی اسرائیل خدا کی ایک برگزیدہ قوم تھی اور خدا تعالے ہمیشہ انکی طرف نبی بھیجتا رہا۔ اور سرینگر کی قبر بتلاتی ہے۔ کہ جسطرح خدا تعالٰی ان باقی ماندہ اسرائیلی قومون کیطرف جو کہ ملک شام مین رہ گئی تھین نبی بھیجتا رہا۔ اسی طرح اس نے گمشدہ اسرائیلی قومون کیطرف نبی بھیجا۔ اگر یہ قومین غیر ملک مین رہتی تھین تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ اپنے قومی حقوق کھو بیٹھی تھین اب بھی یہ قومین ایسی بنی اسرائیل تھین جیسا کہ وہ پہلی تھین۔ جبکہ بنی اسرائیل غلامون کی طرح ملک مصر مین رہتے تھے تو اسوقت خدا تعالے نے حضرت موسے علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا۔ ایسا ہی جب یہ قومین جلاوطن ہوکر مشرق مین رہتی تھین تو خدا تعالے نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا جسکا مزار محلہ خانیار سرینگر مین اب تک موجود ہے +

انجیل مین جو چند حکمار کا مشرق کیطرف سے ملک شام مین جانیکا ذکر ہے۔ اس سے

صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی لوگ ایک نبی کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے اور سرینگر کی قبر ہمین بتلاتی ہے کہ خدا تعالے نے ان کی امیدون کو پورا کیا۔ حق تو یہ ہے کہ مشرقی اسرائیلی قومین شام کے بنی اسرائیل کی نسبت اس بات کی نسبت زیادہ مستحق تھین کہ ان کی طرف ایک نبی بھیجا جاوے۔ کیونکہ شام مین صرف دو قومین رہتی تھین اور مشرق مین دس قومین آباد تھین اگر خدا تعالے نے شام کی دو قومون کیطرف ایک مسیح بھیجکر اپنے وعدہ کو پورا کیا تو کیون اس نے مشرقی دس قومونکو اس نعمت سے محروم کیا۔ سرینگر کی قبر شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہلاتی ہے کشمیر کے لوگ اور کشمیر کی تاریخ بالاتفاق یہ شہادت دیتے ہین کہ یہ نبی قریباً انیس سو برس ہوئے کہ شام کیطرف سے اس ملک مین آیا اور کچھ مدت وعظ کرتا رہا آخر اس جگہ وفات پائی اور محلہ خانیار مین مدفون ہوا +

(۱۰) **مشہور محققین کی شہادت**:۔ مین اخیر مین چند محققین کی رائے درج کرتا ہون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۲۔ نومبر ۱۸۹۸؁ء مین ایک مضمون سواتیون اور فریدیون کی بابت شایع ہوا تھا جسکو ایڈیٹر نے نہایت ہی قیمتی اور دلچسپ مضمون بیان کیا ہے۔ اس مضمون کا لکھنے والا مسٹر ٹامس ہولڈنگ اس طرح پر لکھتا ہے۔ "افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہین اگر اس قوم کا بنی اسرائیل کے ساتھ قدیمی تعلق نہ مانا جاوے تو پھر یہ بیان کرنا مشکل ہوگا کہ ان مین عام طور پر بنی اسرائیلی نام رائج ہین۔ ان کا قول کسی سچی بنیاد پر قائم نہین ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان مین بعض یہودیون کی رسومات پائی جاتی ہین۔ مثلاً عید فسح کا منانا وغیرہ۔ افغانون مین جو نہایت ہی تعلیم یافتہ ہین۔ وہ اپنا بنی اسرائیل ہونا بڑے اصرار سے بیان کرتے ہین۔ میرے نزدیک افغانون کا مسئلہ صحیح طور پر اس طرح حل ہوتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ یہ بنی اسرائیل ہین جو قدیمی راجپوتون مین مل جل گئے"

ایچ ڈبلیو بلیو۔ سی ایس آئی۔ اپنی تصنیف اقوام افغانستان کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہین "ان لوگون کی روایت ہے کہ ہمارا اصل وطن ملک شام ہے جہان سے بخت نصر ہمین قید کر کے لے آیا اور فارس اور امیدیہ کے مختلف حصون مین آباد کیا ان مقامون سے انہون نے مشرق کی طرف نقل مکان کیا۔ اور غور کے پہاڑی علاقون مین آباد ہو گئے۔ اس کی تائید مین بنی اسدراس کی بھی شہادت ہے۔ جو کہتا ہے کہ اسرائیل کی دس قومون نے آزرت کے ملک مین پناہ لی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ آزرت وہ علاقہ ہے جسکو آج کل ہزارہ کہتے ہین۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمسا ہی خاندان کے زمانہ مین افغانستان مین ایک قوم رہتی تھی جنکو

بنی اسرائیل کہتے تھے اور ان مین بعض ارد گرد کے ممالک کے ساتھ تجارت بھی کیا کرتے تھے"
کرنیل جی بی فیلسن سی ایس آئی - اپنی کتاب تاریخ افغانستان مین اس طرح پر لکھتا ہے -
عبد اللہ خان اور دوسرے افغان مصنفون کی پیروی کر کے فیریئر صاحب کی یہ رائے ہے - کہ
افغان دس گم شدہ اسرائیلی فرقون کی اولاد ہین - اور بھی کئی محققین اس رائے کے ساتھ
اتفاق کرتے ہین چنانچہ سر ولیم جونز جیسا عظیم الشان آدمی بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے -
اے کے جونسٹن افغانون کی مندرجہ ذیل روایت بیان کرتا ہے "جب نادر شاہ پشاور مین
پہونچا - یوسف زئی قوم کے سردارون نے ایک بائیبل اسکے آگے پیش کی جو کہ عبرانی مین لکھی
ہوئی تھی اور کئی اور چیزین بھی پیش کین جو کہ وہ اپنی قدیمی عبادت مین استعمال کیا کرتے تھے
جنکو انہون نے حفاظت سے رکھا ہوا تھا جو یہودی لشکر کے ساتھ تھے انہون نے ان چیزونکو
فوراً پہچان لیا -" ای بلفور - ایل آر مصنف ان سکلوپیڈیا آف انڈیا - لکھتا ہے "افغانون
کی شکل یہودیونسے ملتی ہے - ایک رسم مین افغان یہودیون کی پیروی کرتے ہین اور وہ
یہ ہے کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لیتا ہے - ڈاکٹر بیلیو بعض
رسومات کا ذکر کرتا ہے - جو یہودیون کی رسومات سے ملتی ہین جو کہ درہ خیبر کے کونون مین
پائی جاتی ہین ان کے بال مشرقی یہودیون کی طرح ہوتے ہین"
جینس بائی - ایم - اے - ایف جی - ایس - اپنی کتاب ان سکلوپیڈیا آف جاگریفی مین لکھتا ہے -
"تمام سیاح اس بات پر متفق ہین کہ افغانون مین اور گرد نواحی قومون مین بڑا فرق ہے - اور سب
افغان ایک ہی نسل کے معلوم ہوتے ہین یہ اپنی شکل اور خط و خال مین یہودیونسے بہت ملتے جلتے ہین"
یہ مصنف اہل کابل کی نسبت ذکر کرتا ہوا کہتا ہے کہ یہ لوگ دراز قد ہوتے ہین سیاہ آنکھون
نمایان خط و خال والے اور انکے چہرے بالکل یہودیون کی طرح ہین -
اِتھی بی - انسکلوپیڈیا برطانیہ مین افغانستان پر لکھتا ہوا کہتا ہے کہ اس ملک کی عورتین
یہودیون جیسی خوبصورت خط و خال رکھتی ہین اور یہی بات مردون مین بھی پائی جاتی ہے -
اے - کے جیمسٹن اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگریفی مین کشمیر کی عورتونکا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے -
پورے قد کی اور خوبصورت ہوتی ہین - ان کی ناک ترچھی اور خط و خال بالکل یہودیونکے سے ہوتے ہین
برنیئر اپنے سفرنامے مین لکھتا ہے کہ جب مین ملک کشمیر مین داخل ہوا اور پیر پنجال سے آگے
تو یہ دیکھکر مین بہت حیران ہوا کہ دیہات کے باشندے بالکل یہودیون سے مشابہ تھے انکے خط و خال
اور وہ ناقابل بیان خصوصیت جسکے ذریعہ سے سیاح مختلف قومونمین تمیز کر سکتے ہین
تمام اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہین اور اسے صرف میرا وہم ہی نہین خیال

کرنا چاہیئے بلکہ ان لوگوں کا یہودیوں سے شکل میں مشابہ ہونا ہمارے فرقہ جزوائیٹ کے پادری اور کئی اور اہل فرنگ نے بھی میرے یہاں آنے سے بہت پہلے بیان کیا ہے۔ آرچیبلڈ کانسٹبل صاحب نے برنیر کے سفرنامے کو فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے صفحہ ۴۳۰ پر لکھتا ہے۔ وہ بہت سے اہل کشمیر کا اپنے خط و خال میں یہودیوں سے مشابہ ہونا زمانہ حال کے بہت سے سیاحوں نے بیان کیا ہے۔" والسلام۔

"یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر"

عیسائیوں کے اخبار ایپی فینی مورخہ ۴-اپریل سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک صاحب ڈاکٹر ایم بی صاحب لکھتے ہیں کہ یسوع کی موت انشقاق القلب (دل کا خود بخود بغیر بیرونی صدمہ کے پھٹ جانا) سے واقع ہوئی اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر سمپسن اور بعض دیگر صاحبان کی سند پیش کی ہے مگر اس بیان کی تصدیق یسوع کی کہانی کے واقعات سے نہیں ہوتی۔ ہر ایک متعصب ڈاکٹر جو ایک لمحہ کیلئے اس مضمون پر غور کرے گا فوراً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ تین یا چار گھنٹے صلیب پر لٹکا رہنے سے انشقاق القلب سے موت واقع نہیں ہو سکتی۔

انجیل میں یسوع کا قصہ پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے دنوں وہ ایک پورا تندرست صحیح القوٰے موٹا تازہ تیس برس کا جوان تھا جو باغوں اور عمدہ آب و ہوا کی جگہوں میں سیر کیا کرتا کھانے پینے اور پند و نصیحت میں رہا کرتا تھا۔ دلیرانہ تقریریں کرنے میں اپنی زندگی مزے سے بسر کرتا تھا۔ اس واقعہ سے پہلے وہ کسی مصیبت میں نہیں پڑا تھا۔ فی الحقیقت انجیل سے اسکا کسی مرض مثلاً وجع المفاصل اور دل کی بیماریاں وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صلیب کے وقت وہ بہادری سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا اور جب موت کا حکم سنایا گیا تو اسکو کچھ غش نہیں آیا۔ یوحنا لکھتا ہے کہ وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے گلگتا (مقتل) میں پہنچا جس سے ظاہر ہے کہ وہ اسوقت بھی بوجھ اٹھا کر دور تک چلنے کی طاقت رکھتا تھا۔ برعکس اسکے انشقاق القلب ہمیشہ آدمیوں کو جنکے دل پہلے ہی سے بیمار اور کمزور ہوتے ہیں واقع ہوتی ہے (ملاحظہ کرو برسٹو کی طب صفحہ ۹۰ ٹیلر صفحہ نمبر ۵۳۰۔ رابرٹس صفحہ ۱۰۶۱ اور پیپر جلد دوم صفحہ نمبر ۳۶۳)

علامات۔ اب ان علامات کا جو انشقاق القلب میں واقع ہوتی ہیں یسوع کی صلیبی علامات سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انشقاق القلب میں دل کے مقام پر بہت سخت درد ہوتا ہے تنفس میں سخت دقت پیدا ہوتی ہے

کامل بیہوشی ہوتی ہے۔ پسینہ کثرت سے آتا ہے۔ گلا گھٹتا ہے اور سخت درد سر کے بعد کچھ گھنٹون مین مرجاتا ہے (برسٹو صفحہ ۵۳۹) بعض دفعہ دفعتًہ مرجاتا ہے برعکس اسکے یسوع جب صلیب پر باندھا گیا تو اپنی والدہ اور حواریون اور دو چورون سے بخوبی باتین کرتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے چنانچہ اسکو سرکہ پلایا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے اور سر جھکا کر جان دیدی (یوحنا) "یسوع چلا کر بولا اور پھر جان دیدی" (متی) "اور یسوع جب بلند آواز سے چلا چکا تو اس نے کہا کہ باپ اپنی روح تیرے ہاتھ دیتا ہون۔ اور یہ کہکر جان دی" (لوقا) اس سے ظاہر ہے کہ یسوع کو نہ تنفس مین دقت معلوم ہوئی اور نہ سینہ مین درد ہوا اور نہ بیچینی ہوئی اور نہ کامل بیہوشی ہوئی جیسا کہ کتب طب مین انشقاق القلب کے علامات مین لکھا ہے۔

علامات بعدالموت۔ مسٹر ام بی نے اپنے خیال کی تائید مین خون اور پانی پر جو یسوع کی پسلی سے نکلا تھا بہت زور دیا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ انشقاق القلب کا بڑا بھاری ثبوت ہے اسکا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ جب دل پھٹ گیا تو خون دل کے غلاف مین اکٹھا ہو کر جمگیا اور بعد مین خون کا لوتھڑا اور پانی دو حصون مین تقسیم ہو کر باہر نکل آیا۔ یہ امر بالکل ناممکن ہے۔ کہ یسوع کے بظاہر جان دینے اور سپاہی کے بھالا چبھونے کے درمیانی وقفہ مین جو بہت کم ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ نہ تھا ایسی جلدی منجمد ہو گیا ہو۔ ٹیلر اپنی میڈیکل جورسپروڈنس جلد اول صفحہ ۱۷۵ مین لکھتا ہے۔ کہ خون مردہ جسم مین بنسبت بیرونی ہوا کے دیر مین جمتا ہے۔ چنانچہ ۴ سے ۸ گھنٹہ تک سیال حالت مین رہتا ہے۔ بکسر ڈان صاحب لکھتے ہین کہ بارہ گھنٹہ تک نہین جمتا۔ اور ۴ گھنٹہ سے کم مین کسی صورت مین نہین جم سکتا۔ کارپنٹر صاحب اپنی فیزی آلوجی صفحہ ۱۸۷۔ اور ۱۸۹ مین لکھتے ہین کہ بعض حالتون مین مردہ جسم مین خون بالکل نہین جمتا اگر جمتا ہے تو پورا نہین جمتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کے جسم مین جان نکلنے کے بعد ایسی جلدی خون نہین جما تھا۔ برسٹو صفحہ ۵۳۹ مین لکھتا ہے کہ دل کا غلاف بعد از موت خون سے پر پایا جاتا ہے یعنے کچھ تو پانی اور کچھ خون جما ہوا ایک تھیلی کی شکل مین دل کے گرد ہوتا ہے اگر فرض بھی کرلین کہ دل پھٹ گیا تھا۔ اور خون کے بھی دو حصے ہو گئے تھے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جمے ہوئے خون کی وہ تھیلی جو دل پر لپٹی ہوئی ہے وہ سپاہی کے برچھے کے چھوٹے سے سوراخ سے فورًا باہر نکل آئے۔ ڈاکٹر ام۔ بی صاحب مہربانی فرما کر اس معما کو حل کرین۔ یوحنا کہتا ہے "ایک سپاہی نے برچھے سے اس کی ایک جانب چھیدی اور فورًا وہان سے خون اور پانی نکل آیا" اس مین لفظ "جانب" اور "فورًا" کا قابل غور ہے۔ ڈاکٹر ام۔ بی بلاوجہ جانب سے مراد بائین جانب لیتا ہے اور خصوصًا دل کا مقام۔ گویا کہ سپاہی علم ڈاکٹری مین خوب ماہر تھے

اور جانتے تھے کہ موت کا باعث کہاں واقع ہے اور اسلئے انہوں نے ٹھیک دل پر برچھا مارا۔ ہم کیوں نہ جانب سے دائین جانب مراد لین یا پیٹ اور بغل مراد لین۔ لفظ "فوراً" سے ظاہر ہے کہ برچھا چبھتے ہی معاً خون اور پانی باہر نکل آیا اور جمے ہوئے خون کی تھیلی کا اتنی جلدی ایسے چھوٹے سوراخ سے باہر نکل آنا غیر ممکن ہے۔ مزید برآن اگر خون جم ہی گیا تھا تو پہلے پانی نکلنا چاہئے تھا نہ کہ خون کیونکہ ایسی حالتون مین ہمیشہ پانی پہلے نکلتا ہے اور خون کا لوتھڑا پیچھے۔ لیکن انجیل مین خون پہلے ہے اور پانی پیچھے۔ مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سائنس کی تحقیقات کے بموجب یسوع کا دل نہین پھٹا تھا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یسوع کو حقیقت مین صلیب کے وقت کیا صدمہ پہونچا۔ باوجودیکہ صلیب کے واقعہ سے پیشتر یسوع تندرست طاقتور اور جوان تھا۔ مگر انجیل سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر اسکے مخالفون نے اسکو کسیقدر جسمانی تکلیفین دین۔ اسکو بیت لگوائے کھانیکو کچھ نہ دیا اور اس کی صلیب اس سے اٹھوائی اسکے ہاتھونکو لکڑی پر میخ سے ٹھونکدیا۔ جس سے اسکو درد بھی ہوا ہوگا اور تکلیف بھی پہونچی ہوگی اور کچھ خون بھی نکلا ہوگا یہانتک کہ وہ چلا اٹھا۔ کہ "ایلی ایلی لما سبقتانی" یعنے اے میرے خدا مجھکو کیون چھوڑ دیا۔ پھر اسکو پیاس لگی اور سرکہ یا شراب پلائی گئی۔ پھر سر جھکایا اور غشی آگئی۔ اسکے دوست کھڑے تھے۔ اور سیاہی۔ تاریکی اور زلزلہ سے ڈر گئے تھے اور اسکو نیک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انکے داروغہ نے خدا کی حمد کے بعد یہ کہا کہ یہ ایک راستباز مرد تھا (لوقا) انکو یہ بھی معلوم تھا کہ حاکم یسوع کی جان بچانا چاہتا ہے۔ ایسے وقت مین یسوع کے دوستونکو موقع ملا اور اس کی جان بچانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور فوراً کارروائی شروع کر دی یعنے جھٹ پٹ میخین نکالکر اسکو سولی سے اتار لیا اور اسکو ایک کھلے مقبرہ مین لے گئے اسکے زخمون پر مرہم پٹی لگائی گئی۔ اور مقوی دل ادویہ اور خوشبوئین اُسکے پاس بچھا دین تاکہ اس کی غشی دور ہو اور جب اسکو ذرا اٹھنے کی طاقت ہو گئی تو پیشتر اسکے کہ یہودی جو اپنا سبت منا رہے تھے خبردار ہو کر مقبرہ کی حفاظت کرتے کسی دور کے گاؤن مین اسکو لے گئے وہان جب اسکو آرام ہوا تو وہ ان حواریون سے ملا جو اس راز مین شریک نہ تھے تاکہ انکو یقین دلائے کہ صلیب کی لعنتی موت سے وہ معجزانہ طور سے بچگیا اور انکو اپنے زخمی ہاتھ دکھائے مچھلی وغیرہ کھائی اور زندہ آدمیون کی طرح کاروبار مین مشغول ہوا۔

مذکورہ بالا بیان کا علمی ثبوت حسب ذیل ہے۔

اول۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یسوع کے وقت مین صلیب سے موت بہت دیر مین واقع ہوتی تھی کئی دنون تک مصلوب بھوک پیاس اور درد اور ضعف وغیرہ مین مبتلا ہو کر مرجاتا تھا۔ مزید برآن ایسے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ دو تین روز مصلوب رہنے کے بعد بھی بچ جاتا تھا ایسی

حالتون مین کیسے ممکن ہو سکتا ہو کہ یسوع تین چار گھنٹے سولی پر چڑھے رہنے سے یک بیک مرگیا حالانکہ نہ کوئی عضو رئیسہ بیمار یا مضروب تھا اور نہ اس کی ٹانگین توڑی گئی تھین - بات یہ ہو کہ جان دینے سے مطلب غشی کا ہونا ہے اور اپنے دشمنون سے بچنے کے واسطے ہوش مین آکر بھی وہ چپ چاپ پڑا رہا ہو یا ممکن ہو کہ آخری وقت مین جب اسکو سرکہ پلایا گیا تو اس مین کوئی مسکر شے مثلاً افیون وغیرہ جس سے وہ بیہوش ہو جائے دیا گیا ہو کیونکہ یوحنا لکھتا ہے کہ سرکہ پینے کے بعد فوراً اس نے جان دیدی - یقین ہو کہ اسکے دولتمند مرید یوسف نے جو ارمتیا کا رہنے والا تھا کوئی ایسی تجویز اپنے مرشد کے بچانیکے لئے کی ہوگی -

دوم - لیکن ایک سپاہی نے اس کی جانب مین برچھا چبھویا اور فوراً خون اور پانی نکل آیا - (یوحنا ۱۹ : ۳۴) اس کلام مین فوراً کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ زندہ خون جو قلب کی حرکت سے جلد مین دوران کر رہا تھا اسکے جسم سے فوارے کی طرح فوراً چھوٹ پڑا - جیسا کہ زندہ جسم مین ہمیشہ ہوتا ہے - جب خون نکل چکا اور برچھا کچھ اور اندر گھسا تو پانی نکلا یا اغلباً مثانہ یا گردہ سے یا کسی رسولی وغیرہ سے نکلا ہوگا - یہ بھی ممکن ہے کہ معدہ سے آیا ہو کیونکہ یسوع نے اسی وقت سرکہ پیا تھا - اور معدہ کے زخمون سے ہمیشہ موت واقع نہین ہوتی -

سوم - یوحنا کی بیسوین فصل سے صاف ظاہر ہے کہ دو دن کے بعد اسکا جسم مقبرہ مین نہین پایا گیا کفن اور رومال موجود تھا لیکن جسم نہین تھا - اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے - کہ کوئی شخص یسوع کو بھیس بدلوا کر لے گیا " مین ابھی باپ کے پاس نہین چڑھا " اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا جسم زمین پر زندہ موجود تھا اور جب ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ جسم مقبرہ مین نہین تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر کسی جگہ تھا - " اُس نے ان کو اپنے ہاتھ اور اپنا پہلو دکھایا " جس سے ظاہر ہے کہ وہ جسم عنصری کی صورت مین جس پر زخمون کے نشان موجود تھے دکھائی دیا نہ کہ روحانی صورت مین " اس نے اُن پر پھونکا " جس سے ظاہر ہے کہ وہ سانس لیتا تھا اور اسکے پھیپھڑے اور دل باقاعدہ کام کرتے تھے " اس نے انکو کہا " جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بول سکتا تھا - اور اسکا دماغ صحیح کام کر رہا تھا - پھر اس نے توما سے کہا کہ اپنی انگلی لاؤ اور میرے ہاتھونکے نشان دیکھ اور ہاتھ ادھر کر اور میرے پہلو کو دیکھ بھال اور بے ایمان مت بن بلکہ یقین کر کہ مین وہی ہون " جس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم اور روح صلیب کے واقع کے بعد موجود تھے نہ کہ صرف روح +

چہارم - یوحنا کی اکیسوین فصل مین لکھا ہے کہ ان باتون کے بعد یسوع پھر اپنے حواریونکے روبرو دریائے طبریا پر ظاہر ہوا - اور یسوع نے انکو کہا کہ کچھ گوشت ہے .... یسوع پھر

آیا اور کھانا کھایا اور انگلو دیا اور اسی طرح مچھلی بھی تقسیم کی ‘‘ مجھے یقین ہے کہ یہ خواب نہین تھا۔ اور یسوع کھانا اور مچھلی کا کباب نوش کر رہے ہین جس سے اسکے معدہ کی قوت اور بھوک کی شدت عیان ہے۔ اور بیچارے سادہ لوح عیسائی اب تک اس خیال مین ہین کہ وہ مردون سے جی اٹھا تھا۔ افسوس ہے کہ بیسوین صدی جیسے علم و حکمت کے زمانہ مین بھی لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہین

اسی ایپی فینی کے دوسرے مقام مین اڈیٹر صاحب کو مسیح کی صلیب کی موت مین شک پیدا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہون نے ایک نئی تھیوری مسیح کی موت کی نسبت قائم کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان مصالح جات اور ادویات کے بوجھ سے جو قبر مین رکھی گئی تھین سانس رک کر موت واقع ہوئی۔ یوحنا کی بیسوین فصل سے ظاہر ہے کہ قبر اسقدر کشادہ تھی کہ آدمی اندر داخل ہو کر دیکھ بھال سکتا تھا۔ جیسا کہ پطرس نے کہا۔ مین پوچھتا ہون کیا یہ ناممکن ہے۔ کہ سو پونڈ مر ( ) ایک ایسے بڑے کمرے مین پھیلا دئے گئے ہین اور کسی ایک آدمی کا بھی دم نہ گھٹے جو وہان بیٹھے ہوئے ہون اور نہ میری رائے مین ان پٹیون سے جو اسکے سر اور ہاتھ پاؤن پر بندھی تھین اسے کچھ تکلیف ہوئی۔ بلکہ میرے خیال مین مرہم پٹی سے یسوع کے زخمون کو آرام ملا۔ اور اس کی غشی بھی مصالح جات سے دور ہو گئی۔ + راقم ایل۔ ایم۔ ایس

"ضروری عرضداشت و شکریہ معاونین"

کثرت اشاعت و اعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید اکید فرمائی ہے اس تاکیدی ارشاد کے پُرزور الفاظ کا اعادہ بغرض آگاہی جملہ احباب و برادران گذشتہ پیوستہ پرچہ جات میں متواتر کیا جاتا رہا ہے اور جن پُرجوش باہمت و مخلص احباب نے اس کار خیر میں محض بغرض ابتغاء لمرضاۃ اللہ خاص حصہ لیکر الگ الگ معتد بہ رقوم سے اعانت فرمائی ہے ان کی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات میں ہوتا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات و امداد نے از سر نو انکے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبد العزیز صاحب عرف محمد وزیر خانصاحب ملک برہما نے حال ہی میں ایکسو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے۔ یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں کئی سو روپیہ کی امداد میگزین میں دے چکے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس چودھری سرفراز خان و کرم الٰہی صاحبان بدوملی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ایکمشت [illegible] کی امداد فرمائی ہے۔ اصل میں چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے۔ مگر لنگر کی ضروریات موجودہ کو دیکھکر دو سو روپیہ امداد لنگر میں دیدیا۔ اور ایکسو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ میں آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی و اخلاص مندی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس امداد فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دیوے اور دیگر جملہ برادران کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور انکی روح و روان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قربان پر اپنا مال و جان نثار کرتے ہوئے اس کار خیر میں وہ ہمت دکھلاویں کہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے جلدی پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آوے۔

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی کثرت اشاعت کی ضرورت اس امر کی مقتضی ہیں کہ جملہ احباب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کر کے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھکر اوس کی تعمیل میں ہر وقت کوشاں رہیں ان کی یہ تگ و دو فی سبیل اللہ ان کے لئے حسنات دارین حاصل کرنیکا ذریعہ ہوگی + توشہ عقبیٰ حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے اشاعت کی بجا آوری کا اس سے عمدہ موقعہ حسنہ نہیں مل سکتا۔ اب وقت کی قدر کر کے سابق بالخیر بنتا ہیں اور جن اغراض کیلئے یہ رسالہ [illegible] مامور ہو کر آیا ہے ان اغراض و مقاصد میں اسکی امداد کر کے معیت صادقین کی اعلیٰ منزل کو طے کریں جو حقیقی کامیابی و فوز المرامی کا اصلی زینہ ہے۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام۔

مینیجر

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک ہفتہ میں تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے۔ استعمال کرنے سے پہلے اور بعد بدن کو وزن کر دو اور آزما لو اس سے بڑھکر یہی۔ مولد خون صالح مشتہی بدن کو مضبوط اور طاقتور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنے والی دوائی ابتک ایجاد نہیں ہوئی۔ اس کا اثر ان اعضاء پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اسے فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت احمر اسکا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ قوی کو از سر نو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی للعہ

روغن دردگردہ۔ دردگردہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان عجیب و غریب روغن گردہ میں خاصکر جب درد کنکری کیوجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزون کو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کرکے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکلکر دردگردہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی عہ

عجیب غریب مرہم المعروف مرہم عیسیٰ۔ اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پر تاثیر بہدف ہر قسم کے زخمون۔ جراحتون چوٹون۔ گنٹھیون۔ خنازیر سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑے و پھنسیون ناسورون گنج خارش بواسیر اور طرح طرح کی جلدی بیماریون ہاتھونکے سردی سے پھٹ جانے جانورونکے کاٹ لینے جل جانے اور عورتونکے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے ہزارہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ دار ہے جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسیٰ کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا۔ قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ ر۔ ۱۲ ار فی ڈبیہ کلان عہ ر

رسالہ آئینہ صحت مفت	حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسیٰ نولکھا لاہور سے طلب کرو	عمدۃ التقویم سنہ ۱۹۱۰ء مفت

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانسس میڈیکل ہال بازار ... سے منگوائین۔ یہ دوکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دوکان کا فایدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے۔ المشتہر خواجہ

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہین نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہین طور تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو ریلیجنز آف

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا ✤ چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عـ/

"تفسیر سُورۂ جُمعہ"

نور فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا + پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

یا الٰہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے + جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں + مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ + وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

"اعلان"

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کیلئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم وبطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نور فامن اللہ الاحد الصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے مجھے انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بے نظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیر میں بھی مسلم ہے۔ سوم یہ سورۂ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے کلام خداوند کریم۔ الرحمن۔ الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا سمجھنا سیکھنا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورۂ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر ہی میں ملاحظہ فرماوینگے اسکے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اس کی اشاعت کی ملک میں بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہیے کہ جسقدر آپ سے ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں رشتہ داروں عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ +

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۱؎ ایک جلد خریدار کو معہ محصول ڈاک وغیرہ ۵؍ ٹکٹ ذریعہ لفافہ میں بند کر کے بھیجنے چاہئیں۔

پانچ جلد ۵؎ بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔

دس جلد ۸؎ " " "

پچیس جلد ۱۸؎ " " "

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

روح القدس

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس مقربین الٰہی مین ہمیشہ رہتا ہے اور ان سے کبھی جدا نہین ہوتا سارا قرآن کریم ان تصریحات اور اشارات سے بھرا پڑا ہے بلکہ وہ ہر ایک مومن کو روح القدس ملنے کا وعدہ دیتا ہے چنانچہ منجملہ اُن آیات کے جو اس بارہ مین کھلے کھلے بیان سے ناطق ہین۔ سورۃ الطارق کی پہلی دو آئیتین ہین اور وہ یہ ہین۔ والسماءِ والطارق وما ادراک ما الطارق النجم الثاقب ان کل نفسٍ لما علیہا حافظ ہ یہ آخری آیت یعنی اِن کُل نفسٍ لمّا علیہا حافظ جسکے یہ معنی ہین کہ ہر ایک نفس پر ایک فرشتہ نگہبان ہے یہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ جیسا کہ انسان کے ظاہر وجود کے لئے فرشتہ مقرر ہے جو اس سے جدا نہین ہوتا ویسا ہی اس کی باطن کے حفاظت کے لئے بھی مقرر ہے جو باطن کو شیطان سے روکتا ہے اور گمراہی کی ظلمت سے بچاتا ہے اور وہ روح القدس ہے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندون پر شیطان کا تسلط ہونے نہین دیتا اور اسی کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے کہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطانٌ۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کیسی صریح طور پر تبلا رہی ہے کہ خدا تعالےٰ کا فرشتہ انسان کی حفاظت کیلئے ہمیشہ اور ہردم اسکے ساتھ رہتا ہے اور ایکدم بھی اس سے جدا نہین ہوتا۔ کیا اس جگہ یہ خیال آسکتا ہے کہ انسان کی ظاہر کی نگہبانی کے لئے تو دائمی طور پر فرشتہ مقرر ہے لیکن اس کی باطن کی نگہبانی کے لئے کوئی فرشتہ دائمی طور پر مقرر نہین بلکہ متعصّب سے متعصّب انسان سمجھ سکتا ہے کہ باطن کی حفاظت اور روح کی نگہبانی جسم کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جسم کی آفت تو اسی جہان کا ایک دُکھ ہے لیکن روح اور نفس کی آفت جہنم ابدی مین ڈالنے والی چیز ہے سو جب خدائے رحیم وکریم کو انسان کے اس جسم پر بھی رحم ہے جو آج ہے اور کل خاک ہو جائیگا اس کی نسبت کیونکر گمان کر سکتے ہین کہ اس کو انسان کی روح پر رحم نہین۔ پس اس نص قطعی اور یقینی سے ثابت ہے کہ روح القدس یا یون کہو کہ اندرونی نگہبانی کا فرشتہ ہمیشہ نیک انسان کے ساتھ ایسا ہی رہتا ہے جیسا کہ اس کی بیرونی حفاظت کے لئے رہتا ہے ٭

اس آیت کے ہم مضمون قرآن کریم مین اور بہت سی آیتین ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظت ظاہری و باطنی کے لئے اور نیز اسکے اعمال کے لکھنے کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہین کہ جو دائمی طور پر انسانون کے پاس رہتے ہین چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیات ہین۔ وان علیکم لحافظین۔ یرسل علیکم حفظۃ۔ لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ط ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ تم پر حفاظت کرنیوالے مقرر ہین خدا تعالے ان کو بھیجتا ہے۔ اور خدا تعالی کی طرف سے چوکیدار مقرر ہین جو اسکے بندونکے ہر طرف سے یعنے کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر حفاظت کرتے ہین اس مقام مین صاحب معالم نے یہ حدیث لکھی ہے کہ ہر یک بندہ کے لئے ایک فرشتہ موکل ہے جو اسکے ساتھ ہی رہتا ہے اور اسکی نیند اور بیداری مین شیاطین اور دوسری بلاؤن سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور اسی مضمون کی ایک اور حدیث کعب الاحبار سے بیان کی ہے اور ابن جریر اس آیت کی تائید مین یہ حدیث لکھتا ہے۔

ان معکم من لایفارقکم الا عند الخلاء و عند الجماع فاستحیوہم واکرموہم۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہین کہ بجز جماع اور پاخانہ کی حاجت کے تمسے جدا نہین ہوتے سو تم ان سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو اور اسی جگہ عکرمہ سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ملایکہ ہر ایک شر سے بچانیکے لئے انسان کے ساتھ رہتے ہین اور جب تقدیر مبرم نازل ہو تو الگ ہو جاتے ہین اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہین جس کی حفاظت کیلئے دائمی طور پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔ پھر ایک اور حدیث عثمان بن عفان سے لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بیس فرشتے مختلف خدمات کے بجا لانیکے لئے انسان کے ساتھ رہتے ہین اور دن کو ابلیس اور رات کو ابلیس کے بچے ضرر رسانی کی غرض سے ہر دم گھات مین لگے رہتے ہین اور پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث مندرجہ ذیل لکھی ہے :-

حدثنا۔ اسود بن عامر حدثنا سفیان حدثنی منصور عن سالم بن ابی الجعد عن ابیہ عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملائکۃ قالوا وایاک یارسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فلا یامرنی الا بخیر انفرد باخراجہ مسلم۔ صفحہ ۲۴۴

یعنی بتوسط اسود وغیرہ عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی تم مین سے ایسا نہین کہ جسکے ساتھ ایک قرین جنّ کی نوع مین سے اور ایک قرین فرشتون مین سے موکل نہ ہو۔ صحابی نے عرض کی کہ کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ہان مین بھی پر خدا نے میرے جن کو میری تابع کر دیا۔ سو وہ بجز خیر اور نیکی کے اور کچھ بھی مجھے نہین کہتا۔ اسکے اخراج مین مسلم منفرد ہے۔ اس حدیث سے صاف اور کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جیسے ایک داعی شر انسان کیلئے مقرر ہے جو ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا ہے ایسا ہی ایک داعی خیر بھی ہر ایک بشر کے لئے موکل ہے جو کبھی اس سے جدا نہین ہوتا اور ہمیشہ اسکا قرین اور رفیق ہے مگر خدا تعالے فقط ایک داعی الی الشر ہی انسان کیلئے

مقرر کرتا اور داعی الی الخیر مقرر نہ کرتا تو خدا تعالے کے عدل اور رحم پر دھبہ لگتا کہ اس نے شر انگیزی اور وسوسہ اندازی کی غرض سے ایسے ضعیف اور کمزور انسان کو فتنہ میں ڈالنے کے لئے کہ جو پہلے نفس امارہ ساتھ رکھتا ہے شیطان کو ہمیشہ کا قرین اور رفیق اس کا ٹھہرا دیا جو اس کے خون میں بھی سرایت کر جاتا ہے اور دل میں داخل ہو کر ظلمت کی نجاست اس میں چھوڑ دیتا ہے مگر نیکی کی طرف بلانے والا کوئی ایسا رفیق مقرر نہ کیا تا وہ بھی دل میں داخل ہوتا اور خون میں سرایت کرتا اور تا میزان کے دونوں پلے برابر رہتے۔

اس جگہ اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ جب روح القدس صرف مقربین الٰہی کو ملتا ہے تو پھر ہر ایک کا نگہبان کیونکر ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ روح القدس کا کامل طور پر نزول مقربوں پر ہی ہوتا ہے مگر اس کی فی الجملہ تائید حسب مراتب محبت و اخلاص دوسروں کو بھی ہوتی ہے۔ ہماری تقریر مندرجہ بالا کا صرف یہ مطلب ہے کہ روح القدس کی اعلیٰ تجلی کی یہ کیفیت ہے کہ جب بقا اور لقا کے مرتبہ پر محبت الٰہی ہو انسان کی محبت پر نازل ہوتی ہے تو یہ اعلیٰ تجلی روح القدس کی اُن دونوں محبتوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جسکے مقابل پر دوسری تجلیات کالعدم ہیں مگر یہ تو نہیں کہ دوسری تجلیات کا وجود ہی نہیں خدا تعالےٰ ایک ذرہ محبت خالصہ کو بھی ضائع نہیں کرتا انسان کی محبت پر اس کی محبت نازل ہوتی ہے اور اسی مقدار پر روح القدس کی چمک پیدا ہوتی ہے یہ خدا تعالےٰ کا ایک بندھا ہوا قانون ہے کہ ہر ایک محبت کے اندازہ پر الٰہی محبت نزول کرتی رہتی ہے اور جب انسانی محبت کا ایک دریا بہ نکلتا ہے تو اُس طرف سے بھی ایک دریا نازل ہوتا ہے اور جب وہ دونوں دریا ملتے ہیں تو ایک عظیم الشان نور ان میں سے پیدا ہوتا ہے جو ہمارے اصطلاح میں روح القدس سے موسوم ہے لیکن جیسے تم دیکھتے ہو کہ اگر بیس سیر پانی میں ایک ماشہ مصری ڈالدیجائے تو کچھ بھی مصری کا ذائقہ معلوم نہیں ہوگا اور پانی پھیکے کا پھیکا ہی ہوگا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مصری اس میں نہیں ڈالی گئی اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانی میٹھا ہے یہی حال اُس روح القدس کا ہے جو ناقص طور پر ناقص لوگوں پر اترتا ہے اسکے اترنے میں تو شک نہیں ہو سکتا کیونکہ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی کو بھی نیکی کا خیال روح القدس سے پیدا ہوتا ہے کبھی فاسق اور فاجر اور بدکار بھی سچی خواب دیکھ لیتا ہے اور یہ سب روح القدس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہے مگر وہ تعلق عظیم جو مقدسوں اور مقربوں کے ساتھ ہے اسکے مقابل پر یہ کچھ چیز نہیں گویا کالعدم ہے

ایک یہ سوال ہے کہ جس حالت میں روح القدس انسان کو بدیوں سے روکنے کے لئے مقرر ہے تو پھر اس سے گناہ کیوں سرزد ہوتا ہے اور انسان کفر اور فسق اور فجور میں کیوں مبتلا ہو جاتا ہے اسکا یہ جواب ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے انسان کے لئے ابتلا کے طور پر دو روحانی داعی مقرر کر رکھی ہیں۔ ایک داعی خیر جسکا نام روح القدس ہے اور ایک داعی شر جسکا نام ابلیس اور شیطان ہے۔ یہ دونوں داعی صرف خیر یا شر کی طرف بلاتے رہتے ہیں مگر کسی بات پر جبر نہیں کرتے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اسی امر کی

طرف اشارہ ہے فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا یعنی خدا بدی کا بھی الہام کرتا ہے اور نیکی کا بھی- بدی کے الہام کا ذریعہ شیطان ہے جو شرارت کے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے اور نیکی کے الہام کا ذریعہ روح القدس ہے جو پاک خیالات دل میں ڈالتا ہے اور چونکہ خدا تعالےٰ علت العلل ہے اسلئے یہ دونوں الہام خدا تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کرلئے کیونکہ اسی کی طرف سے یہ سارا انتظام ہے ورنہ شیطان کیا حقیقت رکھتا ہے جو کسی کے دل میں وسوسہ ڈالے اور روح القدس کیا چیز جو کسی کو تقوے کی راہوں کی ہدایت کرے-

ہمارے مخالف آریہ اور برہمو اور عیسائی اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس تعلیم کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے دانستہ انسان کے پیچھے شیطان کو لگا رکھا ہے گویا اسکو آپ ہی خلق اللہ کا گمراہ کرنا منظور ہے مگر یہ ہمارے نتساب یا ز مخالفوں کی غلطی ہے اُن کو معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ شیطان گمراہ کرنیکے لئے جبر کرسکتا ہے اور نہ یہ تعلیم ہے کہ صرف بدی کی طرف بلانیکے لئے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ آزمائش* اور امتحان کی غرض سے لمہ ملک اور لمہ ابلیس برابر طور پر انسان کو دئے گئے ہیں یعنی ایک داعی خیر اور ایک داعی شر تا انسان اس ابتلا میں پڑکر مستحق ثواب یا عقاب کا ٹھہر سکے کیونکہ اگر اسکے لئے ایک ہی طور کے اسباب پیدا کئے جاتے مثلاً اگر اسکے بیرونی اور اندرونی اسباب جذبات فقط نیکی کی طرف ہی اسکو کھینچتے یا اس کی فطرت ہی ایسی واقعہ ہوتی کہ وہ بجز نیکی کے کاموں کے اور کچھ کرہی نہ سکتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نیک کاموں کے کرنے سے اسکو کوئی مرتبہ قرب کا مل سکے کیونکہ اسکے لئے تو تمام اسباب وجذبات نیک کام کرنیکے ہی موجود ہیں یا یہ کہ بدی کی خواہش تو ابتدا سے ہی اس کی فطرت سے مسلوب ہے تو پھر بدی سے بچنے کا اسکو ثواب کس استحقاق سے ہے مثلاً ایک شخص ابتدا سے ہی نامرد ہے جو عورت کی کچھ خواہش نہیں رکھتا اب اگر وہ ایک مجلس میں یہ بیان کرے کہ میں فلاں وقت جوان عورتوں کے ایک گروہ میں رہا جو خوبصورت بھی تھیں مگر میں ایسا پرہیزگار ہوں کہ میں نے ان کو شہوت کی نظر سے ایکدفعہ بھی نہیں دیکھا اور خدا تعالےٰ سے ڈرتا رہا تو کچھ شک نہیں کہ سب لوگ اسکے اس بیان پر ہنسیں گے اور طنز سے کہیں گے کہ اے نادان کب اور کس وقت تجھ میں یہ قوت موجود تھی تا اسکے روکنے پر تو فخر کرسکتا یا کسی ثواب کی امید رکھتا- جاننا چاہئے کہ سالک کو اپنی ابتدائی اور درمیانی حالات میں تمام امیدیں ثواب کی مخالفانہ جذبات سے پیدا ہوتی ہیں اور ان منازل سلوک

*فٹ نوٹ- اس جگہ آزمائش کے لفظ سے کوئی دھوکہ نہ کھاوے کہ خدا تو عالم الغیب ہو امتحان اور آزمائش کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بلاشبہ اسکو کوئی ضرورت نہیں لیکن چونکہ اصل مقصد امتحان سے اظہار حقایق مخفیہ ہوتا ہے اسلئے یہ لفظ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے وہ امتحان میں اسلئے نہیں ڈالتا کہ اسکو معلوم نہیں بلکہ اسلئے کہ تا شخص زیر امتحان پر اسکی حقیقت ظاہر کرے کہ اس میں یہ فساد یا صلاحیت ہے اور نیز دوسروں پر بھی اسکا جوہر کھولدیوے- منہ-

مین جن امور مین فطرتاً ہی سالک کی ایسی واقع ہو کہ اس قسم کی بدی وہ کر ہی نہین سکتا تو اس قسم کے ثواب کا بھی وہ مستحق نہین ہو سکتا مثلاً ہم بچھو اور سانپ کی طرح اپنے وجود مین ایک ایسی زہر نہین پاتے جسکے ذریعہ سے ہم کسی کو اس قسم کی ایذا پہنچا سکین جو کہ سانپ اور بچھو پہنچاتے ہین۔ سو ہم اس قسم کی ترک بدی مین عند اللہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہین۔

اب اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ مخالفانہ جذبات جو انسان مین پیدا ہو کر انسان کو بدی کی طرف کھینچتے ہین درحقیقت وہی انسان کے ثواب کا بھی موجب ہین کیونکہ جب وہ خدا تعالےٰ سے ڈر کر اُن مخالفانہ جذبات کو چھوڑ دیتا ہے تو عند العقل بلاشبہ تعریف کے لایق ٹھہر جاتا ہے اور اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے لیکن جو شخص انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے اس مین مخالفانہ جذبات نہین رہتے گویا اسکا جن مسلمان ہو جاتا ہے مگر ثواب باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ ابتلا کے منازل کو بڑی مردانگی کے ساتھ طے کر چکا ہے جیسے ایک صالح آدمی جسنے بڑے بڑے نیک کام اپنی جوانی مین کئے ہین اپنی پیرانہ سالی مین بھی ان کا ثواب پاتا ہے۔

اب جبکہ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ جیسی بدی کی دعوت کے لئے خدا تعالےٰ نے ہمیشہ کا قرین شیطان کو مقرر کر رکھا ہے۔ ایسا ہی دوسری طرف نیکی کی دعوت کرنے کے لئے روح القدس کو اس رحیم و کریم نے دائمی قرین انسان کا مقرر کر دیا ہے اور نہ صرف اسقدر بلکہ بقا اور لقا کی حالت مین اثر شیطان کا کالعدم ہو جاتا ہے گویا وہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور روح القدس کا نور انتہائی درجہ پر چمک اٹھتا ہے تو اسوقت اس پاک اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم پر کون اعتراض کر سکتا ہے بجز اس نادان اور اندھے کے جو صرف حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اور پاک تعلیم کی نور سے کچھ بھی حصہ نہین رکھتا بلکہ سچ اور واقعی امر تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم بھی منجملہ معجزات کے ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ جس خوبی اور اعتدال اور حکیمانہ شان سے اس تعلیم نے اس عقدہ کو حل کر دیا کہ کیون انسان مین نہایت قوی جذبات خیر یا شر پائے جاتے ہین یہانتک کہ عالم رویا مین بھی انکے انوار یا ظلمتین صاف اور صریح طور پر محسوس ہوتی ہین۔ اس طرز محکم اور حقانی سے کسی اور کتاب نے بیان نہین کیا اور زیادہ تر اعجاز کی صورت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بجز اس طریق کے ماننے کے اور کوئی بھی طریق بن نہین پڑتا اور اس قدر اعتراض وارد ہوتے ہین کہ ہرگز ممکن نہین کہ ان سے مخلصی حاصل ہو کیونکہ خدا تعالےٰ کا عام قانون قدرت ہم پر ثابت کر رہا ہے کہ جسقدر ہمارے نفوس و قوےٰ و اجسام کو اُس ذات مبدء فیض سے فایدہ پہنچتا ہے وہ بعض اور چیزون کی توسط سے پہنچتا ہے مثلاً اگرچہ ہماری آنکھون کو وہی روشنی بخشتا ہے مگر وہ روشنی آفتاب کی توسط سے ہمکو ملتی ہے اور ایسا ہی رات کی ظلمت جو ہمارے نفوس کو آرام پہنچاتی ہے اور ہم نفس کے حقوق اس مین ادا کر لیتے ہین وہ بھی درحقیقت اسی کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ درحقیقت ہر ایک پیدا شوندہ کی علت العلل وہی ہے۔ پھر جبکہ

ہم دیکھتے ہین کہ یہ ایک بندھا ہوا قانون قدیم سے ہمارے افاضہ کے لیے چلا آتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کی
توسط سے ہر ایک فیض خدا تعالےٰ کا پاتے ہین ہان اس فیض کے قبول کرنیکے لئے اپنے اندر قوےٰ بھی
رکھتے ہین جیسی ہماری آنکھ روشنی کے قبول کرنے کے لئے ایک قسم کی روشنی اپنے اندر رکھتی ہے اور
ہمارے کان بھی اُن اصوات کے قبول کرنیکے لئے جو ہوا پہنچاتی ہے ایک قسم کی حس اپنے اعصاب
مین موجود رکھتے ہین لیکن یہ تو نہین کہ ہمارے قوےٰ ایسی مستقل اور کامل طور پر بناوٹ رکھتے ہین کہ
خارجی معینات اور معاونات کی کچھ بھی ضرورت اور حاجت نہین ہم کبھی نہین دیکھتے کہ کوئی ہماری جسمانی
قوت صرف اپنے ملکہ موجودہ سے کام چلا سکے اور خارجی ممد و معاون کے محتاج نہ ہو۔ مثلاً اگرچہ ہماری
آنکھین کیسی ہی تیز بین ہون مگر پھر بھی ہم آفتاب کی روشنی کے محتاج ہین اور ہمارے کان کیسے ہی
شنوا ہون مگر پھر بھی ہم اس ہوا کے حاجتمند ہین جو آواز کو اپنے اندر لپیٹ کر ہمارے کانون تک پہنچا
دیتی ہے اس سے ثابت ہے کہ صرف ہمارے قوےٰ ہماری انسانیت کی کل چلانیکے لئے کافی
نہین ہین۔ ضرور ہین خارجی ممدون اور معاونون کی حاجت ہے مگر قانون قدرت ہمین بتلا رہا ہے
کہ وہ خارجی ممد و معاون اگرچہ بلحاظ علت العلل ہونیکے خدا تعالےٰ ہی ہے مگر اسکا یہ انتظام ہرگز نہین
ہے کہ وہ بلا توسط ہمارے قوےٰ اور اجسام پر اثر ڈالتا ہے بلکہ جہان تک ہم نظر اٹھا کر دیکھتے ہین اور
جس قدر ہم اپنے فکر اور ذہن اور سوچ سے کام لیتے ہین صریح اور صاف اور بدیہی طور پر ہمین نظر آتا
ہے کہ ہر ایک فیضان کے لئے ہم مین اور ہمارے خداوند کریم مین علل متوسط ہین جن کے توسط سے
ہر ایک قوت اپنی حاجت کے موافق فیضان پاتی ہے پس اسی دلیل سے ملایک اور جنات کا وجود
بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہم نے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ خیر اور شر کے اکتساب مین صرف ہمارے
ہی قوےٰ کافی نہین بلکہ خارجی ممدات اور معاونات کی ضرورت ہے جو خارق عادت اثر رکھتے ہون
مگر وہ ممد اور معاون خدا تعالےٰ براہ راست اور بلا توسط نہین بلکہ بتوسط بعض اسباب ہے سو قانون
قدرت کے ملاحظہ نے قطعی اور یقینی طور پر ہمپر کھولدیا کہ وہ ممدات اور معاونات خارج مین موجود ہین
گو ان کی کنہ اور کیفیت ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ نہ براہ راست خدا تعالےٰ ہے
اور نہ ہماری ہی قوتین اور ہماری ہی ملکے ہین بلکہ وہ ان دونون قسمون سے الگ ایسی مخلوق چیزین
ہین جو ایک مستقل وجود اپنا رکھتی ہین اور جب ہم ان مین سے کسی کا نام داعی الی الخیر رکھینگے تو
اسی کو ہم روح القدس یا جبرائیل کہینگے اور جب ہم ان مین سے کسی کا نام داعی الی الشر رکھینگے
تو اسی کو ہم شیطان اور ابلیس کے نام سے بھی موسوم کرینگے۔ یہ ضرور نہین کہ ہم روح القدس یا شیطان
ہر ایک تاریک دل کو دکھلا دین اگرچہ عارف انکو دیکھ بھی لیتے ہین اور کشفی مشاہدات سے وہ دونون
نظر بھی آجاتی ہین مگر محجوب کے لئے جو آپ ہی نہ شیطان کو دیکھ سکتا ہے نہ روح القدس کو یہ ثبوت کافی ہے

کیونکہ تاثر کے وجود سے موثر کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ قاعدہ صحیح نہین ہے تو پھر خدا تعالے کے وجود کا بھی کیونکر پتہ لگ سکتا ہے کیا کوئی دکھلا سکتا ہے کہ خدا تعالے کہان ہے صرف متاثرات کیطرف دیکھکر جو اس کی قدرت کے نمونے ہین اس موثر حقیقی کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے ہان عارف اپنے انتہائی مقام پر روحانی آنکھون سے اُسکو دیکھتے ہین اور اس کی باتونکو بھی سنتے ہین مگر محجوب کے لئے بجز اسکے اور استدلال کا طریق کیا ہے کہ متاثرات کو دیکھکر اس موثر حقیقی کے وجود پر ایمان لاوے سو اسی طریق سے روح القدس اور شیاطین کا وجود ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف ثابت ہوتا ہے بلکہ بعین صفائی سے نظر آجاتا ہے افسوس ان لوگون کی حالت پر جو فلسفہ باطلہ کی ظلمت سے متاثر ہوکر ملایک اور شیاطین کے وجود سے انکار کر بیٹھے ہین اور بینات اور نصوص صریحہ قرآن کریم سے انکار کر دیا اور نادانی سے بھرے ہوئے الحاد کے گڑھے مین گر پڑے اور اس جگہ واضح رہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل مین سے ہے جنکے اثبات کے لئے خدا تعالے نے قرآن کریم کی استنباط حقایق مین اس عاجز کو متفرد کیا ہے۔ فالحمد للہ علے ذالک۔

روح القدس کے بارہ مین جو قرآن کریم مین آیات ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے کامل مومنون کو روح القدس دیا جاتا ہے منجملہ انکے ایک یہ آیت ہے۔ یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یجعل لکم نورا تمشون بہ۔ یعنی اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقوے اختیار کرو اور اللہ جلشانہ سے ڈرتے رہو تو خدا تعالے تمہین وہ چیز عطا کرے گا یعنے روح القدس جسکے ساتھ تم غیرون سے امتیاز کلی پیدا کر لوگے اور تمہارے لئے ایک نور مقرر کر دیگا (یعنی روح القدس) جو تمہارے ساتھ چلے گا قرآن کریم مین روح القدس کا نام نور ہے۔ پھر ایک دوسرے مقام مین فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔ یعنی جو لوگ کہتے ہین کہ ہمارا رب اللہ جلشانہ ہے پھر اپنی ثابت قدمی دکھلاتے ہین کہ کسی مصیبت اور آفت اور زلزلہ اور امتحان سے انکے صدق مین ذرہ فرق نہین آتا انپر فرشتے اترتے ہین یہ کہتے ہوئے کہ تم ذرہ خوف نہ کرو اور نہ غمگین ہو اور اس بہشت کے تصور سے شادان اور فرحان ہو جسکا تمہین وعدہ دیا گیا ہے ہم تمہارے متولی اور تمہارے پاس ہر وقت حاضر اور قریب ہین کیا دنیا مین اور کیا آخرت مین۔ پھر ایک دوسرے مقام مین فرماتا ہے او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا و ما یستوی الاحیاء والاموات۔ یعنی کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اسکو ایک نور عطا کیا جسکے ساتھ وہ لوگون مین چلتا یعنی اس نور کے برکات لوگون کو معلوم ہوتی ہین۔ کیا ایسا آدمی اس آدمی کی مانند ہو سکتا ہے جو سراسر تاریکی مین اسیر ہے اور اس سے نکل نہین سکتا

نور اور حیات سے مراد روح القدس ہے کیونکہ اس سے ظلمت دور ہوتی ہے اور وہ دلون کو زندہ کرتا ہے۔ اسی لئے اسکا نام روح القدس ہے یعنی پاکی کی روح جس کے داخل ہونے سے ایک پاک زندگی حاصل ہوتی ہے ؛

اور منجملہ ان آیات قرآنی کے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح القدس ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کے ملہم بندون کے ساتھ رہتا ہے اور انہین علم اور حکمت اور پاکیزگی کی تعلیم کرتا ہے یہ آیت کریمہ ہے اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه۔ سورۃ المجادلہ یعنی ان مومنون کے دلونمین خدا تعالےٰ نے ایمان کو لکھدیا اور روح القدس سے انکو مدد دی۔ دل مین ایمان کے لکھنے سے یہ مطلب ہے کہ ایمان فطرتی اور طبعی ارادون مین داخل ہوگیا اور جزو طبیعت بن گیا اور کوئی تکلف اور تصنع درمیان نرہا اور یہ مرتبہ کہ ایمان دل کے رگ و ریشہ مین داخل ہوجائے اسوقت انسان کو ملتا ہے کہ جب انسان روح القدس سے موید ہوکر ایک نئی زندگی پاوے اور جس طرح جان ہر وقت جسم کی محافظت کے لئے جسم کے اندر رہتی ہے اور اپنی روشنی اُسپر ڈالتی رہتی ہے اسیطرح اس نئی زندگی کی روح القدس بھی اندر آباد ہوجائے اور دلپر ہر وقت اور ہر لحظہ اپنی روشنی ڈالتی رہے اور جیسے جسم جان کے ساتھ ہر وقت زندہ ہے دل اور تمام روحانی قوے روح القدس کے ساتھ زندہ ہون اسیوجہ سے خدا تعالےٰ نے بعد بیان کرنے اس بات کے کہ ہم نے ان کے دلون مین ایمان کو لکھدیا۔ یہ بھی بیان فرمایا کہ روح القدس سے ہمنے ان کو تائید دی کیونکہ جبکہ ایمان دلون مین لکھا گیا اور فطرتی حروف مین داخل ہوگیا تو ایک نئی پیدائش انسان کو حاصل ہوگئی اور یہ نئی پیدائش بجز تائید روح القدس کے ہرگز نہین ملسکتی روح القدس کا نام اسی لئے روح القدس ہے کہ اسکے داخل ہونیسے ایک پاک روح انسان کو ملجاتی ہے۔ قرآن کریم روحانی حیات کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور جا بجا کامل مومنون کا نام احیاء یعنی زندے اور کفار کا نام اموات یعنی مردے رکھتا ہے یہ اسی بات کیطرف اشارہ ہے کہ کامل مومنونکو روح القدس کے دخول سے ایک جان ملجاتی ہے اور کفار گو جسمانی طور پر حیات رکھتے ہین مگر اس حیات سے بے نصیب ہین جو دل اور دماغ کو ایمانی زندگی بخشتی ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت صحابہ کا بلا شبہ یہ اعتقاد تھا کہ آنجناب کا کوئی فعل اور کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہین گو وحی مجمل ہو یا مفصّل خفی ہو یا جلی بیّن ہو یا مشتبہ یہانتک کہ جو کچھ آنحضرت صلعم کے خاص معاملات و مکالمات خلوت اور سرّ مین بیویونسے تھے یا جسقدر اکل اور شرب اور لباس کے متعلق اور معاشرت کی ضروریات مین روزمرہ کے خانگی امور تھے سب اسی خیال سے احادیث مین داخل کئے گئے کہ وہ تمام کام اور کلام روح القدس کی روشنی سے ہین چنانچہ ابوداؤد وغیرہ مین یہ حدیث موجود ہے اور امام احمد بسند صحیح عبد اللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہین

که عبد الله نے کہا کہ مین جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا تا مین اسکو حفظ کر لون
پس بعض نے مجھکو منع کیا کہ ایسا مت کر کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہین کبھی غضب سے بھی کلام
کرتے ہین تو مین یہ بات سن کر لکھنے سے دست کش ہو گیا اور اس بات کا رسول اللہ صلعم کے پاس ذکر کیا
تو آپنے فرمایا کہ اس ذات کی مجھکو قسم ہے جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ جو مجھ سے صادر ہوتا ہے خواہ
قول ہو یا فعل وہ سب خدا تعالے کیطرف سے ہے اگر یہ کہا جائے کہ انہین احادیث کی کتابون مین بعض امور
مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے اگر کل قول و فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کا وحی سے تھا۔ تو پھر وہ غلطی کیون ہوئی گو آنحضرت اسپر قائم نہین رکھے گئے تو اسکا یہ جواب ہے
کہ وہ اجتہادی غلطی بھی وحی کی روشنی سے دور نہین تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالے
کے قبضہ سے ایکدم جدا نہین ہوتے تھے بس اس اجتہادی غلطی کی ایسی ہی مثال ہے جیسی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز مین چند دفعہ سہو واقع ہوا تا اس سے دین کے مسائل پیدا ہون سو اسی
طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی ہوئی تا اس سے بھی تکمیل دین ہو۔ اور بعض باریک مسائل اُسکے
ذریعہ سے پیدا ہون اور وہ سہو بشریت بھی تمام لوگون کی طرح سہو نہ تھا بلکہ دراصل ہمرنگ وحی تھا
کیونکہ خدا تعالے کیطرف سے ایک خاص تصرف تھا جو نبی کے وجود پر حاوی ہو کر اسکو کبھی ایسی طرف
مائل کر دیتا تھا جس مین خدا تعالے کے بہت مصالح تھے سو ہم اس اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے
علیحدہ نہین سمجھتے کیونکہ وہ ایک معمولی بات نہ تھی بلکہ خدا تعالے اسوقت اپنے نبی کو اپنے قبضہ مین لیکر
مصالح عام کے لئے ایک نور کو سہو کی صورت مین یا غلط اجتہاد کے پیرایہ مین ظاہر کر دیتا تھا
اور پھر ساتھ ہی وحی اپنے جوش مین آجاتی تھی جیسی ایک چلنے والی نہر کا ایک مصلحت کے لئے
پانی روکدین اور پھر چھوڑ دین پس اس جگہ کوئی عقلمند نہین کہہ سکتا کہ نہر سے پانی خشک ہو گیا
یا اس مین سے اٹھا لیا گیا یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے کہ روح القدس تو کبھی اُنسے علیحدہ نہین
ہوتا۔ مگر بعض اوقات خدا تعالی بعض مصالح کیلئے انبیاء کی فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ مین لے لیتا ہے تب کوئی قول
یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر ان سے صادر ہوتا ہے اور وہ حکمت جو ارادہ کی گئی ہے ظاہر ہو جاتی ہے تب پھر وحی
کا دریا زور سے چلنے لگتا ہے اور غلطی کو درمیان سے اٹھا دیا جاتا ہے گویا اسکا کبھی وجود نہین تھا حضرت مسیح ایک انجیر
کیطرف دوڑے گئے کہ تا اسکا پھل کھائین اور روح القدس ساتھ ہی تھا مگر روح القدس نے یہ اطلاع نہ دی کہ اسوقت
انجیر پر کوئی پھل نہین با این ہمہ یہ سب لوگ جانتے ہین کہ شاذ و نادر معدوم کے حکم مین ہوتا ہے پس جس حالتمین ہمارے سید و مولیٰ محمد المصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دس لاکھ کے قریب قول و فعل مین سراسر خدائی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے اور ہر بات مین حرکات مین سکنات مین
اقوال مین افعال مین روح القدس کے چمکتے ہوئے انوار نظر آتے ہین تو پھر اگر ایک آدھ بات مین بشریت کی بھی بو آوے تو اس سے
کیا نقصان بلکہ ضرور تھا کہ بشریت کی تحقق کیلئے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تا لوگ شرک کی بلا مین مبتلا نہ ہو جائین ؀

"خدا کی ہستی"

والدین کا ایک عزیز بچہ ہے جو نہایت ناز و نعم سے انکے کنار تربیت مین پلا ہے اسکے کچھ سوتیلے بھائی ہین جو برداشت نہین کر سکتے کہ والدین کا التفات اور نظر شفقت اس کیطرف ان سے زیادہ مبذول ہو۔ وہ آپس مین مشورہ کرتے ہین کہ اسے ایسی دور جگہ پھینکدیں جہان وہ بغیر کسی متکفل اور ولی کے ہلاک ہوجائے اور اسکے بعد اسکا وجود ان کی رقابت اور رشک کی آگ کو اشتعال دینے والا نہ رہے اور والدین کی محبت سمچی انہین کیطرف مائل ہوجائے۔ آخر کار لطائف الحیل سے وہ اس معصوم لڑکے کو جنگل مین دور لیجا کر ایک کنوئین مین پھینکتے ہین۔ اسوقت یہ نظارہ قابل دید ہے کہ ایک معصوم لڑکا جس کی نظر بجز اپنے والدین کی گود کے یا اردگرد کی چند محدود چیزون کے اور کسی وسیع چراگاہ مین کبھی چرنے کیلئے چھوڑی نہین گئی اور اس صغر سنی کے ساتھ وہ زمانہ کے نشیب و فراز سے بھی بہت ناواقف اور سادہ بچہ ہے عام مادی نگاہ کیا توقع کر سکتی ہے کہ اس تاریک کنوئین مین اسے کس حالت مین دیکھے ظاہر ہے کہ اگر وہ ایک معمولی بچہ ہے تو اسے بہت جلد تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر جان دیدینی چاہیئے لیکن خدا کی کتاب جسے ہم خدا کی کتاب نہ صرف تحکم سے کہتے ہین بلکہ اسلئے کہ وہ ایسے حکیمانہ واقعات کو اپنے اندر رکھتی ہے اور ان سے اپنے عظیم الشان لانیوالے کے ثبوت نبوت کیلئے نشان پیدا کرتی ہے۔ اس کتاب مین لکھا ہے کہ اس بھیانک اور خوفناک منظر مین اسے ایک آواز آئی لتنبئنّھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون۔ مین تجھے قسم کھا کر یقین دلاتا ہون کہ تجھ پر ایک وقت آنیوالا ہے کہ تیری پوزیشن اس رفعت اور اس پایہ کی ہوگی کہ تو اپنی شان و شوکت اور جلال مین ان لوگونکو جنہون نے تجھ سے یہ مفسدانہ کارروائی کی ہے ان کی اس شرارت اور مفسدہ کی خبر دیگا اور وہ اپنی پست اور ذلیل حالت اور تیری شوکت اور جلالت کے سبب سے تجھے نہین پہچانتے ہونگے۔

اب یہان ہر ایک سلیم الفطرت کو غور کرنی چاہیئے کہ یہ کیسی آواز ہے اس مین دو طرح سے فکر کرنی چاہیئے۔ اول یہ کہ آیا اس معصوم بچہ کے توہمات اور تخیلات یا تجارب اور فراست کا سرجوش تھے دوئم یہ کہ آیا یہ باللفظ پورے ہوئے یا ایک فضول گپ کی طرح ہوا مین مل گئی۔ خدا کی کتاب نے اس ترکیب مین اپنی الوہیت کا ہم علم اور ہم قدرت ہونا ثابت کرنیکے لئے لغت عربی کے لحاظ سے وہ عظیم الشان حرف یعنی لام تاکید اور نون ثقیلہ اسلئے رکھے ہین کہ اس پر علم کو قطعی اور یقینی اور قسم کے افعال اور شکوک سے بری سمجھا جائے یہ ترکیب خود اپنی ذات بہت ذرا سے تامل کے ساتھ اسطرف رہنمائی کرتی ہے کہ یہ آواز اس بچہ کے اندر سے پھوٹی ہوئی نہین اسلئے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ یقیناً اور

قطعاً ایسا وقت آنیوالا ہے اور کوئی چیز اسکو ٹال نہین سکتی کہ تو کامیاب ہوگا اور تیرے یہ بدسگال دشمن تیری آنکھوں کے سامنے خراب ہونگے ہمارے پاس اس بات کا تصور کرنیکے لئے کوئی وجہ نہین اور نہ عقل سلیم ایک لحظہ کے لئے بھی اس تصور کو گوارا کر سکتی ہے کہ ہم اس آواز کو اس بچہ کا توہم یا اسکے کسی تجربہ اور فراست کا نتیجہ قرار دین - واقعات نے ہمین ثابت کر کے دکھا دیا ہے کہ یہ آواز اس ہستی کیطرف سے اُس ناتوان بے علم بچہ کے کان مین آئی جو عالم کی تصریف اور تصرف پر قادر ہے اس پیشن گوئی کے پورا کرنیکے لئے ہمین آئندہ دیکھنا چاہیئے کہ اس قادر مطلق آواز نے اس عالم کون و فساد مین واقعات کو کس طرح اپنے منشاء کے مطابق ترتیب دیا - اصل مقصود تو یہ تھا کہ اس مہجور مخذول بچہ پر ایک زمانہ ایسا لایا جائے کہ یہ کامیابی کے تخت پر تاج عزت پہن کر بیٹھا ہوا ور اسکے دشمن اسکے سر پر شوکت کے آگے دست بستہ کھڑے ہوں اس غرض کے سرانجام دینے کے لئے جسقدر انقلاب اور تغیرات ظہور مین آئے وہ صاف طور پر ہمین یقین دلاتے ہین کہ یہ تمام کارروائی اس ہمہ علم اور ہمہ قدرت پاک ذات کی ہے جو اپنے منشاء کے مطابق عالم کی تغییر اور تبدیل پر ہر آن اور ہر شان مین قادر ہے یہ خاندان جس کا ممبر یہ ایک معصوم بچہ ہے اور اسکے وہ بداندیش دشمن بھی کنعان کا رہنے والا ہے - ان کے گردو پیش اسوقت ایک ہی ملک تھا جو ہر قسم کی امید اور بیم کا مرجع تھا - یہ لوگ اپنے پاس کسی قسم کی حکومت اور شوکت نہین رکھتے تھے لیکن اس پیشگوئی کے موافق ضروری تھا کہ یہ بچہ کسی زبردست حاکمانہ رنگ مین جلوہ گر ہوا سکے لئے بجز اسکے اور کوئی تدبیر نہین ہوسکتی تھی کہ مصر کی عظیم الشان سلطنت مین اسے اقتدار اور جلال حاصل ہو -

اب ہم دیکھتے ہین کہ واقعات اس غرض کے پورا کرنے کے لئے کس طرح اپنی ایچا پیچی اور لمبائی سے سکڑ کر ایک ایسے مرکز پر آکر ٹھہرتے ہین کہ جس سے یہ غرض بخوبی حاصل ہو جائے - مصر کا ایک قافلہ جو کسی غرض کے لئے دور دراز سفر کو نکلا ہوا ہے اس کنوئین کے پاس فروکش ہوتا ہے جہان یہ بیکس بچہ پڑا ہے ان کا ایک فرد پانی کی تلاش مین اس کنوئین پر آتا ہے لیکن بجائے اسکے کہ وہ صرف حقیر اور ہیچ پانی کو پاتا اور پی کر بہت جلد اسے بھول جاتا ایک ایسی گران بہا دولت اسے ملتی ہے کہ جس کے احساس سے وہ چیخ اٹھتا ہے کہ یابشریٰ ہذا غلام - اللہ اللہ یہان تو ایک خوبصورت لڑکا ہے - خلاصہ یہ کہ وہ قافلہ اس لڑکے کو مصر مین پہونچاتا ہے اور آخر کار بعد بہت سے انقلابات کے مصر کی گورنمنٹ مین نہایت ہی ممتاز اور اعلےٰ عہدہ پر منصوب کیا جاتا ہے دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ کنعان مین غلہ کی مصیبت اس سختی سے واقع ہوئی کہ کنعانیون کو بجز اسکے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زندگی کی بقا کے لئے مصر کیطرف رجوع کرین - اگرچہ ان دنون مین مصر اُن

ملکون کے لئے تجارت غلہ کی ایک بڑی مشہور منڈی تھی اور کنعان اور اسکے نواح کے لوگ غلات کے لئے وہین آیا کرتے تھے۔ مگر یہ تازہ پرورده اسرائیلی خاندان بہت کم اس سفر کیلئے مجبور ہوتا تھا۔ الحاصل حضرت اسرائیل کے گیارہ بیٹے اپنے باپ سے رخصت لیکر غلہ کی تجارت کے لئے مصر مین آتے ہین اس وقت تک ان کو کوئی علم نہین حالانکہ اس سیاہ کارروائی سے جو انکے ہاتھ سے اپنے بھائی کے متعلق سرزد ہوئی ابتک ایک لمبا عرصہ منقضی ہو چکا ہے وہ اپنے زعم مین اس امید سے لبریز ہین کہ وہ مصر مین اپنی غرض کے حاصل کرنیکے لئے جاتے ہین اور پھر بہت جلد دامن مقصود کو ہر مراد سے بھر کر اپنے والد کی حضور مین حاضر ہونگے۔ مگر وہان ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو انکی امیدون اور گمانون مین کبھی آ نہین سکتا تھا۔ خدائے تعالےٰ کا حکیمانہ ارادہ چند واقعات کے واقع ہونیکے بعد انہین ایک ایسے عظیم الشان شخص کے سامنے لاکر کھڑا کرتا ہے۔ جسے وہ تو نہین پہچانتے مگر وہ انہین جانتا ہے اسوقت کی کیفیت اور نظارے کو دل کی کیفیات اور قدرتون سے بھری ہوئی کتاب کا مطالعہ کرنیوالا ہی بہتر سمجھ سکتا ہے جبکہ اس موجودہ وقت کے باجلال کمشنر یوسف ابن یعقوب نے اور اس پرانے وقت کے کنوئین مین پھینکے ہوئے ناتوان بےبس معصوم بچے نے جسکے کان مین وہ دلربا آواز آئی تھی لتنبئنھم بامرھم ھذا اس موجودہ وقت کے عاجز مگر کسی پرانے وقت کے مغرور ناعاقبت اندیش گروہ کو کہا انا یوسف وھذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ ہان مین یوسف ہون اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس رتبہ پر ہمین پہونچایا۔ اللہ کا یہ دائمی قانون قدرت ہے کہ وہ متقی اور صابر کو کبھی ضایع نہین کرتا؎

ان واقعات مین اس رنگ اور اس پہلو سے غور کرنی چاہئے کہ انسان کی منصوبہ بازی اور تدبیر کیا مقاصد اپنے سامنے رکھتی ہے اور ان مقاصد کے بہم پہونچانیکے لئے ایسے سامان اور مواد پیدا کرتی ہے کہ جنپر اس مقصود پیش نہاد کے حاصل ہو جانیکے لئے قطعی کارگر ہونیکا حکم لگایا جا سکتا ہے یا بلفظ دیگر یون کہو کہ ایک مدبر پالسٹ عام تجربہ اور استقرار کی بنا پر علت و معلول کے صحیح سلسلہ کو مدنظر رکھکر وہ اسباب اور مواد بہم پہونچاتا ہے کہ جن کی نسبت اسکا پورانا تجربہ اسکے ہمیشہ مفید ہونیکا یقین دلا چکا ہے لیکن یا اینہمہ ایسے علل اور اسباب پیش آجاتے ہین جو اسکے تمام ساختہ پرداختہ کو خاک مین ملا دیتے ہین۔ یہان اس واقعہ مین اسرائیل کے فرزند اپنے سوتیلے بھائی یوسف کے استیصال کے لئے وہ تمام تدبیرین کر چکے ہین۔ جو عادی انسان کر سکتے ہین اور فی الحقیقت ایسی ہی تدبیرین کسی مخالف کے ہلاک کرنیکے لئے دنیا مین ہوا کرتی ہین اور ہزارون واقعات مین ان تدبیرونکے کارگر اور مفید ہونیکے ثبوت بھی دیئے ہین مگر وہ کیا بات

ہے جو ان تمام منصوبون اور کارروائیون کا تار و پود ادھیڑ دیتی ہے اس مین شک نہین کہ تمام واقعات قانون قدرت مین ایسی باتون کی نظیرین بہت ملتی ہین اور اگرچہ ایسی ہزارون نظیرین ہمارے اصل منشا کو مضر نہین۔کیونکہ ہم ان سب باتون مین بڑی حکومت اور پورے زور سے یہ دعوے کرتے ہین کہ ایک قادر ہمہ علم ہستی ہے جو اجازت نہین دیتی اس کی غیریت اس بات کو روا نہین رکھتی کہ انسان ذرات کون وفساد پر متصرف ہو کر ہمہ قدرت اور ہمہ ہستی بن جائے۔مگر اس جگہ ایک اور بڑی عظیم الشان بات ہے جو علوم نظریہ کی طرح دقیق اور حیرت انگیز نہین بلکہ ایک بدیہی امر ہے اور وہ گو قبل از وقت ایک پیش گوئی اور دعوے کا موجود ہونا ایسے وقت مین جبکہ دنیا کی کوئی فراست کوئی حدس کوئی تخمین کوئی استقرا کوئی تجربہ حکم نہین لگا سکتا کہ واقعات عالم اس مدعی کے آگے پاؤن چومینگے جس طرح اسکے دعوے کے لفظون سے ظاہر ہوتا ہے۔اس ساری کارروائی مین بڑی دلچسپ بات جو خدا تعالی کی ہستی کی بین دلیل ہے۔یہی ہو کہ زمین کے فرزندون نے ایک منصوبہ کیا اور اس مین اپنے زعم کے موافق جو جلالی پیش گوئی سے بھری ہوئی تھی اور ایک ناتوان اور بے سامان بچہ کے منہ سے نکلی تھی وہ نامراد اور ناکام ہوئے+

قرآن شریف مین یہ واقعہ بطور پیش گوئی کے لکھا گیا ہو۔اس قصہ یوسف سے یہ غرض ہو کہ حامل قرآن علیہ الصلوات الرحمان بھی یوسف کی طرح ایسے ہی واقعات مین مبتلا ہو گا یعنی اسکا آغاز و انجام بلاتفاوت یوسف کی طرح ہو گا۔یہ قصہ ایک پیشگوئی کرنیوالے پر ایسے وقت مین وحی کیا جاتا ہے۔یا یون کہو کہ ایسے وقت مین اس پیرایہ مین وہ اپنے حال کی نسبت پیشگوئی کرتا ہے جبکہ وہ بچہ یوسف کی طرح اپنی قوم اور بھائیونکے ہاتھ سے ناگفتنی ظلمون اور بیداد گریون کے اندھے کنوئین مین پھینکا گیا تھا اور اس کنوئین سے نکلنے کے لئے اسکے ہاتھون مین کوئی زمینی سامان اور مادہ نہ تھا اسکے بالمقابل اسکے حریف یوسف کے ظالم بھائیون سے بدرجہا زیادہ قومی بدرجہا زیادہ باسامان تھو مگر کیسے جلال اور پرشوکت پیرایہ مین یہ آواز اسکے منہ سے اسکے مخالفونکے کانون مین پڑتی ہے "لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین"۔یوسف اور اسکے بھائیونکے واقعات مین نشان مین ان لوگونکے لیے جو اس شخص کے آغاز اور انجام اور واقعات زندگی کی نسبت دریافت کرتے ہین۔اس بات کے ثابت کرنیکے لئے کہ قرآن شریف کی یہ پیشگوئیان جو یوسف کے قصہ کے پیرایہ مین بیان کی گئی ہین اسی قادر اور قاہر اور ہمہ علم خدا کیطرف سے ہین جو ہمیشہ اپنے راستبازبندونپر ظہور فرماتا رہا ہے اور جسکا ثبوت ابھی ہم یوسف کے قصہ مین دیکھچکے ہین ہمین زیادہ کوشش کرنیکی ضرورت نہین پڑتی اسلئے کہ اس عظیم الشان نبی کے واقعات زندگی ایسے صاف اور واضح ہین کہ کسی اور دعوے کرنیوالے کی زندگی مین انکی نظیر نہین مگر ہم مختصراً دکھاتے ہین کہ کس طرح

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنون نے آپ کے استیصال کے لئے منصوبے کئے۔ مکہ مین تیرہ برس تک وہ دکھ دیئے جو ایک معمولی انسان کے تباہ کرنیکے لئے بہت کافی تھے۔ آخر کار مکے سے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا اور اپنے وطن سے بہت دور ایک بیگانہ سرزمین مین آپ پناہ گزین ہوئے۔ مکہ کے ان قومی دشمنون نے اس مسافر پر اس اوپری بستی مین بار بار حملے کئے یہانتک کہ آخر کار مدینہ کی ان طاقتور قومون کو جو اسرائیل کے باقی فرزندون سے وہان سکونت پذیر تھین اور دولت اور ثروت اور طاقت مین اپنی آس پاس کی قومون مین ممتاز تھین اس مہجور خویش و بیگانہ کی تباہی کے لئے اپنے ساتھ ملایا۔ غرض ایک شخص کے ہلاک کرنیکے لئے جسقدر منصوبے زمینی عقل تجویز کر سکتی ہے۔ عرب کی متفقہ قومون نے اس نبی کے استیصال کے لئے کئے۔ مگر جیسا کہ قبل از وقت پر تحدی پیشگوئی نے خبر دی تھی وہ کامیاب ہوا اور ایسا کامیاب ہوا کہ اسکی کامیابی کی کوئی نظیر دنیا مین نہین۔ وہی شخص جو ناقابل بیان ظلمون کا نشانہ بنکر ننگے پاؤن ننگے سر صرف ایک رفیق طریق کے ساتھ مرد آزما بیابان مین رستونکو کاٹتا ہوا اور پگڈنڈیون سے کتراتا ہوا بہت دنونکے بعد مدینہ مین پہونچا تھا۔ آخر دس ہزار جان نثارونکے ساتھ اس زمین مین داخل ہوتا ہے جہان سے اسکے دشمن اسے نکالکر اپنے آپ کو بڑے کامیاب اور بامراد سمجھتے اور اسکے بھاگ جانے کی خوشی پر اس زمین کے پہاڑون کی چوٹیون پر چراغان کی روشنی کرتے ہین آج وہ ان کی تمام سرزمینون اور املاک پر اور سب سے زیادہ انکے مقدس معبد پر متصرف ہوکر اسکے دروازے مین کھڑا ہوتا اور انکے تمام معبودون کو جن کی تاثیر اور ضرر اور نفع پر وہ تمام مادی لوگ بھروسہ کرتے اور انہین متصرف عالم مانتے تھے توڑنیکا حکم دیتا ہے اور اسکے سامنے وہ بڑے بڑے صنادید اور جبل اور عمائد اسی طرح کھڑے ہوتے ہین جس طرح یعقوب کے فرزند مصری یوسف کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے تھے یہ وہ لوگ ہین کہ جو عرف اور شریعت اور عقل کے نزدیک اپنے ناجائز افعال کے ذریعہ سے واجب القتل ٹھہر چکے ہوئے تھے اور وہ خود بھی اس بات کو محسوس کرتے ہین کہ وہ اب کسی طرح قابل عفو نہین۔ وہ کامیاب انسان ان سے پوچھتا ہے کہ تم میری نسبت اب کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو وہ کہتے ہین کہ تو کریم ابن کریم ہے۔ اسلئے ہم تجھ سے توقع کرم اور رحم کی رکھتے ہین وہ انکے جواب مین لاتثریب علیکم الیوم یرحم اللہ لکم وھو ارحم الراحمین کہکر ثابت کرتا ہے کہ تمام سورہ یوسف درحقیقت اسی کے واقعات زندگی کی نسبت پیشگوئی تھی۔

اب ہم ایک طالب حق کو اسطرف متوجہ کرتے ہین کہ وہ ان پیشگوئیون مین اس نگاہ سے غور کرے کہ کیسے وقتون اور کیسے حالات کے ماتحت ہوکر ایک شخص زلزلہ ڈالنے والی تحدی اور

دعوے سے ایک بات منہ سے نکالتا ہے اور وہ آخر کار حرفاً پوری ہو جاتی ہے اس سے زیادہ اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ تمام پیشگوئیاں ایک قادر علیم حکیم کیطرف سے ہوتی اور اسکے وجود پر ایک بین دلیل کا کام دیتی ہین۔

اسی طرح قرآن شریف مین خدا یتعالے کی ہستی کے ثبوت مین بنی اسرائیل کے عظیم الشان ہادی حضرت موسےؑ کا واقعہ بیان کیا ہے جبکہ وہ فرعون مصر کیطرف گئے اور اسکے تخت کے سامنے کھڑے ہوکر باوجود ایک ناتوان اور ضعیف اور بے سامان انسان ہونیکے کس شوکت اور قوت سے اس متکبر بادشاہ کو کہا قد جئنٰک باٰیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدے ہم تیرے پاس اپنی سچائی کا نشان لائے ہین اور وہ یہ ہے کہ جو حق پر ہے وہ سلامت رہیگا۔ اور اسکا مخالف ہلاک ہو جائیگا۔ یہان یہ بات غور طلب ہو کہ بظاہر کامیابی اور نجات کے سامان کس شخص کے پاس ہین اور غریب مسکین کون شخص ہو کیا کوئی مادی عقل کوئی مادی فراست اسوقت عین اس حالت مین جبکہ بنی اسرائیل کے منجی نے ایک بادشاہ کو بظاہر گستاخانہ لہجے مین یہ دھمکی دی۔ یہ حکم لگا سکتی تھی کہ ان دونون مین جو کمزور ہے وہ غالب رہیگا اور جو قوی ہو۔ وہ نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور کیا یہ دعوے ایسے ناتوان انسان کے منہ سے اگر حرفاً پورا ہو جائے کھلا ثبوت ایک قادر مطلق ہمہ علم ہستی کا نہین۔ یہان یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا اس متکلم اور اس مخاطب کو کچھ بھی واقفیت اور شعور تھا کہ وہ کس طرح کامیاب ہوگا اور وہ کیونکر ہلاک ہوگا لیکن آخر کار قابل دید یہ امر ہے کہ ایک شخص کے لئے نجات کا اور دوسرے کیلئے ہلاکت کا سامان اسطور سے نمودار ہوا جو نہ توان مین سے کسی کی قدرت مین تھا اور نہ وہم و گمان مین آسکتا تھا ایک عرصہ کے بعد حضرت موسےؑ اپنی کثیر التعداد جماعت کو لیکر مصر سے بھاگتے ہین۔ کچھ راستہ طے کرنیکے بعد ایک ایسی خوفناک روک سامنے نظر آتی ہے جسکو دفعہ کرنا ان کی انسانی طاقت مین نہین۔ دریا اپنی پوری طغیانی کے ساتھ راہ مین حائل ہے کوئی پل نہین کوئی کشتی نہین بھاگنے والے تردد اور اضطراب مین دریا کیطرف دیکھ رہے ہین۔ اتنے مین ایک شدید آندھی اور غبار سے نمودار ہونے اور پھٹنے کے بعد فرعون اور اسکا جرار لشکر تعاقب کرتا ہوا نمودار ہوتا ہے مظلوم بنی اسرائیل ان دشمنون کو دیکھ کر اپنے نجات دہندہ سے کہتے ہین "یا موسے انا لمدرکون" یعنی اے موسے اب اسمین کوئی شک نہین اور یہ قطعی بات ہے کہ اب ہم پکڑے گئے اور ہماری لئے کوئی نجات کی راہ اور مفر نہین۔ مگر موسےؑ انکے جواب مین کہتے ہین "کلا ان معی ربی سیھدین" یعنی ایسا ہرگز ہرگز نہین ہوگا جیسا تم گمان کرتے ہو اسلئے کہ میرا رب یقیناً میرے ساتھ ہے اور وہ ضرور مجھے کامیابی اور نجات کی راہ دکھائیگا اس مقام مین یہ امر غور طلب ہو کہ جبکہ ہزارون

آدمی مشاہدہ اور تجربہ سے ایک نتیجہ پر پہونچکر پورے یقین سے کہتے ہین کہ حسب عادت اور عرف کے
اب کوئی نجات اور فرار کی راہ نہین۔ ایک شخص کس بل پر اُن سے بڑھکر یقین اور قوت کے
لفظون مین دعوے کرتا ہے کہ ان معنون مین کہ میرا پروردگار جس نے مجھے تمہاری نجات کے لئے
پالا اور پرورش کیا ہے اور بڑے بھاری کام مجھ سے لینے ہین وہ مجھے ضایع نہین کریگا اور یقینًا
مجھے کامیاب کریگا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اسکے علم اور اس کی قوت کا نتیجہ نہین بلکہ یہ الفاظ اسکے
منہ مین اس قادر ہستی کے ڈالے ہوئے ہین جس کا دست تصرف اس عالم کے ذرہ ذرہ پر کھلے
طور پر حکمران ہے +

غرض خدا تعالے کی ہستی کے ثبوت مین قادرانہ پیشگوئیون اور تحدیون سے بڑھکر اس عالم
مین اور کوئی ذریعہ نہین۔ اور قرآن شریف کی بڑی بھاری خصوصیت اور اسی کتاب کے ساتھ یہ
صفت مخصوص ہے کہ اس مین نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ثبوت نبوت مین اور ثبوت ہستی
باریتعالے مین ایسے علمی نشانونکو جو ابدالآباد تک زندہ رہنے والے ہین اور کسی سائنس اور مادی علم
کی طاقت نہین کہ انکا مقابلہ کرسکے دائمی اور ابدی معجزہ قرار دیا ہے۔ فالحمد للہ علے ذالک +

ہم ثابت کر چکے ہین کہ قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنے منجانب اللہ ہونے
اور اپنے لانیوالے کی صداقت نبوت اور ثبوت ہستی باریتعالے کو غیبی مقتدر پیشگوئیون پر موقوف
رکھا ہے اور درحقیقت یہی ایک علمی معجزہ ہے جو قرآن کریم کے دعوون اور دلائل کے درخت کو
ہر زمانہ مین علوم جدیدہ کے سموم اور صرصر کے مقابلہ مین بے برگ و بے ثمر ہونے سے بچاتا ہے
لیکن اس لئے کہ اسکا یہ دعوے جو اس نے اپنی نسبت کیا ہے کہ مین مبارک کتاب ہون۔ یعنی
میرے برکات اور ثمرات ہمیشہ زندہ رہین گے خدا تعالے نے اس مین یہ خوبی رکھی ہے کہ وہ دعوے
یا پیشگوئیان یا خدا سے مکالمات جو اس نے ان انبیاء کی نسبت بیان کی ہین جن کا ذکر اس کتاب
مین آیا ہے اسکے حقیقی پیروؤن مین وہ علامتین ہمیشہ پائی جاتی ہین۔ چنانچہ ہر زمانہ مین قرآن شریف
کی برکات سے نور حاصل کرنیوالون نے اس زمانہ کے موافق ان باتونکے ثبوت دیئے ہین
لیکن اسوقت ہم گذشتہ داستانونکو چھوڑ کر حال کے زمانہ کے ایک خادم قرآن کا ذکر کرتے
ہین جس نے اس علمی اور عقلی زمانہ مین بڑی قوت اور دلیری سے یہ دعوے کیا ہے کہ اسکو وہ تمام
معجزات اور طاقتین اور صفتین دی گئی ہین جو تمام انبیاء کی نسبت قرآن شریف مین مذکور ہوئی
ہین ہم قطع نظر ان تمام بلند اور عجیب اور واقعی دعوون کے جو اس انسان کامل نے کئے ہین اور
معًا انکے بین ثبوت دئے ہین اس مضمون کے موضوع کے لحاظ سے صرف انہی پیشگوئیون پر
اکتفا کرتے ہین جن کے مقتدرانہ غیب پر مشتمل ہونیکے سبب سے خدا تعالے کی ہستی کا بین ثبوت

ملتا ہے۔ منجملہ اس کے ایک وہ پیش گوئی ہے جو اس زمانہ سے چوبیس پچیس برس پیشتر براہین احمدیہ مین لکھی گئی ہو اور یہ ایسی کتاب ہے کہ جو دنیا کے مختلف ملکون مین مختلف قومون اور مذہبونکے ہاتھون مین موجود ہے اور وہ پیش گوئی یہ ہے "یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیک من کل فج عمیق" یعنی لوگ تیرے پاس زمین کے اطراف اکناف سے جوق جوق آئین گے تیرے پاس زمین کی ہر طرف سے تحایف اور ہدیئے آئین گے۔ یہ ایک پیش گوئی ہے قریب ہے کہ کوئی شخص محدود اور سرسری نگاہ سے اس کی طرف التفات نہ کرے مگر جب اُس زمانہ کے واقعات اور لوازم پیش نظر رکھے جائین جب مدعی کے منہ سے یہ پرزور لفظ نکلے تو بے اختیار اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ عالم الغیب متصرف عالم خدا کے الفاظ ہین جن دنون مین یہ وحی یا غیب کی بات اس کتاب مین لکھی گئی۔ مصنف ایسے گمنامی کے گوشے مین زندگی بسر کرتا تھا کہ قرب وجوار کے بہت سے لوگ بھی اسے نہ جانتے تھے۔ نہ وہ ان دنون مین گوشہ تنہائی کی لذت اور الفت کے سبب سے کسی کو دیکھنا پسند کرتا تھا اور نہ اس نے اپنے گردوپیش کوئی ایسا دلچسپی کا سامان جمع کر رکھا تھا کہ کسی کے دل مین اسکے دیکھنے کی کشش یا خواہش پیدا ہوتی۔ لیکن بتدریج اس پر ایسا وقت آیا کہ جس نے اس اخبار غیب کو حرفاً پورا کیا اور آج ایک عالم اپنی آنکھون سے اس کی سچائی کا بے اختیار اعتراف کرتا ہے۔ اس کے مطابق اور موید اسی کتاب مین ایک دوسری وحی ہے۔ جو یہ ہے لاتصعر لخلق اللہ ولاتسئم من الناس۔ یعنی خدا کی مخلوق سے تکبر اور تحقیر سے پیش نہ آنا۔ اور خلقت کی کثرت اور ہجوم سے ملول اور دلگیر نہ ہونا۔ اس نادر اور عجیب آواز پر جبکہ اس آواز کا سننے والا اسی وقت حیران ہوتا اور اپنے پاس اس آواز کا مصداق کسی طرح کا موجود نہ پاتا تھا یہ وحی صاف بتاتی تھی کہ یہ شخص ایک وقت مین خلق اللہ کا مرجع ومآب ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب اس خبر غیب کی سچائی کے اتنے گواہ ہین کہ جن کا گننا نہایت مشکل ہو۔ پھر اسی زمانہ مین اس کتاب مین ایک اور وحی درج ہوئی جس نے بڑی صفائی اور قوت کے ساتھ ان تمام انقلابات اور فتن کی خبر دی جو مدتون سے عجیب ترتیب سے اس شخص کی زندگی مین واقع ہوئی۔

اسی طرح امرتسر کے مقام مین عیسویت کے ایک بڑے نامی زعیم اور وکیل کے ساتھ مباحثہ کرنیکے بعد جبکہ علمی رنگ مین اسلام کی سچائی کے دلائل کے بیان کرنیسے فارغ ہو چکا۔ یہ پیشگوئی کی کہ خدائے عالم الغیب اور قادر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ سچا مذہب ہونے اور بانی اسلام کے منجانب اللہ ہونے اور خدائے اسلام کے حی قیوم قادر مطلق خدا ہونیکا ثبوت اور عیسویت کے مردہ مذہب اور بے برکت ہونے اور یسوع مسیح کے ایک ضعیف اور بیکس انسان ہونے اور

خدائی کے صفات مین سے اسکے قطعاً حصہ دار نہ ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ میرا حریف مقابل پندرہ مہینے کے عرصے مین بشرطیکہ اس اثنا مین حق کی طرف رجوع نہ کرے اس جہان سے رخصت ہو جائیگا یہ بڑی دلیری اور قوت کی بات ہے جو مسلمان اور عیسائیونکے ایک بڑے مجمع مین روز روشن مین کی گئی۔ اسوقت ان الفاظ کی عظمت اور ہیبت جو سامعین کے قلوب پر طاری ہوئی اس کا صحیح اندازہ حاضرین کے سوا دوسرا شخص کم کر سکتا ہے اگرچہ اسوقت بھی بعض ایسے دل تھے جو ان الفاظ کی قوت اور متکلم کی جمعیت باطن اور متانت ظاہری اور وجاہت کو مطالعہ کرکے یقین کر اٹھے کہ یہ الفاظ ایک ضعیف بعلم اور محدود الطاقت انسان کے نہین ہو سکتے۔ مگر آخرکار ہر ایک موٹی اور باریک نظر کے سامنے بدیہی طور پر اس پیش گوئی کا نظارہ واقع ہوا۔ اس پیش گوئی مین اصل مغز اور سرّ اور مقصود ایک شخص کی موت تھی جو انسانی علم اور قیاس اور حدس سے بالاتر پیش گوئی تھی لیکن محدود اور کم اندیش عقلون کے نزدیک پھر بھی اس دعوے مین ایک التباس ممکن تھا کہ کوئی شخص یہ قیاس کرتا کہ پیش گوئی کرنیوالا ایک حاذق طبیب ہے۔ اور حریف مقابل گو بالفعل چست و چالاک ہے مگر بوڑھا ہے اسلئے نہایت قرین قیاس ہے کہ بعض آثار اور قراین سے جو کسی علم کی بنا پر پیشگوئی کرنیوالے کے نزدیک بیّن ہون۔ اور دوسرون کے نزدیک مخفی یہ دعوے کیا گیا ہو۔ مگر اس دوسرے شق نے جو ایک الگ اور ایسی ہی زبردست پیشگوئی تھی یہ ثابت کردیا کہ یہ ساری باتین خدائے عالم الغیب کیطرفسے تھین۔ ایک شخص کی نسبت جو ایک مذہب کا مسلم وکیل اور ساری عمر اسکی طرفسے غیر قومونکے ساتھ بحث کرنیوالا اور اپنی قوم مین دیانت امانت اور اتباع مذہب مین مشہور تھا۔ اسکی نسبت یہ دعوے کرنا کہ ہلاکت تو بہرحال اسکے لئے مقدر ہے اور وہ ضرور مریگا۔ مگر ایک وقت اس اثنا مین اس کی زندگی مین ایسا بھی آئیگا کہ اس سچائی کا جو اسکے مقابل مدعی نے اپنے پر زور پُر تحدی الفاظ مین اسکے سامنے پیش کی ہے اسپر رعب پڑیگا اور وہ برخلاف اپنے عقیدے کے اپنے ایمان مین متزلزل اور متردد ہوکر ایک خام شکی کی طرح بزدل ہو جائیگا اور اس انسان خدا پر جسے وہ الہ اور میگا کہتا تھا اس کا ایمان نہ رہیگا۔ اسلئے وہ چند دن کے لئے اس سزائے موت سے بچ رہیگا۔ چنانچہ آخرکار اس لمبی دوڑ مین جو عجیب نظارونکے ساتھ واقع ہوئی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ اسنے اس استقامت اور استقلال سے جو عیسوی مذہب پر ایمان اور انسان خدا پر توکل کرنیکے سبب سے اسے چاہئے تھی۔ اپنے تئین بالکل بے بہرہ ثابت کردیا۔ اس نے دوست دشمن پر اپنی سرگردانیون اور پریشانیون اور شہر بشہر نقل مکان کرنے اور کسی طرح بھی کسی اپنے حامی و ناصر سے تسلی نہ پانے سے ثابت کردیا کہ اسکے دل پر اس پیش گوئی کی سچائی نے بڑے زور سے پنجہ مارا تھا

آخر کار چونکہ وہ اصل سچائی کے اختیار کرنے سے جو اس طرح پر دائمی اور مستقل اور برہنہ طور پر ایمان لاتا تھا محروم رہا۔ خدا کی پیش گوئی کی سچائی پر دشمنون نے پردہ ڈالنے کے لئے بہت کوشش کی۔ جبکہ انہون نے اپنے ضمیرون اور واقعات کے خلاف یہ مشتہر کیا کہ اس نے حق کیطرف رجوع نہین کیا یعنی وہ عیسویت پر ایمان اور توکل مین مستقیم الحال رہا۔ مگر پیشگوئی کرنیوالے نے جو غیبی طاقتون سے معمور تھا۔ ان بے دلیل دعوون کے مقابل مین سکوت اختیار نہ کیا۔ اس نے پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ یکے بعد دیگرے چار اشتہار دئے جن مین ایک ہزار سے چار ہزار تک روپے کا انعامی وعدہ تھا۔ اس شرط پر کہ عبد اللہ آتھم جو اس پیشگوئی کا نشانہ تھا ایک مجمع مین کھڑا ہوکر قسم کہدے کہ اس نے حق کیطرف رجوع نہین کیا۔ اس سے دو باتین حاصل ہون گی ایک یہ کہ پیشگوئی کرنیوالے کی مسلم اور مشہور وجاہت اور اسکے تمام دعاوی ہمیشہ کے لئے خاک مین ملجائینگے اور معًا اسے زر کثیر کے نقصان کا متحمل ہونا پڑےگا لیکن عبد اللہ آتھم جو اپنی بساط اور کائنات سے پورا واقف تھا۔ قسم کھانے اور میدان مین نکلنے کی جرات نہ کرسکا اور یون ان تمام الفاظ کی سچائی پر اور خدا کی ہستی کے ثبوت پر ابدی مہر لگادی +

ایک اور واقعہ جو ملک پنجاب اور ہندوستان مین باوجود سات برس کے گذرنیکے ابتک ہزارہا کانون مین زندہ اور تازہ گونج رہا ہے۔ یہ ہے کہ آریہ قوم مین ایک شخص لیکھرام نے جو اسلام کے خلاف بڑی تیز زبانی اور بیباکی سے بولتا تھا اس خدا کے نبی سے درخواست کی کہ اگر اسکا دعوے سچا ہے اور وہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہے اور اسلام سچا مذہب ہے تو اسے بھی دکھایا جائے۔ میرزا غلام احمد نبی اللہ نے عالم الغیب قادر مطلق خدا کیطرف توجہ کی۔ خدا نے فرمایا کہ یہ شخص چھ برس کے عرصہ مین عذاب اور سختی کے ساتھ ہلاک ہوجائیگا۔ یہ ممکن تھا کہ کوئی رحمت اور فضل کا نشان اسی موقعہ پر دیا جاتا جو اس شخص کے لئے حق کیطرف ہدایت کا موجب ہوتا۔ مگر اس شخص کی ثابت شدہ سنگدلی اور بدزبانی اور دلازاری جزائے مطابق کی سنت کے طور پر تقاضا کرتی تھی کہ اسکے وجود کے ذریعہ سے ایک ایسا نشان ظاہر ہو جو طبایع پر ایک زلزلہ اور رعب ڈالدے آخر جبکہ مقررہ میعاد کے گذرنے مین بہت تھوڑا عرصہ باقی رہگیا تھا۔ آریہ سماج کا مشہور قومی مضبوط الجثہ اور تیس برس سے کچھ اوپر عمر کا نوجوان لیکھرام لاہور مین ٹھیک اسی طرح پر مارا گیا جس طرح پیش گوئی کے حرف دعوے کرتے تھے۔ جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہین کہ خدا کے کلام مین جو اس شخص کی نسبت نازل ہوا۔ اس کی بھیانک موت وقت موت اور طرز موت کا ایک عرصہ پہلے دہی نظارہ دکھایا گیا تھا جسے وقوعہ کے وقت حاضر اور ناظر لوگون نے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ پیشگوئی کے ان اشعار مین جو ذیل مین درج کئے جاتے ہین سہ الا اے دشمن نادان و بیراہ + بترس از تیغ بران محمد

الا اے منکر از شان محمدؐ + ہم از نور نمایان محمدؐ + کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمان محمدؐ - بترس از تیغ بران محمدؐ میں ایک ہاتھ کی تصویر دی گئی ہے جس کی انگشت سبابہ اشارہ کرتی ہے اس عنوان کیطرف ''لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیش گوئی''۔ اس شخص کی موت نے آریہ سماج کے گھروں میں وہ ماتم اور شیون برپا کیا جس کا بیان کرنا مشکل ہے تمام پنجاب میں اس طرف سے .... اس طرف تک ایک شور پڑ گیا اس لئے نہیں کہ وہ ایک آریہ سماج کا ممبر تھا بلکہ اس لئے کہ وہ آریہ سماج کے جدید مذہب اور تازہ جوشوں اور نئے دعووں کا لانظیر حامی اور مؤید اور مجسم تصویر تھا آریہ سماج کو اس بات کے احساس نے بہت تکلیف دی کہ ان کے مذہب کے مخالف غلام احمد نبی اللہ کی پیش گوئی کے مطابق لیکھرام کا مرنا ان کے مذہب کی خوفناک ذلت اور کمزوری کا باعث تھا اسلئے انہوں نے اسکے قتل کے بعد قاتل کی تلاش میں ان تمام انسانی زوروں اور ذریعوں کو استعمال کیا جو ایک طاقتور اور نو دولت قوم ایسے موقعہ پر کر سکتی ہے۔ اسکے علاوہ رحمدل اور فیاض گورنمنٹ نے بھی ان کی مدد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ قاتل کا کوئی سراغ نہ لگا۔ اگرچہ گورنمنٹ اور پھر انگلش گورنمنٹ جو رعایا کے حالات کے جاننے میں تمام دنیا کی گورنمنٹوں سے زیادہ باخبر اور تیز بین ہے اور گورنمنٹ خوب جانتی تھی اور جانتی ہے اور اس بات کے لئے اسکے پاس کافی ذریعے ہیں کہ میرزا غلام احمد علاوہ اسکے کہ ایک مسلم پاک زندگی بسر کرنیوالا بے شر انسان تھا جس کا دعوے اور بنیاد دعوے یہ تھا کہ وہ عالم میں پاکیزگی امن اور صلح اور خدا سے سچا تعلق اور بنی آدم سے پاک محبت پھیلانے کے لئے مامور ہوا ہے اس کا خاندان یعنی اسکا باپ اور بھائی گورنمنٹ کے نزدیک وفادار اور جان نثاری میں مسلم تھے اور اس لئے گورنمنٹ کو اس خوفناک قتل کے متعلق شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ اسکا بانی مرزا غلام احمد صاحب ہو سکتے ہیں لیکن ظاہری قانون کی پابندی یا ایک حکام کے استغاثہ کی تائید نے گورنمنٹ کو مرزا غلام احمد صاحب کی خانہ تلاشی کیطرف متوجہ کیا۔ ناگہاں ایکدن ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مع اپنے ماتحت افسروں کے قادیان میں آیا اور مرزا صاحب کے تمام کاغذات اور کتابیں جہاں جہاں پڑی تھیں بڑی محنت سے ان کی پڑتال کی جس سے غرض یہ تھی کہ شائد اس قتل کے متعلق کوئی پہلی تجویز کردہ خط و کتابت یا سوچے ہوئے منصوبے کی اطلاع ملجائے مگر سچائی نے ان افسروں کو بڑی صفائی سے اپنا پلہ پاک کر کے دکھایا۔ ممکن ہے کہ کسی ناواقف اور غور نہ کر سکنے والے دل میں یہ شبہ گذرے یا اب تک قائم ہو کہ یہ خفیہ قتل مرزا صاحب کے اشارے سے ہوا ہو اور جیسا کہ کبھی کبھی ہوتا ہے اسباب تحقیق و تفتیش کی عدم تکمیل کے سبب سے اس امر کی پردہ برداری نہ ہو سکی ہو۔ لیکن یہ ملاحظہ اس شبہ کو بڑی صفائی سے رد کرتا ہے جب دیکھا جائے کہ مرزا صاحب کے گرد و پیش کون لوگ رہتے ہیں ان کے تمام امور

مین خواہ جلوت کے متعلق ہون خواہ خلوت کے اگر کچھ مداخلت اور مشاورت ممکن ہوسکتی ہے تو کن لوگون کی ہے ایک گروہ ایسا ہے کہ جو زمانہ کا پورا مزاج شناس خوب سرد و گرم سے واقف نئی تعلیم کی معراج پر پہونچا ہوا گہری نگاہ سے دیکھنے والون ہر ایک امر کو تنقید اور تحقیق کی محک پر کسنے بی - اے ایم - اے تک ڈگری یافتون نوجوانون کا ہے - ایک گروہ بوڑھے سن رسیدہ خدا کے لئے یا سچائی کے لئے سچائی کے سیکھنے اور سچائی کی حمایت کے لئے دولت جاہ اور دنیوی وجاہت کو چھوڑ کر نہایت غربت اور خاکساری مین زندگی بسر کرنیوالون کا ہے انکے چال چلن دوست اور دشمن مین بے داغ بے عیب اور معروف ہین ان کے علم اور فعل اور تقوے اور دیانتداری اور راستبازی کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے - سچ کے لئے جان اور مال اور آبرو کا دینا انہین آسان سے آسان ہے اور باطل اور جھوٹ انکے نزدیک ہر مکروہ شئے سے زیادہ مکروہ ہے رات دن قرآن شریف کی تعلیم اور اشاعت مین سرگرم ہین - ایسا ہی مختلف جنسون اور مذاقون کے لوگ جن کا درحقیقت ایک ہی مقصد سچائی کو دیکھنا اور سچائی کو حاصل کرنا ہے اس جگہ بیٹھے ہین - ان مختلف طبقون کے لوگون کو بڑے وثوق سے یہ یقین ہے کہ اُنپر مدعی نبوت کی زندگی کا پبلک اور پرائیویٹ حصہ روز روشن کی طرح عیان ہے انہین بصیرت سے یہ یقین ہے کہ ان کے سوا مرزا صاحب کی تدبیرون اور تجویزون کو عملدرآمد مین لانیکا اگر کوئی ممکن آلہ ہوسکتا ہے تو وہی ہین با اینہمہ یہ سب لوگ اپنی عزت اپنی جان اپنے مال اپنے خدا کے لئے اس ذوق اور ایمان سے بھرے ہوئے ہین اور ہر وقت اور موقع مین شہادت دینے اور دینے کو تیار ہین کہ لیکھرام کی موت کی پیش گوئی حضرت مرزا صاحب کے منہ مین عالم الغیب قادر مطلق خدا نے دی اور وہ آخر کار اسی طرح پوری ہوئی جس طرح تمام راستباز نبیون کی باتین پوری ہوا کرتی ہین وہ اس بات پر بلاتذبذب ایمان رکھتے - اور دلائل اور قرائن سے اپنے ایمان کی پختگی اور صحت پر ناز کرتے ہین کہ ان کی احمدی قوم مین سے کوئی فرد اس قتل کا مرتکب نہین ہوا - اگر پیش گوئی کی طرف سے اسکے الفاظ سے صراحت سے یا کنایت سے یا اسکے اعمال و افعال سے کسی قسم کی بو اس کارروائی کے متعلق انہین محسوس ہوتی تو سب سے پہلے اس سلسلہ اور اسکے بانی کو سخت نفرت سے چھوڑنے والے وہی ہوتے اسلئے کہ اس انسان کو انہون نے راستبازی اور سچ کی خاطر قبول کیا تھا اور اس راہ مین جو قربانیان ممکن ہوسکتی تھین انہون نے اپنے ہاتھون سے دی تھین +

غرض خدا کی ہستی کے ثبوت کے لئے اخبار غیب کی پیش گوئیون سے بڑھکر اور کوئی دلیل نہین اور یہ عزت اور فخر صرف قرآن کو حاصل ہے کہ جیسا شروع مین اسکے لانیوالے نے اپنے منجانب اللہ ہونیکے لئے ان علمی اور بین ثبوتون پر اپنا مدار کار رکھا تھا ابتک بھی وہی بابرکت سلسلہ زندہ موجود ہے

منجملہ خدا کی ہستی کے ثبوتون کے ایک یہ بات ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بڑی قوت اور تحدی سے دنیا مین شایع کی ہے کہ قریب نوّے برس تک اس کی عمر ہوگی اور اس اثنا رمین اس کی آنکھین اور اسکے مفاصل ان ناتوانیون اور تباہیون سے محفوظ رہینگے جو عادتًا ایسے اوقات مین بوڑھون پر نازل ہوا کرتی ہین۔ یہ دعوے متفرق کتابون مین صاف صاف لفظون مین مشتہر کیا گیا ہے بڑی خوبصورتی اس پیش گوئی کی اس وقت معلوم ہوتی ہے جب یہ دیکھا جاوے کہ مدعی کی جسمانی حالت دعوے کے وقت مادی نگاہ مین کس قسم کی ہے یہ بات تمام واقفون پر روشن ہے کہ دو بیماریان اس شخص کے ساتھ ہمیشہ لازم رہتی ہین ایک بیماری جسم کے اوپر کے حصہ یعنی سر سے تعلق رکھتی ہے جسکے شدید جوش کیوقت سرد اطراف کا دہ غلبہ ہوتا ہے کہ گرم کیا ہوا لوہا بھی جسم پر لگا نیسے بے اثر ثابت ہوتا ہے دوسری بیماری جسم کے حصہ زیرین سے تعلق رکھتی ہے وہ ہے پیشاب کی کثرت اور ہضم کا اپنے اعتدال پر نہ رہنا یہ دو مرضین اس قسم کی ہین کہ عام انسان ان مین مبتلا ہو کر بہت تھوڑی زندگی پاتے ہین لیکن بااین ہمہ ایک شخص بڑی قوت سے یہ دعوے کرتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کہا ہے کہ مین تجھے حیات طیبہ کا شرف بخشونگا اور تو اتنی لمبی عمر مین ارذل عمر کے نشانون مین سے کوئی نشان نہ دیکھے گا۔ یہ دعوے بلا تکلف ثابت کرتا ہے کہ وہ اس توانا ہستی کیطرف سے ہے جس کی حکومت کا جوا طوعًا و کرہًا ہر ایک ذرہ عالم نے گردن پر اٹھا رکھا ہے۔ ورنہ اگر عرفًا اور عادتًا مین ایسا دعوے کرنے کی کسی عام منہ کو جرأت ہو سکتی ہے تو اس کی نظیر بتاؤ ایک اور بڑی دلیل ثبوت ہستی باریتعالے پر یہ ہے کہ کوئی مامور مرسل جذام برص صرع نابینائی۔ فالج۔ اور ایسے خبیث امراض و اسقام مین مبتلا نہیں ہوا جو عرف مین لوگون کے تنفر اور کراہت کا باعث ہوتی ہین۔ اسلئے کہ اگر یہ لوگ ایسے گھنونے امراض مین مبتلا ہوتے تو وہ اصلاح عالم کا کام جسکے لئے وہ آتے ہین کبھی پورا نہ ہو سکتا اور یہ امراض ہی ان کی تکذیب کے لئے کافی دلیل ہو جاتے ✽ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان امراض م

”عیسوی مذہب کی اشاعت مین رکاوٹین“

ایک عیسائی پرچہ ”ہارویسٹ فیلڈ“ کے تازہ نمبرون مین ۲ مختلف مضمون عنوان بالا کے متعلق چھپے ہین حسب معمول ان مضامین کے لکھنے والون نے جو جو قیاس ممکن تھا کیا ہے لیکن صحیح نتیجہ پر ایک شخص بھی نہین پہنچا بعض کا خیال ہے کہ پادریون کی فوج کی کافی تعداد ابھی تک دنیا مین نہین پھیلی

صم کے ذرات یا ایکٹرون مین عقل اور تمیز کا مادہ ہے کہ جسکی وساطت سے وہ افراد انسانی پر حملہ کرنیکے وقت ...

جس سے شاید ان کا یہ منشا رہے کہ جبتک ایک ایک غیر عیسائی انسان کے لئے ایک ایک پادری واعظ موجود نہ ہو تب تک وہ پادریون کی تعداد کو کافی نہین سمجھتے۔ اس کی تردید خود ایکدوسرے مضمون نویس نے کردی ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ پادریون کی تعداد اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ خود یہ تعداد ہی عیسائیت کے پھیلنے مین ایک عظیم الشان روک ہوگئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوئی مذہب دنیا مین ایسا نہین ہوا نہ ایسا موجود ہے جس کی اشاعت کے لئے اسقدر تنخواہ یاب واعظین کا سلسلہ اور اتنے بڑے ذرائع موجود ہوئے ہون جو کہ عیسائی مذہب کو میسر ہین اور باوجود اسکے کبھی ایسی ناکامی ایسے ذرائع کے ہوتے ہوئے کسی مذہب کو نہین ہوئی جیسی کہ عیسائی مذہب کو ہوئی ہے پادری لوگ بیرونی ملکون مین کلکر اپنے دلونکو ان باتون سے خوش کر رہے ہین کہ اتنے سو نئے آدمی عیسائی مذہب مین داخل ہوگئے ہین مگر تعجب ہے کہ اس بات کا افسوس ان کو کیون نہین کہ عیسائی ملکو نمین ہزارون نہین لاکھون آدمی عیسائی مذہب سے نکلے جا رہے ہین انہین مین ایک مضمون نویس یہ لکھتا ہے کہ تعلیمی مشنون کا وسیع سلسلہ خدا کی سلطنت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہم بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہین بشرطیکہ خدا کی سلطنت کے صحیح معنے لئے جائین۔ اور اسپر اتنا اور بڑھاتے ہین کہ تمام مشنین خواہ تعلیمی ہون یا غیر تعلیمی خدا کی سلطنت کی سخت ترین دشمن ہین کیونکہ وہ ایک عاجز ضعیف بیچارے انسان کو خدائے ذوالجلال کا مرتبہ دے رہے ہین۔ لیکن ان بگڑے ہوئے معنون مین جن مین خدا کی سلطنت سے عیسائیت مراد لی جاتی ہے۔ یہ رائے کسی صورت مین درست نہین کیونکہ تعلیمی مشن بھی دوسرون کی طرح دن رات اپنے مذہب کی تائید اور اشاعت مین مصروف ہین ساتھ ہی ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ وہ اس قدر کامیاب نہین ہو سکتے جیسا کہ دوسرے مشن۔ کیونکہ جسقدر زیادہ تعلیم یافتہ لوگ ہونگے اسی قدر کم وہ ایک انسان کی الوہیت کے مسئلہ کو ماننے کے لئے تیار ہونگے۔ جبکہ اب سب دانشمند آدمی ترک کر رہے ہین حتی کہ وہ لوگ بھی جو خود عیسائی کہلاتے ہین تعلیم اور عیسائیت ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہین اور تعلیم کے پھیلنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب نیست و نابود ہو جائے یہ امر کہ عیسائی مذہب اس وقت زوال کیطرف جا رہا ہے اور تعلیم یافتہ دلون سے اسکا اثر کم ہو رہا ہے اس قدر بین ہے کہ اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہین۔

اخبار مذکور کا ایک اور نامہ نگار یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ سب سے بڑی مخالفانہ طاقتون مین سے جنکا عیسائیت کو سامنا ہے ایک دوسرے توحیدی مذہب یعنے اسلام کا وجود ہے جو کہ آہستہ آہستہ تمام مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور پھر انکو عیسائی مذہب کا اسقدر سخت اور پکا دشمن بنا دیتا ہے کہ ان سے عیسائی مذہب کو بالکل مایوس ہوتا چاہئے۔ یہ رائے بلشتبہ صحیح ہے

یہ ایک مسلم امر ہے اور عیسائی خود ہمیشہ سے اسکو تسلیم کرتے رہے ہین کہ جہان اسلام اور عیسائیت کو اشاعت کا موقعہ ملا ہے باوجود اسکے کہ اسلام کے پاس عیسائی مذہب کی نسبت بہت کم ذرائع اشاعت کے تھے اور باقاعدہ مشن اور تنخواہ یاب واعظ بالکل موجود نہ تھے پھر بھی اسلام نے عیسائیت کی نسبت کئی گنا زیادہ ترقی کی ہے - افریقہ ایک ایسا میدان ہے جہان اسلام اور عیسائیت پہلو بہ پہلو اشاعت کا کام کر رہے ہین اور باوجود اُن تمام نقصون اور روکون کے جو اسلام کی اشاعت مین درپیش ہین اور پادریون اور مشنون کی کثیر تعداد کے جو عیسائیت کے پاس ہین عیسائیت نے بمقابلہ اسلام سخت زک اٹھائی ہے اور ناکام ثابت ہوئی ہے ہندوستان مین بھی بعینہ یہی نقشہ واقعات کا ہماری آنکھون کے سامنے ہے - چنانچہ گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے - اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی سیدھی سادھی اور فطرت انسان کے ایسی مطابق ہے اور برعکس اسکے عیسائیت کا عقیدہ یسوع کی الوہیت اور کفارہ کا ایسا بیہودہ اور انسانی عقل سے اسقدر دور پڑا ہوا ہے کہ جس شخص نے ایک دفعہ اسلام کے پاک اصولون کو سمجھ لیا ہے وہ کبھی عیسائیت کا رخ نہین کر سکتا - اور نہ ہی جب یہ دونون تعلیمین اکٹھی پیش ہون کسی کو اس امر کے سمجھنے مین کوئی دقت پیش آتی ہے کہ ان دونون مین سے کونسا سچا اور کونسا جھوٹا مذہب ہے - وہی نامہ نگار یہ بھی لکھتا ہے کہ انگریزی سلطنت دریردہ عیسائی مذہب کی اشاعت مین بڑی بھاری روک ہے اور اسکے دو وجوہ بتاتا ہے - اول یہ کہ عیسائی مذہب ہندوستان کے اعلے حکام کا مذہب ہے - ہم نہین سمجھ سکتے کہ یہ کیونکر عیسائی مذہب کی اشاعت مین روک کا باعث ہے بلکہ برخلاف اسکے یہ امر عیسائی مذہب کا مؤید ہے کیونکہ حکام کے مذہب کیطرف خود بخود میلان ہوتا ہے جسکے وجوہ زیادہ تر اغراض دنیوی ہوتے ہین اور یہی ایک بڑا آلہ ہے جس سے عیسائی مذہب دنیا مین پھیلا ہے - دوسری دلیل جو اس امر کے متعلق راقم مضمون نے دی ہے وہ گورنمنٹ کا ہر ایک مذہبی فرقہ سے بے رو رعایت تعلق ہے جسکو راقم ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے کہ گورنمنٹ کی اس پالیسی نے اس قوت کو جو حکومت کے ذریعے عیسائی مذہب کو حاصل ہو سکتی تھی قطعی طور پر زائل کر کے نقصان پہنچایا ہے - راقم مضمون کو شاید اگسٹیس اور شارلیمین کے زمانے یاد آ گئے ہین جب حکومت کے دباؤ سے لوگ عیسائی مذہب مین داخل ہوتے اور وہ اس روشنی کے زمانہ مین گورنمنٹ کی بے رو رعایت پالیسی کو ایک ضرر رسان پالیسی بتاتا ہے حالانکہ ہندوستان مین سلطنت انگریزی کی بڑی بھاری برکتون مین سے یہ ایک برکت ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب بغیر اسکے ترقی نہین کر سکتا کہ یا تو دنیوی حکومت اسکے ساتھ ہو اور یا کم از کم دنیوی حکام کیطرف سے اسکو ناجائز مدد ملے اور کھلے

اور صاف میدان مین یہ مذہب کسی ترقی کے قابل نہین۔ تعجب آتا ہے کہ پادری لوگ بعض مسلمان بادشاہون کی شکایت کیا کرتے ہین کہ انہون نے اسلام کے پھیلانے مین کسی قدر دنیوی طاقت سے کام لیا۔ اور خود ابتک اس امر کے خواہشمند ہین کہ عیسائیت کے پھیلانے کے لئے ناجایز ذرایع سے فایدہ اٹھایا جائے +

اس تمام بحث سے اخبار ہارویسٹ فیلڈ نے دو باتین چن لی ہین جو اسکے نزدیک مسیح کی سلطنت کے لئے بڑی رکاوٹین ہین اول تو یہ کہ کیا ہندو اور کیا مسلمان اپنا گنہ گار ہونا پورے طور پر محسوس نہین کرتے۔ اور دوسرا یہ کہ اخلاقی جراٴت سے وہ بالکل بے بہرہ ہین۔ ان دونون باتون کو عیسائی مذہب کے ہندوستان مین پھیلنے کے لئے واقعی رکاوٹین قرار دیا گیا ہے۔ اور اسکا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان مین واعظ کے لئے ضروری ہے کہ جیسے وہ خوشخبری دینے والا ہے ایسے ہی وہ نبی بھی ہو۔ اور جیسے وہ ایمان کیطرف لوگون کو بلاتا ہے ویسے تو بہ کیطرف بھی دعوت کرے۔ لیکن یہ حالت اگر واقعی ہندوستان مین موجود ہے تو اس ملک سے مخصوص نہین بلکہ تمام دنیا مین یہی حال ہے بلکہ گناہ کا احساس ناکافی ہونے کی جو شکایت کیگئی ہے اس کا ظہور سب سے زیادہ یورپ مین ہو رہا ہے جو بدکاریان یہان چھپ کر کیجاتی ہین وہان لوگ کھلم کھلا انکے مرتکب ہوتے ہین۔ شراب خوری جو تمام بدیون کی جڑھ ہے اور جس سے تمام بدکاریان پیدا ہوتی ہین وہ یورپ مین اس کثرت سے پھیل رہی ہے کہ ہندوستان مین اسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہو اور ایسا ہی بہت سی اور بدکاریان ہین جن مین خود عیسائی تسلیم کر چکے ہین کہ عیسائیت سب گذشتہ اور موجودہ قومون سے بڑھ گئی ہے۔ پھر اخلاقی جراٴت کے نہ ہونے کی شکایت بھی بے جا ہے کیونکہ اگر یہ امر واقعی عیسائیت کے پھیلنے مین کسی رکاوٹ کا باعث ہے تو ایسا ہی اسلام کی ترقی کے لئے بھی رکاوٹ کا باعث ہے اور نہ صرف ہندوستان مین بلکہ یورپ مین بھی۔ کون نہین جانتا کہ لورپول کے معدودے چند مسلمانونکے ساتھ اس زمانہ کے مہذب عیسائیون نے کیا کیا وحشیانہ سلوک کئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کے افراد پوری آزادی اور جراٴت سے اپنے خیالات کو ظاہر کرنیسے رک گئے مرحوم لارڈ سٹینلے کے عظیم الشان رتبہ کا ایک آدمی جو اپنی دنیوی حیثیت کے لحاظ سے کسی کا خوف نہ رکھتا تھا ساری عمر مسلمان رہا۔ لیکن مرتے دم تک اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار نہ کر سکا۔ کیا یہ واقعات صاف نہین بتاتے کہ ہندوستان کے لوگون کی نسبت انگریز لوگ مذہبی معاملات مین اخلاقی جراٴت کا بہت کم حصہ رکھتے ہین اور حق کیخاطر ہم اس امر کے بیان کرنیسے بھی رک نہین سکتے کہ پادری لوگ جو ہندوستان مین بھیجے جاتے ہین ان مین بھی کمزوری اور نقص ویسا ہی پایا جاتا ہے جیساکہ انکے دوسرے ہموطنون مین۔ وہ نہین جانتے کہ سچائی کیا چیز ہے اور نہ انکے

جاننے کی پرواہی کرتے ہین۔ عقائد کا ایک خاص مجموعہ ہے جس کی تعلیم کے لئے وہ نوکر رکھے گئے ہین اور ان عقائد سے ایک بال کے برابر اِدھر اُدھر ہونا منصبی فرائض مین سخت خیانت تصور کیجاتی ہے لاہور کے لاٹ پادری جیسے ایک عہدہ دار کو جس نے تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان کی اخلاقی حالت پر سخت حملے کئے تھے اسقدر اخلاقی جرات نہ ہو سکی کہ مسیح موعودؑ کے مقابلہ مین جو اسلام کی سچائی ظاہر کرنیکے لئے میدان مین کھڑا ہو کر پادری صاحب کو للکار رہا تھا عیسائی مذہب کی سچائی کا کوئی ثبوت پیش کر سکے بلکہ نہایت بزدلی سے مباحثہ سے انکاری ہو کر طرح طرح کے بودے اور کمزور حیلے اور عذر تراش کر فرار اختیار کیا اور عموماً ہر ایک پادری کے سامنے جب صداقت پیش کیجاتی ہے یا ان سے اپنی صداقت کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو وہ گریز ہی اختیار کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقدس پیشرو ؤنکو گالیان دینے مین سب سے بڑھ کر یہ لوگ قدم مارتے ہین لیکن کسی دوسرے مذہب کی سچائی اور خوبصورتی جب انکے سامنے پیش کیجاتی ہے تو آنکھین بند کر کے علیحدہ ہو جاتے ہین۔ سخت تعجب آتا ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ یہ لوگ ہندوستان مین گنہ کا احساس یا اخلاقی جرأت کے نہ ہونے کی شکایت کرتے ہین اور ان لوگون کے سامنے جنسے وہ تنخواہین پاتے ہین یہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہین کہ عیسائیت کی راہ مین ایسی ایسی رکاوٹین ہین +

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہین کہ گنہ کا سچا احساس پیدا کرنیکے لئے ہاوسٹ فیلڈ کیا علاج پیش کرتا ہے اور وہ کہانتک درست ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان مین واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واعظ اپنی مرضی سے یا اپنی کوششون سے نبی بن سکتے ہین نبی کا کام جیسا کہ اس اخبار مین لکھا ہے صرف یہ نہین ہے کہ وہ گنہ پر لوگون کو سخت ملامت کرے اور خدا کے وعید وسنے ڈراوے اگر واقعی نبی کا کام اس سے بڑھ کر کچھ نہین تو ہمین اس امر کے تسلیم کرنے مین کوئی عذر نہین کہ پادری صاحبان نبی بن سکتے ہین لیکن یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے بڑے سے بڑا گنہگار جو خدا کی ہستی کو مانتا ہے اس امر سے انکار نہین کرتا کہ گنہ کی سزا ہو گی تو پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود اس علم کے کہ گناہ کے لئے سزا ہے گنہ دنیا مین اس کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اسکا اصلی اور واقعی سبب یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر اور نیک وبد کی جزا و سزا پر درحقیقت لوگون کو یقین نہین ہے۔ باتین تو بہت کر لیتے ہین کہ ہم خدا کو مانتے ہین اور جزا و سزا پر ایمان رکھتے ہین لیکن یہ ان کے نفس کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ کوئی شخص جان بوجھکر آگ مین نہین کودتا جبکہ اسکو یہ علم ہو کہ آگ جلا دیگی اور نہ ایک خونخوار شیر کے سامنے آتا ہے جبکہ اسکو یہ علم ہو کہ وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ اور نہ

ایک زہریلے سانپ کے سوراخ مین ہاتھ ڈالتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسے ڈسیگا- پھر کیونکر وہ گنہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا موجود ہے اور وہ اسکو اس گنہ کی سزا دیگا- سچ بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دعوے ایمان کا کرتے ہین مگر انکے دلون مین ایمان نہین- خدا اور اس کی جزا و سزا کے متعلق ایسا یقین انکے دلون مین نہین ہی جیسا کہ مادی چیزونکے متعلق ہے جن کو وہ اپنی آنکھونسے دیکھتے ہین جیسا کہ وہ یقین رکھتے ہین کہ آگ اس چیز کو جلا دیتی ہے جو اس مین ڈالی جاتی ہے اگر ایسا ہی یقین انکو اس امر کے متعلق بھی ہوتا کہ خدا ضرور ہے اور وہ انکو ان کی بدکاریون کی ضرور سزا دیگا تو وہ یقیناً آگ سے بھی زیادہ گنہ سے بچتے اور ڈرتے- کیونکہ آگ کا ضرر تو چند روزہ ہے لیکن گناہ کا ضرر ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے بیشک ایک نبی کی ضرورت ہے مگر نہ اس امر کے لئے کہ وہ لوگون کو انکے گناہون پر ملامت کرے اور خدا کے وعید سے ڈراوے جیسا کہ ہارورسٹ فیلڈ لکھتا ہے بلکہ جیسا کہ وجوہات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اس امر کے لئے کہ وہ خدا کی ہستی اور اس کی جزا و سزا کی نسبت انکے دلون مین یقین واثق پیدا کرے وہ نبی جو ایسا یقین پیدا نہین کر سکتا اور گنہ گارونکو انکے گناہون پر لعنت کرنیکے سوا اور کوئی کام نہین کر سکتا وہ اس منصب کے لئے شایان نہین اور ایک ہزار ایسے نبی (بلکہ انکو خالی واعظ کہنا چاہئے کیونکہ ان پر نبی کے نام کا اطلاق کرنا غلطی ہے) دنیا کو کوئی فایدہ نہین پہونچا سکتے- خدا کی ہستی پر وہ یقین جس سے لوگ گنہ سے بچ سکین محض دھمکیون اور ڈراوون سے پیدا نہین ہو سکتا- جسکا نام اصطلاح مین توبہ کی طرف دعوت کرنا رکھا ہوا ہے- مشکل تو یہ ہے کہ مادی راحتین اور فوائد ایسی چیزین ہین جن کو انسان صاف صاف دیکھتا اور محسوس کرتا ہے لیکن نیک و بد کی جزا و سزا بڑی حد تک انسانی مادی آنکھ سے پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ گناہ کرنے مین اسقدر دلیر ہین- حالانکہ مادی سائنس کے لئے جو ان کو مل سکتین وہ ہر طرح کے حیلے کرتے ہین اس لئے خدا تعالے اپنے نبیونکو بھیجتا ہے تا وہ خدا کی ہستی کو آسمانی نشانون سے ثابت کرکے انکے دلونمین نیک و بد کی جزا و سزا کے متعلق یقین پیدا کرین سوائے آسمانی نشانون کے جنسے صاف اور صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جو علم اور طاقت مین انسانون سے بڑھکر ہے یہ یقین کبھی پیدا نہین ہو سکتا بلکہ ایسا یقین اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ انسان یقیناً یہ جان لے کہ ایک ایسا خدا موجود ہے جو اسکے دل کے خفیہ رازونکو جانتا ہے اور جسکو کہ بدیون کی سزا دینے پر پوری طاقت حاصل ہے اور ایسا یقین پیدا ہونیکے بعد انسان گناہ سے ایسا بچتا ہے جیسا کہ وہ جلتی ہوئی آگ سے بچتا ہے اور بدی سے وہ ایسی نفرت کرتا ہے جیسا کہ دنیا

مین بُری سے بُری چیز سے نفرت کرتا ہے۔ مثلاً شرابخواری ایک ایسی بدی ہے بلکہ بدیون کی مان ہے جو انسانیت کے لئے ایک سخت دھبہ ہے ہزارہا لوگ یہ کوشش کر چکے ہین کہ اس بدی کو دنیا سے دور کرین لیکن ان کی کوششین ناکام ثابت ہوئی ہین اور ہزارون اب بھی اس کی فکر مین ہین لیکن کچھ نہین کر سکتے۔ یہ بدی جزیرہ نما عرب مین عین اسوقت مین پورے زور مین تھی۔ جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دس ہزار لیکچرار وہ پاک تبدیلی پیدا نہ کر سکتے تھے جو آنحضرت کے پاک الفاظ نے پیدا کی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ مین شہر کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مسلمانون کے لئے شراب آئندہ حرام ہے اور کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شراب پینا منع کر دیا ہے اس کا اثر چند ہی منٹون مین یہ ہوا کہ شراب کے تمام مٹکے اور برتن توڑ ڈالے گئے۔ اور مدینہ کی گلیون مین شراب پانی کی طرح بہ نکلی۔ اس آواز مین یہ جادو بھرا اثر کہان سے آیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ لوگ یقیناً اس بات کو جان گئے کہ شراب پینے مین اس خدا کی نارضامندی ہو۔ جسکا پیغامبر وہ آنحضرت صلعم کو جانتے تھے اس قسم کے نبی کی واقعی دنیا کو ضرورت ہے۔ نہ اس پادری نبی کی۔ جسکو سوائے خدا کے برگزیدون اور پاک مذہبی اصولونکو برا بھلا کہنے کے اور کچھ نہین آتا۔ ایسا ہی ایک نبی اس وقت بھی خدا تعالے نے مبعوث فرمایا ہے لیکن لوگون نے اُسی طرح اس کا انکار کیا جیسا کہ پہلے نبیون کا۔ کاش کہ یہ لوگ اس وقت غور کرتے اور سوچتے کہ کیا وہ نشان ان کو نہین دکھلائے گئے جو کوئی انسان نہین دکھلا سکتا۔ اور کیا وہ اُسی طرح پر گنہ سے نجات نہین دیتا جس طرح پہلے نبیون نے دی اور ایک ہمہ علم اور ہمہ طاقت ہستی کے متعلق وہی یقین ان کے دلون مین نہین پیدا کرتا جو پہلی امتون مین پیدا کیا گیا۔ ایسا نبی میرزا غلام احمد قادیانی ہین جو مسیح موعود ہونیکا دعوے کرتے ہین۔ جو ہزارون نشان اپنی تصدیق مین دکھلا چکے ہین۔ اور جن کے پیرو اس وقت دو لاکھ سے اوپر ہین جو لوگ اپنی روح کے لئے آرام چاہتے ہین وہ اس کے پاس آوین کیونکہ وہ تھکے ماندون کو آرام دیتا ہے۔ وہ عین اُس وقت پر آیا ہے جو پیشگوئیون کے مطابق اُس کی آمد کا وقت تھا۔ اور جبکہ تمام دنیا سخت انتظار مین لگی ہوئی تھی تمام نشان پورے ہو چکے ہین اور اسکی صداقت آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتی ہے لیکن اس کے لئے جو آنکھین کھولے۔ وہ گنہ کا سچا علاج لایا ہے اور اگر پادری صاحبان کو اپنے گناہون کا احساس ہے اور اپنی بیماری کو وہ جانتے ہین تو انہین چاہئے کہ وہ طبیب کے پاس آوین۔ بجائے اسکے کہ لوگون کو گمراہ کرتے پھرین۔ تا کہ وہ ان کو شفا دیوے۔ اور اس سے شفا حاصل کرنے کے بعد وہ لوگون کو نیکی کی طرف بلا سکتے ہین +

یہ بات تو اب صاف ہوگئی ہے کہ جن رکاوٹون کا ذکر کیا گیا ہے واقعی طور پر مذہب عیسوی کے پھیلنے مین وہ سدّ راہ نہین - اس مذہب کا غیر عیسائی ملکون مین کم ترقی کرنیکا سبب انہین واقعات مین سے تلاش کرنا چاہئے جو اسکے عیسائی ممالک مین زوال کا موجب ہو رہے ہین۔ ایک ہی سبب ہے جو دونون صورتون مین عمل کر رہا ہے یعنی ایک جگہ تو اس مذہب کی ترقی کو روکنے کا کام کر رہا ہے اور دوسری جگہ اس کے زوال کا موجب ہو رہا ہے - اس مذہب کی اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ اس مین ضروریات زمانہ کو پورا کرنیکے قابل جوہر نہین رہے اور اس کی اندرونی قوت دن بدن زایل ہوتی چلی جاتی ہے - جو لوگ فہم صحیح اور عقل سلیم اور دیانت کے اوصاف سے قدرتاً آراستہ ہین وہ عیسائی مذہب کے مسایل کو انسانی عقل کے موافق ہونا محال اور ناممکن سمجھکر اس کو خیرباد کہہ رہے ہین اور جو لوگ ابھی تک اس سے چمٹے ہوئے ہین وہ اسکے کسی صداقت پر سچا ایمان لاکر اس کے مقلد نہین بلکہ محض رسم اور عادت کے طور پر اور سوسائیٹی کے تعلقات مین پھنسے پھنسائے عیسائی چلے آتے ہین - عیسائی عقائد اسوقت تباہی کی حالت مین ہین اور اب ایسی حالتین جبکہ اس مذہب کی اپنے ہی گھر مین گانٹھین ڈھیلی ہو رہی ہین تو اس سے یہ امید کرنا کہ باہر دنیا مین مذہبی فتوحات حاصل کرسکیگا خیال محال ہے - عیسائی مذہب کی صداقت کے مسئلہ کی بنیاد ایک ناتوان ضعیف انسان کی الوہیت پر ہے اور اب وہ زمانہ نہین رہا کہ ایسے بیہودہ عقائد معقولی دنیا مین قوت پکڑ سکین ۞

اس بات کی صداقت اس امر سے اور بھی واضح ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب کو قبول کرنیوالے عموماً ناکارہ اور ذلیل اور جاہل لوگ ہوتے ہین اور خصوصاً قحط کے ایام مین ایسے بہت سے موقع ان مشنری لوگون کو ملجاتے ہین جن مین بہت سے مفلوک الحال بد بخت آفت رسیدہ جاہل بیکار لوگون کو قحط اور فاقہ کشی کی موت سے بچ جانے کی طمع حلقہ عیسویت مین لے جاتی ہے - ان لوگون کا یسوع کے خون پر کوئی ایمان نہین ہوتا ان کا ایمان صرف پادریون کی روٹی ہوتی ہے جو انہین قحط کے دکھون سے نجات دیتی ہے -

ہر ایک ذی فہم انسان کے دل مین یہ سوال اکثر پیدا ہوتا ہے کہ ابن مریم کو خدا بننے کے لئے کیا خصوصیت حاصل ہے - پھر جن لوگون نے اس امر مین نہایت غور اور تدبّر کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہین کہ یسوع صرف ایک انسان ہی تھا اور معمولی انسانی سطح سے اوپر ہرگز نہ تھا اور اس مین الوہیت اگر تھی تو صرف اسیقدر موجود تھی جس قدر عام طور پر نوع انسانون مین پائی جاتی ہے - ایک مدت تک یہ خیال کیا گیا تھا کہ یسوع کی اخلاقی تعلیم جو اناجیل مین اُسکی طرف منسوب کیجاتی ہے وہ ایسی اعلے ہے کہ جس سے وہ معمولی انسانون سے بالا تر نظر آتا ہے -

اور اس کو بھی یسوع کی الوہیت پر ایک بڑی بھاری دلیل سمجھا گیا ہے۔ لیکن اب یہ ثبوت قطعیت کو پہونچ گیا ہے کہ یہ تعلیم نہ صرف ایسی ہی ہے کہ جس پر عمل کرنا انسان کے واسطے محال ہے جیسا کہ خود اس امر سے ظاہر ہے کہ کوئی عیسائی قوم یا جماعت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو اس تعلیم پر پورے طور سے عامل ثابت ہوئی ہو بلکہ وہ امر جو ان بلند دعاوی کا اور بھی قلع قمع کرتا ہے جو مسیح کے لئے بیہودہ طور پر وضع کر لئے گئے ہیں اور حق کی بنیاد پر اسکو خدا بنایا گیا ہے یہ ہے کہ یہ تعلیم یہودی معلموں اور طالمود سے اخذ کی گئی ہے یہانتک کہ بعض جگہ لفظ بلفظ یہودیوں کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ مسیح کے معجزات میں بھی کوئی خصوصیت اور فوقیت نہیں پائی جاتی۔ اول تو اسی بات میں شک ہے کہ اس سے کبھی کوئی معجزہ صادر بھی ہوا ہو کیونکہ جب یہودیوں نے پہلے نبیوں کی طرح اس سے بھی معجزہ مانگا تا وہ اس کو خدا کا سچا مرسل پہچان سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ وہ جھوٹا مسیح نہیں کیونکہ ان دنوں بہت جھوٹے مسیح پیدا ہو گئے تھے تو مسیح نے اس وقت صرف یہی خشک جواب دیا کہ ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا جاویگا۔ انجیل کے پڑھنے سے ایک منصف مزاج انسان اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر معجزات کی روایات میں جن کا انجیل میں ذکر ہے کچھ سچائی موجود بھی ہے تو وہ غالباً روحانی واقعات تھے اسی خیال کو ان سیکلوپیڈیا ببلیکا میں بھی لیا گیا ہے اسی طرح گویا بھوکوں کو کھانا کھلانے سے مراد وہ روحانی غذا تھی جو مسیح کے وعظوں سے ان لوگوں کو ملی جو روحانی صداقتوں کے بھوکے تھے اور بیماروں کو چنگا کرنے سے مراد روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج کرنا تھا اور مردوں کو زندہ کرنے سے مراد ان لوگوں کو روحانی زندگی عطا کرنا تھا جو گناہوں کی موت میں مبتلا تھے۔ لیکن بفرض محال اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جاوے کہ یہ اعجازی واقعات جنکا بائیبل میں ذکر ہے۔ فی الحقیقت مسیح سے صادر ہوئے تھے تو بھی ان کی وجہ سے مسیح کے لئے پہلے نبیوں کی نسبت کوئی ایسی فوقیت پائی نہیں جاتی۔ سب سے بڑا التعجب خیز معجزہ مردوں کے زندہ کرنیکا مسیح سے ظاہر ہوا لکھا ہے لیکن اسی قسم کے معجزات ایلیا اور الیشع سے بھی ظاہر ہو چکے ہیں اس لئے ان کی اگر مسیح پر کوئی فوقیت نہ بھی مانی جائے لیکن وہ کسی طرح اسکے ہم پلہ ہونے سے کم نہیں ہو سکتے بلکہ یہ فوقیت ان کو حاصل ہے کہ اول ایسے عظیم الشان معجزے انہوں نے دکھائے۔ درحقیقت مسیح کی زندگی اور موت کی ساری کہانی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے اس میں معمولی فانی انسانوں سے کچھ بھی فوقیت اور بڑائی مانی جا سکے۔ جن کمزوریوں اور ناکامیوں کا اس کو سامنا پڑا اور اس کی کوششیں جس طرح بے ثمر رہیں اور جس طرح وہ لوگوں سے ڈرتا تھا یہ تمام امور اس بات کو اور بھی واضح کرتے ہیں کہ وہ معمولی انسانوں سے کچھ بھی فوقیت نہ رکھتا تھا۔ انہیں وجوہ پر

غور کرنے سے عیسائی ملکونکے فہیم اور عقلمند لوگ مسیح کی الوہیت کے مسئلہ کی بیہودگی سمجھکر اسے ترک کر رہے ہین بشنریون کا لوگونکو اب ایسے مسئلہ کیطرف دعوت کرنا جس کی خود عیسائی ملکون مین کھلے طور پر تردید ہو رہی ہے سراسر دھوکا دہی کی کارروائی ہے۔ ایک ناتوان بشر کو خدا بنانیکے اعتقاد کا مسئلہ انسانی عقل اور کانشنس کے ایسا متضاد اور ناموافق ہے اور ایسا نفرت انگیز..... اور حقارت خیز ہے کہ اب طبیعت فوراً یہ اہم سوال کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے کہ کیونکر عیسائیت کو اسقدر عمر نصیب ہوئی اور کیون مدتہائے دراز سے اسکا خاتمہ نہین ہو چکا *

ریویو اور نوٹ

بائیبل مین تحریف اور غلطیان

"زمانہ حال کی تنقید بائیبل کے یقینی نتائج" کے عنوان سے مسٹر راکوس کے قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جون ۱۹۰۸ء کے ہارویسٹ فیلڈ مین شائع ہوا ہے صاحب مضمون اپنی تحریر مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستانی کلیسیا کو اس نئی عالمانہ تحقیقات کے یقینی نتائج سے بیخبر نہین رکھنا چاہئیے۔ غالباً یہ وہی صاحب ہین جنہون نے اپنی اس رائے کو ایک عیسائی مجمع مین پچھلے سال بیان کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی پادری اس پر عمل کرنے سے کتراتے ہین۔ ہم تعجب کرتے ہین کہ یہ لوگ کیون اُن تغیرات سے جو عیسائی مذہب کے عقائد مین آج کل واقعہ ہو رہے ہین لوگون کو اطلاع دینے سے عموماً اعراض کرتے ہین اور کیون یہ باتین ان لوگون سے اتنی احتیاط سے مخفی رکھی جاتی ہین جن کو عیسائی مذہب کی دعوت کرتے ہین۔ ملک ہندوستان مین پادری لوگ ایک ایسی بائیبل کی منادی کرتے ہین جس کی نسبت وہ یہ دعوے کرتے ہین کہ وہ از سرتا پا خدا کا کلام ہے اور جس کو ہر قسم کی غلطی اور نقص سے پاک بیان کرتے ہین اور اس بات پر بھی لوگون کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہین کہ اسکی تمام قصص صحیح ہین۔ ان عقائد کو پادری لوگ بڑے زور شور سے پیش کرتے ہین اور انہی کی بنیاد پر قرآن کریم جیسی پاک اور بے عیب کتاب پر نکتہ چینی کرتے اور اسپر اعتراض کرنے کی جرأت کرتے ہین صرف اس وجہ پر کہ وہ بائیبل کے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ اسمین انسانی ہاتھون سے غلطیان ملی ہوئی ہین اور اسکو ایک محرف کتاب بتاتا ہے اور بعض ایسے قصے بیان کرتا ہے جو بائیبل کے بیان کردہ قصص سے بعض مواقع پر اختلاف

رکھتے ہین لیکن اب دو ہزار سال کے بعد آخر کار اس روشنی کے زمانہ مین تحقیقات کرنیسے
خود عیسائی لوگ اس نتیجہ پر پہونچ گئے ہین کہ جو بات قرآن کریم نے آج سے تیرہ سو برس
پہلے اس بائیبل کے متعلق کہی تھی جو یہودیون اور عیسائیون کے ہاتھون مین ہے۔
درحقیقت وہی ٹھیک ہے۔ اگرچہ عیسائی لوگ اس حقیقت سے ان لوگونکو آگاہ کرنیسے
خوف کرتے ہین جن مین منادی کرنیکے لئے پادری بھیجے جاتے ہین لیکن وہ خود اس
بات پر سب کے سب متفق ہین کہ بائیبل مین صرف خدا کا کلام ہی نہین بلکہ اس مین بہت
کچھ انسانی کلام داخل ہے۔ نہ ہی وہ عیوب اور غلطیون سے پاک ہے اور نہ ہی اسکے
قصص تاریخی طور پر بالکل صحیح ہین۔ راؤس صاحب اگرچہ اعلے تنقید کے باقی نتائج سے
اتفاق کرنے مین ابھی تک متامل ہین لیکن ان کی یہ رائے ہے کہ ان مذکورہ بالا نتائج کو کو
ہندوستان مین نہایت صفائی سے کھولکر بیان کردینا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ اپنی
چھٹی مین تحریر کرتے ہین کہ آپ کے ناظرین میرے ساتھ اس بیان مین اتفاق کرین گے
کہ "ہمارا یہ فرض ہے کہ بائیبل مین الہی الہام کی مکمل سکیم کو ہندوستانی کلیسیا کے سامنے
پیش کردین اور اس زمانہ کی عالمانہ تحقیقات کے یقینی نتائج سے ان کو پورے طور پر
آگاہ کردین۔ یہ بات بھی ہمارے فرائض مین داخل ہے کہ وہ تمام سچائی جو خداوند تعالے
کیطرف سے ہمین عطا ہوئی ہے اس کلیسیا کو بھی پورا حصہ دین۔ خدا کی سچائی اپنی حفاظت
آپ کرسکتی ہے اور اس کو کسی انسانی جد و جہد کے پشتہ کی محتاجی نہین"۔

ہم نہین جانتے کہ راؤس صاحب نے کیون اس کا نام خدا کی سچائی رکھا ہے۔ اور
کیون اس کو انسانی خطاؤن کا مجموعہ نہین کہا جاتا جبکہ اسکا اکثر حصہ صرف انسانی انشاپردازی
سے بھرا ہوا ہے اور دوسری کتابون کی طرح ہر قسم کی غلطیون اور نقائص سے مملو ہے۔ تو اس کا
خدائی الہام کی سکیم نام رکھنا سراسر باطل ہے اس طرح حق اور باطل کو ملاکر خدا کی سچائی اسکا نام
دھرنا عیسائی صاحبان کے طرز بیان کا خاصہ ہے لیکن اسپر کوئی تعجب نہین کیونکہ یہ ان کی عادت
کا مقتضا ہے ورنہ اصل اعتقاد یہی ہے کہ بائیبل مین انسانی آمیزش بہت ہے۔ راؤس صاحب لکھتے
ہین کہ حق اپنی حفاظت خود کرسکتا ہے یہ تو سچ ہے لیکن بائیبل مین حق اور باطل دونون مخلوط ہین
اس لئے بائیبل کو پادریون کے آسرے کی ضرورت ہے۔

اعلے تنقید کے نتائج گو دنیا مین بہت وسیع قبولیت حاصل بھی کرلین مگر راؤس صاحب انہین
ماننے کے لئے تیار نہین معلوم ہوتے کیونکہ وہ لکھتے ہین کہ "کسی عقیدہ کا دنیا مین کثرت سے مقبول
ہوجانا اسکے سچا ہونے کی کافی دلیل نہین ٹھہر سکتی۔ تیکن گذشتہ پچاس سالون کی تحقیقات اور

تنقید سے بعض ایسے یقینی نتائج پیدا ہو گئے ہین جن پر سب کو اتفاق ہے یا کم از کم جن سے بہت بڑے حصے کو اتفاق ہے" اور چونکہ جمہور نے ان پر اجماع کر لیا ہے اس لئے ہندوستانی کلیسیا ئین انہین عیسائی دین کی جزو سمجھکر داخل ایمان کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نتائج عیسائی دنیا مین ہر جگہ مقبول ہو چکے ہین پھر راؤس صاحب ذیل کے امور کو ایسے یقینی نتائج سمجھتے ہین جو اب عیسائی دین کے عقائد کا جزو ہونے چاہیئے اور ان کے مطابق پرانے عقائد مین ترمیم ہونی چاہیئے"

"ا- بائیبل کا مطالعہ کرنے مین سب سے پہلا سوال یہ ہونا چاہیئے کہ اسکے مصنف کی اس سے مراد کیا تھی؟ اس زمانہ سے پہلے پہلے بائیبل کے سارا الہامی ہونے پر اس قدر زور دیا جاتا تھا کہ جو آمیزش اس مین انسانی کلام کی ہے اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا- لیکن اب یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ یہ غلطی رفع ہو کر بائیبل مین انسانی کلام کی آمیزش کو عام طور پر مان لیا گیا ہے ...... یہی کیفیت مسیح کے وجود کے متعلق بیان کی جا سکتی ہے پہلے زمانہ مین اسکی الوہیت کے عقیدے پر اسقدر زور دیا جاتا تھا کہ اس کی انسانیت اس عقیدے کے نیچے دبی ہوئی تھی- مگر گذشتہ پچاس سالون کی تحقیقات ہمین بتاتی ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت کو واجب طور پر شہرت دینی ضروری ہے-

"۲- نبی کا اصلی اور خاص منصب پیش گوئی کرنا نہین بلکہ جرأت کے ساتھ سچائی کو لوگون کے سامنے بیان کر دینا ہوتا ہے"

"۳- جس ٹیلے پر ہم قائم ہونا چاہتے ہین وہ مسیح ہے نہ کہ بائیبل (یعنی ہمارے عقیدہ کی بنیاد بائیبل نہین بلکہ یسوع مسیح ہے) یہ بات سچ ہے کہ مسیح کے حالات بائیبل کے پڑھنے سے معلوم ہوتے ہین- مگر بائیبل کے پڑھنے سے خواہ اس مین کسیقدر غلطیان ہون اسقدر علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو مسیح کے نجات دہندہ ہونے پر ایمان لانے کیلئے کافی ہے" +

یہ صداقت کو آدھا تسلیم کرنا ہے

دو ہزار سال تک تو عیسائیون کو بائیبل پر پورا بھروسہ رہا- مگر اب ان کی آنکھین کھلی ہین اور انہین معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اس بھروسہ کرنے مین غلطی پر تھے- یہ بائیبل تو بھروسہ کرنیکے لائق نہین- کیونکہ اس مین انسانی کلام اور غلطیون کو بہت دخل ہے لیکن راؤس صاحب کے بیان سے ہمین یقین ہوتا ہے کہ مسیح کی انسانیت جو دو ہزار سال تک قعر فراموشی اور سہو مین پڑی رہی اب ممتاز طور پر نمایان ہو گئی ہے- اب یہ تغیر یسوع مسیح کے بے خطا ہونیکے عقیدہ مین بھی ایک تبدیلی پیدا کر دیگا اور یون مسیح بھی انجیل کی طرح اعتبار اور بھروسہ کے پایہ سے گر جائے گا- علاوہ ازین جبکہ مسیح کی نسبت پورے علم حاصل کرنے کا انحصار صرف بائیبل پر ہی ہے اور یہ

بات مسلم قرار پا چکی ہے کہ بائیبل غلطیون سے بھری ہوئی ہے تو اس کا نتیجہ طبعًا یہی ہونا ہے
کہ جس مسیح کا علم ایسی کتاب سے حاصل ہوتا ہے وہ اصلی مسیح نہین بلکہ جھوٹا مسیح ہے۔ اور
اسکے متعلق جو حالات انجیل مین درج ہین وہ بھی غلط اور جھوٹے ہین اس لئے جس مسیح کو
انجیلی تعلیم پیش کرتی ہے لازمی طور پر انجیل کی تباہی کے ساتھ اسپر بھی موت وارد ہو جاتی
ہے اور اسکے بے خطا سمجھنے کی غلطی انجیل کو غلطیون سے منزّہ سمجھنے کی غلطی سے بھی بہت
جلد منکشف ہو جائے گی۔ بائیبل پر نظر تنقید سے غور کرنے نے مسیح کے حالات کو اسی نظر سے
پرکھنے کے لئے راہ کھولدی ہے اور اب تھوڑے ہی عرصہ مین ان کا اصلی رنگ نظر آجائیگا۔
بہرحال راؤس صاحب کی اس تحریر سے یہ ثابت ہے کہ انجیل مسیح کے حالات کا سچا نقشہ
نہین کھینچتی کیونکہ وہ خود غلطیون سے پُر ہے ۔ اس سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے
یہی فرمایا کہ انجیل سچے مسیح کو پیش نہین کرتی۔ سبحان اللہ یہ کیسا عظیم الشان قرآنی معجزہ ہے
کہ اس نے جس اصلی حیثیت مین مسیح اور بائیبل کا نقشہ کھینچکر دکھلایا تھا۔ اب تیرہ سو برس
مخالف رہنے کے بعد جب عیسائیون نے تنقید اور تحقیق کی نظر ڈالی تو خود یہی امر انہین
بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مسیح اور انجیل کی حقیقت کا وہی نقشہ صحیح ہے جو قرآن شریف نے ثابت
کیا۔ اس کے یقین واثق پیدا ہوتا ہے کہ وہ زمانہ بہت قریب آرہا ہے کہ جب رسم ورواج کے
تعلقات کو قطع کرکے اور قوم و سوسائیٹی کے رشتونکو توڑ تاڑ کر عقلمند عیسائی قرآنی صداقتون
کے انوار سے فیضیاب ہو کر اسلام کے مقدس دائرہ مین داخل ہونگے۔

"۴۔ بائیبل مین انسانی آمیزش کے پہلو کو مدنظر رکھ کر اسکا ترجمہ کرنے مین وہی اصول
مدنظر رکھنے پڑینگے جو دوسری انسانی کتابون کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھے جاتے ہین۔
...... اور یہ ہمارا فرض ہے کہ انسانی کلام اور الٰہی الہام کے درمیان تمیز کرین"
[خدا معلوم ایسی انجیل کی قسمت مین اب کیا لکھا ہے جس کی چارون کتابون مین بمشکل
کوئی خدائی الہام کا کلام ہوگا]

"۵۔ انجیل کی غرض صرف مذہبی تعلیم دینا ہے۔ علمی تواریخی تعلیم دینا اسکا مقصود
نہین تو پھر اس بات پر بحث کرنا کہ علمی اور تواریخی اصول کے لحاظ سے انجیل غلطیون سے
پاک ہے کیا معنے رکھ سکتا ہے"

"۶۔ مذہبی تعلیم ایسے قصونکے ذریعہ سے بھی دی جاسکتی ہے جو تواریخی طور پر
صحیح نہ ہون"

یہ مذکورہ بالا وہ تغیرات ہین جن کو عیسائی لوگ دو ہزار برس کے بعد اب عیسائی عقاید

مین داخل کرنیکے درپے ہو رہے ہین یا دوسرے لفظون مین یہ وہ ترمیمین ہین جو پادریون نے عیسائی عقیدہ کے لئے تجویز کی ہین کسی نے ہمکو آج تک یہ نہین بتایا کہ جن لوگون کی زندگی انہین غلط عقائد پر ختم ہوئی انکا کیا حشر ہوگا۔ اب ہم یہ سوال کرتے ہین کہ کیا ایسا مذہب جو ہمیشہ اور ہر زمانہ مین انسانی ہاتھون کی ترمیم اور اصلاح کا محتاج رہتا ہے۔ الہی دین ہونیکا دعوے کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسی تبدیلیان بیان ہوئی ہین جو عام طور پر مسلم ہو چکی ہین لیکن ان کے علاوہ بہت سی اور تبدیلیان بھی ہین جو گو بہت وسیع قبولیت حاصل کر چکی ہین لیکن ابھی تک انہین عالمگیر قبولیت نصیب نہین ہوئی اور ابھی ان کی نسبت اختلاف الرائے ہے کیونکہ ان سے عیسائی دین کی عمارت بالکل مسمار ہو جاتی ہے اب تو یہی بات معلوم ہوئی کہ عیسائی لوگ ایک ایسے پیچیدہ مرحلہ پر آن پہنچے ہین جہانپر عنقریب یا تو وہ اپنے موجودہ عیسوی مذہب کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو جائینگے اور یا صاف طور پر انہین اقرار کرنا پڑے گا کہ انکے اعتقاد انسانی عقل کے خلاف ہین

کیا یسوع یہودیون سے نہین ڈرتا تھا

کچھ عرصہ گذرا ہے کہ ہم نے لکھا تھا کہ صلیب پر سے اتارے جانیکے بعد مسیح بہت دفعہ مختلف مقامات مین لوگونکو نظر آیا۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ یسوع نے خود ایک باغبان کا بھیس اسلئے بدل لیا تھا کہ اسے کسی دوسرے ملک کیطرف بھاگ جانیمین آسانی ہو اور کوئی اسکو شناخت نہ کر سکے اور اس طرح سے پھر دوبارہ یہودیونکے ہاتھ مین پڑ جانیسے بچا رہے۔ اسپر ایک عیسائی صاحب نے بڑے جوش مین آکر ہمین ایک چٹھی لکھی اور مسیح کیطرف خوف کو منسوب کرنیکی وجہ سے ہمکو سخت ناانصافی کے الزام کا مرتکب قرار دیا۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت مین کہ خود انجیلون سے یہ بات ثابت ہے کہ یسوع یہودیونکے خوف سے چھپتا پھرا۔ ہم جون سنہ ۱۹۰۴ء کے عیسائی ماہواری رسالہ "ترقی" کی ذیل مین عبارت نقل کرتے ہین جو زیر عنوان حیات المسیح شائع ہوئی ہے وہ لکھتا ہے "مگر مسیح نے ابھی اس دعوے (یعنے دعوے مسیح موعود) پر بہت زور دینا شروع نہین کیا تھا البتہ کبھی کبھی اشارۃً جتا دیا کرتا تھا کہ مین ہی وہ مسیح موعود ہون جسکی راہ تم دیکھ رہی ہو۔ جیسا کہ اس نے ناصرت کے عبادتخانے مین کیا۔ مگر متواتر یا پے درپے اس دعوے کو پیش نہین کرتا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ گلیل کے لوگ جلد متاثر ہو کر جوش مین آجانیوالے تھے اور وہ مسیح کی بادشاہت کی دُنیوی شان و شوکت کے نہایت دلدادہ تھے۔ پس اگر اُنکے سامنے یہ دعوے بار بار رکھا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ رومی طاقت کا مقابلہ کرنیکے لئے بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور اس نا سزا حرکت کا یہ نتیجہ ہوتا کہ لوگونکے دل مسیح سے منحرف ہو جاتے اور وہ رومی تلوار کا شکار بنجاتا۔ اور اگر یہ دعوے یروشلم مین کیا جاتا تو وہان بھی یہ خطرہ تھا کہ یہودی اسکے برخلاف اٹھکر اسکا کام تمام کر ڈالتے۔ پس ہر طرح کی خلل اندازی سے بچنے کے لئے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس کی ذات اور عہدے کی حقیقت کچھ عرصہ کے لئے منکشف نہ کیجائے۔"

اب اس جگہ اس بات کو بہت صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ موت کے خوف سے یسوع دعویٰ مسیحیت کو پیش کرنے سے ڈرتا رہا۔ خواہ اسے رومی سلطنت کی تلوار کا خوف تھا اور خواہ یہودیوں کی سنگباری کا ڈر لاحق تھا۔ اگر یہ بات سچی ہے تو اسکو ہم نہایت بزدلانہ خوف کہنے سے رک نہیں سکتے کیونکہ ایسی بزدلی انبیاء کی شان کے بالکل مخالف ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جسنے مخلوق کو خدا کا پیغام پہنچانے میں جان کو عزیز رکھا اور سمجھا ہو۔ علاوہ ازیں مسیح کی نسبت تو یہ بہت سی ضدوں کا تعجب انگیز مجموعہ نظر آتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خدا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ وہ دعوے مسیحیت کو پیش کرنے میں لوگوں سے پرلے درجہ کی کم حوصلگی سے خوف کھاتا پھرا کہ مبادا اسکا دعوے سنکر لوگ اسے ہلاک نہ کر دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جبکہ وہ خدا تھا تو خدا کا مخلوق سے ایسی نامردی سے ڈرتے پھرنے کے کیا معنے ہوئے۔ خدا سے ڈرنیوالے یہودیوں کا ذکر تو ہم سنتے اور پڑھتے رہے ہیں لیکن یہودیوں سے ڈرنیوالا خدا کبھی نہیں سنا تھا اور یہ خالص عیسائی ایجاد ہے جس سے دوسری دنیا محروم ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جسے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا کہ ایکطرف تو اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یسوع کی آمد سے صرف یہی غرض تھی کہ وہ گنہگاروں کے لئے موت قبول کرے جس سے وہ ایسا ایثار کرنیوالا اور مخلوق کا فدائی بہادر ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا لوگوں کے لئے فرضی سولی پر اپنی جان تک دینے کیلئے آمادہ ہے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معمولی جرأت اور سچی اخلاقی دلیری سے ایسا گرا ہوا اور ایسا بزدل تھا کہ خوف سے جان بچانیکے لئے وہ اس پیغام کی تبلیغ سے احتراز کرتا رہا جسکے پہنچانیکے لئے وہ مامور کیا گیا تھا (یعنی مسیح موعود ہونیکا دعوے) یہ بات ہماری بحث سے خارج ہے ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگر انجیلی مسیح ایسے بزدلانہ طور پر خوف کھانیکا مرتکب ہوا ہے جو اخبار ترقی سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر ہمارے دعوے پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا وہ واقعہ صلیب کے بعد خوف کے مارے باغیان کا بھیس بدل تن تنہا دور دراز ملک کو اس خیال سے بھاگ گئے تھے کہ مبادا پھر یہودیوں کے ہاتھ میں پڑ جائیں اور یہ خوف نہایت اعلے اغراض پر مبنی تھا کیونکہ اس سے غرض یہ تھی کہ وہ خدا کا کلام بنی اسرائیل کی ان قوموں کو جا کر سنا دیں جو دوسرے ملکوں میں آباد ہو گئی تھیں اور یہ سچی بات ہے کہ انہوں نے اس کام کو پورا کیا۔ مشنری پرستاروں کے خلاف ہم تو اسکی اتنی عزت کرتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ اس موقعہ پر مسیح نے واقعی طور پر خوف نہیں کھایا بلکہ جیسا کہ ہر ایک نیک آدمی کا فرض ہے کہ وہ اپنی قیمتی جان کی حفاظت کا خیال رکھے اسی طرح اس نے بھی اس موقعہ پر ایک اعلے درجہ کی احتیاط سے کام لیکر صلیب کے بعد اس ملک سے بھاگ نکلنے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی +

"ضروری عرضداشت وشکریّہ معاونین"

کثرت اشاعت واعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے تاکید اکید فرمائی ہے اس تاکیدی ارشاد کے پر زور الفاظ کا اعادہ بغرض آگاہی جملہ احباب و برادران گذشتہ پیوستہ پرچہ جات مین متواتر کیا جاتا رہا ہے۔ اور جن پرجوش باہمت ومخلص احباب نے اس کارخیر مین محض بغرض ابتغاءً لمرضاۃ اللہ خاص حصہ لیکر الگ الگ معتد بہ رقوم سے اعانت فرمائی ہے انکی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات مین ہوتا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات وامداد نے ازسر نو انکے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبد العزیز صاحب عرف محمد وزیر صاحب ملک برھمانے حال ہی مین ایکسو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل مین کئی سو روپیہ کی امداد میگزین مین دیچکے ہین۔ علی ہذا القیاس چودھری سرفراز خان وکرم الہی صاحبان بدوملّی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہین جنہون نے اب یکمشت ایکسو پچاس روپیہ کی امداد فرمائی ہے۔ اصل مین چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے مگر لنگر کی ضروریات موجودہ کو دیکھکر دوسو روپیہ امداد لنگر مین دیدیا اور ایکسو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ مین آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی واخلاص مندی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے اللہ تعالے انکو اس امداد فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دیوے اور دیگر جملہ برادران کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کی روح و روان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان پہ اپنا مال وجان نثار کرتے ہوئے اس کار خیر مین وہ ہمت دکھلاوین کہ حضرۃ اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے جلدی پہونچنے مین کوئی دقت پیش نہ آوے +

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی کثرت اشاعت کی ضرورت اس امر کے مقتضی ہین کہ جملہ احباب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کرکے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھکر اسکی تعمیل مین ہر وقت کوشان رہین ان کی یہ لگایو فی سبیل اللہ انکے لئے حسنات دارین حاصل کرنیکا ذریعہ ہوگی + توشۂ عقبیٰ حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے اس خدمت کی بجا آوری کا اس سے عمدہ موقعہ حسنہ نہین ملسکتا۔ اب وقت کی قدر کرکے سابقو بالخیرات بنین اور جن اغراض کیلئے یہ مرسل من اللہ مامور ہوکر آیا ہے ان اغراض و مقاصد مین اسکی امداد کرکے معیّت صادقین کی اعلیٰ منزل کو طے کرین جو حقیقی کامیابی وفایز المرامی کا اصلی زینہ ہے اللہ کرے ایسا ہی ہو آمین ثم آمین والسلام مہتمم

”ضروری استدعاء“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث نہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین۔ یہ دکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے

المشتہر۔ خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

تصحیح۔ پرچہ ہذا کے صفحہ ۲۳۳ کی سطر ۱۴ مین بجائے لفظ غیرت کے غیریت اور صفحہ ۲۳۶ سطر ۱۲ میں بجائے فالحمدللہ کے فالحمد اللہ غلطی سے لکھا گیا۔

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے + لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ اگست ۱۹۰۴ء نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اگست سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا + چندہ سالانہ اردو پرچہ - عـہ

التماس ضروری

اُس تاکید مجسم ارشاد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس مین اس رسالہ کے اجرائے وشیوع کے اصل اغراض و مقاصد ظاہر کر کے اسلام کو حملہ مخالفین کے مہلک حملون کی باد صرصر سے بچانے اور اسکے قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام مین دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت اور جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کے دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا۔ اسکے قیام واستحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کیغرض سے اب بار بار لمبے چوڑے الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرتے رہنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جس قدر تاکید اکید فرمائی ہے اور حد سے بڑھے ہوئے پر زور الفاظ مین اپنے پُرجوش مخلصین کو اس کی خریداری کیجانب ملتفت کرنا چاہا ہے اس سے بڑھکر اور کوئی پرہیبت اور پرشوکت تاکیدی الفاظ نہین ملسکتے جو اپنی جماعت کے بیدار کرنے کیلئے معرض تحریر مین لائے جاوین۔ کیا اپنی جماعت کے مخلص و پرجوش باہمت احباب کے لئے حضرت اقدس کی جانب سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین۔ جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ اس رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کے واسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہے۔ کہ "تمہین معلوم نہین کہ اسوقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید مین جوش مین ہے۔ واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا۔ مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو"

اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لئے سخت تاکید فرماتے ہوئے اس ارشاد کی آخری سطور مین ظاہر فرمایا ہے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے" اگرچہ حضرت اقدس کے اُس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی جماعت کے ہر طبقہ کے احباب نے حسب استطاعت اسکی مالی امداد اور اشاعت مین حتی الوسع بہت کچھ سعی فرمائی۔ اور اپنے اخلاص مندی و ہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے۔ کہ تعداد خریداری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وحی الہٰی کی ضرورت

ہندوستان مین برہمو سماج ایک ایسا فرقہ ہے اور اس کے امثال یورپ اور دیگر عیسائی ممالک مین بکثرت موجود ہین جن کے نزدیک الہام الہٰی خدا تعالیٰ کی شناخت اور نجات کے لئے ضروری نہین اور نہ ہی انسانون کی ہدایت کے لئے کسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے بلکہ ان لوگون کے نزدیک انسانی عقل ہی ان سب باتون کے لئے کافی ہے۔ اصل مین اس فرقہ کے انکار ضرورت الہام کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ بائبل اور ویدون مین جس الہام کو انہون نے دیکھا ہے اسے ناقص پایا ہے۔ اور اس نقص کو دیکھکر آہستہ آہستہ انکار الہام ہی کر دیا ہے اس کی نظیر عیسائی مذہب مین ایک اور بھی پائی جاتی ہے کہ جب عقلمند اور فہیم لوگون نے یسوع کے نقصون اور کمزوریون پر غور کیا تو اس کے خدا سے انہین مجبوراً انکار کرنا پڑا۔ لیکن چونکہ عیسائی عقیدہ نے یسوع کو ہی خدا بنا کر ان کے سامنے پیش کیا تھا اس لئے یسوع کی خدائی کے انکار کے ساتھ وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے بھی منکر ہو گئے پس جیسے سچے اور زندہ خدا کے وجود سے بے علمی کے باعث عیسائی لوگ دہریہ ہو گئے ایسے ہی اکثر ان کے اور ہندوؤن کا ایک فرقہ سچے اور کامل الہام اور زندہ الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے ناواقفی کے سبب سے اور زندہ سرچشمہ الہام سے محرومی کی وجہ سے ضرورت اور وجود الہام کا انکار کر بیٹھے ہین۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو خدا کی زندہ وحی کا مورد اور اس کے زندہ مکالمہ سے مشرف ہے اس فرقہ کا رد اور ان کے اعتراضون کا استیصال قطعی اور یقینی دلایل سے اپنی مشہور و معروف تصنیف براہین احمدیہ مین کیا ہے اور ذیل مین ہم اس بے نظیر کتاب سے بعض مقامات نقل کرتے ہین تا کہ طالب حق کو معلوم ہو کہ یہ فرقہ کس قدر سخت غلطی اور گمراہی مین مبتلا ہے۔

اس مین کچھ شک نہین کہ بلا، تدعہ انسان کا ایسا نیک خاتمہ ہو جانا جس پر بالیقین نجات کی امید

اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو صانع حقیقی کے وجود اور اسکے قادر مطلق ہونے کی نسبت اور اس کے وعدہ جزا سزا کی بابت یقین کامل کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور یہ امر صرف ملاحظہ مخلوقات سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس مرتبہ یقین تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے جسکی مثل بنانا انسانی طاقتوں سے باہر ہو۔ اب اس تقریر کو اچھی طرح سمجھانیکے لئے دو باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل سے کیوں وابستہ ہے دوم یہ کہ وہ یقین کامل ملاحظہ مخلوقات سے کیوں حاصل نہیں ہو سکتا۔ سو پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یقین کامل اس اعتقاد صحیح جازم کا نام ہے جس میں کوئی احتمال شک کا باقی نہ رہے اور امر مقصود التحقیق کی نسبت پوری پوری تسلی اور تشفی دلکو حاصل ہو جائے اور ہر ایک اعتقاد جو اس حد سے متنزل اور فروتر ہو وہ مرتبہ یقین کامل پر نہیں ہے بلکہ شک یا غایت کار ظن غالب ہے اور یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل پر اس لئے موقوف ہے کہ مدار نجات کا اس بات پر ہے کہ انسان اپنے مولے کریم کی جانب کو تمام دنیا اور اسکے عیش وعشرت اور اسکے مال ومتاع اور اسکے تمام تعلقات پر یہانتک کہ اپنے نفس پر بھی مقدم سمجھے اور کوئی محبت خدا کی محبت پر غالب ہونے نہ پاوے۔ لیکن انسان بیہ بلا اور دہے کہ وہ برخلاف اس طریقے جس پر اس کی نجات موقوف ہے ایسی چیزوں سے دل لگا رہا ہے جنسے دل لگانا خدا سے دل ہٹانے کو مستلزم ہے اور دل بھی ایسا لگایا ہوا ہے کہ یقینی طور پر سمجھ رہا ہے کہ تمام راحت اور آرام میرا انہیں تعلقات میں ہے اور نہ صرف سمجھ رہا ہے بلکہ وہ لذات بیقین کامل اس کے لئے مشہود اور محسوس ہیں جن کے وجود میں اس کو ایک ذرا سا شک نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو خدائے تعالے کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اس کی جزا سزا اور اس کی آلاء نعماء کی نسبت ایسا یقین کامل نہ ہو جیسا اس کو اپنے گھر کی دولت پر اور اپنے صندوق کے گنے ہوئے روپیوں پر اور اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے باغوں پر اور اپنی زرخرید یا موروثی جایداد پر اور اپنی آزمودہ اور چشیدہ لذتوں پر اور اپنے دلارام دوستوں پر حاصل ہے تب تک خدا کیطرف دلی جوش سے رجوع لانا محال ہے کیونکہ کمزور خیال زبردست خیال پر غالب نہیں آسکتا اور بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ جب ایسا آدمی جسکا یقین بہ نسبت امور آخرت کے دنیا پر زیادہ ہے اس مسافر خانے سے کوچ کرنے لگے اور وہ نازک وقت جسکو جان کندن کہتے ہیں یکایک اسکے سر پر نمودار ہوکر اسکو ان یقینی لذات سے دور ڈالنا چاہے جو دنیا میں اس کو حاصل ہیں اور اسکو ان پیاروں سے علیحدہ کرنا چاہے جنکو وہ یقیناً بچشم خود ہر روز دیکھتا ہے اور ان مالوں اور ملکوں اور دولتوں سے اس کو جدا کرنے لگے جن کو وہ بلا شبہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے تو ایسی حالت میں ممکن نہیں کہ اسکا خیال خدا تعالے کی طرف قائم رہے مگر صرف اسی صورت میں کہ جب اس یقین کامل کے مقابل پر خدائے تعالے کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اسکے وعدہ جزا سزا

پر بھی ایسا ہی یقین کامل بلکہ اس سے زیادہ ہو اور اگر اس آخری وقت مین اس درجہ کا یقین جو
خیالات دنیوی کی مدافعت کر سکے اسکو حاصل نہ ہو تو یہ امر غالباً اس کے لئے بد خاتمہ کا موجب ہوگا۔
اور یہ بات کہ صرف ملاحظہ مخلوقات سے یقین کامل حاصل نہین ہوسکتا۔ اس طرح پر ثابت ہے۔ کہ
مخلوقات کوئی ایسا صحیفہ نہین ہے کہ جس پر نظر ڈالکر انسان یہ لکھا ہوا پڑھ لے کہ ہان اس مخلوق کو
خدا نے پیدا کیا ہے اور واقعی خدا موجود ہے اور اسی کی لذت وصال راحت حقیقی ہے اور وہی مطیعونکو
جزا اور نافرمانون کو سزا دیگا۔ بلکہ مخلوقات کو دیکھکر اور اس عالم کو ایک ترتیب احسن اور ابلغ پر مرتب پاکر
فقط قیاسی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مخلوقات کا کوئی خالق ہونا چاہئے اور لفظ ہونا چاہئے۔ اور
ہے کے مصداق مین بڑا فرق ہے مفہوم "ہونا چاہئے" اس یقین جازم تک نہین پہونچا سکتا جس تک
مفہوم "ہے" کا پہنچاتا ہے بلکہ اس مین کسی قدر رگ شک باقی رہ جاتی ہے اور جو شخص کسی امر کی نسبت
بطور قیاسی ہونا چاہئے کہتا ہے اسکے قول کا صرف اسقدر خلاصہ ہے کہ میرے قیاس مین تو ہونا
لازم ہے اور آگے مجھے خبر نہین کہ واقعہ مین ہے بھی یا نہین۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ فقط مخلوقات پر
نظر کرنے والے گذرے ہین وہ نتیجہ نکالنے مین کبھی متفق نہین ہوئے اور نہ اب ہین اور نہ آئندہ ہونا
ممکن ہے ہان اگر آسمان کے کسی گوشہ پر موٹی جلی قلم سے یہ لکھا ہوا ہوتا کہ مین بے مثل و مانند خدا
ہون جس نے ان چیزونکو بنایا ہے اور جو نیکون اور بدون کو ان کی نیکی اور بدی کا عوض دے گا
تو پھر بلاشبہ ملاحظہ مخلوقات سے خدا کے وجود پر اور اس کی جزا سزا پر یقین کامل ہو جایا کرتا اور ایسی
حالت مین کچھ ضرور نہ تھا کہ خدائے تعالےٰ کوئی اور ذریعہ یقین کامل تک پہونچانے کا پیدا کرتا لیکن
اب تو وہ بات نہین ہے اور خواہ تم کیسی ہی غور سے زمین آسمان پر نظر ڈالو کہین اس تحریر کا پتہ
نہین ملیگا صرف اپنا قیاس ہے اور بس۔ اسی جہت سے تمام حکما اس بات کے قایل ہین کہ زمین
آسمان پر نظر ڈالنے سے وجود باری کی نسبت شہادت واقعہ حاصل نہین ہوتی۔ صرف ایک
شہادت قیاسی حاصل ہوتی ہے جسکا مفہوم فقط اس قدر ہے کہ ایک صانع کا وجود چاہئے اور
وہ بھی اس کی نظر مین کہ جو وجود ان چیزون کا خود بخود ہونا محال سمجھتا ہو۔ لیکن دہریہ کی نظر مین
وہ شہادت درست نہین کیونکہ وہ قدامت عالم کا قایل ہے۔ اسی بنا پر اس کی یہ تقریر ہے کہ اگر
کوئی وجود بے موجد جایز نہین تو پھر خدا کا وجود بے موجد کیون جایز ہے۔ اگر جایز ہے تو پھر انہین
چیزونکا وجود جنکو کسی نے بنتے ہوئے بچشم خود نہین دیکھا بے موجد کیون نہ مانا جائے۔ اب ہم
کہتے ہین کہ وجود قدیم حضرت باری مین تب ہی دہریہ کو ایک قیاس پرست کے ساتھ نزاع
کرنے کی گنجایش ہے کہ مخلوقات پر نظر کرنے سے واقعی شہادت صانع عالم پر پیدا نہین
ہوتی۔ یعنی یہ ظاہر نہین ہوتا کہ فی الحقیقت ایک صانع عالم موجود ہے بلکہ صرف اسقدر ظاہر ہوتا

ہے کہ ہونا چاہیئے اور اسی وجہ سے امر معرفت صانع عالم کا صرف قیاسی طور سے دہریہ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ عقل صرف موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ خود موجود ہونا ثابت نہیں کرسکتی اور کسی وجود کی ضرورت کا ثابت ہونا شے دیگر ہے اور خود اس وجود ہی کا ثابت ہوجانا یہ اور بات ہے پس جس کے نزدیک معرفت الٰہی صرف مخلوقات کے ملاحظہ تک ہی ختم ہے اسکے پاس اقرار کرنے کا کوئی سامان موجود نہیں کہ خدا فی الواقع موجود ہے بلکہ اسکے علم کا اندازہ صرف اسقدر ہے کہ ہونا چاہیئے اور وہ بھی تب کہ جب دہریہ مذہب کی طرف نہ جھک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نکما نہیں سے محض قیاسی دلائل کے پابند رہے انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں۔ وہ اٹکلوں پر اپنا کام چلاتے رہے اور خدا کو موجود فی الحقیقت یقین کرنا انہیں نصیب نہ ہوا بلکہ ان کی عقل نے اگر بہت ہی ٹھیک ٹھیک دوڑ کی تو فقط اسقدر کہ ایک صانع کے موجود ہونے کی ضرورت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس ادنے خیال میں بھی ہریوں کی طرح ان کو شکوک اور شبہات ہی پڑتے رہے۔ اور طریقہ حقہ پر ان کا قدم نہیں پڑا۔ بعض خدا کے مدبر بالارادہ ہونیسے انکاری رہے۔ بعض اسکے ساتھ ہیولے کو لے بیٹھے۔ بعض نے جمیع ارواح کو خدا کی طرح قدیم ٹھہرایا جنکے وارث ابتک آریہ سماج والے چلے آتے ہیں۔ بعض نے ارواح انسانیہ کی بقا کو اور جزا و سزا کو تسلیم نہ کیا۔ بعض نے زمانہ کو ہی خدا کی طرح مؤثر حقیقی قرار دیدیا۔ بعض نے خدا کے عالم بالجزئیات ہونیسے منہ پھیر لیا۔ بعض بتوں پر ہی قربانیاں چڑھاتے رہے اور بعض دیوتاؤں کے آگے ہی ہاتھ جوڑتے رہے اور بہتیرے بڑے بڑے حکیم خداوند تعالےٰ کے وجود سے ہی منکر رہے۔ اور کوئی ان میں ایسا نہ ہوا کہ ان تمام مفاسد سے بچ جاتا۔ پس بمجرد ملاحظہ مخلوقات سے ہرگز یقین کامل حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی کسی کو ہوا ہے بلکہ جسقدر حاصل ہوسکتا ہے اور شاید بعضوں کو ہوا ہو وہ اسی قدر ہے جو ہونا چاہیئے کا مصداق ہے اور یہ بھی وجود صانع عالم کی بابت ہے اور جزا سزا وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں۔ اور جبکہ مخلوقات پر نظر ڈالنے سے یقین کامل حاصل نہ ہوسکا تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑی۔ یا تو یہ کہ خدا نے یقین کامل تک پہونچانے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور یا یہ کہ ضرور اس نے یقین کامل تک پہونچانے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا ہے۔ لیکن امر اول الذکر تو بدیہی البطلان ہے اور کسی عاقل کو اسکے باطل ہونے میں کلام نہیں۔ امر دویم کے قرار دینے کی حالت میں یعنے اس صورت میں کہ جب ہم تسلیم کریں کہ خدا نے مخلوقات کی نجات کے لئے ضرور کوئی کامل ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ بجز اس بات کے ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ کامل ذریعہ وحی الٰہی ہے اور عقل نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے بذریعہ قیاسات عقلیہ کے جو کچھ خدا اور امور آخرت

کے بارہ مین سوچا جاتا ہے یا فکر کیا جاتا ہے اس سے نہ یقین کامل حاصل ہوتا ہے نہ معرفت کامل
اور جو جو وساوس قیاس پرستون کے دل مین کھٹکتے رہتے ہین ان کا تدارک بجز الہام کے ہو ہی
نہین سکتا۔ اگر نیچر سے اسقدر سمجھا بھی گیا کہ عالم کا ایک صانع ضرور چاہیئے۔ لیکن اسکا بیان
کرنے والا کون ہے کہ وہ صانع ہے بھی۔ ہان یہ سچ ہے کہ عمارت کو دیکھ کر معمار پر یقین آسکتا ہی
پر وہ یقین عادی طور پر ہم کو حاصل ہے کیونکہ جیسے ہم عمارتون کو دیکھتے ہین ہیچ لیکن زمین آسمان کے
بنانے والے کو کون دکھاوے۔ اس کا تو تب ہی پورا پورا یقین آوے کہ جب معمارون کی طرح اس کا
بھی کچھ پتہ لگے۔ اگر عقل نے گواہی بھی دی کہ کوئی اس عالم کا بنانیوالا چاہیئے تو وہی عقل پھر
آپ ہی حیرت کے دریا مین ڈوبے گی۔ اگر یہ خیال سچا ہے تو پھر اس صانع کا آجتک کوئی پتہ
بھی تو لگا ہوتا۔ پس اگر عقل نے صانع کے وجود کیطرف کسیقدر رہبری بھی کی تو پھر دیکھنا چاہیئے
کہ رہزن بھی تو وہی عقل ہوئی۔ کسی کو دہریہ بنایا کسی کو طبعیہ۔ کوئی کسیطرف جھکا اور کوئی کسی طرف
بھلا فقط عقلی خیال سے کہ جس کی تصدیق کبھی نہین ہوئی اور نہ آیندہ کبھی ہو گی۔ یقین کیونکر
آوے۔ اگر عقل نے قیاس بھی دوڑایا کہ بنانیوالا ضرور چاہیئے۔ تو اب کون ہے کہ ہمین پوری
پوری تسلی دے کہ اس قیاس مین کچھ دھوکا نہین۔ اور اس سے زیادہ اگر ہم غور بھی کرین
تو کیا کرین اگر عقل سے ہی پورا پورا کام نکلتا ہے تو پھر کیون عقل ہمین راستے مین چھوڑ کر آگے
چلنے سے انکار کرتی ہے۔ کیا مرتبہ اعلے ہماری معرفت اور خداشناسی کا یہی ہے کہ ہم صرف اتنے
پر ہی کفایت کرین۔ کہ کوئی بنانیوالا چاہیئے کیا ایسے اٹکل پچو خیال سے ہم اس خوشحالی دائمی کے
وارث ہو سکتے ہین کہ جو کامل الیقین اور کامل المعرفت لوگون کے لئے تیار کیگئی ہے۔ جس یقین کامل
کے لئے ہماری روح تڑپتی ہے اگر وہ صرف عقل سے ہم کو ملجاتا تو پھر یہ قول بھی ہمارا بجا ہوتا
کہ اب ہمین الہام کی کچھ حاجت نہین۔ ہم اپنے مطلب کو پہونچگئے۔ لیکن جب بیمار ہو کر پھر بھی
علاج کے متلاشی نہ ہون اور صحت کامل کے وسائل طلب نہ کرین تو یہ ہماری بدبختی کی نشانی ہی۔
خوب سوچ کر دیکھ لو کہ الہام کے بغیر نہ یقین کامل ممکن ہے نہ غلطی سے بچنا ممکن۔ نہ توحید
خالص پر قائم ہونا ممکن ہے۔ نہ جذبات نفسانیہ پر غالب آنا جز امکان مین داخل ہے۔ وہ
الہام ہی ہے جسکے ذریعہ سے خدا کی نسبت ہستی کی دھوم مچی ہوئی ہے اور تمام دنیا ہست
ہست کرتی اسکو پکار رہی ہے۔ وہ الہام ہی ہے جو ابتدا سے دلون مین جوش ڈالتا آیا کہ خدا
موجود ہے۔ وہ الہام ہی ہے جس سے پرستارونکو پرستش کی لذت آتی ہے اور ایماندارونکو
خدا کے وجود اور عالم آخرت پر تسلی ملتی ہے۔ وہی ہے جس سے کروڑہا عارفون نے بڑی
استقامت اور جوش محبت الٰہیہ سے اس مسافر خانہ کو چھوڑا۔ وہی ہے جس کی صداقت پر

ہزارہا شہیدون نے خون سے مہرین کر دین۔ ہان وہی ہے جس کی قوت جاذبہ سے بادشاہون نے فقر کا جامہ پہن لیا۔ بڑے بڑے مالدارون نے دولتمندی پر درویشی اختیار کر لی۔ اسی کی برکت سے لاکھون اُمّی اور ناخواندہ اور بوڑھی عورتون نے بڑے پرجوش ایمان سے کوچ کیا۔ وہی ایک کشتی ہے جسنے بارہا یہ کام کر دکھایا کہ بیشمار لوگونکو ورطہ مخلوق پرستی اور بدگمانی سے نکالکر ساحل توحید اور یقین کامل تک پہنچا دیا۔ وہی آخری دم کا یار اور نازک وقت کا مددگار ہے۔ لیکن فقط عقل کے پردہ سے جسقدر دنیا کو ضرر پہنچا وہ پوشیدہ نہین۔ کس نے افلاطون اور اسکے توابع کو خدا کی خالقیت سے منکر بنایا۔ کس نے جالینوس کو روحون کے باقی رہنے اور جزا سزا کے بارہ مین شک مین ڈالدیا۔ کس نے تمام حکیمون کو خدا کے عالم بالجزئیات ہونے سے انکاری کیا۔ کس نے بڑے بڑے فلاسفرون سے بت پرستی کرائی۔ کیا یہی عقل نہین تھی جس کے ساتھ الہام نہ تھا۔ یہ شبہ پیش کرنا کہ بہت سے لوگ الہام کے تابع ہو کر بھی مشرک بن گئے نئے نئے خدا بنا لئے درست نہین۔ کیونکہ یہ خدا کے سچے الہام کا قصور نہین بلکہ ان لوگون کا قصور ہے جنہون نے سچ کے ساتھ جھوٹ ملا دیا اور خدا پرستی پر ہوا پرستی کو اختیار کر لیا۔ پھر بھی الہام الٰہی ان کے تدارک سے غافل نہین رہا۔ اور ان کو فراموش نہین کیا۔ بلکہ جن جن باتون مین وہ حق سے دور پڑ گئے دوسرے الہام نے ان کی اصلاح کی اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل کا بگاڑ بھی نیم عاقلون کا قصور ہے نہ عقل کامل کا قصور۔ تو یہ قول صحیح نہین۔ ظاہر ہے کہ عقل اپنے اطلاق اور کلیت کے مرتبہ مین تو کوئی کارروائی نہین کر سکتی۔ کیونکہ اس مرتبہ مین وہ ایک کلی ہے۔ اور کلی کا وجود بجز وجود افراد متحقق نہین ہو سکتا۔ بلکہ کیفیت اس کی بذریعہ افراد کے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا فرد کامل کون دکھا سکتا ہے جسنے فقط عقل کا تابع ہو کر اپنے خود تراشیدہ عقائد مین غلطی نہین کی۔ الٰہیات کے بیان مین کبھی ٹھوکر نہین کھائی۔ ایسا عاقل کہان ہے جسکا یقین وجود صانع عالم اور جزا سزا وغیرہ امور معاد پر ہستے کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہو جس کی توحید مین شرک کی کوئی رگ باقی نہ رہی ہو۔ جسکے جذبات نفسانیہ پر رجوع الی اللہ غالب آگیا ہو بلکہ خود حکماء کا اقرار ہے کہ انسان مجرد عقل کے ذریعہ سے الٰہیات کے مسائل مین مرتبہ یقین کامل تک نہین پہنچ سکتا بلکہ صرف ایک مشتبہ اور مظنون رائے کا مالک ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی کا علم مشتبہ اور مظنون ہے اور مرتبہ یقین سے متنزل اور فروتر۔ تب تک غلطی کرنے سے اسکو امن حاصل نہین جیسے اندھے کو راستہ بھولنے سے۔ اور یہ خیال کرنا کہ مجرد عقل سے غلطیان تو ہو جاتی ہین۔ پر وہ مکرر سہ کرر نظر سے رفع بھی ہو جاتی ہین یہ بھی غلطی ہے کیونکہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہین کہ عقل انسانی سے امور ماورا المحسوسات مین بوجہ نقصان مرتبہ بصیرت کامل کبھی نہ کبھی اور کہین نہ کہین غلطی ہو جانا

ایک امر لازمی ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہین لیکن ہر ایک غلطی پر متنبہ ہو جانا اور اس کی اصلاح کر لینا لازمی امر نہین۔ پس ظاہر ہے کہ لازمی کا تدارک غیر لازمی سے ہمیشہ اور ہر حال مین ممکن نہین بلکہ غلطی لازمی کی اصلاح وہی شے کر سکتی ہے جس کو بمقابلہ اسکے صحت و راستی لازم ہو۔ جس مین ذٰلک الکتاب لاریب فیہ کی صفت پائی جائے +

اور یہ بات کہ کیون توحید خالص الہام الٰہی کے بغیر حاصل نہین ہو سکتی اور کیون الہام کا فکر شرک کی آلودگی سے پاک نہین ہوتا۔ خود توحید کی حقیقت پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ توحید اس بات کا نام ہے کہ خدا کی ذات اور صفات کو شرکت بالغیر سے منزہ سمجھین اور جو کام اس کی طاقت اور قوت سے ہونا چاہیئے وہ کام دوسرون کی طاقت سے انجام پذیر ہوتا روا نہ رکھین۔ اسی توحید کے چھوڑنے سے آتش پرست بت پرست وغیرہ وغیرہ مشرک کہلاتے ہین۔ کیونکہ وہ اپنے بتون اور دیوتاؤن سے ایسی ایسی مرادین مانگتے ہین جنکا عطا کرنا صرف خدا کے ہاتھ مین ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ الہام سے انکاری ہین وہ بھی بت پرستون کی طرح خدا کی صفتوں سے مخلوق کا متصف ہونا اعتقاد رکھتے ہین۔ اور اس قادر مطلق کی طاقتون کا بندون مین پایا جانا مانتے ہین۔ کیونکہ انکا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنی عقل ہی کے زور سے خدا کا پتہ لگایا ہے اور ہمین انسانوں کو ابتدا مین یہ خیال آیا تھا کہ کوئی خدا مقرر کرنا چاہیئے۔ اور ہماری ہی کوششون سے وہ گوشہ گمنامی سے باہر نکلا۔ شناخت کیا گیا۔ معبود خلایق ہوا۔ قابل پرستش ٹھہرا۔ ورنہ پہلے اسے کون جانتا تھا۔ اسکے وجود کی کسے خبر تھی۔ کیا یہ اعتقاد بت پرستونکے اعتقاد سے کچھ کم ہے؟ ہرگز نہین! اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ بت پرست لوگ اَور اَور چیزونکو اپنا منعم اور محسن قرار دیتے ہین اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنی ہی عقل کو اپنا ہادی اور محسن قرار دیتے ہین۔ بلکہ اگر غور کرین تو بت پرستون سے بھی ان کا پلہ کچھ بھاری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ بت پرست اس بات کے تو قایل ہین کہ خدا نے ہمارے دیوتاؤن کو بڑی بڑی طاقتین دے رکھی ہین اور وہ کچھ نذر نیاز لیکر اپنے پوجاریون کو مرادین دیدیا کرتے ہین لیکن ابتک انہون نے یہ رائے ظاہر نہین کی کہ خدا کا پتہ انہین دیوتاؤن نے لگایا ہے اور یہ نعمت عظمےٰ وجود حضرت باری کی انہین کے زور بازو سے معلوم ہوئی ہے مگر یہ بات منکرین الہام کو ہی سوجھی کہ انہون نے خدا کی ہستی کا کھوج اپنی عقل ہی سے لگایا۔ گویا خدا کا احسان تو ان پہ کیا ہونا تھا ایک طور پر انہین کا احسان خدا پر ہے۔ کہ اس بات کی پختہ خبر ملنے کے بغیر کہ خدا ہے اور اس امر کا یقین کامل ہونیکے بدون کہ اس کی نافرمانی سے ایسا ایسا عذاب اور اس کی فرمانبرداری سے ایسا ایسا انعام مل رہے گا۔ یونہی اس موہوم خدا کی فرمانبرداری کا طوق اپنے گلے مین ڈال لیا۔ انکے نزدیک خدا ایسا کمزور اور ضعیف تھا کہ اس سے اتنا بھی

نہ ہوسکا کہ اپنے وجود کی خبر آپ دین اور اپنے دعدون کے بارہ مین آپ کچھ تسلی بخشین۔ بلکہ وہ چھپا ہوا تھا انہون نے اس کو ظاہر کیا۔ وہ گمنام تھا انہون نے شہرت دی۔ وہ چپ تھا انہون نے اسکا کام آپ کیا گویا وہ تھوڑی ہی مدت سے اپنی خدائی مین مشہور ہوا ہے اور وہ بھی ان کی کوششون سے۔ ہر ایک عاقل جانتا ہے کہ یہ قول بت پرستون سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ بت پرست لوگ اپنے دیوتاؤن کو صرف اپنی نسبت منعم اور محسن قرار دیتے ہین۔ لیکن منکرین الہام کے نزدیک ان کی دیوی کا کہ عقل ہے نہ فقط لوگون پر بلکہ خدا پر بھی احسان ہے۔ جیسے کہ ظاہر ہے بقول ان کے خدا نے شہرت پائی اسصورت مین نہایت روشن ہے کہ الہام کے انکاری ہونے سے صرف ان مین یہی فساد نہین کہ خدا کے وجود پر مشتبہ اور مظنون طور پر ایمان لاتے ہین اور طرح طرح کی غلطیون مین مبتلا ہین بلکہ یہ فساد بھی ہے کہ توحید کامل سے بھی محروم اور بے نصیب ہین اور شرک سے آلودہ ہین۔ کیونکہ شرک اور کیا ہوتا ہے یہی تو شرک ہے کہ خدا کے احسانات اور انعامات کو دوسرے کیطرف سمجھا جاوے *

اس جگہ شاید برہمو سماج والے اور ایسے ہم عقیدہ یہ جواب دین کہ ہم اپنی عقل کو بھی خدا کیطرف سے سمجھتے ہین۔ اور اسکے تفضل واحسان کے قایل ہین۔ لیکن یاد رہے کہ یہ جواب ان کا دھوکا ہے انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جس چیز پر اپنے نفس کو قادر سمجھتا ہے یا جس بات کو اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے اسکو اپنے ہی نفس کیطرف منسوب کرتا ہے۔ دنیا مین جس قدر حقوق پیدا ہوتے ہین صرف اسی خیال سے پیدا ہوتے ہین کہ ہر ایک شخص جس چیز کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اسکو اپنی ملک اور اپنا مال سمجھتا ہے صاحب خانہ اگر یہ سمجھے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ خدا کا ہے اس مین میرا حق نہین ہے تو پھر چور کو کیون پکڑے۔ اپنے مقروضون سے قرض کا مطالبہ کیون کرے۔ بلاشبہ انسان جو کچھ اپنی قوتون سے کرتا ہے اس کو اپنی ہی طرف نسبت دیتا ہے۔ خدا نے بھی دنیا کے انتظام کے لئے یہی قانون قدرت رکھا ہے اسی پر ہر ایک فطرت مایل ہے۔ مزدور مزدوری کرکے اجرت پانیکا دعوے کرتا ہے نوکر نوکری بجا لا کر اپنی تنخواہ مانگتا ہے۔ ایک کا دخل بھی دوسرے کے حق پر جرم ٹھہرا دیتا ہے غرض یہ بات ہرگز ممکن نہین کہ مثلاً کوئی شخص تمام رات جاگ کر ایک ایک... مجھ کو اپنی آنکھ سے تکا کر جنگل مین بھو کا پیاسا رہکر شدت سردی کی تکلیف اٹھا کر اپنے کھیت مین آبپاشی کرے اور صبح خدا کا شکر ایسا ہی بجا لاوے جیسا اس حالت مین بجا لاتا کہ وہ ساری رات گھر مین آرام سے سویا رہتا۔ علی الصباح کھیت

مین جاکر اسے معلوم ہوتا کہ رات بادل آیا اور خوب بارش ہوکر جس قدر ضرورت تھی اسکے کھیت کو بھر دیا۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص اس بات کا قایل نہین کہ خدا نے انسان کو عاجز و کمزور اور ناقص اور بے علم اور مغلوب النفس دیکھکر اور سہو و نسیان مین مبتلا پاکر اس پر آپ رحمت کرکے الہام کے ذریعے سے سیدھا راستہ دکھلایا ہے بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے آپ ہی محنت اور جانفشانی سے سارا کام خدا کے پتہ لگانے اور اسکے پہچاننے کا کیا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا کی شکرگذاری مین اس شخص کے برابر نہین ہو سکتا جو یقین دلی سے اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے سراسر لطف و احسان سے میری کسی محنت اور کوشش کے بغیر مجھکو اپنی کلام سے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے۔ مین سویا ہوا تھا خدا نے ہی مجھے جگایا۔ مین مرا ہوا تھا خدا نے ہی مجھے جلایا۔ مین نالایق تھا۔ خدا نے ہی میری دستگیری کی۔ پس اس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ منکرین الہام کامل توحید سے بے نصیب ہین۔ ہرگز ممکن نہین کہ ان کی روح مین سے سچے ایمانداروں کی طرح یہ آواز نکل سکے الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ۔ سب تعریفین خدا کو ہین جسنے جنت کیطرف ہم کو آپ رہبری کی اور ہم کیا چیز تھے کہ خود بخود منزل مقصود تک پہونچ جاتے۔ اگر خدا رہبری نہ کرتا۔ ان لوگون نے خدا تعالے کی قدرشناسی خوب کی کہ جو صفتین اس کی طرف منسوب کرنی واجب تھین وہ اپنی عقل کیطرف منسوب کر دین اور جو جلال اس کا ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ وہ اپنے نفس کا ظاہر کیا۔ اور جو جو طاقتین اس کے لئے خاص تھین ان سب کے آپ مالک بنگئے۔ انکے حق مین خداوند کریم نے سچ فرمایا ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اذ قالوا ما انزل اللہ علے بشر من شئے۔ یعنے الہام کے منکرون نے اللہ تعالے کی ذات بابرکات کا کچھ قدر شناخت نہین کیا۔ اور اس کی رحمت کو جو بندون کی ہر ایک حاجت کیوقت جوش مارتی ہے نہین پہچانا۔ تب ہی انہون نے کہا خدا نے کوئی کتاب کسی بشر پر نازل نہین کی۔

مین جداً و قطعاً کہتا ہون کہ الہام کے بغیر مجرد عقل کی پیروی مین صرف ایک نقصان نہین بلکہ یہ وہ آفت ہے کہ کئی آفات اس سے پیدا ہوتے ہین۔ خداوند کریم نے جیسا ہر ایک چیز کا جوڑ باندھ دیا ہے ایسا ہی الہام اور عقل کا باہم جوڑ کیا ہے اس حکیم مطلق کا عام طور پہ یہی قانون قدرت پایا جاتا ہے کہ جب تک ایک چیز اپنے جوڑ سے الگ ہے تب تک اسکے جوہر چھپے رہتے ہین بلکہ اکثر اوقات نفع کی جگہ ضرر ہوتا ہے ایسا ہی عقل کا حال ہے کہ علم دین مین اسکے نیک آثار تب مرتب ہوتے ہین جب اس کا جوڑ یعنے الہام اسکے ساتھ شامل ہو جاوے اس اکیلی عقل کے ذریعہ سے کونسی ایسی دینی صداقتین پیدا ہوئی ہین جو پہلے سے قرآن شریف مین موجود نہین۔ اگر مجرد عقل سے ایسے حقایق عالیہ نکلتے جنکا قرآن شریف مین کچھ

ذکر نہ ہوتا تب بھی ایک بات تھی۔ اور اس صورت مین کہا جا سکتا تھا کہ عقل کے ذریعے ایسی صداقتین نکلی ہین جو الہامی کتابون مین موجود نہین۔ اور اس بات سے دھوکا نہ لگے کہ عقل ایک عمدہ چیز ہے۔ ہم ہر ایک تحقیق عقل ہی کے ذریعے سے کرتے ہین۔ بلا شبہ عقل عمدہ چیز ہے لیکن اسکا جوہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب وہ اپنے جوڑ کے ساتھ ظاہر ہو۔ ورنہ وہ دھوکا دینے مین دشمنون سے بدتر ہے۔ خوب سوچ بن جوڑ کسی بات کی بھی گت نہین۔ خدا نے جوڑ بھی ایک عجیب چیز بنا دی ہے۔ جہان دیکھو جوڑ ہی سے کام نکلتا ہے۔ ہم تم سب آنکھون ہی سے دیکھتے ہین پر آفتاب کی بھی ضرورت ہے۔ کانون ہی سے سنتے ہین پر ہوا کی بھی حاجت ہے۔ جس زراعت کو پانی چھو بھی نہین گیا اس کو کیونکر پھل لگے گا۔ یہ باتین ایسی نہین کہ تمہاری سمجھ سے دور ہون یہ وہی قانون قدرت ہے۔ جس پر عمل کرنے کا تمکو دعوے ہے +

اگر یہ کہا جائے کہ اگر مجرد عقل کے ذریعہ سے معرفت تام و یقین کامل میسر نہ ہو تب بھی کسی قدر معرفت تو حاصل ہوتی ہے اور وہی نجات کے لئے کافی ہے تو یہ بھی ٹھیک نہین۔ ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ کسی دغدغہ کے بغیر خاتمہ نیک ہو جانا یقین کامل پر موقوف ہے اور یقین کامل خدا کی وحی کے بدون حاصل نہین ہو سکتا۔ ایسا ہی غلطیون سے بچے رہنا بجز معرفت کامل ممکن نہین۔ اور معرفت کامل بھی الہام کامل کے بغیر غیر ممکن ہے۔ پھر مجرد عقل ناقص کیونکر نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ طریقہ خدا شناسی جس کو برہمو سماج والون کی عقل عجیب نے بہ تبعیت بعض یورپ کے فلاسفرون کے پسند کیا ہے۔ ایسا خراب اور تردد انگیز ہے کہ اس سے کوئی معرفت کا مرتبہ حاصل ہونا تو کیا امید کیجائے۔ خود وہ انسان کو طرح طرح کے شکوک و شبہات مین ڈالتا ہے کیونکہ انہون نے خداوند تعالے کو ایک ایسا پتلا بیجان فرض کر لیا ہے جس سے ساری عزت اور بزرگی اس کی دور ہوتی ہے اس سے ماننا پڑتا ہے کہ اول اول جب بنی آدم پیدا ہوئے محض بے عقل اور وحشیون کی طرح تھے خدا نے اپنے وجود سے کسی کو خبر نہین دی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ لوگونکو آپ ہی خیال آیا کہ کوئی معبود مقرر کرین۔ اول پہاڑ اور درخت اور دریا وغیرہ کو جو آس پاس اور ارد گرد کی چیزین تھین اپنا خدا ٹھہرایا۔ اور پھر کچھ ذرا اوپر چڑھے تو ہوا طوفان وغیرہ کو قادر مطلق خیال کیا۔ پھر اور بھی آگے قدم بڑھا کر سورج چاند ستارونکو اپنا رب سمجھ بیٹھے اسی طرح آہستہ آہستہ غور کرتے کرتے خدا تعالی کیطرف رجوع لے آئے۔ اب اس تقریر سے خدا تعالے کی ہستی پر کسقدر شک پڑتا ہے اور اسکے حی و قیوم اور مدبر بالارادہ ہونے کی نسبت کیا کیا بدگمانیان پیدا ہوتی ہین کہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے اپنے وجود کی آپ اطلاع

نہین دی جیسا کہ ایک ذات موجود عالم الغیب اور قادر مطلق کا خاصہ ہونا چاہئیے بلکہ یہ سارا منصوبہ انسان ہی کا ... ہے - اسی کے دلمین خود بخود بیٹھے بٹھائے یہ بات گدگدائی کہ خدا مقرر کرین چنانچہ اس نے کبھی پانی کو خدا بنایا - کبھی درختونکو - کبھی پتھرونکو - آخر آپ ہی دلمین یہ خیال جمالیا کہ یہ چیزین خدا نہین ہین - خدا کوئی اور ہوگا جو ہمین نظر نہین آتا - کیا یہ اعتقاد انسان کو اس وہم مین نہین ڈالیگا ؟ کہ اگر واقعی طور پر اس خدائے مفروض کا کچھ وجود بھی ہوتا تو وہ کبھی تو ان لوگون کی طرح جو زندہ اور موجود ہوتے ہین اپنے وجود سے اطلاع دیتا - بالخصوص جب اس خیال کا پابند دیکھے گا کہ خدا تعالے کو ادھورا اور ناقص یا گونگا تجویز کرنا ٹھیک نہین بیٹھتا - بلکہ جیسے اسکے لئے دیکھنا - سننا - جاننا وغیرہ صفات کاملہ ضروری ہین - ایسا ہی اس مین قدرت تکلم بھی پائی جانی ضروری معلوم ہوتی ہے تو پھر اس حیرت مین پڑے گا کہ اگر کلام کرنے کی قدرت بھی اسمین پائی جاتی ہے تو اسکا ثبوت کہان ہے - اور اگر نہین پائی جاتی تو پھر وہ کامل کیونکر ہوا - اور اگر کامل نہین تو پھر خدا بننے کے کیونکر لایق ٹھہرا - اور اگر اسکا یہہ گونگا ہونا جائز ہے تو پھر کیا وجہ کہ بہرا ہونا یا اندھا ہونا جائز نہین - پس وہ ان شبہات سے صرف الہام پر ایمان لاکر نجات پائیگا - ورنہ جیسے ہزارہا فلاسفر دہریہ پن کے گڑھے مین گر کر مر گئے ایسا ہی وہ بھی گر کر مریگا - اب ہر ایک منصف آپ ہی انصاف کرے کہ کیا یہ اعتقاد خدا سے انکار کرانے کی بیڑی جمانیوالا ہے یا نہین - کیا جس شخص کی نظر مین خدا ایسا کمزور ہے کہ اگر منطقی لوگ پیدا نہ ہوتے تو وہ ہاتھ ہی سے گیا تھا اسکے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے - نادان لوگ نہین سمجھتے کہ خدا تو اپنی تمام صفتونکے ساتھ بندونکا پرورندہ ہے - نہ بعض صفتونکے ساتھ - پھر کیونکر ممکن ہے کہ بعض صفات کاملہ اسکے بندونکے کسی کام نہ آوین - کیا اس سے زیادہ تر کوئی اور کفر ہوگا کہ یہ کہا جاوے کہ وہ پورا رب العالمین نہین ہے بلکہ آدھا یا تیسرا حصہ ہے +

(باقی آیندہ)

مذہب عیسوی مین تزلزل

عیسائی عقائد کی ترمیم کے سوال پر عرصہ سے عیسائی دنیا توجہ کر رہی ہے اور مذہب عیسوی کے بڑے بڑے حامیون کو اس کی فکر لگی ہوئی ہے - کثرت رائے اسی طرف ہے کہ عیسائی عقائد مین تبدیلی ہونی چاہئیے اگرچہ اسقدر اخلاقی جرائت ابھی کم پائی جاتی ہے

کہ مردانہ ہمت سے پرانے عقائد کے پھٹے ہوئے کپڑون کو اتار کر بلا خوف لومۃ لائم پھینک دیا جاوے اور برعکس اس کے ابھی تک وہ لوگ بھی پادریون مین موجود ہین جن کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ خواہ انکے باپ دادونکے عقاید کیسے ہی لغو اور بھدے ثابت کر کے کیون نہ دکھائے جاوین وہ انہی پر جمے رہین گے۔ عیسائی عقائد مین یہ تنزلزل جو ان کی تباہی کی یقینی علامت ہے۔ صرف عیسائی ممالک سے ہی مختص نہین بلکہ ہمارے ملک ہندوستان مین بھی اب کھلے طور پر اس مضمون پر بحث ہو رہی ہے اور بعض صاف گو عیسائی صریحًا اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہین کہ پرانے عقاید مین بڑی بھاری ترمیم ہونی چاہئیے ہم وقتاً فوقتاً ایسے مباحثات کی کیفیت اس رسالے مین ہدیہ ناظرین کرتے رہے ہین اور اسکے نتائج سے بھی ان کو مطلع کرتے رہے ہین کہ کیونکر پرانے عقاید بتدریج مٹتے جاتے اور ان کی بجائے نوساختہ عقاید داخل ہوتے جاتے ہین اور اس طرح پر عیسائی مذہب مین ایک انقلاب عظیم واقع ہو رہا ہے۔ ایک نئی روک جو عیسائی مذہب کی ترقی مین اس وقت پیش آئی ہے یہ ہے کہ باوجود ہر طرح کے حیلون اور کروڑون روپیہ کے خرچ کے عیسائی مذہب کوئی معتد بہ ترقی کرتا نظر نہین آتا ہے بلکہ بمقابلہ ا[illegible]سی کوششونکے دن بدن ناکامی کی تصویر زیادہ نمایان ہوتی جاتی ہے اور جو کوئی نئے بپتسمہ پانے والے ہوتے بھی ہین وہ عمومًا اس ملک کے باشندون کے ادنےترین طبقات مین سے ہوتے ہین کچھ مدت تک تو پادری صاحبان یہ کہکر اہل ملک کو خوش رکھتے رہے کہ ان کی کوششین یکمرتبہ ہی بارآور ہو کر عیسائی مذہب عالم گیر مذہب ہو جائے گا مگر آخر کار یہ راز طشت از بام ہو گیا ہے۔ اور اب حامیان مذہب عیسوی ان اسباب کی تلاش مین ہمہ تن مصروف ہین جو اس کی اس عدم قبولیت کے وجوہ قرار دئے جا سکتے ہین۔ گذشتہ اشاعت مین بھی ہم نے بعض ایسے پیش کردہ اسباب پر بحث کر کے یہ دکھایا تھا کہ اصلی اور حقیقی سبب عیسائی مذہب کی عدم قبولیت کا وہی ہے جو خود عیسائی ممالک مین اس کے زوال کا باعث ہو رہا ہے یعنے خود عیسائی عقائد کی کمزوری اور بودا پن۔ عملی طور پر اسی رائے کی تائید پادری پی لوکاس صاحب کا وہ لیکچر کرتا ہے جو انہون نے بمقام ڈائیکنال ایس۔ آئی۔ ایم۔ اے کانفرنس کے موقعہ پر اس مضمون پر دیا ہے کہ کیونکر مغربی عیسائیت ہندوستان کے مناسب حال کی جا سکتی ہے۔ پادری صاحب نے ایسے صاف الفاظ مین جس سے زیادہ صاف الفاظ کی ایک پادری سے امید نہین ہو سکتی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ جس صورت مین مذہب عیسوی مغربی ممالک مین رائج ہے وہ ہندوستان کے ہرگز مناسب حال نہین چنانچہ لیکچرار کہتا ہے ہندوستان کو ہمارے مغربی

مسایل کی ضرورت نہین ہے بلکہ ان مشرقی واقعات کی ضرورت ہے جن کی بنیاد پر ہم نے
مسایل بنائے ہین۔ مین خوب جانتا ہون کہ مسایل مین اور ان واقعات مین جن کی بنیاد
پر وہ مسایل تراشے گئے ہین۔ تفریق کرنا اور پھر ساتھ ہی انجیل کا واعظ بھی رہنا ایک
سخت مشکل امر ہے"۔ اور پھر آگے چلکر یون بیان کرتا ہے "وہ چیز جو انسان کی گناہ کے
بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو آرام اور تسکین دینے والی ہے وہ نہ تو ہمارے دقیق
اور بڑی محنت سے تیار کئے ہوئے کفارے کے مسایل ہین اور نہ ہماری بڑی
احتیاط سے گھڑی ہوئی نجات کی تجاویز ہین بلکہ وہ خدا کی محبت ہے جو مسیح کے مرتے
ہوئے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے جب...... تشکیل مین مسایل ہمارے پاس موجود ہین
ہمین یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عیسائی مذہب کے واقعات ان مسایل کی نسبت جو انہین
کی بنیاد پر بنائے گئے ہین بہت زیادہ ضروری ہین۔ اور اس لئے ہمین کھلے دل سے
تیار ہونا چاہیئے کہ ہندؤون کو ہم اس معاملہ مین پوری پوری آزادی دین کہ وہ اپنے
لیئے خود مسایل تجویز کرین اور اپنا علم الہی خود ہی بنا لین"

ان عبارتون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ اور عیسائی مذہب کے مطابق
نجات کا مسئلہ محض انسانون کے تجویز کردہ مسایل ہین جن کو گو مغربی دنیا نے ایک مدت
تک قبول کر رکھا تھا۔ لیکن اگر عیسائی مذہب ہندوستان مین رایج ہو سکتا ہے تو ان
مسایل کو جو عیسائیت کے شہتیر سمجھے جاتے ہین خیرباد کہکر ان کی بجائے کوئی اور
مسایل قایم کرنے پڑینگے گویا مذہب عیسائی کی بنیادون کو جڑ سے اُکھاڑ کر اور اسکو
ان تمام مسایل سے الگ کر کے جو اسکے اصل اصول اور شہتیر سمجھے جاتے ہین یعنے
کفارہ اور نجات ~~پھر بھی عیسائی مذہب ویسے کا ویسا ہی قائم رہ سکتا ہے~~۔ اس سے
بڑھکر حیرت مین ڈالنے والا امر انسان کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن پادری لوکا ہمین
یقین دلاتا ہے کہ عیسائیت باوجود اس بربادی کے پھر بھی عیسائیت ہے اور اپنے اس قول
کو ہی اس دعوے کے لئے کافی دلیل سمجھتا ہے۔

عیسائی عقائد پر یہ بے اطمینانی کی حالت کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہین بلکہ
تمام عیسائی دنیا مین ایک کھلبلی مچ رہی ہے اور ایک عام شور اٹھا ہوا ہے۔ مغربی
دنیا مین یہ نئے عقائد کھلے طور پر ممبرون پر چڑھ کر بیان کئے جاتے ہین اور مشرق مین
جہان انجیل کے واعظ عیسائیت کی منادی کے لئے بھیجے جاتے ہین خود ان واعظون
کو کھلے طور پر یہ کہدینے مین کچھ تامل نہین ہے کہ مشرق اپنے لئے عیسائیت کی ایک نئی

صورت قائم کر سکتا ہے جس کا مغربی عیسائیت کے ساتھ سوائے نام کے اور کچھ اشتراک نہ ہو نہیں
بلکہ اس امر کی کھلے لفظوں مین ترغیب دیجاتی ہے کہ عیسائی عقاید کو رد کر کے عیسائی نام کو قبول
کر لیا جاوے ہم اس بات پر اعتراض نہین کرتے کہ کیون گرگٹ کی طرح عیسائی مذہب رنگ بدل
رہا ہے کیونکہ جب عقائد کے ایک خاص مجموعہ پر جنکو حضرت عیسے سے کچھ تعلق نہین اس نام کا اطلاق
ہو سکتا ہے تو کسی اور مجموعہ عقاید پر بھی ایسا اطلاق ناجایز نہین۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر ہم
اس کی سخت ضرورت کو تسلیم کرتے ہین جو مختلف ممالک اور مختلف زمانون مین اپنے اصول کو تبدیل
کرنیکے لئے اسے پیش آتی ہے کیونکہ جیساکہ عیسائی خود تسلیم کر چکے ہین اسکے اصول کا بڑا اور اصلی
حصہ جسکو ساری عمارت کی بنیاد کہنا چاہیئے ایک روحانیت سے بے بہرہ اور روحانی طور پر
تاریک زمانے کے انسانی خیالات۔ انسانی ذہانت اور انسانی تجربہ کا نتیجہ ہے۔ جیساکہ پادری
لوکاس بھی کہتا ہے "ہماری مغربی عیسائیت کیسی نادار اور حقیر ہوتی اگر اسکی زندگی اور
خیال کے صحیح ترجمہ کیلئے روم۔ اور یونان اور جرمنی کے علوم کے سر چشمونسے مالامال کر دینے والی
مدد نہ ملتی۔ اس مضمون پر کسی طویل بحث کی ضرورت نہین کیونکہ ہر ایک تاریخدان اس امر
سے بخوبی واقف ہے۔ مین صرف اسکو اس امر واقع کے زیادہ موکد کرنیکے لئے بیان کرتا ہون کہ ہماری
مغربی عیسائیت مذہب عیسوی کی ایک خاص صورت ہے جس نے اپنا موجودہ رنگ اور شکل
اپنے گرد و نواح کے حالات سے حاصل کئے ہین اور نیز اس امر پر زور دینے کیلئے بھی بیان
کرتا ہون کہ جو کچھ مغرب مین واقع ہوا ہے اسی کے مشرق مین واقع ہونیکے بھی امید رکھنی چاہیئے"
اور پھر کہتا ہے "مسیح کی ذات ایک چیز ہے اور ہمارا اسکے متعلق ناقص اور ادھورا بیان الگ شئے
ہے۔۔۔۔ جب ہم اسکے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے سلسلون مین ایک جگہ تجویز کر چکتے ہین اور اسکی
زندگی اور افعال کو اپنے خام تعلیمون مین بیان کر چکتے ہین تو کتنی جلدی ہمین پتہ لگ جاتا ہے۔
کہ ہمارے عقاید کے سلسلے قبرین ہین اور ہماری تعلیمین کفن کے سڑے ہوئے کپڑے جب ایک
نیئے دن کی روشنی پھوٹتی ہے تو یہ ہمارے پاس ان لوگون کی خبر پہونچاتی ہے جنہون نے سویرے
سویرے ہی جاکر اس قبر کو دیکھا ہے کہ خداوند تو وہان نہین (یعنی ان ہمارے عقائد کی قبر مین خدا
کا پتہ نہین ملسکتا۔) اور ہمارے عقاید کے سلسلون کی اصلی محرومیت اور ہمارا عقاید کے پھٹے ہوئے
کپڑونکو احتیاط سے الگ کر دینا اس اطلاع کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ مین اس بات
پر زور دے رہا ہون کہ ہمارا کام صرف مسیح کا وعظ کرنا اور مسیح مصلوب کو پیش کرنا ہو اس سے آگے
ہم کچھ نہین کہتے بلکہ خود ہندوستان پر ہی چھوڑتے ہین کہ جس قسم کا علم الہی وہ ان واقعات کی بنا پر
بنانا چاہے بنائے"۔ پادری لوکاس کی تقریر کے اس حصہ سے جو اوپر نقل کیا گیا ہو صاف پایا جاتا ہو کہ عیسائی

مذہب کے وہ تمام اہم اور بنیادی عقاید جیسے تثلیث۔کفارہ۔دوبارہ جی اٹھنا۔آسمان پر چڑھنا وغیرہ جو اب تک عیسائی مذہب کا مغز اور اسکے بنیادی پتھر سمجھے جاتے تھے وہ سب کے سب انسانونکے تجویز کردہ مسایل ہین جنکے بنانے مین یونانی اور رومی فلسفہ سے بڑی بھاری مدد لیگئی ہے اور اسلیئے ایک آدمی جو ان تمام عقاید کو انسانی بدعات سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور صرف اسقدر تسلیم کرتا ہے کہ مسیح تھا اور وہ مصلوب ہوا نہ صرف عیسائی کہلا سکتا ہے بلکہ اس عیسائی سے بدرجہا بہتر ہے جو عیسائیت کو ان عقاید کے تسلیم کرنیکے ساتھ محدود کرتا ہے۔یہ تمام عقاید خدا کیطرف سے نہین اور نہ ہی ہمیشہ کیلئے قایم رہ سکتے ہین۔جو چیز انسان کی بناوٹ ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات کے بدلنے کے ساتھ بدلے یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے اور عیسائیت کی بعینہ یہی حالت ہے۔

پس جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے ہمارا اعتراض اس وقت ان تبدیلیون پر نہین خواہ وہ کیسا ہی انقلاب عظیم پیدا کرنے والی ہون۔جو عیسائیت مین ہو رہی ہین کیونکہ زمانہ چاہتا ہے کہ عیسائیت کے یہ اصول قایم نہ رہین۔اعتراض یہ ہے کہ باوجود ان عظیم انقلابات اور تغیرات کے جو آئے دن اس مذہب مین ہوتے ہین اسے خدا کی طرف سے کہنا اور الٰہی سرچشمہ سے نکلا ہوا قرار دینا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔اسکے عقاید انسانی خیالات کے سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہین اور اسلیئے ان خیالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عقاید مین تبدیلی ہونی لازمی ہے اور یہی حال عیسائیت کا ہو رہا ہے۔عیسائی مذہب اس مفہوم کے لحاظ سے جو اب تک اس سے سمجھا جاتا رہا ہے۔یعنی چند عقاید کا مجموعہ جو مسیح کے نام پر بنائے گئے ہین۔اور جن مین سب سے بڑے عقاید تثلیث اور کفارہ ہین عیسائی مذہب کی غذا جس سے اسکا تنہ اور شاخین پرورش پاتی رہی ہین یونانی اور رومی فلسفہ رہا ہے اور جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے انہین ذرایع سے حاصل کیا ہے ان انسانی ذرایع سے سب سے پہلے پولوس نے فایدہ اٹھایا تاکہ یہودیوں کے ایک خاص فرقہ (یعنی عیسائیت) کے عقاید کو رومی لوگون کی ضرورتون کے مطابق کیا جاوے اور ایسا وسیع کیا جاوے کہ یہود کے سوا اور لوگ بھی اس مین داخل ہو سکین۔اس تجویز مین جو عیسائی مذہب کے اصل عقاید کو جڑ سے اکھیڑنے والی تھی۔مسیح کے حواریون نے پولوس کی سخت مخالفت کی اسجگہ یہ امر بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ وہ عیسائیت جس کی مسیح تعلیم دیتا تھا۔بلکہ اسے یہودیت ہی کہنا چاہئیے۔کیونکہ یسوع نے جس فرقہ کی بنیاد رکھی تھی وہ اصولاً یہودی مذہب کی ایک شاخ تھا اور کبھی الگ مذہب کی حیثیت مین نہین مانا گیا تھا بلکہ ہمیشہ یہودیون کا ایک فرقہ مثل دوسرے فرقونکے سمجھا گیا۔اصلی عیسائی مذہب کی یہی تعلیم تھی کہ اسکے پیرو حضرت موسے کی شریعت کی

پورے طور پر تابعداری اختیار کرین۔ صرف مسیح کے اقوال ہی اس امر کے مؤید نہین ہین جہان وہ کہتا ہے کہ وہ شریعت کو منسوخ کرنے نہین بلکہ پورا کرنے آیا ہے اور کہ ایک شوشہ بھی شریعت کا ٹل نہین سکتا۔ بلکہ خود حضرت مسیح اور اس کے حواریون کے عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ تمام حواری شریعت کی پیروی مین بہت محتاط تھے۔ اور شریعت کے ہرایک حکم اور ہرایک قانون کو قابل عمل سمجھتے تھے۔ اور یہی تعلیم کہ شریعت کے احکام کو پورا کیا جاوے وہ ان لوگون کو دیتے تھے جو اس فرقہ مین داخل ہوتے۔ وہ یروشلم مین ہی بند رہے۔ کیونکہ یہودیون کی تمام کارروائیون کا یہی مرکز تھا۔ اور اسی جگہ اپنے فرقہ کی تعلیم صرف یہودیون کو دیتے رہے کیونکہ اپنے اوستاد کی طرح نہین جانتے تھے۔ کہ بچون کی روٹی کتون کے آگے ڈالی جاوے۔ وہ صحیح معنون مین اسرائیلی تھے۔ اور ان کی تمام امیدین اسی ایک امر پر موقوف تھین کہ یہودی مذہب آخرکار ان تمام موعود فتوحات کو اس مسیح کے ذریعہ سے جسے انہون نے سچا تسلیم کر لیا تھا حاصل کریگا اور اس لئے ان کی تمام کوششین اسی ایک غرض کے حاصل کرنے کے لئے تھین۔ درحقیقت یہودیت کے انجام کار غالب ہونے پر انہین اس قدر پختہ یقین تھا کہ مسیح کو قبول کرنا بھی اسی ایک غرض سے تھا کیونکہ ان کو یہی یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کے آنے سے یہودی مذہب کل دنیا پر غالب آئیگا اور یہ ان کی زندگی کی بڑی آرزو اور ان کی بڑی بڑی امیدون کے لئے جولانگاہ تھا۔ ان حالات کے ماتحت اور جبتک کہ عیسائی مذہب یہودیون کے دائرہ سے نکلکر کوئی فتوحات حاصل کرتا ممکن معلوم ہوتا تھا۔ ایک انسان اٹھا جو حواریون مین سے تھا مگر اس نے ظاہر یہ کیا کہ گویا وہ مسیح کی طرف سے بذریعہ ایک مکاشفہ کے حواری مقرر کیا گیا ہے اس کی بلند ہمت اور محنت پسند طبیعت عیسائیت کی اس تدریجی ترقی سے جو یہودیون کے درمیان اسے حاصل ہو رہی تھی خوش نہ ہو سکتی تھی اور اسکے ذہین دماغ کو وہ بات سوجھی جو مسیح کو بھی نہ سوجھی تھی یعنی یہ کہ غیر یہودی اقوام کو عیسائی مذہب مین داخل کیا جاوے اسی ذہین اور رسا طبیعت سے اسنے یہ بھی دیکھ لیا کہ غیر یہودی اقوام کے اندر عیسائیت صرف اسی صورت مین مفید ہو سکتی ہے کہ ان اصولون مین جنکی تعلیم مسیح نے دی تھی اور جنپر اسکے حواری قائم تھے ترمیم و تنسیخ کیا جاوے یہ دیکھکر کہ شریعت موسوی کے احکام و قوانین پر غیر یہودی اقوام عمل نہین کر سکتے تھے۔ اور یہ خیال کرکے کہ میری غرض نیک ہے اور خواہ وہ کسی ذریعہ سے پوری ہو سکے پوری کرنی چاہئے (یہ موقعہ نہین کہ ہم اس کی نیک نیتی پر کوئی اعتراض کرین اس نے

ایک ایسے عیسائی مذہب کی تعلیم دینی شروع کی جو کبھی حضرت مسیح کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا یعنی شریعت اور اس کے تمام احکام اور پابندیوں کو منسوخ کر کے عیسائیت کی کایا پلٹ دی اور شریعت کے جا بجا ایسے عقائد تجویز کئے جو اُس کے اپنی ذہین طبیعت کی ایجاد تھے اور جو رومی اور یونانی فلسفہ کے مطابق تھے۔ عیسائیت کے اصل عقائد اور بنیادی اصول پر یہ تباہی افگن حملہ حضرت مسیح کے حواری خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ بہت ڈر گئے اور یروشلم سے چند ایلچی پولوس کے پاس بھیجے جنہوں نے جاتے ہی عیسائیت کے نومریدوں کو یہ سمجھایا کہ عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تمام احکام کی پیروی کی جاوے اور بغیر شریعت پڑھنے کے نجات کا ملنا محال تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے حواریوں اور پولوس میں اس امر کے متعلق سخت فساد ہو گیا اور ایک پُر جوش مباحثہ شروع ہوا۔ حواریوں نے اس بات سے انکار کیا کہ پولوس کو اپنے آپ کو حواری کہنے کا کوئی حق ہے یا یہ کہ وہ عیسائی مذہب کے اصولی عقائد میں کوئی ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے۔ پولوس کا بالمقابل یہ جواب تھا کہ مسیحؑ نے خود اُسے حواری مقرر کیا ہے اور غیر یہودی اقوام کو وعظ کرنے کا اور اُنہیں عیسوی مذہب میں داخل کرنے کا اُسے حکم دیا ہے۔ اس وقت تک پولوس بڑی بھاری کامیابی حاصل کر چکا تھا اور حواریوں نے سمجھ لیا کہ اُس کی ترقی کو روکنا قریباً ناممکن ہے برعکس اس کے اس فرقہ کی ترقی یہودیوں کے درمیان بہت ہی کم تھی اور مرور زمانہ سے مسیح کے متعلق اُن کی رہی سہی امیدیں بھی کہ میں جلدی واپس آؤں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا اور بنی اسرائیل کے باراں تخت قائم کروں گا۔ بالکل ٹوٹ گئیں اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یسوع کے ذریعہ یہودیوں کا کامیاب ہونا ناممکن تھا اس لئے وہ اس کو مسیح بھی نہ مان سکتے تھے۔ آخر کار دونوں فریق نے اس شرط پر صلح کر لی کہ پولوس صرف غیر یہودی اقوام کا رسول رہے اور موسوی شریعت کے احکام کے وہ مکلف نہ ہوں اور دوسرے حواری یہودیوں کے رسول ہیں اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے والے ہوں۔ مگر پولوس ایسا آدمی نہ تھا جو کسی شرط سے مقید ہو سکے چنانچہ اس صلحنامہ کے بعد پھر اُس نے شریعت کی قطعی منسوخی کا اعلان کیا کیا یہودیوں کے لئے اور کیا غیر یہودیوں کے لئے اور شریعت کی بجائے یہ امر قائم کیا کہ نجات مسیح کے خون سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ عیسائی مذہب کے اصل اور بنیادی عقائد کو اس طرح پر ترک کرنے میں پولوس کو خدا کی طرف سے کوئی سند نہیں ملی تھی بلکہ اُس نے ایک ضرورت سمجھ کر اپنی ہی ذہانت سے یہ عقیدہ گھڑ لیا تا غیر یہودی اقوام کثرت سے اس نئے مذہب میں داخل ہوں اور صرف اسی غرض کے لئے اصل مذہب سے ارتداد کیا۔ آہستہ آہستہ یہ نیا مذہب جس کا

قبول کرنا نہایت آسان تھا کیونکہ ایک لفظ کے کہنے سے ہی نجات ملتی تھی دن بدن زیادہ غلبہ حاصل کرتا گیا۔ اور آخر کار اصل عقاید کا نام ونشان مٹ کر صرف یہی مذہب رہ گیا جسکو عام طور پر عیسائی مذہب کہا جاتا ہے مگر جو درحقیقت پولوسی مذہب ہے۔

پولوس کی یہ کارروائی موجودہ زمانہ کے عیسائیوں کو یہ جرأت دلاتی ہے کہ وہ بھی عیسائی مذہب کی ترقی کو رُکتا دیکھکر پولوسی عقاید کی بجائے نئے عقاید عیسائی مذہب کے قایم کریں۔ مسیح نے یہ تعلیم دی تھی کہ شریعت پر چلو اور حضرت موسیٰؑ کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے مخلص حواری اسی وصیت کے پابند رہے۔ لیکن پولوس نے دیکھا کہ ایسا مذہب کوئی بڑی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے عیسائیت کے نام کو رکھکر اس کی حقیقت کو بالکل بدل دیا اور اُن اصولوں کی بجائے جو مسیح نے سکھائے تھے یہ عقیدہ قایم کیا کہ مسیح کے خون پر ایمان لانے سے دنیا کے سب گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ بظاہر اس تدبیر سے بہت فایدہ حاصل ہوا لیکن درحقیقت یہ انسان کے لئے بڑے بڑے نقصان اور ضرر رسانی کا باعث ہوئی ہے۔ کئی صدیوں تک عیسائی دنیا نے اس عقیدہ پر قایم رہ کر آخر کار دیکھ لیا ہے کہ معقول پسند آدمی مسیح کے خون کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کر سکتا اور باوجود بڑی بڑی کوششوں کے اب اس مذہب کی ترقی دوسرے ممالک میں اس قدر کم ہے کہ بمقابلہ کوششوں کے اسکو نا کامی ہی کہنا چاہیئے۔ یہ تو ہوا لیکن پولوس کی روح اب بھی عیسائیوں میں باقی ہے اور عیسائی دنیا عیسائیت کا نام زندہ رکھنے کے لئے اب ایک اور تجربہ کرنے والی ہے۔ ایک نئی تجویز پیش کی جاتی ہے جس کی مختصر سی کیفیت مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہو سکتی ہے جو ایک پادری کے لکچر سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس لکچر میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس وقت عیسائی دنیا میں عام ہو رہے ہیں۔ ایک اور مثال کافی ہوگی۔ ڈاکٹر کتھبرٹ ہال جن کے لکچر تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان کے اکثر مقامات میں ہوئے تھے ہندوستان کے سفر میں جو جو نقش ان کے دل پر ہوئے اُن کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔ "اگر صرف انجیلی عیسائیت کا مغز اور روح مشرقی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاوے اور ان تمام حدود اور روکوں کو اُٹھا دیا جاوے جو مغربی مباحثا ضابطوں اور رسوم سے پیدا ہو گئی ہیں تو یقیناً خداوند کا وہ وعدہ پورا ہو جاوے گا کہ اگر میں اٹھایا جاؤں تو سب انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لوں گا"۔ وہ تمام اصول اور عقائد جو مسیح کے نام پر لوگوں میں مشہور کئے جاتے تھے مگر جو درحقیقت انسانی اختراع تھے اب اُن کی وقعت دلوں سے مٹ گئی ہے اور اب عیسائیت کا تجربہ سب سے بڑا ثبوت اس کی صداقت کا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے تو اس سے بڑھکر عیسائیت کا کوئی تجربہ نہیں دیکھا کہ عیسائی عقیدہ انسانوں کی مرضی پر تبدیل ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے اسکو خدائی مذہب کہا جاتا ہے۔

نام اس کا مستقل ہے حالانکہ اصل حقیقت مذہب کی بدلتی جاتی ہے اور اس لئے اسکے پیروؤں کو اختیار ہے کہ جب ضرورت پیش آوے مذہب کی صورت کو بدل لیں۔

اس امر کی تائید میں کہ عیسائی مذہب کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں ایک نیا بہروپ بدلنا چاہیئے عجیب عجیب عذر بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "چونکہ یسوع مسیح کا مذہب اپنی وضع میں ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے کامل طور پر سمجھا جانیکے لئے اسے ہر ایک قوم کی مدد کی ضرورت ہے" یا "ہندوستان میں مذہب عیسوی کی کامیابی کے یہ معنے ہیں کہ عیسائی مذہب ایک مشرقی صورت اختیار کرے۔ جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ہندو خیالات اور عمدہ سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ عیسائی مذہب کی نئی صورت پیدا کرنے والی طاقتیں ہوں"۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسانی خیالات الٰہی صداقتوں کو سانچے میں ڈھالا کرتے ہیں یا الٰہی صداقت ایسی ہونی چاہیئے کہ وہ انسانی خیالات کو ایک خاص صورت اور رنگ میں لانے کی طاقت رکھتی ہو عیسائیت کے حامی ذرا اس امر پر غور کریں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بھلا اگر الٰہی صداقت ایسی ہی کمزور اور نکمی چیز ہے کہ وہ انسانی خیالات کے تابع ہے اور اُس کے پیچھے ہو کر چلتی ہے تو ایسی صداقت کی حقیقت ہی کیا ہے یہ تو محض ایک عبث اور لغو چیز ہے اس کا نام الٰہی صداقت کیونکر ہوا کیا خدا کی طاقت اتنی ہے کہ اُسے انسانوں کے تابع ہو کر چلنا پڑتا ہے عیسائیوں کا خدا ایسا کمزور ہو تو ہو اور درحقیقت بات بھی یہی ہے کیونکہ اگر یسوع خدا ہے تو جسطرح وہ اپنی زندگی میں یہودیوں سے مغلوب رہا اسی طرح اس کی سکھائی ہوئی صداقتیں انسانی خیالات سے مغلوب ہونی چاہیئیں۔ لیکن ہمارا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے کہ جس کی طاقتوں کے مقابلہ میں انسانی طاقت ہیچ ہے اور جس کی تعلیم کی ہوئی صداقتیں جب انسان کے روح کے اندر ایکدفعہ داخل ہو جاتی ہیں تو پھر سارے انسان کو ایک نئے رنگ سے رنگین کر دیتی ہیں اُس کے سارے قویٰ اور اس کی ساری طاقتیں اور اُس کی ساری خواہشیں اس کے سارے خیالات اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مطیع ہو کر ملتی ہیں کہ گویا اس کی کوئی اپنی ہستی نہیں بلکہ وہ پورے طور پر تصرف الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں اور خیالات میں اُسی کے تابع ہو کر چلتا ہے۔ الٰہی صداقت اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے کہ اگر کل جہان بھی اس کے مقابل پر ہو تو اُسی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کی سکھائی ہوئی صداقتوں میں یہ طاقت نہ ہوتی تو اُس کو قبول کرنے سے کیا خوشی ہو سکتی تھی؟ پس اگر عیسائی مذہب میں کوئی الٰہی صداقت موجود ہے تو یہ ایک بے معنی بات ہے کہ وہ وہ صورت اختیار کرتا ہے جو انسانی خیالات اسکو دیں اور اگر واقعی یہ مذہب ایسا ہی ہے کہ جو صورت اُسے انسانی خیالات دیں

وہی صورت اختیار کر لیتا ہے اور انسانی خیالات کے ماتحت ہو کر چلتا ہے تو پھر یقیناً اس میں کوئی الٰہی صداقت نہیں۔ فلسفہ کے مختلف طریقے جو دنیا میں موجود ہیں وہ بیشک انسانی خیالات کا نتیجہ ہیں لیکن کبھی کسی سے یہ بیہودگی سرزد نہیں ہوئی کہ اُنکو انسانی خیالات کا نتیجہ مان کر پھر بھی اُنکو الٰہی چشمہ سے نکلا ہوا کہے۔ گویا عیسائی عقاید کا نظام فلسفی طریقوں کے رنگ پر ہے۔ جیسا فلسفہ انسانی خیالات اور انسانی قوئے ذہنی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی عیسائی مذہب بھی۔ جیسا فلسفہ کے مختلف طریق اختلاف زمانہ اور ملک سے بدلتے رہتے ہیں ایسا ہی عیسائیت کی مختلف صورتیں بھی انہی اسباب سے متاثر ہو کر بدلتی رہتی ہیں۔ جو عیسائی مذہب یورپ میں رائج ہے وہ ہندوستان کے لئے موزون نہیں پھر اس کو خدا کی طرف سے کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو صحیح اور اصلی معنوں میں انسانی۔ انسان کا بنایا ہوا اور انسان کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ مسیح ایک رنگ کی عیسائیت کا وعظ کرتا رہا اور اُس کے حواری اُس کے نقش قدم پر چلے۔ پولوس نے دیکھا کہ مسیح کی سکھائی ہوئی عیسائیت غیر یہودی اقوام کے لئے موزون نہیں پس اُس نے ایک اور طرح کی عیسائیت کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور اب انسانی ترقی کی ۱۸ صدیوں کے گذر جانے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ پولوس کی سکھائی ہوئی عیسائیت اس مہذب زمانہ کے موزون حال نہیں ہے۔ اور نہ ہی دوسرے ممالک مثلاً ہندوستان یا چین کے لئے موزون ہے۔ جیسا کہ پولوس نے ایک نیا عیسائی مذہب یونان اور روما کے لئے گھڑ لیا تھا ایسا ہی اب ہندوستان اور چین کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے نئے عیسائی مذہب گھڑ لیں۔ پھر اگر صورت یہی ہے جیسا کہ عیسائی صاحبان تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ عیسائیت میں خدا کا حصّہ کیا ہے۔ اگر مذہب عیسوی کا یہ سب سے پہلا مسئلہ کہ یسوع کے خون سے انسان نجات پاتا ہے عیسائی مذہب سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر باقی تمام مسائل جو اسکی شاخیں ہیں اور جن کے مجموعہ کا نام عیسائیت ہے وہ بھی ایک ایک ہو کر الگ ہو سکتے ہیں اور عیسائی مذہب ان معنوں میں جن معنوں میں یہ مذہب سمجھا جاتا رہا ہے بالکل معدوم ہو جائیگا ہاں ایک فلسفی طریقہ کی صورت پر اس کا نام باقی رہ سکتا ہے وہ بھی اُس وقت تک جب تک دو متضاد مجموعہ مسائل کے لئے وہی ایک نام قایم رکھنا پسند کیا جاوے۔ لیکن بحیثیت مذہب ہونے کے اس کی زندگی کا اسیوقت خاتمہ ہو جاتا ہے جب پرانے عقاید کو ترک کرکے اُن کی بجائے نئے عقائد بنائے جاویں۔ یہ کہنا کہ باوجود اس انقلاب عظیم کے صداقت وہی ہے اور صرف اس کی ظاہری صورتیں بدلتی ہیں اصل حقیقت کو چھپانا اور سچائی پر پردہ ڈالنا ہے۔ ہم اپنے سوال کو صاف اور سیدھی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ کہ کیا یسوع کا خون واقعی گناہوں کو دور کرنے کا اثر رکھتا ہے اور اس کا جواب بھی خواہ مثبت ہو خواہ نفی صاف الفاظ

ہیں ہونا چاہیئے اگر اس کا جواب ہاں ہے تو پھر اس عقیدہ کو الگ کر کے عیسائیت کچھ چیز نہیں ہے اور پھر ایک ہندو کے سامنے عیسائیت کا ذکر کرنا جسکو اعلیٰ درجہ کے ہندو خیالات اور سب سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ ایک نئی صورت دینے والے ہوں لغو اور مہمل بات ہے۔ اور اگر سوال کا جواب نفی میں ہے تو موجودہ عیسائیت سب سے خطرناک غلطی ہے جو کبھی دنیا میں رائج ہوئی ہو۔ جو کچھ پادری لوکاس نے بیان کیا ہے اس سے شق ثانی ہی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مذہب عیسوی کا مغز اور روح نہ تو کفارہ کی دقیق بحثیں اور نہ احتیاط سے تیار کی ہوئی نجات کی تجویزیں ہیں بلکہ یہ مسیح کے مرتے ہوئے چہرہ میں جو خدا کی محبت نظر آتی ہے وہی گناہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو اطمینان اور تسکین دیتی ہے۔ اگر ان بڑے بڑے الفاظ کے پیچھے سے صحیح معنے تلاش کئے جاویں تو کل عبارت کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یسوع کی موت کسی ناقابل بیان طریق سے انسانی گناہوں کو اُٹھا لے گئی بلکہ اس کی موت کو خدا کی محبت کے لئے اپنے نفس کی قربانی کا ایک عمدہ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن مذہب عیسوی کو بلحاظ عقیدہ کے ایسے خیال سے کیا تعلق ہے۔

اگر عیسائی مذہب کے اصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند ہوتی تو یہ کبھی خیال نہ کیا جاتا کہ ان کو بدلنا انسان کے اختیار میں ہے۔ جو مذہب خدا کی طرف سے ہو اس کی تبدیلی انسان کے اختیار میں نہیں ہو سکتی۔ مذہب اسلام کے پاک اور متبرک اصولوں کو دیکھو اور پھر غور کرو کہ وہ کس طرح پر ایسے وضع کئے گئے ہیں کہ کبھی بدلتے نہیں۔ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اصول اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہے جو آخیر دنیا تک ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا بلکہ خود عیسائیوں کو اپنی فرضی تثلیث میں بھی توحید ماننی پڑی ہے اسکا ہمیشہ لاتبدیل رہنا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انسانی فطرت اور خدا کے قانون قدرت کے مطابق ہے پس نہ انسانی فطرت بدل سکتی ہے نہ خدا کا قانون قدرت ٹل سکتا ہے اور نہ ہی مسئلہ توحید بدل سکتا ہے۔ پھر کفارہ کے بالمقابل اسلام نے جو دوسرا بڑا اصول سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ نجات کسی انسان کے خون سے نہیں ملتی بلکہ ایک پاکیزہ زندگی کے اختیار کرنے بدی کی راہوں سے بچنے اور نیکی کی راہوں پر چلنے سے ملتی ہے۔ اس اصول کی معقولیت کسی زمانہ اور کسی ملک میں زیر بحث نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ جوں جوں دنیا علوم و تہذیب میں ترقی کرے گی اس اصول کی صداقت اور اس کے بالمقابل اصولوں کا بطلان زیادہ زیادہ واضح ہوتا جاوے گا پھر ایک اور بڑا اصول اسلام کا وحی الٰہی کے متعلق ہے اسلام دوسرے مذاہب کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا ہے کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اور اب خدا اپنے آپ کو اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرتا یا اب اپنی ہستی

طاقت اور علم کے زبردست نشان نہیں دکھاتا بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ وہی زندہ خدا جو موسیٰؑ عیسٰےؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ظاہر ہوا اب بھی اپنے ان پاک بندوں پر ظاہر ہوتا ہے جو اس کو ڈھونڈھتے ہیں تا کہ اس کی ہستی اور قدرت پر یقین تام حاصل کر کے وہ گناہ سے بچیں اور خدا کی نارضامندی کے ہر ایک راہ سے اجتناب کر کے اس کی رضا کی راہوں میں چلیں۔ یہ صرف یہی تعلیم نہیں دیتا کہ خدائے تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے بلکہ وہ اپنے راستبازوں کو اُن کی دعاؤں کی قبولیت سے قبل از وقت اطلاع بھی دیتا ہے۔ اسلام نشانوں اور معجزات کو گذشتہ قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں بیان نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کے ذریعہ سے جو کامل طور پر اُس کے فرمانبردار ہو کر چلتے ہیں وہ اب بھی نشانوں کا وعدہ دیتا ہے۔
اسلام زندہ مذہب ہے اور اس کے برکات بھی زندہ ہیں۔ اس کے پاک اصول کسی زمانہ یا کسی ملک میں ترمیم کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی وقت جہالت سے اس کے کسی اصول پر اعتراض کیا گیا ہو تو خود ہی زمانہ نے اس امر کا ثبوت دیدیا ہے کہ سچا اصول وہی ہے جو اسلام نے سکھایا ہے اور معترض نے سخت غلطی کھائی ہے۔ مثلاً ایک طلاق کے مسئلہ پر ہی غور کرو اسلام اجازت دیتا ہے کہ سوائے زنا کے دوسرے ایسے وجوہات پر جن سے تعلقات زناشوئی قائم نہ رہ سکتے ہوں طلاق واقع ہو سکتی ہے اس اصول کی صداقت کو اب کل مہذب ممالک نے تسلیم کر لیا ہے اور اکثر عیسائی ممالک میں طلاق ایسے وجوہ پر واقع ہو سکتی ہے جن کے لئے انجیل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ درحقیقت اسلام کے اصول چونکہ وہ ایک غیر متبدل حیّ و قیوّم خدا ہمہ طاقت اور ہمہ علم ہستی کی طرف سے ہیں ایسے عالمگیر اور مستقل ہیں کہ مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں اُن کو صورت بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ انسانی خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے ہیں اُن کے نیچے بڑے بڑے خزانے صداقتوں کے مدفون ہیں مگر یہ صداقتیں عیسائیت کے اصول کی طرح کسی قوم کی مدد سے اسلام کو نہیں ملیں بلکہ اس دانا اور حکیم ہستی نے جس نے وہ اصول سکھائے اُن کے نیچے ان صداقتوں کو بھی رکھدیا تا کہ اسکو خدا کیطرف سے ہونیکی پر دلیل ٹھہریں علم تاریخ کا ایک بتدی بھی اس امر سے ناواقف نہیں کہ بجائے اسکے کہ انسانی خیالات کا اسلام کے اصول پر کچھ اثر ہو۔ ان اصولوں نے جہاں وہ قبول کئے گئے ہیں انسانی خیالات میں ایک حیرت انگیز ترقی پیدا کی اور اُن کی صورت بدل دی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ انسانی ذرائع سے ان کو کوئی مدد پہونچے اُنہوں نے انسانی خیالات کو مالا مال کر دیا ہے جیسے خدا کا علم انسان کے علم سے بہت ہی برتر ہے ایسے ہی اسلام کے

اصول جو دنیا کے تمام مذاہب پر ہر ایک کمال میں فوقیت رکھتا ہے اپنے نیچے ایسی مخفی صداقتوں کے خزانے رکھتے ہیں جن کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے۔

مذہب عیسوی کے اس بے اطمینانی کی حالت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو وہ بھی عیسائی عقائد کے تنزل کی طرح اس مذہب کے زوال کی ایک بیّن علامت ہے۔ یہ ہے مسیح کی آمد ثانی کی مضبوط امیدیں بلکہ ان امیدوں کی انجام کار ناکامی۔ ابتدائے عیسائیت سے مسیح کی آمد ثانی کی سخت انتظار لگی رہی ہے۔ لیکن یہ امید ایسی مضبوط اور ایسی عالمگیر کبھی نہیں ہوئی جیسے کہ اس موجودہ زمانہ میں۔ آمد کے وقت کے نہائیت ہی قریب ہونے کا یہ خیال صرف ان تحقیقاتوں پر ہی مبنی نہیں ہے جو بائبل کے علما نے اس کی پیش گوئیوں کی بنا پر اندازے لگائے ہیں بلکہ یہ ایک عام خیال ہے جو کل جہان میں اس وقت پھیلا ہوا ہے۔ تمام عیسائی دنیا اس وقت چیخ اُٹھی ہے کہ مسیح کی آمد کا یہی وقت ہے بلکہ یہاں تک آوازیں آرہی ہیں کہ مسیح تو دروازے پر کھڑا اور اس کو کھٹکھٹا رہا ہے۔ کیا وقت کا حساب اور کیا یہ تمام احساس دونوں ایک آواز سے اس بات پر متفق ہیں کہ یہی وقت مسیح کی آمد کا ہے اور تمام اس بات پر متفق ہو رہے ہیں کہ اگر اس وقت میں مسیح نہ آیا تو پھر اور کوئی اس کے آنے کا وقت نہیں کیونکہ اس کے آنے کے سب نشانات بھی پورے ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں جتنی امیدیں اس کے جلدی آنے کی لگی ہوئی ہیں وہ سب درحقیقت عیسائی عقیدے کو جڑ سے اُکھیڑنے والی طاقتیں ہیں۔ کچھ زمانہ تو ان امیدوں میں آگے گذر چکا ہے اور کچھ وقت اور گذر جانے کے بعد یہ صاف معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ سخت انتظار میں بادلوں کی طرف دیکھتے رہے ہیں وہ سب دھوکہ میں پڑے رہے اگر یہ ممکن ہے کہ مسیح کی ذاتی آمد ثانی کی امید کبھی پوری ہو تو بگٹ کے وجود میں وہ پوری ہو چکی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہی یسوع مسیح زمین و آسمان کا خدا ہوں جو پہلے آیا تھا۔ لیکن لوگ اس کی بات کو نہیں مانتے اگرچہ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر یسوع خدا ہو سکتا تھا تو بگٹ کے دعوے میں کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ لیکن اس بیچارے پر ہنسا جاتا ہے حالانکہ ہنسنے کے قابل بات مسیح کی ذاتی آمد ثانی کا عقیدہ ہے۔

یہ مشکل بھی آخر مذہب اسلام ہی حل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ صاف بتا دیا

گیا ہے کہ یسوع مسیح خود واپس نہیں آئے گا بلکہ اس کا مثیل آئے گا علاوہ ازیں اسلام نے وہ علامتیں مقرر کر دی ہیں جو اُس کے آنے کے نشانات ہیں۔ انہیں سے ایک نشان ایسا ہے جس کو ہر ایک انسان اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا اور وہ ایسا صریح اور بیّن ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والا آدمی بھی اس سے سچّے آنے والے کو بغیر شک اور شبہ کے پہچان سکتا ہے۔ یہ نشان سورج اور چاند کے خاص مہینہ میں خاص اجتماع کے متعلق ہے اور قریباً دس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ یہ نشان بعینہٖ اسی طرز میں وقوع میں آچکا جیسے تیرہ سو سال پہلے بتایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں بہت سے اور نشانات جن کا وعدہ تھا ظاہر ہو چکے ہیں اور اُن کے دیکھنے والے کو اس قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسا ان نشانات کے دیکھنے والے کو رہ سکتی ہے جو انجیل میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً زلزلوں کا آنا۔ لڑائیوں کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ خدائے تعالیٰ کے پرانے وعدوں کے مطابق اور ان سب نشانات کو پورا کر کے سچا مسیح موعود دنیا میں عین اس وقت میں ظاہر ہو چکا ہے جب تمام آنکھیں سخت انتظاری کی حالت میں اسکی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ہاں اگر وہ اس وقت ظاہر نہ ہوتا تو کل دنیا خدا کے وعدوں کے پورا ہونے سے مایوس ہو جاتی وہ ٹھیک وقت پر اور صحیح طریق میں آیا ہے اور ظاہر ہو چکا ہے۔ خود عیسائی عقائد میں اس تزلزل کا واقع ہونا جو اُنکو صفحہ ہستی سے مٹا رہا ہے اس امر کی مضبوط شہادت ہے کہ آنے والا آچکا ہے کیونکہ تیرہ سو سال پہلے ایسا ہی بتایا گیا تھا۔ زمین اور آسمان دونوں اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ خدا کے وعدے پورے ہو چکے۔ خدائے تعالےٰ نے ہزارہا آسمانی نشان اپنے مسیح کی تائید میں ظاہر کئے ہیں اور ہر ایک وہ ثبوت اُس کی سچائی کا دیا ہے جو وہ پہلے انبیاء کی سچائی کے لئے دیتا رہا ہے۔ گناہ سے جسکو نجات کہنا چاہیئے اس کے پیچھے چلنے سے ملتی ہے کیونکہ اُسی کی وساطت سے اُس زندہ خدا کا چہرہ نظر آسکتا ہے جس کی خواہش بہتوں کو ہے لیکن تھوڑی ہیں جن کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ اُسی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے علم و طاقت پر وہ زندہ ایمان اور کامل یقین حاصل ہوتا ہے جو انسان کو گناہ کی راہ سے بچا سکتا ہے۔ اُسی کی پیچھے چلنے سے وہ دائمی خوشحالی اور روحانی برکات حاصل ہوتی ہیں جو پہلے راستبازوں کو ملتی رہیں۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ یسوع کا انا جیل مین یہ وعدہ کہ وہ خود دوبارہ آئیگا اسکے مثیل کی آمد سے پورا ہو چکا ہے۔ اول تو یہ امر بھی ناممکن نہین کہ مسیح کو اپنی آمد ثانی کے معنے سمجھنے مین پہلے غلطی لگی ہو اور بجائے روحانی آمد سمجھنے کے اس نے جسمانی آمد اس سے سمجھ لی ہو۔ اجتہاد مین ایسی غلطی اسکے مسیح ہونیکے دعوے کی کسی طرح منافی نہین اور اسکی مثالین خود اناجیل مین موجود ہین اگرچہ وہ غلطی قایم نہین رہی بلکہ خدا تعالے اسکو بعد مین رفع کر دیتا ہے مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کی سلطنت دوبارہ قایم کرنیکے معنون مین بھی حضرت مسیح کے اجتہاد نے غلطی کی اور اس سے اس نے دنیوی سلطنت کا قایم ہونا سمجھ لیا اور اسیوجہ پر یہ مشورہ بھی اپنے مریدونکو دیا کہ کپڑے بیچکر تلوارین خرید لو۔ مگر جلدی ہی اس کو اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور اس نے کہدیا کہ سلطنت سے مراد آسمانی سلطنت ہے نہ زمینی سلطنت۔ ایسا ہی ممکن ہے کہ اس نے پہلے آمد ثانی کے معنے غلط سمجھے ہون لیکن بعد مین اس خیال کی اصلاح ہو گئی ہو۔ چنانچہ اس قسم کے فقرات کہ جس طرح ایلیا نے دکھ اٹھایا (یعنی آمد ثانی مین) اسی طرح ابن آدم بھی اٹھائیگا اور کہ میرا آنا چور کیطرح ہوگا اسکے مؤید ہین۔ ثانیاً۔ سب جانتے ہین کہ یہودی اپنی آسمانی کتب کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ سچے مسیح کی آمد کی سب سے زیادہ یقینی علامت ایلیا کا اس سے پہلے دوبارہ دنیا مین آنا ہے اور اسلئے وہ ہر ایک دعویدار کو اسی نشان کے موجود نہونیسے جھوٹا سمجھ لیتے تھے۔ جب یسوع نے مسیحیت کا دعوے کیا تو وہی اعتراض اسکے بھی سامنے پیش کیا گیا کہ الیاس ابھی دوبارہ نہین آیا اسکا جواب حضرت مسیح نے یہ دیا کہ الیاس کے دوبارہ آنیکا وعدہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہو چکا کیونکہ یوحنا الیاس کی روح اور طاقت مین ہو کر آیا ہے ایک موقعپر جب اسکے شاگردون نے کہا کہ الیاس کہان ہے تو اسنے یوحنا کی طرف اشارہ کیا جس سے اسکا مطلب یہ تھا کہ وہی ایلیا تھا جسکے وہ انتظار مین تھے اب بائبل مین ایسی مثال تو ایک بھی موجود نہین ہے کہ ایک شخص ایکدفعہ اس دنیا سے جاکر دوبارہ خود ہی بہمان جسد عنصری واپس آگیا ہو بلکہ برخلاف اسکے جو مثال آمد ثانی کی اسمین پائی جاتی ہے اسکے معنے خود حضرت مسیح نے یہ کر دئے ہین کہ اس سے مراد صرف اسکے مثیل کی آمد ہے نہ کچھ اور۔ اسلئے جب اسنے اپنی آمد ثانی کا ذکر کیا۔ تو اسکی مراد سوائے اسکے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی جو اسنے ایلیا کی آمد ثانی کے معنے کئے تھے لہذا اسمین ذرہ شک کی گنجایش باقی نہین ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ جو اناجیل مین مذکور ہے وہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہو چکا۔ قرآن کریم نے اس امر کو اور بھی کھول کر اور پوری وضاحت سے بیان کر دیا ہے جبکہ اسنے یہ فرمایا کہ مسیح نہین بلکہ اسکا مثیل دنیا مین آویگا۔ اگر باوجود اس صاف صاف اور یقینی شہادت کے اور باوجود ان تمام ثبوتونکے جو مسیح موعود اپنی صداقت پر دے رہا ہے اب بھی لوگ یسوع کی جسمانی آمد کے انتظار مین لگے رہین گے تو انکا انجام وہی ہوگا جو ان یہودیونکا ہوا جو باوجود مسیح کے سمجھانیکے ایلیا کی

دوبارہ آمد کے منتظر رہے اور اس طرح سچے مسیح کے پہچاننے سے ہمیشہ کیلئے محروم رہے یہ کوئی چھوٹی سی بات نہین بلکہ صرف اسی ایک امر پرغور کرنیسے مسیح کی آمد ثانی کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ کوئی عیسائی ہے جو اسکی کوئی وجہ بتا سکے کہ اگر الیاس کی آمد ثانی کا وعدہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہوسکتا تھا تو کیون مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ بھی اسی طرح پورا نہین ہوسکتا۔ کوئی عیسائی ہے جو بیان کرسکے کہ اگر وہ یہودی جو الیاس کی جسمانی آمد ثانی کے منتظر رہے حالانکہ انکو صاف الفاظ مین وعدہ بھی یہی دیا گیا تھا کہ الیاس خود دوبارہ آئیگا غلطی پر تھے تو کیون وہ لوگ جو مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہین غلطی پر نہین باوجودیکہ مسیح کے اقوال مین اس قسم کے الفاظ بھی پائے جاتے ہین کہ میرا آنا چور کیطرح ہوگا یعنے بھیس بدلکر۔ ہان اگر یہودی یسوع مسیح کے انکار مین حق پر تھے تو پھر یہ لوگ بھی مسیح موعود کے انکار مین حق پر ہین اور اگر وہ غلطی پر تھے تو یہ بھی غلطی پر ہین اور یہ نتیجہ ایسا ہے کہ کسی طرح اس سے عیسائی انکار نہین کرسکتے ÷

”لیکھرام کی موت“

ایک عظیم الشان نشان کا پورا ہونا

لاہور کا اخبار آریہ پتر لکھتا ہے کہ آریہ پرتی ندھی سبھا کے سکرٹری نے ایک اشتہار پنجاب کے کل آریہ سماجون کے نام شائع کیا ہے جسمین ان کو یہ اطلاع دیگئی ہے کہ لالہ کیشب دیو کو سبھا مذکور نے اس غرض کے لئے مقرر کیا ہے کہ پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کی سوانح لکھنے کیلئے سامان اکٹھا کرین اور اس اشتہار مین آریہ سماجون سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ جب وہ ان سے مدد مانگے تو جہانتک ان کی طاقت مین ہے اسے مدد دین .... اب جو لالہ منشی رام نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ کہ اس طرح جو سامان اکٹھا ہو اس سے لیکھرام کی سوانح تیار کرین امید ہے کہ سماج اور سماجی اسے اپنا فرض سمجھین گے کہ سامان بہم پہنچانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ ہم اس اشتہار کو اور اسپر معہ مذکور کے نوٹ کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہین کیونکہ نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ ایک ہیبت ناک الہی

نشان جو سات سال ہوئے دنیا نے دیکھا تھا اب پھر از سر نو پبلک کے سامنے پیش ہوگا۔ پنڈت لیکھرام کی موت۔ اسکا ٹھیک وقت اور طریق اس واقعہ سے چار سال پہلے حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے خدا سے الہام پاکر مشتہر کر دیا تھا۔ اس پیشگوئی کا تمام تفصیلات کے ساتھ اس طرح اسقدر پہلے بیان کیا جانا اور پھر بعینہ اسی طرح ظہور میں آنا۔ آریہ سماج کے مذہبی عقاید کی غلطی پر قطعی اور یقینی دلیل تھی جسکو دیکھ کر سماج کا فرض تھا کہ فایدہ اٹھاتا۔ لیکن ایک عظیم الشان مذہبی سرگروہ کی موت کے صدمہ نے اسقدر جوش طبیعتوں میں پیدا کر دیا کہ انہوں نے اس معاہدہ کی بھی کچھ پروانہ کی جو انکا قومی شہید کر چکا تھا۔ اسکی موت سماج کیلئے ایک تنبیہ تھی کہ وہ اپنے عقائد میں غلطی پر ہے کیونکہ لیکھرام نے بحیثیت سماج کا لیڈر اور وکیل ہونیکے یہ معاہدہ کیا تھا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مرزا صاحب اسکے متعلق شایع کرینگے اگر پوری ہو جائے تو اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہوگی کہ مذہب اسلام سچا اور آریہ سماج جھوٹا مذہب ہے اور اگر پوری نہ ہو تو ایسا ہی قطعی ثبوت آریہ سماج کی سچائی کا ہوگی۔ چونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ لالہ کیشب دیو جو سوانح کیلئے سامان مہیا کرنا چاہتے ہیں یا لالہ منشی رام جو سوانح نویس ہونگے اس مضبوط معاہدہ اور اسکے بعد کے واقعات کو جو پیشگوئی کی اشاعت اور پورا ہونیکے متعلق ہیں شایع کرنا پسند نہ کریں اور چونکہ یہ بھی اندیشہ ہے کہ سماج بھی اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا ہی مصلحت خیال کرتا ہو۔ کیونکہ یہ لیکھرام کے سوانح کا سامان آریہ سماج کے معدوم کرنیکا سامان ہے اسلیئے ہم ذیل میں اختصار کے طور پر ان تمام واقعات کو بالترتیب بیان کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اب جبکہ جوش کا وقت گذر چکا ہے آریہ سماجی ٹھنڈے دل سے انپر غور کرینگے اور سوچینگے کہ کیا آیندہ کے ایسے گہرے راز اسقدر عرصہ پہلے بیان کر دینا انسانی طاقت کا کام ہو سکتا ہے ہمیں آریہ سماج سے کوئی ذاتی خصومت نہیں اور ہم ان واقعات کو جو سماج کے سامنے اسکے ایک بڑے سرگروہ کی موت کا نقشہ پیش کرتے ہیں بیان بھی نہ کرتے لیکن چونکہ یہ واقعات اللہ تعالے کے جلال اس کی عظیم الشان طاقتوں اور غیب در غیب کے علم کو ظاہر کرتے ہیں اور اس دہریت اور مادہ پرستی کے زمانہ میں اس کی ہستی کے متعلق ایک قطعی یقین پیدا کرتے ہیں اس لیئے انکے اخفا کو ہم سخت گناہ سمجھتے ہیں ان واقعات کو پیش کرکے ہم آریہ سماج کے نامور لیڈر لالہ منشی رام سے امید رکھتے ہیں کہ وہ پنڈت کی سوانح لکھتے وقت ان واقعات کو خاص طور پر مد نظر رکھینگے اور پنڈت کی سوانح کا انہیں ایک بڑا ضروری حصہ سمجھینگے کیونکہ انکے ذریعہ سے سچے مذہب کی تائید میں ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے۔ آریہ سماجیوں کا یہ خیال ہے کہ پنڈت لیکھرام نے اپنی زندگی سچے مذہب کی حمایت اور تائید میں صرف کی لیکن امر واقع یہ ہے کہ اصل میں پنڈت کی موت سے اور پیشگوئی کے مطابق موت سے حق کی عظیم الشان

تائید ہوئی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی بہ سبب اس کی پر جوش وعظوں کے ہمیشہ کیلئے مشہور رہیگی مگر ہماری رائے مین اس کی موت اس کی زندگی سے بدرجہا بڑھ کر ایک قابل یادگار واقع ہے کیونکہ اس کی موت خاموشی کی زبان سے ہمیشہ آنیوالی نسلونکو یہ وعظ کرتی رہے گی کہ اسلام کا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے جو اس عالم کے ذرہ ذرہ پر تصرف رکھتا ہے اور اپنی منشاء اور ارادہ کے مطابق اسے جس طرح چاہے چلاتا ہے اور کہ اسلام ہی صرف ایک اور ایک ایسا سچا مذہب ہے جسکے حقیقی پیروؤن کو آسمانی نشان اور آسمانی برکتین دیجاتی ہین اور اسکے سوائے دوسرے کسی مذہب کو یہ فخر حاصل نہین۔ اس مختصر تمہید کے بعد ذیل مین ہم وہ واقعات درج کرتے ہین جو لیکھرام کی موت کی پیشگوئی کے متعلق وقوع مین آئے۔

سنہ ۱۸۸۴ عیسوی مین حضرت میرزا صاحب کی مشہور تصنیف براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شایع ہوا۔ اس مین علاوہ ان زبردست دلایل کے جو غیر مذاہب کی تردید مین جن مین آریہ سماج بھی شامل تھا اور مذہب حقہ اسلام کی تائید مین دئے گئے تھے۔ چند آسمانی نشانات کا بھی ذکر ہے جو کتاب کے مصنف کے ہاتھ پر اللہ تعالے نے ظاہر کئے تھے اور انہین مین ایک نشان آریہ سماج کے بانی کے متعلق بھی تھا جو اس کی موت کی پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ اسکے علاوہ مصنف کتاب کیطرفسے یہ دعوے بھی اس کتاب مین کیا گیا تھا کہ اگر مخالفین اسکے پاس آئین تو وہ ان کو بھی آسمانی نشان دکھا سکتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہین تو پھر انہین کے مطابق اپنے مذاہب مین آسمانی نشانون کا وجود دکھاوین۔ کچھ عرصہ بعد پنڈت لیکھرام جو آریہ سماج کا ایک مشہور واعظ اور سرگروہ ممبر تھا قادیان مین آیا اور یہ سنہ ۱۸۸۵ء کے اخیر دن تھے اور اس نے حضرت میرزا صاحب سے مباحثہ بھی کرنا چاہا اور آسمانی نشان دیکھنے کا بھی طالب ہوا۔ وہ قریباً ایک ماہ یہان ٹھیرا لیکن مباحثہ کی شرایط منظور کرنے سے گریز کیا۔ مگر آسمانی نشان وہ بڑے اصرار سے مانگتا رہا اور نہایت تحقیر آمیز کلمات مین حضرت میرزا صاحب کے وعدے اور خدا کی طاقت پر کہ وہ اسی دنیا مین سزا دینے پر قادر ہے استہزا کرتا رہا۔ آخر چند دن کی خط وکتابت کے بعد ایک معاہدہ فریقین کے درمیان ہوا جسکے رو سے یہ قرار پایا کہ میرزا صاحب اپنے مخالف کے حق مین کوئی پیشگوئی شایع کرین۔ شرط یہ تھی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلے تو وہ آریہ سماج کے باطل ہونیکا قطعی ثبوت ہوگی اور اگر جھوٹی نکلے تو اسلام کے سچا نہ ہونے پر دلیل ٹھیریگی۔ اسکے بعد ۲۰ - فروری سنہ ۱۸۸۶ء کو ایک دوسرا اشتہار حضرت میرزا صاحب کیطرفسے نکلا جس مین انہون نے لیکھرام کو مخاطب کرکے اس پیشگوئی کا ذکر کیا جو وہ طلب کرتا تھا اور لکھا کہ اگر پیشگوئی کی اشاعت سے اسے کوئی رنج پہونچے تو وہ اس پیشگوئی کو شایع نہ کرین اگرچہ پہلے معاہدہ کی رو سے ہی

انہین پوراحق حاصل تھا کہ لیکھرام کے متعلق جو پیش گوئی چاہین شایع کرین مگر مزید احتیاط کے لئے کہ مبادا اسکے دلکو دکھ پہنچے دوبارہ اس کی اجازت چاہی اس اشتہار کا جواب پنڈت لیکھرام نے حسب معمول گستاخانہ جرأت سے یہ دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے جو پیش گوئی چاہو شایع کرو مین تمہاری پیش گوئی کو واہیات سمجھتا ہون اور اس سے ڈرتا نہین اس کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب نے مدت تک پیشگوئی کے اظہار مین توقف کیا کہ شاید وہ اپنی اصلاح کرلے لیکن پنڈت کا کینہ اسلام کے ساتھ اور اسکے حملونکی سختی اس مقدس مذہب پر دن بدن بڑھتی گئی بنوبا لآخر ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو پہلا اشتہار شایع ہوا جس مین اس کی موت کی پیش گوئی تھی۔ اسکے ابتدا مین چند فارسی اشعار تھے۔ جن مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر فضایل اور غیر منقطع اور دایمی برکات بیان کیے گئے ہین آخری چند اشعار مین صاف طور پر لیکھرام کی موت کا اور اس امر کا کہ کس طرز پر وہ واقع ہوگی ذکر ہے۔ وہ اشعار یہ ہین ؎ الا اے دشمن نادان و بے راہ ✤ بترس از تیغ بران محمدؐ ✤ رہ مولیٰ کہ گم کردند مردم ✤ بجو در آل و اعوان محمدؐ ✤ الا اے منکر از شان محمدؐ ✤ ہم از نور نمایان محمدؐ ✤ کرامت گرچہ بے نام و نشان است ✤ بیا بنگر ز غلمان محمدؐ ✤ ان اشعار کے نیچے یہ سرخی ہے "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی" اور الفاظ تیغ بران محمدؐ سے ایک ہاتھ کی تصویر کھینچی گئی ہے جسکی انگلی کا اشارہ اسی سرخی کے درمیان ہو۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہو کہ اگرچہ موت کی پیشگوئی بالتصریح اسی اشتہار مین آگے چلکر بیان کیگئی ہے لیکن جو شخص ان اشعار پر اور پھر تیغ بران کے لیکھرام کیطرف اشارہ پر ذرہ بھی غور کرے گا وہ آسانی سے سمجھ لیگا کہ اس جگہ لیکھرام کے قتل کیطرف صاف اشارہ ہے۔ تیغ بران اس کی زندگی کا خاتمہ کرنیوالی اور اسی تیغ بران کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا غضب اسپر نازل ہونیوالا تھا کیونکہ اس نے تمام مقدسون کے سرتاج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت گالیان نکالکر اور توہین کر کے خدا کے غضب کی آگ کو بھڑکایا تھا۔ اور اسی واسطے اسکو کہا گیا کہ دیکھ تو تو نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہتا اور گالیان نکالتا اور انکے معجزات کا منکر ہے مگر اسوقت بھی جبکہ دنیا مین معجزہ اور کرامت کا نام و نشان مفقود ہورہا ہے اسی نبی عربی کا ایک غلام (حضرت میرزا غلام احمدؐ) تجھے ایک نشان دکھاتا ہے۔ اے کاش کہ وہ دل رکھتا اور آنیوالے غضب سے ڈر کر اصلاح کرتا۔ بعد ان اشعار کے اصل پیش گوئی اس اشتہار مین ان الفاظ مین بیان کی گئی ہے کہ "اس کی نسبت جب توجہ کیگئی تو اللہ جلشانہ کیطرف سے یہ الہام ہوا عجل جسد لہٗ خوار۔ لہ نصب و عذاب۔ یعنی یہ صرف ایک بیجان گوسالہ ہے جسکے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اسکے لئے ان گستاخیون اور بدزبانیونکے عوض مین سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اسکو مل رہے گا اور اسکے بعد آج جو ۲۰ فروری

روز دوشنبہ ہے- اس عذاب کا وقت معلوم کرنیکے لیئے توجہ کیگئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰- فروری سنہ ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا مین یعنی ان بے ادبیون کی سزا مین جو اس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق مین کی ہین عذاب شدید مین مبتلا ہو جائیگا" اسکے نیچے حاشیہ پر یہ الفاظ لکھے ہین کہ "اب آریونکو چاہیئے کہ سب ملکر دعا کرین کہ یہ عذاب اُنکے اس وکیل سے ٹلجائے" یہ اشتہار بڑی کثرت سے تمام قومونکے درمیان شایع کیا گیا- اور اخبارات مین بھی اسکے متعلق مضامین نکلتے رہے بعض اخبارات کے اس اعتراض پر کہ اس اشتہار کا مفہوم صاف نہین دوبارہ اس کی تشریح قریبًا دو ماہ بعد کیگئی- ان دنون مین سر سید احمد خان نے ایک رسالہ دعا پر لکھا تھا جس مین انہون نے قبولیت دعا سے انکار کیا تھا اسکا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھ رہے تھے جب یہ اعتراض پیش ہوئے اس رسالہ کا نام جس مین سید احمد خان کے خیالات کی تردید کی گئی "برکات الدعا" تھا- اسکے اخیر مین چند فارسی اشعار قبولیت دعا کے متعلق تھے جن مین سید احمد خان خاص طور پر مخاطب تھے- اخیری دو شعر اسکے یہ ہین:- ؎

اے کہ گوئی گر دعاہارا اثر بودے کجاست | سوئے من بشتاب بنمایم ترا چون آفتاب
ہان مکن انکار زین اسرار قدرتہائے حق | قصہ کوتہ کن ببین از ما دعائے مستجاب

اور اخیری مصرعہ کے نیچے یہ الفاظ ہین دیکھو برکات الدعا سرورق صفحہ ۲ و ۳ و ۴- ان اشعار اور نوٹ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قبولیت دعا سے انکار مت کرو بلکہ میری طرف آؤ تا مین تمہین آفتاب کیطرح روشن کرکے دکھاؤن کہ دعا قبول ہوتی ہے مختصر بات یہ ہے کہ مین تمہین دعائے مستجاب دکھاتا ہون جس کی تفصیل سرورق کے صفحات ۲ و ۳ و ۴ مین ہے- جب ہم ان صفحات کو دیکھتے ہین تو وہان یہ سرخی ہے "نمونہ دعائے مستجاب" اور اسکے نیچے لیکھرام کی موت کی پیشگوئی کی تفصیل اور بعض ان اعتراضات کا جواب ہے جو اخبارات مین اس پیشگوئی پر کیئے گئے تھے- اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد خان کو جو دعائے مستجاب دکھانیکا وعدہ برکات الدعا کے اخیر پر کیا گیا تھا- وہ اسی پیشگوئی کے متعلق دعا تھی اور یہی ایک نمونہ قبولیت دعا کے ثبوت کیلیئے معیار ٹھہرایا گیا تھا- مذکورہ بالا عنوان کے نیچے یہ عبارت درج ہے "مین اقرار کرتا ہون کہ اگر جیسا کہ معترضون نے خیال فرمایا ہے پیشگوئی کا ماحصل آخر کار یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا یا معمولی طور پر کوئی درد ہوا یا ہیضہ ہوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قایم ہوگئی تو وہ پیشگوئی متصور نہین ہوگی اور بلاشبہ ایک مکر اور فریب ہوگا..... ..... پس اس صورت مین بلاشبہ مین اس سزا کے لایق ٹھہرونگا جسکا ذکر مین نے کیا ہے لیکن اگر پیشگوئی

کاظہور اس طور سے ہوا کہ جس میں قہر الٰہی کے نشان صاف صاف اور کھلے طور پر دکھائی دیں تو پھر سمجھو کہ خدا تعالے کیطرف سے ہے...... مجھ کو ذاتی طور پر کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ اس شخص نے سچائی سے دشمنی کی اور ایک ایسے کامل اور مقدس کو جو تمام سچائیوں کا چشمہ تھا توہین سے یاد کیا اس لیئے خدا تعالےٰ نے چاہا کہ اپنے ایک پیارے کی دنیا میں عزت ظاہر کرے"

اسی کتاب برکات الدعا کے اخیر پر ایک اور پیشگوئی حاشیہ پر درج ہے جس سے اور بھی وضاحت ہوتی ہے - اسکا عنوان ہے "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر" - اور آگے لکھا ہے "آج جو ۲ - اپریل سنہ ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ ماہ رمضان سنہ ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کیحالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اسکے چہرہ پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمایل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملایک شداد غلاظ میں سے ہے اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اسے دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے تب میں نے اسوقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزا دہی کے لیئے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے۔

ہاں یہ یقینی طور پر یاد ہے کہ وہ دوسرا شخص انہیں چند آدمیوں نے تھا جنکی نسبت میں اشتہار دے چکا ہوں اور یہ یکشنبہ کا دن اور چار بجے صبح کا وقت تھا" یہ کتاب جس میں یہ پیشگوئیاں شایع کی گئیں - پہلے اشتہار سے قریباً دو ماہ بعد شایع ہوئی - یہ تمام پیشگوئیاں بلند آواز سے پکار رہی ہیں کہ لیکھرام کے لئے چھ سال کے عرصہ کے اندر موت مقدر تھی اور موت کا ذریعہ قتل تھا - تیغ براں کا ذکر معمولی بیماری تو نہیں تھی یہ سزا کا ہیبت ناک ہونا اور ایک ہیبت ناک فرشتہ کا خونخوار چہرہ کے ساتھ نمودار ہونا صاف طور پر اس واقعہ کا نقشہ کھینچ رہی ہیں جو چند سال بعد واقعہ ہونیوالا تھا اور لیکھرام کے خوفناک انجام کی خبر دے رہی ہیں - سنہ ۱۸۹۴ء میں ایک اور کتاب کرامات الصادقین شایع ہوئی - جسکے اخیری صفحہ پر لیکھرام کی موت کا عربی عبارت میں ذکر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے "اور میرے نشانوں میں سے ہے جو میرے خدا نے میرے ساتھ وعدہ کیا اور ایک مفسد آدمی خدا اور رسول کے دشمن مسمی لیکھرام پشاوری کے متعلق میری دعا قبول کی اور میرے رب نے مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک ہونیوالوں میں ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کو گالیاں نکالتا ہے اور آپ کی شان میں گندے کلمات بولتا ہے۔

پس مین نے اس پر بد دعا کی اور میرے رب نے اس کی موت کی چھ سال کے اندر اندر خبر دی بیشک اس مین حق کے طالبونکے لئے نشان ہے۔ پھر اس کی موت کے وقت کے متعلق اس کتاب مین یہ عربی شعر ہے ؎ فبشّرنی ربّی وقال مبشرا ؞ ستعرف یوم العید والعید اقرب جسکا ترجمہ یہ ہے "اور میرے رب نے مجھے خوشخبری دیکر فرمایا کہ عنقریب تو خوشی کے دن کو دیکھیگا اور وہ عید کے دن کے ساتھ ملا ہوا ہوگا"۔ یہان یہ بتایا گیا ہے کہ لیکھرام کی موت کا دن عید سے ملا ہوا ہوگا۔ یہ تمام واقعات وقوعہ سے بہت مدت پہلے ہندوؤن اور مسلمانون کے درمیان اچھی طرح مشہور ہو چکے تھے چنانچہ آریون کو بخوبی معلوم تھا کہ پیشگوئی مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ لیکھرام کی موت چھ سال کے اندر اندر بذریعہ قتل ایسے دن مین واقعہ ہوگی جو عید کے دن سے ملا ہوا ہوگا چنانچہ پنجاب سماچار اپنے ضمیمہ مورخہ ۸- مارچ سنہ ۱۸۹۷ء مین جو لیکھرام کی موت کے تین دن بعد لکھا گیا۔ لکھتا ہے کہ "کہا کرتے تھے کہ پنڈت کو مار ڈالینگے اور اس عرصہ مین اور فلان دن (یعنے عید کے دوسرے دن مین) ایک دردناک حالت مین مریگا" اخبار مذکور کا یہ لکھنا کہ کہا کرتے تھے کہ مار ڈالینگے محض افترا ہے کیونکہ پیشگوئیون کی اشاعت کے علاوہ اور کچھ نہین لکھا گیا اور وہ بھی پنڈت مقتول کے اصرار اور مطالبہ پر۔ یہ صرف ایک ہی پیشگوئی نہین تھی بلکہ ایک ہی واقعہ کے متعلق متعدد پیشگوئیان جو یکے بعد دیگرے شایع کی گیئن اور اور ہر ایک مین پہلی سے زیادہ تفصیل کی گئی؞

اب اس امر پر غور کرنی چاہیے کہ کیونکر یہ پیشگوئیان پوری ہوئین۔ ۶- مارچ سنہ ۱۸۹۷ء کو یعنی پیشگوئی کے پہلے اشتہار کی تاریخ سے قریبًا چار سال بعد اور مقررہ میعاد کے اندر روز روشن مین لیکھرام ایک قاتل کی خنجر کا شکار ہوا۔ اور اس سے ایک دن پہلے یعنی ۵ مارچ کو عید کا دن تھا۔ ۶ بجے شام کا وقت تھا جب اسے چھری لگی۔ اور اسکے چند گھنٹہ بعد وہ زندہ رہا۔ اور آخر کار ایک دردناک حالت مین آدھی رات کے قریب مرگیا اس طرح یہ ایک عظیم الشان پیش گوئی جسکا ثبوت دن سے بھی زیادہ روشن ہے پوری ہوئی۔۔۔۔ یہ کسی گذشتہ مدت کا قصہ نہین بلکہ ہزارہا ایسے لوگ جنہون نے پیشگوئی کی اشاعت کو اور پھر اسے پورا ہوتے اپنی آنکھون سے دیکھا ہے اب تک زندہ موجود ہین اور سینکڑون ہندوؤن اور مسلمانون نے جن کو حضرت مسیح موعودؑ سے کوئی تعلق بیعت وغیرہ کا نہین اپنی تحریری شہادت اس امر کے متعلق دی کہ واقعی لیکھرام کی موت عین پیشگوئی کے مطابق ہوئی اور اسکا وقوع انسان کی طاقت سے باہر اور صرف اللہ تعالے کی طرف سے ہے؞

نو سو سے پچیس تک یعنے سہ چند کے قریب پہنچگئی ہے مگر کچھ عرصہ سے اپنے مخلص احباب کی اس تگاپو فی سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر بہ نسبت اوایل کے نرمی سے دکھائی دینے لگی ہے حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کے اس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہے جس تعداد تک پہنچانیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس دھیما پن کا بجز اسکے اور کیا باعث قرار دیا جاوے کہ اپنی جماعت کے جملہ افراد کے اعصاب حمیت و اعانت مین ابھی پوزیشن پیدا نہین ہوا - ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پرجوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین - اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر تکاہل و تساہل - حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کے مفاد تو اس امر کے مقتضی تھے کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا نخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا - اس دو لاکھ سے بھی زیادہ احمدیہ جماعت کے احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے +

تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ مچا دیا ہے جس سے مخالفون کے دلونمین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہوگئی ہین - پچھلے ایام مین اسٹریلیا سے ایک یورپین کی چٹھی آئی تھی جسمین وہ اس رسالہ کے مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کرکے کہتا ہے کہ "اسکے پر حقایق دلچسپ مضامین مین متلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہے امید ہے کہ اسکے مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے" کیون نہ ہو - پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت و سعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہسکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کے مخلص احباب کے دلونمین اسکے احکام کی بجا آوری کا خیال و تحریک پیدا نہ ہو - مشیت ایزدی مین جو کام ہونا ہے اور جن اغراض کے لئے اسکا مور آیا ہے وہ سب ہوکر ہی رہین گی - یہ تو صرف ہمارے واسطے توشہ عقبے حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہے ما در من قال -

بمفت این اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ + قضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا + حسنات دارین حاصل کرنیکا عین وقت ہے - اللہ تعالے جملہ احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانیکی توفیق بخشے تاکہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کرکے سابق بالخیرات بنین - آمین ثم آمین - والسلام -

مینیجر

معذرت

بعض مقدمات مین مصروفیت کیوجہ سے ایڈیٹر رسالہ کو پوری فرصت نہین ملتی رہی ہے اسواسطے گذشتہ دو تین ماہ سے رسالہ توقف سے نکلتا رہا ہے نیز پرچہ ہذا کے چند صفحے کم ہین - اسکی وجہ بھی وہی عدم فراغت ہے - انشاء اللہ تعالے فراغت پانے پر یہ شکایات رفع ہوجاوینگی اور کمی بھی پوری کی جاویگی +

مینیجر

"ضروری استدعاء"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی
انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی شفا کے نہونیکے باعث
نہیں کسی اور شہر سے ادویہ منگوانی پڑتی ہے بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی
سے منگوائیں یہ دکان میرے متعلق ہے نہیں نقصان نہیں اور دکان کا فایدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے
المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور۔

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلدینصاحب طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ/

التماس ضروری

بغرض تعمیل ارشاد حضرت اقدس ؑ

اُس تاکید مجسم ارشاد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جسمین اس رسالہ کی اجرائی و تشریح کے
اصل اغراض و مقاصد ظاہر کرکے اسلام کو جملہ مخالفین کے مہلک حملونکی باد صرصر سے بچانے اور اسکے
قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام مین دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو
ضلالت اور جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کی دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا
گیا تھا۔ اسکے قیام و استحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کیغرض سے اب بار بار لمبے چوڑے
الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرتے رہنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام
صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جسقدر تاکید اکید فرمائی ہے اور حد سے
بڑھے ہوئے پرزور الفاظ مین اپنے پرجوش مخلصین کو اسکی خریداری کیجانب ملتفت کرنا چاہا ہے
اس سے بڑھکر اور کوئی پرہیبت اور پرشوکت تاکیدی الفاظ نہین ملسکتے جو اپنی جماعت کے بیدار کرنیکیلیے
معرض تحریر مین لائے جاوین۔ کیا اپنی جماعت کے مخلص پرجوش باہمت احباب کیلئے حضرت اقدس کیجانب
سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کیساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون
کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین۔ جو کوئی میری
موجودگی اور میری زندگی مین میری منشا کیمطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ
قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ امر
رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کیواسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہے۔ کہ "تمہین معلوم نہین کہ اسوقت
رحمت الٰہی اسدین کی تائید مین جوش مین ہے واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ
جو اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا۔ مین بار بار کہتا ہون کہ خدمتمین جان توڑ کوشش کرو"
اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کیلیے سخت تاکید فرماتے ہوئے اس ارشاد کی آخری سطور
مین ظاہر فرمایا ہے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو
دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کی لحاظ سے یہ تعداد خریداری
بہت کم ہے" اگرچہ حضرت اقدس کے اس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی
جماعت کے ہر طبقہ کے احباب نے حسب استطاعت اسکی مالی امداد اور اشاعت مین حتی الوسع بہت کچھ
سعی فرمائی اور اپنے اخلاص مندی و ہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے
کہ تعداد خریداری نوسو ۹۰۰ پچیس سو تک یعنے سہ چند کے قریب ہوچکی ہے مگر کچھ عرصہ سے اپنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب

پر

حضرت مجدد الوقت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر*

اوّل میں اُس خدا کا شکر کرتا ہون جس نے ایسی پُرامن گورنمنٹ کے سایہ میں ہمیں جگہ دی ہے جو ہمیں اپنی مذہبی اشاعت سے نہیں روکتی اور اپنے عدل اور دادگستری سے ہر ایک کانٹا ہماری راہ سے دور کرتی ہے سو ہم خدا کے شکر کے ساتھ اس گورنمنٹ کا بھی شکر کرتے ہین۔

بعد اسکے اے معزز سامعین اسوقت مین اُن مذہبون کی نسبت جو اس ملک مین پائے جاتے ہین کچھ بیان کرنا چاہتا ہون اور جہانتک مجھے طاقت ہے مین تہذیب کی رعایت سے بات کرونگا تاہم مین جانتا ہون کہ طبعاً بعض انسانون کو اُن سچائیون کا سننا ناگوار معلوم ہوتا ہے جو انکے عقیدہ اور مذہب کے مخالف ہون سو یہ امر میرے اختیار سے باہر ہے کہ اس فطرتی نفرت کو دور کرسکون بہرحال مین سچائی کے بیان مین بھی ہر ایک صاحب سے معافی چاہتا ہون۔

اے معزز صاحبان مجھے بہت سے غور کے بعد اور نیز خدا کی متواتر وحی کے بعد معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ اس ملک مین مختلف فرقے بکثرت پائے جاتے ہین اور مذہبی اختلافات ایک سیلاب کیطرح حرکت کر رہے ہین تاہم وہ امر جو اس کثرت اختلافات کا موجب ہے وہ درحقیقت ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر انسانون کی اندر سے قوت روحانیت اور خداترسی کی کم ہوگئی ہے اور وہ آسمانی نور جسکے ذریعے سے انسان حق اور باطل مین فرق کر سکتا ہے وہ قریباً بہت سے دلون مین سے جاتا

* یہ لیکچر ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ہر مذہب و ملت و ہر طبقہ کے مجمع کثیر مین بمقام لاہور ایک عظیم الشان جلسہ مین پڑھا گیا بحوالہ اخبار عام و پنجہ فولاد وغیرہ کے حاضرین جلسہ کی تعداد دس بارہ ہزار سے بھی بڑھکر تھی۔ حدود جلسہ سے باہر کی استادہ ناظرین مخلوق اس تخمینہ کے علاوہ تھی۔

رہا ہے اور دُنیا ایک دہریّت کا رنگ پکڑتی جاتی ہے یعنے زبانوں پر تو خدا اور پرمیشر ہے اور دلون مین ناستک مت کے خیالات بڑھتے جاتے ہین اس بات پر یہ امر گواہ ہے کہ عملی حالتین جیسا کہ چاہیئے درست نہین ہین۔ سب کچھ زبان سے کہا جاتا ہے مگر عمل کے رنگ مین دکھلایا نہین جاتا۔ اگر کوئی پوشیدہ راستباز ہے تو مین اس پر کوئی حملہ نہین کرتا مگر عام حالتین جو ثابت ہو رہی ہین وہ یہی ہین کہ جس غرض کے لئے مذہب کو انسان کے لازم حال کیا گیا ہے وہ غرض مفقود ہے دل کی حقیقی پاکیزگی اور خدا تعالےٰ کی سچی محبت اور اس کی مخلوق کی سچی ہمدردی اور علم اور رحم اور انصاف اور فروتنی اور دوسرے تمام پاک اخلاق اور تقوے اور طہارت اور راستی جو ایک روح مذہب کی ہے اس کیطرف اکثر انسانون کو توجہ نہین۔ مقام افسوس ہے کہ دنیا مین مذہبی رنگ مین تو جنگ و جدل روز بروز بڑھتے جاتے ہین مگر روحانیت کم ہوتی جاتی ہے۔ مذہب کی اصلی غرض اس سچے خدا کا پہچاننا ہے جس نے اس تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور اس کی محبت مین اس مقام تک پہونچنا ہے جو غیر کی محبت کو جلا دیتا ہے اور اس کی مخلوق سے ہمدردی کرنا ہے۔ اور حقیقی پاکیزگی کا جامہ پہننا ہے لیکن مین دیکھتا ہون کہ یہ غرض اس زمانہ مین بالائے طاق ہے اور اکثر لوگ دہریہ مذہب کی کسی شاخ کو اپنے ہاتھ مین لئے بیٹھے ہین اور خدا تعالےٰ کی شناخت بہت کم ہوگئی ہے اسی وجہ سے زمین پر دن بدن گناہ کرنے کی دلیری بڑھتی جاتی ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی شناخت نہ ہو نہ اس کا قدر دل مین ہوتا ہے اور نہ اسکی محبت ہوتی ہے اور نہ اسکا خوف ہوتا ہے تمام اقسام خوف اور محبت اور قدر دانی کے شناخت کے بعد پیدا ہوتی ہین۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آج کل دنیا مین گناہ کی کثرت بوجہ کمی معرفت ہے اور سچے مذہب کی نشانیون مین سے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے کہ خدا تعالےٰ کی معرفت اور اسکے پہچان کے وسایل بہت سے اس مین موجود ہون تا انسان گناہ سے رُک سکے اور تا وہ خدا تعالےٰ کے حسن و جمال پر اطلاع پا کر کامل محبت اور عشق کا حصہ لیوے اور تا وہ قطع تعلق کی حالت کو جہنم سے زیادہ سمجھے۔ یہ سچی بات ہے کہ گناہ سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی محبت مین محو ہو جانا انسان کے لئے ایک عظیم الشان مقصود ہے اور یہی وہ راحت حقیقی ہے جس کو ہم بہشتی زندگی سے تعبیر کر سکتے ہین۔ تمام خواہشین جو خدا کی رضامندی کے مخالف ہین دوزخ کی آگ ہین اور ان خواہشون کی پیروی مین عمر بسر کرنا ایک جہنمی زندگی ہے مگر اس جگہ سوال یہ ہے کہ اس جہنمی زندگی سے نجات کیونکر حاصل ہو۔ اسکے جواب مین جو علم خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ اس آتش خانہ سے نجات ایسی معرفت الٰہی پر موقوف ہے جو حقیقی اور کامل ہو کیونکہ نفسانی جذبات جو اپنی طرف کھینچ رہے ہین وہ ایک کامل درجہ کا سیلاب ہے جو ایمان کو تباہ کرنیکے

لئے بڑے زور سے بہ رہا ہے اور کامل کا تدارک بجز کامل کے غیر ممکن ہے پس اسی وجہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کامل معرفت کی ضرورت ہے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ لوہے کو لوہے کے ساتھ ہی توڑ سکتے ہین یہ امر زیادہ دلایل کا محتاج نہین کہ قدر دانی اور محبت اور خوف یہ سب امور معرفت یعنے پہچاننے سے ہی پیدا ہوتے ہین اگر ایک بچہ کے ہاتھ مین مثلاً ایک ایسا ٹکڑا ہیرے کا دیا جائے جسکی کئی کروڑ روپیہ قیمت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس کی اسی حد تک قدر کریگا جیسا کہ ایک کھلونے کی قدر کرتا ہے اور اگر ایک شخص کو اس کی لاعلمی کی حالت مین شہد مین زہر ملا کر دیا جائے تو وہ اسے شوق سے کھائیگا اور یہ نہین سمجھے گا کہ اس مین میری موت ہے کیونکہ اسکو ایسے شہد کی معرفت نہین لیکن تم دانستہ ایک سانپ کے سوراخ مین ہاتھ ڈال نہین سکتے کیونکہ تمہین معلوم ہے کہ ایسے کام سے مرنے کا اندیشہ ہے ایسا ہی تم ایک ہلاہل زہر کو دیدہ ودانستہ کھا نہین سکتے کیونکہ تمہین یہ معرفت حاصل ہے کہ اس زہر کے کھانے سے تم مرجاؤگے۔ پھر کیا سبب ہے کہ اُس موت کی تم کچھ بھی پروا نہین کرتے کہ جو خدا کے حکمون کے توڑنے سے تم پر وارد ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اسکا یہی سبب ہے کہ اس جگہ تمہین ایسی معرفت بھی حاصل نہین جیسا کہ تمہین سانپ اور زہر کی معرفت حاصل ہے یعنے ان چیزون کی پہچان ہے یہ بالکل یقینی ہے اور کوئی منطق اس حکم کو توڑ نہین سکتی کہ معرفت تامہ انسان کو ان تمام کامون سے روکتی ہے جن مین انسان کے جان یا مال کا نقصان ہو اور ایسے رُکنے مین انسان کسی کفارہ کا محتاج نہین۔ کیا یہ سچ نہین کہ بدمعاش لوگ بھی جو جرایم کے عادی ہوتے ہین ہزارون ایسے نفسانی جذبات سے دست کش ہو جاتے ہین جن مین وہ یقیناً جانتے ہین کہ دست بدست پکڑے جائینگے اور سخت سزائین دیجائین گی اور تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگ روز روشن مین ایسے دکانون کے لوٹنے کے لئے حملہ نہین کرسکتے جن مین ہزارہا روپے کھلے پڑے ہین اور اُنکے رستہ پر بیسیون پولیس کے سپاہی ہتھیارون کے ساتھ دورہ کر رہے ہین پس کیا وہ لوگ چوری یا استحصال بالجبر سے اسلئے رکتے ہین۔ کہ کسی کفارہ پر اُن کو پختہ ایمان ہے یا کسی صلیبی عقیدہ کا انکے دلون پر رعب ہے۔ نہین بلکہ محض اسلئے کہ وہ پولیس کی کالی کالی وردیون کو پہچانتے ہین اور انکی تلوارون کی چمک سے اُنکے دلون پر لرزہ پڑتا ہے اور اُنکو اس بات کی معرفت تامہ حاصل ہے کہ وہ دست درازی سے ماخوذ ہو کر معاً جیلخانہ مین بھیجے جائینگے اور اس اصول پر صرف انسان ہی نہین بلکہ حیوانات بھی پابند ہین۔ ایک حملہ کرنے والا شیر جلتی ہوئی آگ مین اپنے تئین نہین ڈال سکتا گو کہ اسکے دوسری طرف ایک شکار بھی موجود ہو اور ایک بھیڑیا ایسی بکری پر حملہ نہین کرسکتا جسکے سر پہ مالک اسکا معہ ایک بھری ہوئی بندوق اور کھچی ہوئی

تلوار کے کھڑا ہے۔ پس لے پیارو! یہ نہایت سچا اور آزمودہ فلسفہ ہے کہ انسان گناہ سے بچنے کے لئے معرفت تامہ کا محتاج ہے نہ کسی کفارہ کا۔ مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر نوح کی قوم کو وہ معرفت تامہ حاصل ہوتی جو کامل خوف کو پیدا کرتی ہے تو وہ کبھی غرق نہ ہوتی اور اگر لوط کی قوم کو وہ پہچان بخشی جاتی تو اُنپر پتھر نہ برستے۔ اور اگر اس ملک کو ذات الٰہی کی وہ شناخت عطا کیجاتی جو بدن پر خوف سے لرزہ ڈالتی ہے تو اُس پر طاعون سے وہ تباہی نہ آتی جو آگئی مگر ناقص معرفت کوئی فایدہ پہنچا نہین سکتی۔ اور نہ اسکا نتیجہ جو خوف اور محبت ہے کامل ہوسکتا ہے۔ ایمان جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور محبت جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور خوف جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور معرفت جو کامل نہین وہ بے سود ہے۔ اور ہر ایک غذا اور شربت جو کامل نہین وہ بے سود ہے۔ کیا تم بھوک کی حالت مین صرف ایک دانہ سے سیر ہوسکتے ہو؟ پس اے سست ہمتو! اور طلب حق مین کاہلو! تم تھوڑی معرفت سے اور تھوڑی محبت سے اور تھوڑے خوف سے کیونکر خدا کے بڑے فضل کے امیدوار ہوسکتے ہو۔ گناہ سے پاک کرنا خدا کا کام ہے اور اپنی محبّت سے دل کو پُر کر دینا اسی قادر و توانا کا فعل ہے اور اپنی عظمت کا خوف کسی دل مین قائم کرنا اُسی جناب کے ارادہ سے وابستہ ہے اور قانون قدرت قدیم سے ایسا ہی ہے کہ یہ سب کچھ معرفت کاملہ کے بعد ملتا ہے خوف اور محبت اور قدردانی کی جڑھ معرفت کاملہ ہے۔ پس جسکو معرفت کاملہ دیگئی اُسکو خوف اور محبت بھی کامل دیگئی اور جسکو خوف اور محبت کامل دیگئی اسکو ہر ایک گناہ سے جو بیباکی سے پیدا ہوتا ہے نجات دیگئی۔ پس ہم اس نجات کے لئے نہ کسی خون کے محتاج ہین اور نہ کسی صلیب کے حاجتمند اور نہ کسی کفارہ کی ہمین ضرورت ہے بلکہ ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہین جو اپنے نفس کی قربانی ہے جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کر رہی ہے۔ ایسی قربانی کا دوسرے لفظون مین نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنے ہین ذبح ہونیکے لئے گردن آگے رکھ دینا یعنی کامل رضا کے ساتھ .... اپنی روح کو خدا کے آستانہ پر رکھ دینا۔ یہ پیارا نام تمام شریعت کی روح اور تمام احکام کی جان ہے۔ ذبح ہونیکے لئے اپنی دلی خوشی اور رضا سے گردن آگے رکھ دینا کامل محبت اور کامل عشق کو چاہتا ہے اور کامل محبت کامل معرفت کو چاہتی ہے پس اسلام کا لفظ اسی بات کیطرف اشارہ صریح کرتا ہے کہ حقیقی قربانی کے لئے کامل معرفت اور کامل محبت کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی ضرورت۔ اسی کیطرف خدا تعالے قرآن شریف مین اشارہ فرماتا ہے۔ لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوٰے منکم۔ یعنی تمہاری (قربانیون) کے نہ تو گوشت میرے تک پہنچ سکتے ہین اور نہ خون بلکہ صرف یہ

قربانی میرے تک پہونچتی ہے کہ تم مجھ سے ڈرو اور میرے لئے تقوے اختیار کرو +
اب جاننا چاہئے کہ مذہب اسلام کے تمام احکام کی اصل غرض یہی ہے کہ جو حقیقت لفظ اسلام مین مخفی ہے (۱) کو اُس تک پہونچایا جائے اسی غرض کے لحاظ سے قرآن شریف مین ایسی تعلیمین ہین کہ جو خدا کو پیارا بنانے کے لئے کوشش کر رہی ہین۔ کہین اس کے حسن و جمال کو دکھاتی ہین اور کہین اسکے احسانون کو یاد دلاتی ہین کیونکہ کسی کی محبت یا تو حسن کے ذریعہ سے دل مین بیٹھتی ہے اور یا احسان کے ذریعہ سے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خدا اپنی تمام خوبیون کے لحاظ سے واحد لاشریک ہے کوئی بھی اس مین نقص نہین۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام پاک قدرتون کا اور مبدا ہے تمام مخلوق کا اور سرچشمہ ہے تمام فیضونکا اور مالک ہے تمام جزا سزا کا۔ اور مرجع ہے تمام امور کا۔ اور نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دُور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ سب سے اوپر ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ اسکے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ سب چیزون سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ مگر نہین کہہ سکتے کہ اس سے کوئی زیادہ ظاہر ہے وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اسکے ساتھ زندہ ہے۔ وہ قائم ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اسکے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر ایک چیز کو اٹھا رکھا ہے اور کوئی چیز نہین جس نے اس کو اٹھا رکھا ہو۔ کوئی چیز نہین جو اسکے بغیر خود بخود پیدا ہوئی ہے یا اسکے بغیر خود بخود جی سکتی ہے وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ کیسا احاطہ ہے وہ آسمان اور زمین کی ہر ایک چیز کا نور ہے اور ہر ایک نور اسی کے ہاتھ سے چمکا اور اسی کی ذات کا پرتوہ ہے۔ وہ تمام عالمون کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہین جو اس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی روح کی کوئی قوت نہین۔ جو اس سے نہ ملی ہو اور خود بخود ہو اور اس کی رحمتین دو قسم کی ہین (۱) ایک وہ جو بغیر سبقت عمل کسی عامل کے قدیم سے ظہور پذیر ہین۔ جیساکہ زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستارے اور پانی اور آگ اور ہوا اور تمام ذرات اِس عالم کے جو ہمارے آرام کے لئے بنائے گئے۔ ایسا ہی جن جن چیزون کی ہمین ضرورت تھی وہ تمام چیزین ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے لئے مہیا کی گئین اور یہ سب اسوقت کیا گیا جبکہ ہم خود موجود نہ تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا کون کہہ سکتا ہے کہ سورج میرے عمل کی وجہ سے پیدا کیا گیا یا زمین میرے کسی شدہ کرم کے سبب سے بنائی گئی۔ غرض یہ وہ رحمت ہے جو انسان اور اسکے عملون سے پہلے ظاہر ہوچکی

ہے جو کسی کے عمل کا نتیجہ نہین (۲) دوسری رحمت وہ ہے جو اعمال پر مترتب ہوتی ہر
اور اس کی تصریح کی کچھ ضرورت نہین - ایساہی قرآن شریف مین وارد ہے کہ خدا کی ذات
ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک نقصان سے مبرّا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان
بھی اس کی تعلیم کی پیروی کرکے عیبون سے پاک ہو اور وہ فرماتا ہے من کان فی
ہذہ اعمے فہو فی الاٰخرۃ اعمے یعنے جو شخص اس دنیا مین اندھا رہیگا اور اس ذات
بیچون کا اس کو دیدار نہین ہوگا وہ مرنے کے بعد بھی اندھا ہی ہوگا اور تاریکی اُس سے
جدا نہین ہوگی کیونکہ خدا کے دیکھنے کے لئے اسی دنیا مین حواس ملتے ہین اور جو شخص
ان حواس کو دنیا سے ساتھ نہین لے جائیگا وہ آخرت مین بھی خدا کو دیکھ نہین سکیگا
اس آیت مین خدا تعالے نے صاف سمجھا دیا ہے کہ وہ انسان سے کس ترقی کا طالب
ہے اور انسان اس کی تعلیم کی پیروی سے کہانتک پہنچ سکتا ہے پھر اسکے بعد وہ قرآن شریف
مین اس تعلیم کو پیش کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اور جس پر عمل کرنے سے اسی دنیا مین
دیدار الہی میسر آسکتا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے من کان یرجوا لقاء ربہٖ فلیعمل عملاً
صالحًا ولا یشرک بعبادۃ ربہٖ احدا یعنے جو شخص چاہتا ہے کہ اسی دنیا مین اُس
خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے پس چاہیئے کہ وہ ایسے نیک
عمل کرے جن مین کسی قسم کا فساد نہ ہو یعنے عمل اسکے نہ لوگونکے دکھلانے کے لئے ہون
نہ ان کی وجہ سے دل مین تکبّر پیدا ہو کہ مین ایسا ہون اور ایسا ہون اور نہ وہ عمل ناقص
اور ناتمام ہون اور نہ ان مین کوئی ایسی بدبو ہو جو محبت ذاتی کے برخلاف ہو بلکہ چاہیئے
کہ صدق اور وفاداری سے بھرے ہوئے ہون اور ساتھ اسکے یہ بھی چاہیئے کہ ہر ایک
قسم کے شرک سے پرہیز ہو نہ سورج نہ چاند نہ آسمان کے ستارے نہ ہوا نہ آگ نہ پانی
نہ کوئی اور زمین کی چیز معبود ٹھہرائی جائے اور نہ دنیا کے اسباب کو ایسی عزت دیجائے
اور ایسا ان پر بھروسہ کیا جائے کہ گویا وہ خدا کے شریک ہین اور نہ اپنی ہمت اور
کوشش کو کچھ چیز سمجھا جائے کہ یہ بھی شرک کے قسمون مین سے ایک قسم ہے بلکہ سب
کچھ کرکے یہ سمجھا جائے کہ ہم نے کچھ نہین کیا اور نہ اپنے علم پر کوئی غرور کیا جائے اور
نہ اپنے عمل پر کوئی ناز - بلکہ اپنے تئین فی الحقیقت جاہل سمجھین اور کاہل سمجھین - اور
خدا تعالے کے آستانہ پر ہر ایک وقت روح گری رہے اور دعاؤنکے ساتھ اس کے
فیض کو اپنی طرف کھینچا جائے اور اُس شخص کی طرح ہو جائین کہ جو سخت پیاسا اور بے دست و
پا بھی ہے اور اسکے سامنے ایک چشمہ نمودار ہوا ہے نہایت صافی اور شیرین پس اُس نے

افتان وخیزان بہرحال اپنے تئیں اس چشمہ تک پہونچا دیا اور اپنی لبون کو اُس چشمہ پر رکھدیا اور علیحدہ نہ ہوا جب تک سیراب نہ ہوا اور پھر قرآن مین ہمارا خدا اپنی خوبیوں کے بارے مین فرماتا ہے۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ یعنے تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے ذات اور صفات مین واحد ہے نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ازلی اور ابدی یعنے انادی اور اکال ہے نہ کسی چیز کے صفات اس کی صفات کے مانند مین انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر اسکا علم کسی معلم کا محتاج نہین اور باینہمہ غیر محدود ہے۔ انسان کی شنوائی ہوا کی محتاج ہے اور محدود ہے۔ مگر خدا کی شنوائی ذاتی طاقت سے ہے اور محدود نہین۔ اور انسان کی بینائی سورج یا کسی دوسری روشنی کی محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر خدا کی بینائی ذاتی روشنی سے ہے اور غیر محدود ہے ایسا ہی انسان کی پیدا کرنے کی قدرت کسی مادہ کی محتاج ہے اور نیز وقت کی محتاج اور پھر محدود ہے لیکن خدا کی پیدا کرنے کی قدرت نہ کسی مادہ کی محتاج ہے نہ کسی وقت کی محتاج اور غیر محدود ہے کیونکہ اس کی تمام صفات بے مثل و مانند ہین اور جیسے کہ اس کی کوئی مثل نہین اس کی صفات کی بھی کوئی مثل نہین۔ اگر ایک صفت مین وہ ناقص ہو تو پھر تمام صفات مین ناقص ہوگا۔ اسلئے اس کی توحید قائم نہین ہو سکتی۔ جبتک کہ وہ اپنی ذات کی طرح اپنے تمام صفات مین بے مثل و مانند نہ ہو پھر اس سے آگے آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہین کہ خدا نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اسکا بیٹا ہے کیونکہ وہ غنی بالذات ہے اسکو نہ باپ کی حاجت ہے اور نہ بیٹے کی۔ یہ توحید ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی ہے جو مدار ایمان ہے اور اعمال کے متعلق یہ آیت جامع قرآن شریف مین ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ وینہیٰ عن الفحشاءِ والمنکر والبغی۔ یعنے خدا تمہین حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو اور عدل پہ قایم ہو جاؤ اور اگر اس سے زیادہ کامل بننا چاہو تو پھر احسان کرو۔ یعنے ایسے لوگونسے سلوک اور نیکی کرو جنہون نے تمسے کوئی نیکی نہین کی اور اگر اس سے بھی زیادہ کامل بننا چاہو تو محض ذاتی ہمدردی سے اور محض طبعی جوش سے بغیر نیت کسی شکر یا ممنون منت کرنے کے بنی نوع سے نیکی کرو جیسا کہ مان اپنے بچہ سے فقط اپنے طبعی جوش سے نیکی کرتی ہے اور فرمایا کہ خدا تمہین اس سے منع کرتا ہے کہ کوئی زیادتی کرو یا احسان جتلاؤ یا سچی ہمدردی کرنے والے کے کافر نعمت بنو اور اسی آیت کی تشریح مین ایک اور مقام مین فرماتا ہے۔ ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً و اسیراً۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً۔ یعنے کامل راستباز جب غریبون

اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا دیتے ہین تو محض خدا کی محبت سے دیتے ہین نہ کسی اور غرض سے دیتے ہین۔ اور وہ انہین مخاطب کرکے کہتے ہین کہ یہ خدمت خاص خدا کے لئے ہے اس کا ہم کوئی بدلہ نہین چاہتے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہین کہ ہمارا شکر کرو۔ اور پھر سزا جزا کے بارے مین فرمایا۔ جزٰؤُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللّٰہ۔ یعنے بدی کا بدلہ اسیقدر بدی ہے۔ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ اور گالی کے عوض گالی۔ اور جو شخص معاف کردے مگر ایسا معاف کرنا جسکا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کوئی خرابی یعنے جسکو معاف کیا گیا ہے وہ کچھ سُدھر جائے اور بدی سے باز آجائے تو اس شرط سے معاف کرنا انتقام سے بہتر ہوگا اور معاف کرنے والے کو اسکا بدلہ ملے گا یہ نہین کہ ہر ایک محل بے محل مین ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری بھی پھیر دیجائے۔ یہ تو دور از حکمت ہے اور بعض اوقات بدون سے نیکی کرنا ایسا مضر ہوجاتا ہے کہ گویا نیکو نے بدی کی ہے اور پھر فرمایا ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہٗ عداوۃ کانہٗ ولیٌ حمیم یعنے اگر کوئی تجھ سے بدی کرے تو تو اس سے زیادہ نیکی کر اور اگر تو ایسا کریگا تو باہین تمہاری اگر کوئی عداوت بھی ہوگی تو وہ ایسی دوستی سے بدل جائے گی کہ گویا وہ شخص ایک دوست بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ اور فرمایا۔ ولا یغتب بعضکم بعضًا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتًا۔ ولا یسخر قومٌ من قومٍ عسٰی ان یکونوا خیرًا منھم ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ وقولوا قولًا سدیدًا واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا + یعنے چاہئے کہ ایک تمہارا دوسرے کا گلہ مت کرے کیا تم پسند کرتے ہو کہ مردے بھائی کا گوشت کھاؤ اور چاہئے کہ ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے کہ ہماری اونچی ذات اور ان کی کم ہے ممکن ہے کہ وہ تمسے بہتر ہون اور خدا کے نزدیک تو زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ نیکی اور پرہیزگاری سے حصہ لیتا ہے۔ قومون کا تفرقہ کچھ چیز نہین ہے اور تم برے نامون سے جن سے لوگ چڑتے ہین یا اپنی ہتک سمجھتے ہین ان کو مت پکارو ورنہ خدا کے نزدیک تمہارا نام بدکار ہوگا اور بتون سے اور جھوٹ سے پرہیز کرو کہ یہ دونون ناپاک ہین اور جب بات کرو تو حکمت اور معقولیت سے کرو اور لغوگوئی سے بچو اور چاہئے کہ

تمہارے تمام اعضاء اور تمام قوتین خدا کی تابع ہون اور تم سب ایک ہوکر اس کی اطاعت مین لگو

اور پھر ایک مقام مین فرمایا اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ـ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ـ یعنے اے وے لوگو جو خدا سے غافل ہو دنیا طلبی نے تمہین غافل کیا یہانتک کہ تم قبرون مین داخل ہوجاتے ہو اور غفلت سے باز نہین آتے یہ تمہاری غلطی ہے اور عنقریب تمہین معلوم ہوجائیگا۔ پھر مین کہتا ہون کہ عنقریب تمہین معلوم ہوجائیگا اگر تمہین یقینی علم حاصل ہوجائے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کرکے اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تمہین معلوم ہوجائے کہ تمہاری زندگی جہنمی ہے پھر اگر اس سے بڑھ کر تمہین معرفت ہوجائے تو تم یقین کامل کی آنکھ سے دیکھلو کہ تمہاری زندگی جہنمی ہے پھر وقت بھی آتا ہے کہ تم جہنم مین ڈالے جاؤگے اور ہر ایک عیاشی اور بے اعتدالی سے پوچھے جاؤگے یعنے عذاب مین ماخوذ ہوکر حق الیقین تک پہونچ جاؤگے۔ ان آیات مین اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ یقین تین قسم کا ہوتا ہے ایک یہ کہ محض علم اور قیاس سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کوئی دور سے دھوان دیکھے اور قیاس اور عقل کو دخل دیکر سمجھ لے کہ اسجگہ ضرور آگ ہوگی۔ اور پھر دوسری قسم یقین کی یہ ہے کہ اس آگ کو اپنی آنکھون سے دیکھ لے پھر تیسری قسم یقین کی یہ ہے کہ مثلاً اس آگ مین ہاتھ ڈالدے اور اسکی قوت احتراق سے مزہ چکھ لے۔ پس یہ تین قسمین ہوئین۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اس آیت مین خدا تعالےٰ نے سمجھایا کہ تمام راحت انسان کی خدا تعالےٰ کے قرب اور محبت مین ہے اور جب اس سے علاقہ توڑکر دنیا کیطرف جھکے تو یہ جہنمی زندگی ہے اور اس جہنمی زندگی پر آخر کار ہر ایک شخص اطلاع پالیتا ہے اور اگرچہ اس وقت اطلاع پاوے جبکہ یکدفعہ مال و متاع اور دنیا کے تعلقات کو چھوڑکر مرنے لگے۔ اور پھر دوسری جگہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف مین فرماتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ـ یعنے جو شخص خدا تعالےٰ کے مقام اور عزت کا پاس کرکے اور اس بات سے ڈرکر کہ ایک دن خدا کے حضور مین پوچھا جائیگا گناہ کو چھوڑتا ہے اسکو دو بہشت عطا ہونگے۔ (۱) اول اسی دنیا مین بہشتی زندگی اسکو عطا کیجاویگی اور ایک پاک تبدیلی اس مین پیدا ہوجائے گی اور خدا اسکا متولی اور متکفل ہوگا۔ دوسرے مرنیکے بعد جاودانی بہشت اسکو عطا کیا جائے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ خدا سے ڈرا اور اسکو دنیا پر اور نفسانی جذبات پر مقدم کرلیا۔ پھر ایک اور جگہ قرآن شریف مین فرماتا ہے :۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ
مِزَاجُهَا كَافُورًا۔ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا۔ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا۔ یعنے ہم نے کافرون کے لئے جو ہماری محبت
دل مین نہین رکھتے اور دنیا کیطرف جھکے ہوئے ہین۔ زنجیر اور طوق گردن اور دل کے جلنے کے
سامان تیار کر رکھے ہین۔ اور دنیا کی محبت کی انکے پیرون مین زنجیرین ہین اور گردنون مین
ترک خدا کا ایک طوق ہے جس سے سر اٹھا کر اوپر کو نہین دیکھ سکتے۔ اور دنیا کیطرف جھکے
جاتے ہین اور دنیا کی خواہشون کی ہر وقت انکے دلون مین ایک جلن ہے۔ مگر وہ جو نیکوکار
ہین۔ وہ اسی دنیا مین ایسا کافوری شربت پی رہے ہین جس نے انکے دلون مین سے دنیا
کی محبت ٹھنڈی کر دی ہے اور دنیا طلبی کی پیاس بجھا دی ہے کافوری شربت کا ایک چشمہ ہے
جو انکو عطا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ کو پھاڑ پھاڑ کر نہر کی صورت پر کر دیتے ہین تا وہ
نزدیک اور دور کے پیاسون کو اس مین شریک کر دین۔ اور جب وہ چشمہ نہر کی صورت پر
آجاتا ہے اور قوت ایمانی بڑھ جاتی ہے اور محبت الٰہی نشوونما پانے لگتی ہے تب انکو
ایک اور شربت پلایا جاتا ہے۔ جو زنجبیلی شربت کہلاتا ہے یعنے پہلے تو وہ کافوری شربت
پیتے ہین۔ جسکا کام صرف اسقدر ہے کہ دنیا کی محبت انکے دلونپر سے ٹھنڈی کر دے۔ لیکن
بعد اسکے وہ ایک گرم شربت کے بھی محتاج ہین۔ تا خدا کی محبت کی گرمی ان مین بھڑکے کیونکہ
صرف بدی کا ترک کرنا کمال نہین ہے پس اسی کا نام زنجبیلی شربت ہے اور اس چشمہ کا
نام سلسبیل ہے جسکے معنے ہین خدا کی راہ پوچھ اور پھر ایک مقام مین فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَن
زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا۔ یعنے نفسانی گرفتاریون سے وہ شخص نجات پا گیا اور بہشتی
زندگی کا مالک ہو گیا۔ جس نے اپنے نفس کو پاک بنا لیا۔ اور ناکام اور نامراد رہا وہ شخص جسنے
اپنے نفس کو زمین مین دھنسایا اور آسمان کیطرف رخ نہ کیا اور چونکہ یہ مقامات صرف
انسانی سعی سے حاصل نہین ہو سکتے اسلئے جا بجا قرآن شریف مین دعا کی ترغیب دی
ہے اور مجاہدہ کی طرف رغبت دلائی ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ
یعنے دعا کرو مین تمہاری دعا قبول کرونگا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي
عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ۔ یعنے اگر میرے بندے میرے وجود سے سوال کرین کہ کیونکر اسکی ہستی

ثابت ہے اور کیونکر سمجھا جائے کہ خدا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مین بہت ہی نزدیک ہون
مین اپنے پکارنیوالے کو جواب دیتا ہون اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو مین اسکی آواز سنتا
ہون اور اس سے ہمکلام ہوتا ہون۔ پس چاہئے کہ اپنے تئین ایسے بنادین کہ مین انسے
ہمکلام ہو سکون اور مجھ پر کامل ایمان لاوین تا ان کو میری راہ ملے اور پھر فرماتا ہے:۔
والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا یعنے جو لوگ ہماری راہ مین اور ہماری طلب کے
لئے طرح طرحکی کوششین اور محنتین کرتے ہین۔ ہم انکو اپنی راہ دکھلا دیتے ہین۔ اور پھر فرمایا
ہے **وکونوا مع الصادقین**۔ یعنے اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو دعا بھی کرو۔ اور کوشش
بھی کرو اور صادقون کی صحبت مین بھی رہو۔ کیونکہ اس راہ مین صحبت بھی شرط ہے یہ تمام
احکام وہ ہین جو انسان کو اسلام کی حقیقت تک پہونچاتے ہین کیونکہ جیسا کہ مین بیان کر چکا
ہون۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی گردن خدا کے آگے قربانی کے بکرے کی طرح رکھدینا
اور اپنے تمام ارادونسے کھوئے جانا اور خدا کے ارادہ اور رضا مین محو ہو جانا اور خدا مین گم
ہو کر ایک موت اپنے پر وارد کر لینا اور اس کی محبت ذاتی سے پورا رنگ حاصل کر کے محض
محبت کے جوش سے اس کی اطاعت کرنا نہ کسی اور بنا پر۔ اور ایسی آنکھین حاصل کرنا جو محض
اسکے ساتھ دیکھتی ہون اور ایسے کان حاصل کرنا جو محض اسکے ساتھ سنتے ہون۔ اور ایسا
دل پیدا کرنا جو سراسر اس کی طرف جھکا ہوا ہو اور ایسی زبان حاصل کرنا جو اسکے بلائے بولتی
ہو۔ یہ وہ مقام ہے جسپر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہین۔ اور انسانی قوے اپنے ذمہ کا تمام
کام کر چکتے ہین اور پورے طور پر انسان کی نفسانیت پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ تب
خدا تعالی کی رحمت اپنے زندہ کلام اور چمکتے ہوئے نورونکے ساتھ دوبارہ اسکو زندگی بخشتی
ہے۔ اور وہ خدا کے لذیذ کلام سے مشرف ہوتا ہے۔ اور وہ دقیق در دقیق نور جسکو عقلین دریافت
نہین کر سکتین اور آنکھین اس کنہ تک نہین پہونچتین۔ وہ خود انسان کے دل سے نزدیک
ہو جاتا ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید**۔ یعنے ہم اسکی شاہ رگ
سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہین پس ایسا ہی وہ اپنے قرب سے فانی انسان کو مشرف
کرتا ہے۔ تب وہ وقت آتا ہے کہ نابینائی دور ہو کر معرفت کی آنکھین روشن ہو جاتی ہین اور
انسان اپنے خدا کو ان نئی آنکھونسے دیکھتا ہے اور اسکی آواز سنتا ہے اور اسکی نور کی چادر
اندر اپنے تئین لپٹا ہوا پاتا ہے تب مذہب کی غرض ختم ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنے خدا کے مشاہدہ
سے سفلی زندگی کا گندہ چولہ اپنے وجود پر سے پھینکدیتا ہے اور ایک نور کا پیراہن پہن لیتا ہے۔ اور نہ
صرف وعدہ کے طور پر اور نہ فقط آخرت کے انتظار مین خدا کے دیدار اور بہشت کا منتظر رہتا ہے بلکہ اسی جگہ

اور اسی دنیا مین دیدار و گفتار الہی اور جنت کی نعمتون کو پالینا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے
ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ یعنے جو لوگ یہ کہتے ہین کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو جامع صفات کاملہ ہے جس کی ذات اور صفات مین اور کوئی شریک نہین۔ اور یہ کہکر پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہین اور کتنے ہی زلزلے آوین اور بلائین نازل ہون۔ اور موت کا سامنا ہو۔ انکے ایمان اور صدق مین فرق نہین آتا۔ انپر فرشتے اترتے ہین اور خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم بلاؤنسے اور خوفناک دشمنون سے مت ڈرو اور نہ گذشتہ مصیبتون سے غمگین ہو۔ مین تمہارے ساتھ ہون اور مین اسی دنیا مین تمہین بہشت دیتا ہون جسکا تمہین وعدہ دیا گیا تھا پس تم اس سے خوش ہو۔ اب واضح ہو کہ یہ باتین بغیر شہادت کے نہین اور یہ ایسے وعدے نہین کہ جو پورے نہین ہوئے بلکہ ہزارون اہل دل مذہب اسلام مین اس روحانی بہشت کا مزہ چکھ چکے ہین۔ درحقیقت اسلام وہ مذہب ہے جسکے سچے پیرؤون کو خدا تعالے نے تمام گذشتہ راستبازون کا وارث ٹھہرایا ہے اور ان کی متفرق نعمتین اس امت مرحومہ کو عطا کر دی ہین اور اُس نے اس دعا کو قبول کر لیا ہے جو قرآن شریف مین آپ سکھلائی تھی اور وہ یہ ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ ہمین وہ راہ دکھلا۔ جو ان راستبازون کی راہ ہے جن پر تونے ہر ایک انعام و اکرام کیا ہے۔ یعنے جنہون نے تجھ سے ہر ایک قسم کی برکتین پائی ہین اور تیرے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوئے ہین اور تجھ سے دعاؤن کی قبولیتین حاصل کی ہین اور تیری نصرت اور مدد اور راہ نمائی ان کے شامل حال ہوئی ہے اور ان لوگون کی راہوں سے ہمین بچا۔ جنپر تیرا غضب ہے اور جو تیری راہ کو چھوڑ کر اور راہون کی طرف چلے گئے ہین۔ یہ وہ دعا ہے جو نماز مین پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور یہ تبلا رہی ہے کہ اندھا ہونے کی حالت مین دنیا کی زندگی بھی ایک جہنم ہے اور پھر مرنا بھی ایک جہنم ہے اور درحقیقت خدا کا سچا تابع اور واقعی نجات پانیوالا وہی ہو سکتا ہے جو خدا کو پہچان لے اور اُس کی ہستی پر کامل ایمان لے آوے اور وہی ہے جو گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔ اور خدا کی محبت مین محو ہو سکتا ہے۔ پس جس دل مین یہ خواہش اور یہ طلب نہین کہ خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ یقینی طور پر اسکو نصیب ہو وہ ایک مردہ دل ہے اور جس دین مین یہ قوت نہین کہ اس کمال تک پہونچا دے اور اپنے سچے پیرؤون کو خدا کا ہمکلام بنا دے وہ دین منجانب اللہ نہین اور

اس مین راستی کی روح نہین۔ ایسا ہی جس کسی نبی نے اس راہ کیطرف لوگونکو نہین چلایا۔ کہ خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ کے طالب ہون اور کامل معرفت کے خواہان ہون ۔ وہ نبی بھی خدا کی طرف سے نہین ہے اور وہ خدا پر افترا کرتا ہے کیونکہ انسان کا عظیم الشان مقصود جس سے وہ گناہون سے نجات پا سکتا ہے یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور اسکی سزا جزا پر اسکو پورا یقین آوے مگر اس غیب الغیب خدا پر کیونکر یقین حاصل ہو۔ جبتک اسکی طرف سے انا الموجود کی آواز نہ سنی جاوے اور جبتک کہ انسان اس کیطرف سے کھلے کھلے نشان مشاہدہ نکرے کیونکر اس کی ہستی پر یقین کامل آوے عقلی دلایل سے خدا کے وجود کا پتہ لگانا صرف اس حد تک ہے کہ عقل سلیم زمین اور آسمان اور انکی ترتیب ابلغ اور محکم کو دیکھکر یہ تجویز کرتی ہے کہ ان مصنوعات پُر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہئے۔ مگر یہ دکھلا نہین سکتی کہ فی الحقیقت صانع ہی بھی اور ظاہر ہے کہ ہونا چاہئے۔ صرف ایک خیال ہے اور "ہے" ایک امر واقعہ کا ثبوت ہے اور دونو مین فرق کھلا کھلا ہے۔ یعنے پہلی صورت مین صرف ضرورت صانع بتلائی گئی ہے اور دوسری صورت مین اسکے فی الواقع موجود ہونے کی شہادت دیجاتی ہے غرض اس زمانہ مین کہ مذاہب کی باہمی کشاکش کا ایک تند و تیز سیلاب چل رہا ہے طالب حق کو اس اصل مقصود کو فراموش نہین کرنا چاہئے کہ مذہب وہی سچا ہے جو یقین کامل کے ذریعہ سے خدا کو دکھلا سکتا ہے اور درجہ مکالمہ مخاطبہ الہیہ تک پہونچا سکتا ہے اور خدا کی ہمکلامی کا شرف بخش سکتا ہے اور اس طرح اپنی روحانی قوت اور روح پرور خاصیت سے دلونکو گناہ کی تاریکی سے چھڑا سکتا ہے اور اسکے سوا سب دھوکا دینے والے ہین۔

اب ہم اس ملک کے چند مذاہب پر نظر کرتے ہیں۔ کہ کیا وہ خدا تعالے کی معرفت کے بارے مین یقین کامل تک پہنچا سکتے ہین اور کیا ان کی کتابون مین یہ وعدہ موجود ہے کہ وہ خدا کے یقینی مکالمہ سے شرف حاصل کرا سکتے ہین اور اگر موجود ہے تو کیا اس زمانہ مین انکے ذریعہ سے کوئی اس کا مصداق پایا بھی جاتا ہے یا نہین۔ سو سب سے پہلے قابل ذکر وہ مذہب ہے جو مسیحی مذہب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پس واضح ہو کہ اس مذہب کے بارے مین ہمین زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین کیونکہ مسیحی صاحبونکا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ مسیح کے زمانہ کے بعد الہام اور وحی پر مہر لگ گئی ہے اور اب یہ نعمت آگے نہین بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب اسکے پانے کی کوئی بھی راہ نہین ۔ اور قیامت تک نومیدی ہے۔ اور فیض کا دروازہ بند ہے اور شاید یہی وجہ ہوگی کہ نجات پانے کے لئے ایک نئی تجویز نکالی گئی ہے اور ایک نیا نسخہ تجویز کیا گیا ہے جو تمام جہان کے اصول سے نرالا اور سراسر عقل اور انصاف

اور رحم کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تمام جہان کے گناہ اپنے ذمہ لیکر صلیب پر مرنا منظور کیا تا ان کی اس موت سے دوسرون کی رہائی ہو۔ اور خدا نے اپنے بے گناہ بیٹے کو مارا تا گنہگارونکو بچاوے لیکن ہمین کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ اس قسم کی مظلومانہ موت سے دوسرونکے دل گناہ کی پلید خصلت سے کیونکر صاف اور پاک ہوسکتے ہین اور کیونکر ایک بے گناہ کے قتل ہونے سے دوسرونکو گذشتہ گناہونکی معافی کی سند مل سکتی ہے بلکہ اس طریق مین انصاف اور رحم دونونکا خون ہے کیونکہ گنہگار کے عوض مین بیگناہ کو پکڑنا خلاف انصاف ہے اور نیز بیٹے کو اس طرح ناحق سخت دلی سے قتل کرنا خلاف رحم ہے اور اس حرکت سے فائدہ خاک نہین اور ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ اصل سبب گناہ کے سیلاب کا قلت معرفت ہے پس جبتک ایک علت موجود ہے تب تک معلول کی نفی کیونکر ہوسکتی ہے۔ ہمیشہ علت کا وجود معلول کے وجود کو چاہتا ہے اب جائے حیرت ہے کہ یہ کیسا فلسفہ ہے۔ کہ گناہ کرنے کی علت جو قلت معرفت باریتعالیٰ ہے وہ تو سر پر موجود کھڑی ہے مگر معلول اسکا جو ارتکاب گناہ کی حالت ہے وہ معدوم ہوگئی ہے تجربہ ہزارون گواہ پیش کرتا ہے کہ بجز معرفت کامل کے نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ کسی چیز کا خوف پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کی قدر دانی ہوتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کسی فعل یا ترک فعل کو یا تو خوف کیوجہ سے کرتا ہے اور یا محبت کیوجہ سے۔ اور خوف اور محبت دونون معرفت سے پیدا ہوتی ہین پس جب معرفت نہین تو نہ خوف ہے اور نہ محبت ہے۔ اے عزیزو۔ اور پیارو اس جگہ راستی کی حمایت اس بیان کے لئے ہمین مجبور کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت کے بارے مین حضرات مسیحیون کے ہاتھ مین کوئی امر صاف نہین ہے وحی کے سلسلہ پر تو پہلے سے مہر لگ چکی ہے اور مسیح اور حواریون کے بعد معجزات بھی بند ہوگئے ہین۔ رہا عقلی طریق۔ سو آدمزاد کو خدا بنانے مین وہ طریق بھی ہاتھ سے گیا۔ اور اگر گذشتہ معجزات جو اب محض قصونکے رنگ مین ہین پیش کئے جائین۔ تو اول تو ہر ایک منکر کہہ سکتا ہے کہ خدا جانے ان کی اصل حقیقت کیا ہے اور کسقدر مبالغہ ہے کیونکہ کچھ شک نہین کہ مبالغہ کرنا انجیل نویسون کی عادت مین داخل تھا چنانچہ ایک انجیل مین یہ فقرہ موجود ہے کہ مسیح نے اتنے کام کئے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دنیا مین سما نہ سکتے۔ اب دیکھو کہ وہ کام بغیر لکھنے کے تو دنیا مین سما گئے لیکن لکھنے کیحالت مین وہ دنیا مین نہین سمائینگے۔ یہ کس قسم کا فلسفہ اور کس قسم کی منطق ہے کیا کوئی سمجھ سکتا ہے ماسوا اسکے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات حضرت موسےٰ نبی کے معجزات سے کچھ

بڑھ کر نہیں ہیں اور ایلیا نبیؑ کے نشانوں کا جب مسیحؑ کے نشانوں سے مقابلہ کریں تو ایلیاؑ کے معجزات کا پلہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر معجزات سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو یہ سب بزرگ خدائی کے مستحق ہیں۔ اور یہ بات کہ مسیحؑ نے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہا ہے یا کسی اور کتاب میں اسکو بیٹا کہا گیا ہے۔ ایسی تحریروں سے اسکی خدائی نکالنا درست نہیں +

بائبل میں بہت سے لوگوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے بلکہ بعض کو خدا بھی۔ پھر مسیحؑ کی تخصیص بے وجہ ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی کہ کسی دوسرے کو ان کتابوں میں بجز مسیح کے خدا یا خدا کے بیٹے کا لقب نہ دیا جاتا۔ تب بھی ایسی تحریروں کو حقیقت پر حمل کرنا نادانی تھا۔ کیونکہ خدا کے کلام میں ایسے استعارات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر جس حالت میں بائبل کے رو سے خدا کا بیٹا کہلانے میں اور بھی مسیحؑ کے شریک ہیں تو دوسرے شرکاء کو کیوں اس فضیلت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ غرض نجات کے لئے اس منصوبہ پر بھروسہ کرنا صحیح نہیں ہے اور گناہ سے باز رہنے کو اس منصوبہ سے کوئی بھی تعلق نہیں پایا جاتا بلکہ دوسرے کی نجات کے لئے خودکشی کرنا خود گناہ ہے اور میں خدا تعالے کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہون کہ ہرگز مسیحؑ نے اپنی رضامندی سے صلیب کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ شریر یہودیوں نے جو چاہا اس سے کیا اور مسیح نے صلیبی موت سے بچنے کے لئے باغ میں ساری رات دعا کی اور اسکے آنسو جاری ہو گئے۔ تب خدا نے باعث اسکے تقوے کے اس کی دعا قبول کی اور اسکو صلیبی موت سے بچا لیا۔ جیسا کہ خود انجیل میں بھی لکھا ہے۔ پس یہ کیسی تہمت ہے کہ مسیحؑ نے اپنی رضامندی سے خودکشی کی۔ ماسوا اسکے عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ زید اپنے سر پر پتھر مارے اور بکر کی اس سے دردِ سر جاتی رہے۔ ہان ہم قبول کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان کامل بندوں میں سے تھے جنکو خدا نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے لیکن وہ الفاظ جو انکی نسبت یا دوسرے نبیوں کی نسبت کتابوں میں وارد ہیں۔ ان سے نہ انکو اور نہ کسی اور نبی کو ہم خدا بنا سکتے ہیں میں ان امور میں خود صاحب تجربہ ہون۔ اور میری نسبت خدا تعالے کی پاک وحی میں وہ اعزاز اور اکرام کے لفظ موجود ہیں کہ میں نے کسی انجیل میں حضرت مسیح کے بارے میں نہیں دیکھے۔ اب میں کیا یہ کہہ سکتا ہون کہ میں حقیقت میں خدا ہون یا خدا کا بیٹا ہون۔ رہی انجیل کی تعلیم سو میری رائے یہ ہے۔ کہ تعلیم کامل وہ ہوتی ہے جو تمام انسانی قوے کی پرورش کرے۔ نہ صرف یہ کہ محض ایک پہلو پر اپنا تمام زور ڈالدے۔ میں سچ سچ کہتا ہون کہ یہ کامل تعلیم میں نے قرآن شریف میں ہی پائی ہے وہ ہر ایک امر میں حق اور حکمت کی رعایت رکھتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً انجیل میں کہا گیا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دے۔ مگر قرآن شریف ہمیں تعلیم دیتا ہے

کہ یہ حکم ہر حال اور ہر محل مین نہین بلکہ موقع اور محل دیکھنا چاہیئے کہ کیا وہ صبر کو چاہتا ہے - یا انتقام کو اور عفو کو چاہتا ہے یا سزا کو - اب ظاہر ہے کہ یہی قرآنی تعلیم کامل ہے اور بغیر اسکی پابندی کے انسانی سلسلہ تباہ ہو جاتا ہے اور نظام دنیا بگڑ جاتا ہے - ایسا ہی انجیل مین ... کہا گیا ہے کہ تو شہوت کی نظر سے بیگانہ عورت کیطرف مت دیکھ مگر قرآن شریف مین ہے کہ نہ تو شہوت کی نظر سے اور نہ بغیر شہوت کے بیگانہ عورتون کو دیکھنے کی عادت کر - کہ یہ سب تیرے لئے ٹھوکر کی جگہ ہے - چاہیئے کہ ضرورتون کے موقعہ پر تیری آنکھ بند کے قریب ہو اور دھندلی سی ہو اور کھلی کھلی نظر ڈالنے سے پرہیز کر کہ یہی طریق پاک دلی کے محفوظ رکھنے کا ہے - اس زمانہ کے مخالف فرقے شاید اس حکم سے مخالفت کرینگے - کیونکہ آزادی کا نیا نیا شوق ہے مگر تجربہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہی حکم صحیح ہے - دوستوا کھلی کھلی بے تکلفی اور نظر بازی کے کبھی نتیجے اچھے نہین نکلتے - مثلاً جس حالت مین ابھی ایک مرد نفسانی جذبات سے پاک نہین اور نہ جوان عورت نفسانی جذبات سے پاک ہے تو ان دونون کو ملاقات اور نظر بازی اور آزادی کا موقعہ دینا گویا انکو اپنے ہاتھ سے گڑھے مین ڈالنا ہے - ایسا ہی انجیل مین کہا گیا ہے کہ بغیر زنا کے طلاق درست نہین - مگر قرآن شریف جایز رکھتا ہے کہ جہان مثلاً خاوند اور عورت دونون باہم جانی دشمن ہو جائین اور ایک کی جان دوسرے سے خطرہ مین ہو اور یا عورت نے زنا تو نہین کیا مگر زنا کے لوازم پیدا کر لئے ہین اور یا اسکو کوئی ایسی مرض ہو گئی ہے جس سے تعلق قایم رکھنے کی حالت مین خاوند کی ہلاکت ہے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو گیا ہے جو خاوند کی نظر مین طلاق کا موجب ہے - تو ان سب صورتون مین طلاق دینے مین خاوند پر کوئی اعتراض نہین - اب پھر ہم اصل مقصود کیطرف عود کر کے کہتے ہین کہ یقیناً یاد رکھو کہ حضرات مسیحیون کے پاس نجات اور گناہ سے رکنے کا کوئی حقیقی ذریعہ موجود نہین کیونکہ نجات کے بجز اسکے کوئی اور معنے نہین کہ انسان کی ایسی حالت ہو جائے کہ گناہ ہونکے ارتکاب پر دلیری نہ کر سکے اور خدا تعالیٰ کی محبت اسقدر ترقی کرے کہ نفسانی محبتین اسپر غالب نہ آسکین - اور ظاہر ہے کہ یہ حالت بجز معرفت تامہ کے پیدا نہین ہو سکتی - اب جب ہم قرآن شریف کو دیکھتے ہین تو ہم اس مین کھلے طور پر وہ وسایل پاتے ہین جن سے خدا تعالےٰ کی معرفت تامہ حاصل ہو سکے اور پھر خوف غالب ہو کر گناہون سے رک سکین - کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ اس کی پیروی سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہو جاتا ہے اور آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہین اور انسان خدا سے علم غیب پاتا ہے اور محکم تعلق اُس سے پیدا ہو جاتا ہے اور دل خدا کے وصال کے لئے جوش

مارتا ہے اور اسکو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتا ہے اور دعائین قبول ہو کر اطلاع دیجاتی ہے اور ایک دریا معرفت کا جاری ہو جاتا ہے جو گناہ سے روکتا ہے اور پھر جب ہم انجیل کیطرف آتے ہین تو گناہ سے بچنے کے لئے صرف اس مین ایک غیر معقول طریق پاتے ہین جسکو ازالہ گناہ سے کچھ بھی تعلق نہین۔ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انسانیت کی کمزوریان تو بہت دکھلائین اور خدائی کی کوئی خاص قوت ظاہر نہ ہوئی جو غیر سے انکو امتیاز دیتی تاہم وہ مسیحیون کی نظر مین خدا کر کے مانے گئے ✠

آریہ مذہب

اب ہم آریہ مذہب پر مختصر طور سے نظر کرتے ہین کہ گناہ سے بچنے کے لئے اُنکے مذہب مین کیا سامان پیش کیا گیا ہے۔ پس واضح ہو کہ آریہ صاحبون کے وید مقدس نے سرے سے آیندہ زمانہ کے لئے خدا تعالےٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ اور آسمانی نشانون سے انکار کر دیا ہے۔ پس وید مین سے اس کامل تسلی کو ڈھونڈنا کہ کسی کو خدا کے انا الموجود ہونیکی آواز آوے اور خدا دعاؤن کو سن کر ان کا جواب دیوے اور نشانون کے ذریعہ سے اپنا چہرہ دکھا دے ایک عبث کوشش اور لاحاصل تلاش ہے بلکہ انکے نزدیک یہ تمام امر محالات مین سے ہین۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ کسی چیز کا خوف یا محبت بغیر اس کی رویت اور کامل معرفت کے ممکن ہی نہین۔ اور صرف مصنوعات پر نظر ڈالنے سے کامل معرفت ہو نہین سکتی۔ اسی وجہ سے محض عقل کے پیرؤون مین ہزار ہا دہریہ اور ناستک مت والے بھی موجود ہین بلکہ جو لوگ فلسفہ کے پورے کمال تک پہونچتے ہین وہی ہین جن کو پورے دہریہ کہنا چاہیئے اور ابھی ہم بیان کر چکے ہین کہ عقل سلیم زیادہ سے زیادہ صرف اس حد تک کام دے سکتی ہے کہ مصنوعات پر نظر ڈالنے سے بشرطیکہ دہریہ پن کا رنگ اپنے اندر نہ رکھتی ہو یہ تجویز کر سکتی ہے کہ ان چیزون کا کوئی خالق ہونا چاہیئے نہ یہ کہ وہ خالق فی الواقعہ موجود بھی ہے اور پھر عقل ہی اس وہم مین گرفتار ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سب کارخانہ خود بخود چلا آتا ہو۔ اور طبعی طور پر بعض چیزین بعض کی خالق ہون۔ پس عقل اس یقین کامل تک نہین پہونچا سکتی جسکا نام معرفت تامہ ہے جو قائمقام دیدار الٰہی ہے اور جس سے کامل طور پر خوف اور محبت پیدا ہوتے ہین اور پھر خوف اور محبت کی آگ سے ہر یک قسم کا گناہ جل جاتا ہے اور نفسانی جذبات پر موت آجاتی ہے اور ایک نورانی تبدیلی پیدا ہو کر تمام اندرونی کمزوریان اور گناہ کی غلاظتین دور ہو جاتی ہین۔ لیکن چونکہ اکثر انسانون کو اس کامل پاکیزگی کی پرواہ نہین ہے جو گناہ کے داغ سے بالکل مبرّا کرتی ہے اسلئے اکثر لوگ اس ضرورت کو محسوس کر کے اس کی تلاش مین نہین لگ جاتے بلکہ اُلٹے

تعصب سے پُر ہو کر مخالفت ظاہر کرتے ہین اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہین اور آریہ صاحبونکا مسلک تو بہت ہی قابل افسوس ہے کہ وہ معرفت تامہ کے حقیقی وسیلہ سے تو قطعاً نومید ہین اور عقلی وسایل بھی انکے ہاتھ مین نہین رہے کیونکہ جب کہ اُنکے نزدیک ذرہ ذرہ عالم کا انادی ہے جو خود بخود ہے اور کسی کے ہاتھ سے وجود پذیر نہین ہوا اور تمام ارواح بھی مع اپنی تمام قوتون کے انادی ہین جنکا کوئی پیدا کرنے والا نہین تو انکے ہاتھ مین پرمیشر کی ہستی پر کونسی دلیل باقی رہی اور اگر کہین کہ ذرات عالم کا باہم جوڑنا اور روحونکا ان مین داخل کرنا یہ پرمیشر کا کام ہے اور یہی اس کی ہستی پر دلیل ہے تو یہ خیال نادرست ہوگا کیونکہ جس حالت مین ارواح اور ذرات خود بخود ایسے شکتی مان ہین کہ قدیم سے اپنے وجود کو آپ سنبھالے ہوئے ہین اور اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہین تو کیا وہ خود بخود باہم اتصال یا انفصال نہین کرسکتے۔ اس بات کو کوئی قبول نہین کریگا کہ باوجود اسکے کہ تمام ذرات یعنے پرمانو اپنی ہستی اور وجود مین کسی دوسرے کو محتاج نہین اور باوجود اسکے کہ تمام ارواح یعنی جیو اپنی ہستی اور وجود مین اور اپنے تمام قوے مین کسی دوسرے کے محتاج نہین مگر پھر بھی اپنے اتصال اور انفصال مین کسی دوسرے کے محتاج ہین یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جو ناستک مت والونکے لئے ایک مفت کا شکار ہے اور اس سے ایک آریہ بہت جلد ناستک مت مین داخل ہو سکتا ہے اور ایک چالاک دہریہ ہنسی ہنسی مین اسکو اپنے پیچ مین لاسکتا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے اور رحم بھی آتا ہے کہ آریہ صاحبون نے شریعت کے دونون پہلوؤن مین سخت غلطی کھائی ہے یعنی پرمیشر کی نسبت یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ وہ مبدء تمام مخلوق کا نہین اور نہ سرچشمہ تمام فیوض کا ہے بلکہ ذرات اورح ان کی فطرتین اسکے فیوض سے محروم ہین پھر خود سوچ لین کہ پرمیشر کی کیا ضرورت ہے۔ اور کیون وہ مستحق پرستش ہے اور کس وجہ سے وہ سرب شکتی مان کہلاتا ہے اور کس راہ سے اور کس طریق سے وہ شناخت کیا گیا ہے کیا کوئی اسکا جواب دیسکتا ہے کاش ہماری ہمدردی کسی دل مین اثر کرے۔ کاش کوئی شخص گوشہ تنہائی مین بیٹھے اور ان باتون مین فکر کرے۔ اے قادر خدا اس قوم پر بھی رحم کر جو ہمارے پُرانے ہمسایہ ہین۔ ان مین سے بہت سے دل حق کیطرف پھیر دے کہ تجھے سب قدرت ہے آمین ٭ یہ پہلو تو پرمیشر کے متعلق ہے جس مین اس قدر اس خالق بے چون کی حق تلفی ہے اور دوسرا پہلو جو آریہ مت مخلوق کے متعلق پیش کرتا ہے ان مین سے ایک تو تناسخ ہے یعنی بار بار روحون کا طرح طرح کی جونون مین پڑ کر دنیا مین آنا۔ اس عقیدہ مین سب سے پہلے یہ امر عجیب اور حیرت انگیز

ہے کہ باوجود دعوے عقل کے یہ خیال کیا گیا ہے کہ پرمیشر اس قدر سخت دل ہے کہ ایک
گناہ کے عوض مین کروڑہا برس تک بلکہ کروڑہا اربون تک سزا دیے جاتا ہے حالانکہ جانتا
ہے کہ یہ اسکے پیدا کردہ نہین ہین اور اُنپر اسکا کوئی بھی حق نہین ہے بجز اسکے کہ بار بار جونون
کے چکر مین ڈالکر دُکھ مین ڈالے۔ پھر کیون انسانی گورنمنٹ کی طرح صرف چند سال کی سزا
نہین دیتا ظاہر ہے کہ لمبی سزا کے لئے یہ شرط ہے کہ سزا یافتون پر کوئی لمبا حق بھی ہو۔
مگر جس حالت مین تمام ذرّات اور ارواح خود بخود ہین کچھ بھی اُسکا ان پر احسان نہین
بجز اسکے کہ سزا کی غرض سے طرح طرح کی جونون مین انکو ڈالے۔ پھر وہ کس حق پر لمبی
سزا دیتا ہے۔ دیکھو اسلام مین باوجودیکہ خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک ذرّہ کا اور ہر ایک روح کا مین
ہی خالق ہون اور تمام قوتین ان کی میرے ہی فیض سے ہین اور میرے ہی ہاتھ سے
پیدا ہوئے ہین اور میرے ہی سہارے سے جیتے ہین۔ پھر بھی وہ قرآن شریف مین
فرماتا ہے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ یعنے دوزخی دوزخ مین ہمیشہ
رہینگے لیکن نہ وہ ہمیشگی جو خدا کو ہے بلکہ دور دراز مدت کے لحاظ سے۔ پھر خدا کی رحمت
دستگیر ہوگی کیونکہ وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس آیت کی تصریح مین ہمارے
سید و مولے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے اور وہ یہ ہے:۔
"یاتی علے جہنم زمان لیس فیہا احد ونسیم الصبا تحرک ابوابہا" یعنے جہنم پر ایک وہ زمانہ آئیگا
کہ اس مین کوئی بھی نہ ہوگا اور نسیم صبا اسکے کواڑ ونکو ہلائیگی لیکن افسوس کہ یہ قومین
خدا تعالے کو ایک ایسا چڑچڑا اور کینہ ور قرار دیتی ہین کہ کبھی بھی اسکا غصہ فرو نہین ہوتا
اور بیشمار اربون تک جونون مین ڈالکر پھر بھی گناہ معاف نہین کرتا۔ اور یہ اعتراض صرف
آریہ صاحبون پر نہین۔ حضرات مسیحیون کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ ایک گناہ کے لئے تو
ابدی جہنم تجویز کرتے ہین جس کا کبھی انتہا نہین اور ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا ہر ایک
چیز کا خالق ہے پھر جس حالت مین خدا تعالے ارواح انسانی اور ان کی تمام قوتون کا خود
خالق ہے اور اس نے آپ ہی بعض طبائع مین ایسی کمزوریان رکھدی ہین کہ وہ مرتکب
گناہ کی ہو جاتی ہین اور ایک گھڑی کیطرح صرف اس حد تک چلتی ہین جو اس حقیقی گھڑی
ساز نے اُنکے لئے مقرر کردی ہے تو پھر وہ ضرور کسیقدر رحم کے لائق ہین کیونکہ انکے قصور
اور کمزوریان فقط اپنی طرف سے نہین بلکہ اس خالق کا بھی ان مین بہت سا دخل ہے
جسنے انکو کمزور بنایا اور یہ کیسا انصاف ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو سزا دینے کے لئے
صرف تین دن مقرر کئے مگر دوسرے لوگون کی سزا کا حکم ابدی ٹھہرایا جسکا کبھی بھی انتہا

نہین اور چاہا کہ وہ ہمیشہ اور ابدتک دوزخ کے تنور مین جلتے رہین کیا رحیم کریم خدا کو ایسا
کرنا مناسب تھا بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے بیٹے کو زیادہ سزا دیتا کیونکہ وہ بوجہ خدائی قوتون
کے زیادہ سزا کا متحمل ہو سکتا تھا۔ خدا کا بیٹا جو ہوا۔ اس کی طاقت کے ساتھ دوسرون
کی طاقت کب برابر ہو سکتی ہے۔ جو غریب اور عاجز مخلوق ہین غرض حضرات عیسائی اور
آریہ صاحبان اس ایک ہی اعتراض کے دام مین ہین اور انکے ساتھ بعض نادان مسلمان
بھی۔ لیکن مسلمانونکے دھوکہ کھانے مین خدا کے کلام کا قصور نہین خدا نے تو کھولکر فرما دیا
کہ یہ ان کا اپنا قصور ہے اور یہ اسی طرحکا قصور ہے جیسا کہ وہ ابتک حضرت عیسے علیہ السلام
کو زندہ قرار دیتے ہین اور دوسرے آسمان پر بیٹھا رہے ہین اور خدا کے کلام قرآن شریف
مین صاف لکھا ہے کہ مدت ہوئی کہ حضرت عیسے فوت ہو چکے ہین اور گذشتہ روحون مین داخل
ہو گئی ہین مگر یہ لوگ کتاب اللہ کے برخلاف ان کی آمد ثانی کا انتظار کر رہے ہین پھر ہم اصل
کلام کیطرف متوجہ ہو کر کہتے ہین کہ دوسرا پہلو تناسخ کے بطلان کا یہ ہے کہ وہ حقیقی پاکیزگی
کے برخلاف ہے کیونکہ جب ہم ہر روز دیکھتے ہین کہ کسی کی مان فوت ہو جاتی ہے اور
کسی کی ہمشیرہ اور کسی کی پوتی تو پھر اسپر کیا دلیل ہے کہ اس عقیدہ کے قائل اس
غلطی مین مبتلا نہ ہو جائین کہ ایسی جگہ نکاح کر لین جہان نکاح کرنا وید کی رو سے حرام
ہے۔ ہان اگر ہر ایک بچہ کے ساتھ اسکے پیدا ہونے کے وقت مین ایک لکھی ہوئی فہرست
بھی ہمراہ ہو جس مین بیان کیا گیا ہو کہ وہ پہلی جون مین فلان شخص کا بچہ تھا تو اس صورت
مین ناجائز نکاح سے بچ سکتے تھے۔ مگر پرمیشر نے ایسا نہ کیا گویا ناجائز طریق کو خود پھیلانا
چاہا۔ پھر ماسوا اسکے ہمین سمجھ نہین آتا کہ اسقدر جونونکے چکر مین ڈالنے سے فائدہ کیا ہی
اور جبکہ تمام مدار نجات اور مکتی کا گیان یعنے معرفت الہی پر ہے تو یون چاہیئے تھا کہ
ہر ایک بچہ جو دوبارہ جنم لیتا پہلا ذخیرہ اسکے گیان اور معرفت کا ضائع نہ ہوتا لیکن ظاہر
ہے کہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے۔ خالی کا خالی دنیا مین آجاتا ہے اور ایک آوارہ اور
فضول خرچ انسان کی طرح تمام پہلا اندوختہ برباد کر کے مفلس نادار کیطرح منہ دکھاتا
ہے اور گو ہزار مرتبہ اس نے وید مقدس کو پڑھا ہو۔ ایک ورق بھی وید کا یاد نہین رہتا
پس اس صورت مین جونونکے چکر کے رو سے نجات کی کوئی صورت نظر نہین آتی۔
کیونکہ ذخیرہ گیان اور علم کا جو ہزار مصیبت سے ہر ایک جون سے جمع کیا جاتا ہے وہ ساتھ
ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے نہ کبھی محفوظ رہیگا اور نہ نجات ہوگی۔ اول تو حضرات آریہ
کے اصولونکے رو سے نجات ہی ایک محدود میعاد تھی پھر اسپر یہ مصیبت کہ سرمایہ نجات

کا یعنے گیان جمع ہونے نہین پاتا یہ بدقسمتی روحونکی نہین تو اور کیا ہے۔

دوسرا امر جو مخلوق کی پاکیزگی کے مخالف آریہ صاحبون کے عقائد مین داخل ہے وہ نیوگ کا مسئلہ ہے مین اس مسئلہ کو وید مقدس کیطرف منسوب نہین کرتا بلکہ اس خیال سے میرا دل کانپتا ہے کہ مین اس قسم کی باتون کو وید کیطرف منسوب کرون جہانتک میرا علم اور کانشنس ہے مین یقین کرتا ہون کہ انسانی فطرت ہرگز قبول نہین کریگی کہ ایک شخص اپنی پاکدامن بیوی کو جو خاندان اور عزت رکھتی ہے محض بچہ لینے کی خاطر سے دوسرے سے ہمبستر کراوے۔ حالانکہ اس بیوی کا تعلق زوجہ ہونے کا اپنے شوہر سے قائم ہے اور وہ اسی کی بیوی کہلاتی ہے اور نہ مین اس بات کو پسند کرتا ہون کہ خود بیوی ایسی حرکت پر خود آمادہ ہو۔ حالانکہ اسکا خاوند زندہ موجود ہے انسان تو انسان ہے۔ یہ غیرت تو بعض حیوانون مین بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مادہ کی نسبت ایسا روا نہین رکھتے۔ مین اس جگہ کوئی بحث نہین کرنا چاہتا۔ سراسر ادب اور منت سے آریہ صاحبونکی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ اگر اس عقیدہ کو چھوڑ دین تو بہت بہتر ہوگا۔ پہلے سے ہی یہ ملک حقیقی پاکیزگی کے مقام سے بہت متنزل ہے پھر اگر عورتون اور مردون مین ایسی باتین بھی رواج پاگئین تو معلوم نہین کہ اس ملک کا کیا انجام ہوگا۔ ساتھ ہی مین ایک اور عرض کے لئے جرأت کرتا ہون کہ گو آریہ صاحبونکو اس زمانہ مین مسلمانون سے کیسی ہی نفرت ہے اور اسلام کے عقائد سے کیسی ہی بیزاری ہے مگر برائے خدا وہ پردہ کی رسم کو بکلی الوداع نہ کہدین کہ اس مین بہت سی خرابیان ہین جو بعد مین معلوم ہونگی یہ بات ہر ایک فہیم انسان سمجھ سکتا ہے کہ بہت سا حصہ انسانون کا نفس امارہ کے ماتحت چل رہا ہے اور وہ اپنے نفس کے ایسے قابو نہین کہ اسکے جوشونکے وقت کچھ بھی خدا تعالے کی سزا کا دھیان نہین رکھتے جوان اور خوبصورت عورتونکو دیکھکر بدنظری سے باز نہین آتے اور ایسے ہی بہت سی عورتین ہین کہ خراب دلی سے بیگانہ مردونکی طرف نگاہین کرتی ہین اور جب فریقین کو باوجود انکی اس خراب حالت مین ہونے کے پوری آزادی دیجائے تو یقیناً انکا وہی انجام ہوگا جیسا کہ یورپ کے بعض حصون سے ظاہر ہے۔ ہان جب یہ لوگ درحقیقت پاکدل ہو جائینگے اور ان کی امارگی جاتی رہیگی اور شیطانی روح نکل جائیگی اور ان کی آنکھون مین خدا کا خوف پیدا ہو جائیگا اور انکے دلون مین خدا کی عظمت قائم ہو جائے گی اور وہ ایک پاک تبدیلی کرلینگے اور خداترسی کا ایک پاک چولا پہن لینگے تب جو چاہین سو کرین کیونکہ اسوقت وہ خدا کے ہاتھ کے خوجے ہونگے گویا وہ مرد نہین ہین اور ان کی آنکھین اس بات سے اندھی ہونگی

کہ نامحرم عورت کو بدنظری سے دیکھ سکیں۔ یا ایسا بدخیال دل میں لا سکیں۔ مگر اے پیارو خدا آپ تمہارے دلوں میں الہام کرے۔ ابھی وہ وقت نہیں کہ تم ایسا کرو اور اگر ایسا کروگے تو ایک زہرناک بیج قوم میں پھیلاؤگے یہ زمانہ ایک ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر کسی زمانہ میں پردہ کی رسم نہ ہوتی تو اس زمانہ میں ضرور ہونی چاہیئے تھی کیونکہ کلجگ ہے اور زمین پر بدی اور فسق و فجور اور شراب خواری کا زور ہے اور دلوں میں دہریہ پن کے خیالات پھیل رہے ہیں اور خدا تعالےٰ کے احکام کی دلوں میں سے عظمت اٹھ گئی ہے زبانوں پر سب کچھ ہے اور لیکچر بھی منطق اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہیں مگر دل روحانیت سے خالی ہیں۔ ایسے وقت میں کب مناسب ہے کہ اپنی غریب بکریوں کو بھیڑیوں کے بنوں میں چھوڑ دیا جائے*

اے دوستو اب طاعون سر پر ہے اور جہانتک مجھے خدا تعالےٰ سے علم دیا گیا ہے ابھی بہت سا حصہ اسکا باقی ہے بہت خطرناک دن ہیں۔ معلوم نہیں کہ آیندہ مئی تک کون زندہ ہوگا اور کون مر جائیگا اور کس گھر پر بلا آئے گی اور کس کو بچایا جائیگا۔ پس اٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ لیکن جو شخص ظلم اور تعدی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اسکو اسی جگہ سزا دیجاتی ہے تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا سو اپنے خدا کو جلد راضی کرلو اور قبل اسکے کہ وہ دن آوے جو خوفناک دن ہے۔ یعنے طاعون کے زور کا دن جس کی نبیوں نے خبر دی ہے۔ تم خدا سے صلح کرلو وہ نہایت کریم ہے ایکدم کے گداز کرنیوالی توبہ سے ستر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔ اے خدائے کریم و رحیم ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین

حصہ دوم تقریر

اے معزز سامعین اب میں اپنے ایک دعوے کی نسبت جو میں نے اس ملک میں

شایع کیا ہے آپ کیخدمت مین کچھ بیان کرونگا۔ یہ بات عقل اور نقل سے ثابت ہے کہ جب دنیا مین گناہ کی تاریکی غالب ہو جاتی ہے اور زمین پر ہر ایک قسم کی بدی اور بدکاری پھیل جاتی ہے اور روحانیت کم ہو جاتی ہے اور گناہون سے زمین ناپاک ہوکر اور خدا تعالے کی محبت ٹھنڈی ہوکر ایک زہریلی ہوا چلنے لگتی ہے تو اسوقت رحمت الہی تقاضا فرماتی ہے کہ زمین کو دوبارہ زندہ کرے جس طرح جسمانی موسمونکو دیکھتے ہوکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہین۔ ایک زمانہ خزان کا ہوتا ہے کہ اس مین درختون کے پھولون اور پھلون اور پتو پر بلا آتی ہے اور درخت ایسے بدنما ہو جاتے ہین جیسے کوئی مرض دق سے نہایت درجہ دبلا ہو جاتا ہے اور اس مین خون کا نشان نہین رہتا اور چہرہ پر مردہ پن کے آثار ظاہر ہو جاتے ہین یا جیسے کسی جذامی کا جذام انتہا درجہ تک پہونچکر اعضا گرنے لگ جاتے ہین پھر دوسرا زمانہ درختون پر وہ آتا ہے جسکو موسم بہار کہتے ہین اس موسم مین درختون کی صورتین ایک دوسرا رنگ پکڑ لیتی ہین اور پھل اور پھول اور خوشنما اور سرسبز پتے ظاہر ہو جاتے ہین یہی حالت نوع انسان کی ہے کہ تاریکی اور روشنی نوبت بہ نوبت انپر وارد ہوتی رہتی ہے کسی صدی مین وہ خزان کے موسم کیطرح انسانی کمال کے حسن سے بے بہرہ ہو جاتے ہین اور کسی وقت آسمان سے ان پر ایسی ہوا چلتی ہے کہ انکے دلون مین موسم بہار پیدا ہونے لگتی ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہی دونون موسم انسانونکے لازم حال رہے ہین۔ سو یہ زمانہ بھی جسمین ہم ہین بہار کی ابتدا کا زمانہ ہے پنجاب پر خزان کا زمانہ اسوقت زور مین تھا جسوقت اس ملک پر خالصہ قوم حکمران تھی۔ کیونکہ اسوقت علم نہین رہا تھا اور ملک مین جہالت بہت پھیل گئی تھی اور دینی کتابین ایسی گم ہوگئی تھین کہ شائد کسی بڑے خاندان مین دستیاب ہو سکتی ہونگی بعد اسکے گورنمنٹ انگریزی کا زمانہ آیا یہ زمانہ نہایت پر امن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم خالصہ قوم کی عملداری کے دلون کو امن عامہ اور آسائش کے لحاظ سے انگریزی عملداری کی راتون سے بھی برابر قرار دین تو یہ بھی ایک ظلم اور خلاف واقعہ ہوگا۔ یہ زمانہ روحانی اور جسمانی برکات کا مجموعہ ہے۔ اور آنے والی برکتین اسکی ابتدائی بہار سے ظاہر ہین۔ ہان یہ زمانہ ایک عجیب جانور کی طرح کئی منہ رکھتا ہے۔ بعض منہ تو حقیقی خدا شناسی اور راستبازی کی برخلاف ہونے کیوجہ سے خوفناک ہین اور بعض منہ بہت بابرکت اور راستبازی کے موید ہین مگر اس مین کچھ شک نہین کہ انگریزی حکومت نے انواع و اقسام کے علوم کو اس

ملک مین بہت ترقی دی ہے - اور کتابونکے چھاپنے اور شایع کرنے کے لئے ایسے سہل
اور آسان طریق نکل آئے ہین کہ زمانہ گذشتہ مین ان کی کہین نظیر نہین ملتی - اور جو ہزارہا
مخفی کتب خانے اس ملک مین تھے وہ بھی ظاہر ہوگئے اور تھوڑے ہی دنون مین علمی
رنگ مین زمانہ ایسا بدل گیا کہ گویا ایک نئی قوم پیدا ہوگئی - یہ سب کچھ ہوا مگر عملی حالتین
دن بدن کالعدم ہوتی گئین اور اندر ہی اندر دہریت کا پودا بڑھنے لگا - گورنمنٹ انگریزی
کے احسان مین کچھ شک نہین - اسقدر اپنی رعایا کو آرام پہنچایا - اور معدلت گستری
کی اور جا بجا امن قائم کیا کہ اس کی نظیر دوسری گورنمنٹون مین تلاش کرنا عبث ہے
مگر وہ آزادی جو امن کا دائرہ پورا وسیع کرنے کے لئے رعایا کو دیگئی - وہ اکثر لوگون کو ہضم
نہین ہوسکی اور اسکے عوض مین جو خدا اور اس گورنمنٹ کا شکر بجالانا چاہئے تھا بجائے
اس شکر کے اکثر دلونمین اسقدر غفلت اور دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور لاپروائی بڑھگئی
کہ گویا یہ سمجھا گیا کہ دنیا ہی ہمارے لئے ہمیشہ رہنے کا مقام ہے اور گویا کہ ہمپر کسی کا بھی
احسان نہین اور نہ کسی کی حکومت ہے اور جیسا کہ دستور ہے کہ اکثر گناہ امن کی حالت
مین ہی پیدا ہوتے ہین - اسی قانون قدرت کے رو سے گناہون کی تعداد بھی بڑھتی
گئی - چنانچہ بباعث سخت دلی اور غفلت کے موجودہ حالت اس ملک کی نہایت خطرناک
ہوگئی ہے جاہل اور شریر لوگ جو وحشیون کیطرح ہین وہ قابل شرم جرائم مثلاً نقب زنی
اور زناکاری اور قتل ناحق وغیرہ سنگین جرائم کے ارتکاب مین مشغول ہین اور دوسرے
لوگ اپنی اپنی طبیعت اور جوش نفس کے موافق طرح طرح کے دوسرے گناہون کے
مرتکب ہو رہے ہین - چنانچہ شرابخانے دوسری دکانونسے زیادہ آباد معلوم ہوتے
ہین اور دوسرے فسق و فجور کے پیشے بھی دن بدن ترقی مین ہین - عبادتخانے محض
رسم ادا کرنے کے لئے ٹھیر گئے ہین - غرض زمین پر گناہونکا ایک سخت خطرناک جوش ہے
اور اکثر لوگونکے نفسانی شہوات بوجہ پورے امن اور کامل آسایش کے اسقدر جوش
مین آگئے ہین کہ جیسے جب ایک پُرزور دریا کا بند ٹوٹ جائے تو وہ ایک رات مین ہی
اردگرد کے تمام دیہات کو تباہ کر دیتا ہے اور کچھ شک نہین کہ دنیا مین ایک نہایت
درجہ پر تاریکی پیدا ہوگئی ہے اور ایسا وقت آگیا ہے کہ یا تو خدا دنیا مین کوئی روشنی
پیدا کرے اور یا دنیا کو ہلاک کر دیوے - مگر ابھی اس دنیا کے ہلاک ہونمین ایکہزار برس
باقی ہے اور دنیا کی زینت اور آرام اور آسایش کے لئے جو نئی نئی صنعتین زمین
پر پیدا ہوئی ہین یہ تغیر بھی صاف طور پر دلالت کر رہا ہے کہ جیسے خدا تعالے نے جسمانی

طور پر اصلاح فرمائی ہے وہ روحانی طور پر بھی بنی نوع کی اصلاح اور ترقی چاہتا ہے۔ کیونکہ روحانی حالت انسانوں کی جسمانی حالت سے زیادہ گر گئی ہے۔ اور ایسی خطرناک منزل پر آپہونچی ہے۔ کہ جہاں نوع انسان غضب الٰہی کا نشانہ بن سکتی ہے۔ ہر ایک گناہ کا جوش نہایت ترقی پر پایا جاتا ہے۔ اور روحانی طاقتیں نہایت کمزور ہوگئی ہیں۔ اور ایمانی انوار بجھ گئے ہیں۔ اور اب عقل سلیم بداہت اس بات کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ اس تاریکی کے غلبہ پر آسمان سے کوئی روشنی پیدا ہونی چاہیئے کیونکہ جیسے جسمانی طور پر زمین کی تاریکی کا دور ہونا قدیم سے اس بات سے وابستہ ہے کہ آسمانی روشنی زمین پر پڑے۔ ایسا ہی روحانی طور پر بھی یہ روشنی صرف آسمان سے ہی اُترتی اور دلوں کو منور کرتی ہے جب سے کہ خدا نے انسان کو بنایا ہے اس کا قانون قدرت یہی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہ نوع انسان میں ایک وحدت نوعی پیدا کرنے کے لئے ان میں سے ایک شخص پر ضرورت کے وقت میں اپنی معرفت تامہ کا نور ڈالتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اپنی کامل محبت کا جام اس کو پلاتا ہے اور اس کو اپنی پسندیدہ راہ کی پوری بصیرت بخشتا ہے اور اس کے دل میں جوش ڈالتا ہے کہ تا وہ دوسروں کو بھی اس نور اور بصیرت اور محبت کی طرف کھینچے جو اس کو عطا کی گئی ہے اور اس طرح پر باقی لوگ اس سے تعلق پیدا کرکے اور اسی کے وجود میں شمار ہو کر اور اس کی معرفت سے حصہ لے کر گناہوں سے بچتے اور تقویٰ طہارت میں ترقی کرتے ہیں اسی قانون قدیم کے لحاظ سے خدا نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت یہ خبر دی ہے کہ جب آدمؑ کے وقت سے چھ ہزار برس قریب الاختتام ہو جائیں گے تو زمین پر بڑی تاریکی پھیل جائے گی اور گناہوں کا سیلاب بڑے زور سے بہنے لگے گا اور خدا کی محبت دلوں میں بہت کم اور کالعدم ہو جائے گی تب خدا محض آسمان سے بغیر زمینی اسباب کے آدمؑ کی طرح اپنی طرف سے روحانی طور پر ایک شخص میں سچائی اور محبت اور معرفت کی روح پھونکے گا اور وہ مسیح بھی کہلائے گا۔ کیونکہ خدا اپنے ہاتھ سے اس کی روح پر اپنی ذاتی محبت کا عطر ملے گا اور وہ وعدہ کا مسیح جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی کتابوں میں مسیح موعود بھی کہا گیا ہے شیطان کے مقابل پر کھڑا کیا جائے گا اور شیطانی لشکر اور مسیح میں یہ آخری جنگ ہوگا اور شیطان اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اور تمام ذریت کے ساتھ اور تمام تدبیروں کے ساتھ اُس دن اس روحانی جنگ کے لئے تیار ہو کر آئیگا۔ اور دنیا میں شر اور خیر میں کبھی ایسی لڑائی نہیں ہوئی ہوگی جیسے کہ اُس دن ہوگی کیونکہ اُس دن شیطان کے مکاید اور شیطانی علوم انتہا تک پہونچ جائیں گے اور جن تمام

طریقوں سے شیطان گمراہ کر سکتا ہے وہ تمام طریق اُس دن مہیا ہو جائیں گے۔ تب سخت لڑائی کے بعد جو ایک روحانی لڑائی ہے۔ خدا کے مسیح کو فتح ہوگی اور شیطانی قوتیں ہلاک ہو جائیں گے اور ایک مدت تک خدا کا جلال اور عظمت اور پاکیزگی اور توحید زمین پر پھیلتی جائے گی اور وہ مدت پورا ہزار برس ہے جو ساتواں دن کہلاتا ہے بعد اِس کے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا سو وہ مسیح میں ہوں اگر کوئی چاہے تو قبول کرے اِس جگہ بعض فرقے جو شیطان کے وجود سے منکر ہیں وہ تعجب کریں گے کہ شیطان کیا چیز ہے پس ان کو یاد رہے کہ انسان کے دل کے ساتھ دو کششیں ہر وقت نوبت بہ نوبت لگی رہتی ہیں ایک کشش خیر کی اور ایک کشش شر کی پس جو خیر کی کشش ہے شریعت اسلام اُس کو فرشتہ کیطرف منسوب کرتی ہے اور جو شر کی کشش ہے اُس کو شریعت اسلام شیطان کیطرف منسوب کرتی ہے اور مدعا صرف اسقدر ہے کہ انسانی سرشت میں دو کششیں موجود ہیں کبھی انسان نیکی کی طرف جھکتا ہے اور کبھی بدی کی طرف۔ میرے خیال میں ہے کہ اِس جلسہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے اِس بیان کو کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا سے شرف مکالمہ اور مخاطبہ رکھتا ہوں انکار کی نظر سے دیکھیں گے اور تحقیر کی بھری ہوئی نگاہ سے میری طرف نظر کریں گے۔ لیکن میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ ابتدا سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ پہلے خدا کے ماموروں اور رسولوں کو دل آزار باتیں سُننی پڑتی ہیں۔ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے ابتدائی زمانہ میں۔ وہ نبی اور رسول اور صاحب کتاب اور صاحب شریعت جس کی اُمت کہلانے کا ہم سب کو فخر ہے اور جس کی شریعت پر سب شریعتوں کا خاتمہ ہے اُس کی سوانح کی طرف نگاہ کرو۔ کہ کس طرح تیرہ برس تک اُسنے مکّہ میں تنہائی اور غربت اور بے کسی کے عالم میں منکروں کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھائیں اور کیونکر تحقیر اور ہنسی اور ٹھٹھے کا نشانہ بنے رہے اور آخر مکّہ سے بڑے ظلم اور تعدّی سے نکالے گئے کس کو خبر تھی کہ آخر وہ کروڑہا انسانوں کا امام اور پیشوا بنایا جاوے گا سو یہی سُنت الٰہی ہے کہ خدا کے منتخب لوگ اول اول حقیر اور ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں کہ ابتدا میں خدا کے فرستادوں کی شناخت کر سکتے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ جاہل لوگوں کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھاویں اور طرح طرح کی باتیں اُن کے حق میں کہی جاویں اور ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاوے اور گالیاں دی جاویں جب تک کہ وہ وقت آوے کہ اُنکے قبول کرنے کے لئے خدا دلوں کو کھول دے۔ یہ تو میرا دعوےٰ ہے کہ جو مینے بیان کیا لیکن وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے

وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقعہ ہوگئی ہے اُس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور وہ دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہوگئی ہیں ان کو ظاہر کر دوں اور وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اُس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہوکر توجہ یا دعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں حال کے ذریعہ سے نہ محض مقال سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اب نابود ہو چکی ہے اُس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودہ لگا دوں اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا بلکہ اُس خدا کی طاقت سے ہوگا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو خدا نے اپنے ہاتھ سے میری تربیت فرما کر اور مجھے اپنی وحی سے شرف بخش کر میرے دل کو یہ جوش بخشا ہے کہ مَیں اس قسم کی اصلاحوں کے لئے کھڑا ہو جاؤں اور دوسری طرف اُس نے دل بھی تیار کر دئے ہیں جو میری باتوں کے ماننے کے لئے مستعد ہوں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جب سے خدا نے مجھے دنیا میں مامور کر کے بھیجا ہے اُسی وقت سے دنیا میں ایک انقلاب عظیم ہو رہا ہے یورپ اور امریکہ میں جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کے دلدادہ تھے اب اُن کے محقق خود بخود اس عقیدہ سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور وہ قوم جو باپ دادوں سے بتوں اور دیوتوں پر فریفتہ تھی بہتوں کو ان میں سے یہ بات سمجھ آ گئی ہے کہ بُت کچھ چیز نہیں ہیں اور گو وہ لوگ ابھی روحانیت سے بے خبر ہیں اور صرف چند الفاظ کو رسمی طور پر لئے بیٹھے ہیں لیکن کچھ شک نہیں کہ ہزارہا بیہودہ رسوم اور بدعات اور شرک کی رسیاں انہوں نے اپنے گلے پر سے اُتار دی ہیں اور توحید کی ڈیوڑھی کے قریب کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ کچھ تھوڑے زمانہ کے بعد عنایت الٰہی ان میں سے بہتوں کو اپنے ایک خاص ہاتھ سے دھکہ دے کر سچی اور کامل توحید کے اُس دارالامان میں داخل کر دے گی جس کے ساتھ کامل محبت اور کامل خوف اور کامل معرفت عطا کی جاتی ہے یہ امید میرے محض خیالی نہیں ہے بلکہ خدا کی پاک وحی سے یہ بشارت مجھے ملی ہے اس ملک میں خدا کی حکمت نے یہ کام کیا ہے تا جلد تر

متفرق قوموں کو ایک قوم بنا دے اور صلح اور آشتی کا دن لاوے ہر ایک کو اس ہوا کی خوشبو آرہی ہے کہ یہ تمام متفرق قومیں کسی دن ایک قوم بننے والی ہیں چنانچہ حضرات مسیحی یہ خیالات شائع کر رہے ہیں کہ عنقریب تمام دنیا کا یہی مذہب ہو جائے گا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کر کے مان لیں گے اور یہودی جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں ان کو بھی ان دنوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا ہے کہ ان کا ایک خاص مسیح جو ان کو تمام زمین کا وارث بنا دے گا انہی دنوں میں آنے والا ہے ایسا ہی اسلام کی پیشگوئیاں بھی جو ایک مسیح کا وعدہ دیتی ہیں ان کے وعدہ کا دن بھی ہجرت کی چودھویں صدی تک ہی ختم ہوتا ہے اور عام مسلمانوں کا بھی خیال ہے کہ ایسا زمانہ قریب ہے کہ جب تمام زمین پر اسلام پھیل جائے گا اور بعض سناتن دھرم کے پنڈتوں سے بھی سنا ہے کہ وہ بھی اپنے ایک اوتار کے ظاہر ہونے کا زمانہ اسی زمانہ کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آخری اوتار ہے جس سے تمام زمین پر دھرم پھیل جائے گا اور آریہ صاحبان اگرچہ کسی پیش گوئی کے قایل تو نہیں تاہم اس ہوا کی تاثیر سے جو چل رہی ہے وہ بھی ہمت اور کوشش کر رہے ہیں کہ ایشیا اور یورپ اور امریکہ اور جاپان وغیرہ ممالک میں انہی کا مذہب پھیل جائے اور عجیب تر یہ کہ بدھ مذہب والوں میں بھی نئے سرے سے یہی جوش پیدا ہو گیا ہے اور زیادہ تر ہنسی کی بات یہ ہے کہ اس ملک کے چوہڑے یعنے بھنگی بھی اس فکر میں پڑ گئے ہیں کہ کسی طرح وہ دوسری قوموں کی زد اور دست برد سے بچیں اور ان کو بھی کم سے کم اپنے مذہب کی حفاظت کی ایک طاقت حاصل ہو جائے غرض اس زمانہ میں ایک ایسی ہوا چل پڑی ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ترقی کا بڑے جوش سے خواہاں ہے اور چاہتے ہیں کہ دوسری قوموں کا نام و نشان نہ رہے جو کچھ ہوں وہی ہوں اور جس طرح سمندر کے تلاطم کے وقت ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے اسی طرح مختلف مذاہب ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں بہرحال ان تحریکوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ مختلف فرقوں کو ایک قوم بنا دے اور ان مذہبی جھگڑوں کو ختم کر کے

آخر ایک ہی مذہب میں سب کو جمع کر دے اور اسی زمانہ کی نسبت جو تلاطم امواج کا زمانہ ہے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰھُمْ جَمْعًا اس آیت کو پہلی آیتوں کے ساتھ ملا کر یہ معنے ہیں کہ جس زمانہ میں دنیا کے مذاہب کا بہت شور اُٹھے گا اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر ایسا پڑے گا جیسا کہ ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے اور ایک دوسرے کو ہلاک کرنا چاہیں گے تب آسمان و زمین کا خدا اس تلاطم امواج کے زمانہ میں اپنے ہاتھوں سے بغیر دُنیوی اسباب کے ایک نیا سلسلہ پیدا کرے گا اور اس میں اُن سب کو جمع کرے گا۔ جو استعداد اور مناسبت رکھتے ہیں۔ تب وہ سمجھیں گے کہ مذہب کیا چیز ہے اور اُن میں زندگی اور حقیقی راستبازی کی روح پھونکی جائے گی اور خدا کی معرفت کا ان کو جام پلایا جائے گا۔ اور ضرور ہے کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو۔ جب تک کہ یہ پیش گوئی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے قرآن شریف نے دُنیا میں شائع کی ہے پُوری نہ ہو جائے۔ اور خدا نے اس آخری زمانہ کے بارہ میں جس میں تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائیں گے۔ صرف ایک ہی نشان بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ قرآن شریف میں اور بھی کئی نشان لکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ اُس زمانہ میں دریاؤں میں سے بہت سی نہریں نکلیں گی۔ اور ایک یہ کہ زمین کی پوشیدہ کانیں یعنے معدنیں بہت سی نکل آویں گی۔ اور زمینی علوم بہت سے ظاہر ہو جائیں گے۔ اور ایک یہ کہ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے کتابیں بکثرت ہو جائیں گی (یہ چھاپنے کے آلات کی طرف اشارہ ہے) اور ایک یہ کہ اُن دنوں میں ایک ایسی سواری پیدا ہو جائے گی کہ اونٹوں کو بےکار کر دے گی اور اس کے ذریعہ سے ملاقاتوں کے طریق سہل ہو جائیں گے اور ایک یہ کہ دنیا کے باہمی تعلقات آسان ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو باسانی خبریں پہونچا سکیں گے اور ایک یہ کہ ان دنوں میں آسمان پر

ایک ہی مہینہ میں چاند اور سورج کو گرہن لگے گا اور ایک یہ کہ اس کے بعد زمین پر سخت طاعون پھیلے گی یہاں تک کہ کوئی شہر اور کوئی گاؤں خالی نہ رہے گا جو طاعون سے آلودہ نہ ہو اور دنیا میں بہت موت پڑے گی اور دنیا ویران ہو جائے گی بعض بستیاں تو بالکل تباہ ہو جائیں گی اور ان کا نام و نشان نہ رہے گا اور بعض بستیاں ایک حد تک عذاب میں گرفتار ہو کر پھر ان کو بچا یا جائے گا یہ دن خدا کے سخت غضب کے دن ہوں گے۔ اس لئے کہ لوگوں نے خدا کے نشانوں کو جو اس کے فرستادہ کے لئے اس زمانہ میں ظاہر ہوئے قبول نہ کیا اور خدا کے نبی کو جو اصلاح خلق کے لئے آیا رد کر دیا اور اس کو جھوٹا قرار دیا یہ سب علامتیں اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں پوری ہو گئیں عقلمند کے لئے یہ صاف اور روشن راہ ہے کہ ایسے وقت میں خدا نے مجھے مبعوث فرمایا جب کہ قرآن شریف کی لکھی ہوئی تمام علامتیں میرے ظہور کے لئے ظاہر ہو چکی ہیں یہ تمام علامتیں جو مسیح موعود کے زمانہ کے بارہ میں ہیں اگرچہ حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اس جگہ میں نے صرف قرآن شریف کو پیش کیا ہے اور ایک علامت قرآن شریف نے مسیح موعود کے زمانہ کے لئے قرار دی ہے کہ ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ یَومًا عِندَ رَبِّکَ کَاَلفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ یعنے ایک دن خدا کا ایسا ہے جیسا تمہارا ہزار برس ہے پس چونکہ دن سات ہیں اس لئے اس آیت میں دنیا کی عمر سات ہزار برس قرار دی گئی ہے۔ لیکن یہ عمر اس آدم کے زمانہ سے ہے جس کی ہم اولاد ہیں خدا کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دنیا تھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ کون تھے اور کس قسم کے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سات ہزار برس میں دنیا کا ایک دور ختم ہوتا ہے اسی وجہ سے اور اسی امر پر نشان قرار دینے کے لئے دنیا میں سات دن مقرر کئے گئے تا ہر ایک دن ایک ہزار برس پر دلالت کرے ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا پر اس طرح سے کتنے دور گذر چکے ہیں اور کتنے آدم اپنے اپنے وقت میں آ چکے ہیں چونکہ خدا قدیم سے خالق ہے اس لئے ہم مانتے اور ایمان لاتے ہیں کہ دنیا اپنی نوع کے اعتبار سے

قدیم ہے لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے۔ افسوس کہ حضرات عیسائیاں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف چھ ہزار برس ہوئے کہ جب خدا نے دنیا کو پیدا کیا اور زمین و آسمان بنائے اور اس سے پہلے خدا ہمیشہ کے لئے معطل اور بیکار تھا اور ازلی طور پر معطل چلا آتا تھا۔ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ کوئی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کریگا مگر ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر کے پھر ایسے ہی بنا دے اور اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی اُمتوں کے بعد آیا جو ہم سب کا باپ تھا اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دَور سات ہزار برس تک ہے یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسانوں کے سات دن۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی نے مقرر کیا ہے کہ ہر ایک امت کے لئے سات ہزار برس کا دَور ہوتا ہے اسی دَور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے انسانوں میں سات دن مقرر کئے گئے ہیں غرض بنی آدم کی عمر کا دَور سات ہزار برس مقرر ہے اور اس میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچہزار برس کے قریب گذر چکا تھا یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب گذر چکے تھے جیسا کہ سورۂ والعصر میں یعنے اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب وہ سورہ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدت گذر چکی تھی جو سورۂ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا۔ یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبر کرنے والے کے لئے کافی ہیں اور ان سات ہزار برس کی قرآن شریف اور دوسری خدا کی کتابوں کے رُو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلّط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلّط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا (یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سید و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا) ۔ اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے

اور مسلط ہونے کا زمانہ ہے جو قرون ثلثہ کے بعد شروع ہوتا اور چودھویں صدی کے
سر پر ختم ہو جاتا ہے اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت
اور ایمان اور صلاح اور تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت
کا زمانہ ہے اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے
کی جگہ نہیں۔ کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں اس
تقسیم کو تمام انبیاء نے بیان کیا ہے کسی نے اجمال کے طور پر اور کسی نے مفصل طور پر اور
یہ تفصیل قرآن شریف میں موجود ہے جس سے مسیح موعود کی نسبت قرآن شریف میں
سے صاف طور پر پیشگوئی نکلتی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام انبیاء اپنی کتابوں میں
مسیح کے زمانہ کی کسی نہ کسی پیرایہ میں خبر دیتے ہیں اور نیز دجالی فتنہ کو بھی بیان کرتے
ہیں اور دنیا میں کوئی پیشگوئی اس قوت اور تواتر کی نہیں ہو گی جیسا کہ تمام نبیوں نے
آخری مسیح کے بارہ میں کی ہے۔ تاہم ایسے لوگ بھی اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں جو
اس پیشگوئی کی صحت سے بھی منکر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے اس
پیشگوئی کو ثابت کرو۔ مگر افسوس کہ اگر وہ قرآن شریف کو سوچتے یا اس میں غور کرتے
تو انہیں اقرار کرنا پڑتا کہ یہ پیشگوئی قرآن شریف میں نہایت صراحت سے موجود ہے
اور اس قدر صراحت سے موجود ہے کہ دانا کے لئے اس سے بڑھ کر تفصیل کی حاجت
نہیں سورہ تحریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کے ابن مریم کہلائیں گے
کیونکہ اول مریم سے ان کو تشبیہ دے کر پھر مریم کی طرح نفخ روح ان میں بیان کیا گیا ہے یہ
اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول وہ مریمی وجود لے کر اور اس سے ترقی کر کے پھر
ابن مریم بن جائیں گے جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں اول
میرا نام مریم رکھا اور فرمایا یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ یعنے اے
مریم تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو جاؤ اور پھر فرمایا یا مریم نفخت فیک
من روح الصدق یعنے اے مریم میں نے صدق کی روح تجھ میں پھونک دی۔
(گویا استعارہ کے رنگ میں مریم صدق سے حاملہ ہو گئی) اور پھر آخر میں فرمایا یا عیسے
انی متوفیک و رافعک الیّ یعنے اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف
اٹھاؤں گا پس اس جگہ مریمی مقام سے مجھے منتقل کر کے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس طرح پر
ابن مریم مجھے ٹھہرایا گیا تا وہ وعدہ جو سورہ تحریم میں کیا گیا تھا پورا ہو۔ ایسا ہی سورۃ
نور میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام خلیفے اسی امت میں سے پیدا ہوں گے اور قرآن شریف

سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس امت پر دو زمانے بہت خوفناک آئینگے ایک وہ زمانہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آیا اور دوسرا وہ زمانہ جو دجالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد مین آنیوالا تھا جس سے پناہ مانگنے کیلئے اس آیت مین اشارہ ہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اور اسی زمانہ کیلئے یہ پیشگوئی سورہ نور مین موجود ہے ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ اس آیت کے معنے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یہ ہین کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ مین ایک زلزلہ آئیگا اور خوف پیدا ہو جائیگا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے تب خداتعالے دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر متمکن کر دیگا اور خوف کے بعد امن بخشدیگا جیسا کہ دوسری آیت مین فرماتا ہے ہو الذی ارسل رسولہ بالہدے ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ یعنے خدا وہ خدا ہے جسنے اپنے رسول کو اسلئے بھیجا کہ تا دین اسلام کو سب دینون پر غالب کرے یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کیطرف اشارہ ہے اور پھر یہ آیت کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کیطرف اشارہ ہے۔ اور قرآن شریف کی رو سے مسیح موعود کے زمانہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مشابہت ہے عقلمندونکے لئے جو تدبّر کرتے ہین یہ ثبوت قرآنی تسلّی بخش ہے۔ اور اگر کسی نادان کی نظر مین یہ کافی نہین...... تو پھر اسکو اقرار کرنا چاہیئے کہ توراۃ مین نہ حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت کوئی پیشگوئی ہے نہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی پیش خبری ہے کیونکہ وہ الفاظ بھی محض مجمل ہین اور اسیوجہ سے یہودیونکو ٹھوکر لگی اور قبول نہ کیا۔ مثلاً اگر صاف لفظونمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ پیشگوئی کیجاتی کہ مکہ مین پیدا ہونگے اور آپکا اسم مبارک محمد ہوگا۔ اور آپکے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہوگا اور آپ بنی اسماعیل کے خاندان مین سے ہونگے اور مدینہ مین ہجرت کرینگے اور موسیٰؑ سے اتنی مدت بعد پیدا ہونگے تو ان نشانونکے ساتھ کوئی یہودی انکار نہین کر سکتا تھا اور حضرت مسیح کی پیشگوئی کی نسبت تو اور بھی مشکلات یہودیون پر پڑین جنسے وہ اپنے تئین واقعی معذور خیال کرتے ہین کیونکہ حضرت مسیح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے کہ وہ مسیح ظاہر نہین ہوگا جبتک کہ الیاسؑ دوبارہ دنیا مین نہ آوے۔ مگر الیاس تو ابتک نہ آیا اور خدا کی کتاب مین یہ شرط تھی کہ وہ سچا مسیح جو خدا کیطرف سے آئیگا ضرور ہے کہ پہلے اس سے الیاس دوبارہ دنیا مین آجاوے حضرت مسیح کیطرف سے یہ جواب تھا کہ اس فقرے سے مراد مثیل الیاس ہے نہ کہ اصل الیاس مگر یہودی کہتے ہین کہ یہ خدا کے کلام کی تحریف ہے ہمین تو اصل الیاس کے دوبارہ آنے کی خبر دیگئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کی نسبت جو پیشگوئیان ہوتی ہین وہ ہمیشہ باریک ہوتی ہین تا شقی اور سعید مین فرق ظاہر ہو جاوے +

پھر ماسوا اسکے یہ بات ظاہر ہے کہ جو دعوے راستی پر مبنی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ ایک ہی قسم کا ثبوت نہین رکھتا بلکہ اس سچے ہیرے کی طرح جس کے ہر ایک پہلو مین چمک نمودار ہوتی ہے وہ دعوی بھی ہر ایک پہلو سے چمکتا ہے سو مین زور سے کہتا ہون کہ میرا مسیح موعود ہونیکا دعوے اسی شان کا ہے کہ ہر ایک پہلو سے چمک رہا ہے اول اس پہلو کو دیکھو کہ میرا دعوے منجانب اللہ ہونیکا اور نیز مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونیکا قریباً ستائیس برس سے ہے یعنے اس زمانہ سے بھی بہت پہلے کا ہے کہ جب براہین احمدیہ ابھی تالیف نہین ہوئی تھی اور پھر براہین احمدیہ کے وقت مین وہ دعوے اسی کتاب مین لکھ کر شائع کیا گیا جسکو چوبیس برس کے قریب گذر چکے ہین اب دانا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جھوٹ کا سلسلہ اسقدر لمبا نہین ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص کیسا ہی کذاب ہو وہ ایسی بدذاتی کا اسقدر دور دراز مدت تک جس مین ایک بچہ پیدا ہو کر صاحب اولاد ہو سکتا ہے طبعاً مرتکب نہین ہو سکتا ماسوائے اسکے اس بات کو کوئی عقلمند قبول نہین کریگا کہ ایک شخص قریباً ستائیس برس سے خدا تعالیٰ پر افترا کرتا ہے اور ہر ایک صبح اپنی طرف سے الہام بنا کر اور محض اپنی طرف سے پیشگوئیان تراش کر کے خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کرتا ہے اور ہر ایک دن یہ دعوے کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ الہام کیا ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا ہے حالانکہ خدا جانتا ہے کہ وہ اس بات مین جھوٹا ہے نہ اسکو کبھی الہام ہوا اور نہ خدا تعالیٰ اس سے ہمکلام ہوا اور اسکو ایک لعنتی انسان سمجھتا ہے مگر پھر بھی اس کی مدد کرتا ہے اور اسکی جماعت کو ترقی دیتا ہے اور ان تمام منصوبون اور بلاؤن سے اسے بچاتا ہے جو دشمن اسکے لئے تجویز کرتے ہین۔ پھر ایک اور دلیل ہے جس سے میری سچائی روز روشن کیطرح ظاہر ہوتی ہے اور میرا منجانب اللہ ہونا بپایہ ثبوت پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ مجھے کوئی بھی نہین جانتا تھا یعنے براہین احمدیہ کے زمانہ مین جبکہ مین ایک گوشہ تنہائی مین اس کتاب کو تالیف کر رہا تھا اور بجز اس خدا کے جو عالم الغیب ہے کوئی میری حالت سے واقف نہ تھا۔ تب اس زمانہ مین خدا نے مجھے مخاطب کر کے چند پیشگوئیان فرمائین جو اسی تنہائی اور غربت کے زمانہ مین براہین احمدیہ مین چھپکر تمام ملک مین شائع ہو گئین اور وہ یہ ہین۔ یا احمدی انت مرادی ومعی سرّک سرّی۔ انت منّی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔ انت منّی بمنزلۃ لا یعلمہا الخلق ینصرک اللہ فی مواطن۔ انت وجیہ فی حضرتی اخترتک لنفسی۔ وانّی جاعلک للناس اماماً ینصرک رجال نوحی الیہم من السماء۔ یاتیک من کلّ فج عمیق۔ یاتون من کلّ فج عمیق۔ ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس وقل ربّ لا تذرنی فرداً وانت خیر الوارثین۔ اصحاب الصفّۃ وما ادراک

ما اصحاب الصفہ۔ تریٰ اعینہم تفیض من الدمع ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی
للایمان۔ انی جاعلک فی الارض خلیفہ۔ یقولون انی لک ھذا۔ قل اللہ عجیب لا یسئل
عما یفعل وھم یسئلون۔ ویقولون ان ھذا الا اختلاق قل اللہ ثم ذرھم فی
خوضھم یلعبون۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔
یریدون ان یطفئوا نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعصمک اللہ
ولو لم یعصمک الناس۔ انک باعیننا سمیتک المتوکل۔ وما کان اللہ لیترک
حتی یمیز الخبیث من الطیب۔ شانان تذبحان وکل من علیھا فان۔ وعسیٰ
ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا
تعلمون۔ ترجمہ۔ خدا مجھے مخاطب کرکے فرماتا ہے لے میرے احمد تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ
ہے۔ تیرا بھید میرا بھید ہے تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تفرید۔ پس وہ وقت قریب ہے
جو تیری مدد کے لئے لوگ تیار کئے جائینگے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور کیا جائیگا۔ تو مجھ سے وہ مرتبہ
اور مقام رکھتا ہے جسکو دنیا نہیں جانتی۔ خدا ہر ایک میدان میں تجھے مدد دیگا تو میری جناب میں عزت
رکھتا ہے۔ میں نے تجھے اپنے لئے چُنا۔ میں بہت سے لوگ تیری تابع اور پیرو کرونگا اور تو انکا امام
کیا جائیگا۔ میں لوگوں کے دلوں میں الہام کرونگا تا وہ اپنے مال سے تیری مدد کریں۔ دور دراز اور
عمیق راہوں سے تجھے مالی مددیں پہنچیں گی۔ لوگ تیری خدمت میں دور دور کے راہوں سے آئینگے پس
تجھے لازم ہے کہ اُنسے بد خلقی نہ کرے اور انکی کثرت اور انبوہ اور فوج در فوج آنیسے تھک جائے۔ اور
یہ دعا کیا کر کہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تجھ سے بہتر اور کوئی وارث نہیں۔ خدا اصحاب الصفہ
تیرے لئے مہیا کریگا اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا چیز اصحاب الصفہ ہیں تو دیکھیگا کہ انکے آنسو جاری
ہونگے۔ اور وہ کہینگے کہ اے ہمارے خدا ہمنے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو لوگونکو ایمان کیطرف
بلاتا ہے۔ میں تجھے زمین میں خلیفہ بناؤنگا لوگ تحقیر کی راہ سے کہتے ہیں کہ تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل
ہو سکتا ہے انکو کہدے کہ وہ خدا عجیب قدرتوں والا خدا ہے جو کام وہ کرتا ہے کوئی پوچھ نہیں سکتا
کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور وہ ہر ایک کے قول سے مواخذہ کریگا کہ تمنے ایسا کیوں کہا اور کہتے ہیں کہ
یہ تو صرف بناوٹ ہے انکو جواب دے کہ خدا اس کاروبار کا بانی ہے۔ پھر انکو انکی لہو ولعب میں چھوڑ دے
خدا وہ خدا ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کیساتھ بھیجا تا اس دین کو سب دینوں پر غالب کرکے
دکھاوے۔ یہ لوگ ارادہ کرینگے کہ جس نور کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اسکو بجھاویں مگر خدا اس نور کو پورا
کریگا یعنی تمام مستعد دلوں تک پہنچائیگا۔ اگرچہ کافر لوگ کراہت بھی کریں۔ خدا انہیں انکی شرارت سے بچائیگا اگرچہ
لوگ بچا نہ سکیں۔ تو میری آنکھوں کے سامنے ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے اور خدا ایسا نہیں ہے کہ تجھے چھوڑ دے

جبتک کہ وہ پاک اور پلید مین فرق کرکے نہ دکھلاوے۔ دو بکریان ذبح کیجائینگی۔ اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر اُسنے مرنا ہی قریب ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا سمجھو اور وہ چیز اصل مین تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم اچھا سمجھو اور وہ چیز تمہارے لئے بُری ہو۔ اور خدا تعالے جانتا ہے کہ کونسی چیز تمہارے لئے بہتر ہے اور تم نہیں جانتے۔

اب جاننا چاہئے کہ ان الہامات مین چار عظیم الشان پیشگوئیون کا ذکر ہے (۱) ایک یہ کہ خدا تعالٰی ایسے وقت مین جبکہ مین اکیلا تھا اور کوئی میرے ساتھ نہ تھا اس زمانہ مین جسکو اب قریباً تیئیس سال گذر چکے ہین مجھے خوشخبری دیتا ہے کہ تو اکیلا نہین رہیگا اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ تیرے ساتھ فوج در فوج لوگ ہو جائینگے اور وہ دُور دُور راہون سے تیرے پاس آئینگے۔ اور اسقدر کثرت سے آئینگے کہ قریب ہے کہ تو اُنسے تھک جائے یا بد اخلاقی کرے مگر تو ایسا نہ کر (۲) دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ اُن لوگون سے بہت سی مالی مدد ملیگی۔ ان پیشگوئیون کے بارہ مین ایک دُنیا گواہ ہے کہ جب یہ پیشگوئیان براہین احمدیہ مین لکھی گئین تب مین ایک تنہا آدمی گمنامی کی حالتمین قادیان مین جو ایک ویران گاؤن ہے پڑا تھا مگر بعد اسکے ابھی دس برس گذرنے نہین پائے تھے کہ خدا تعالے کے الہام کے موافق لوگون کا رجوع ہو گیا اور اپنے مالونکے ذریعہ سے لوگ مدد بھی کرنے لگے۔ یہانتک کہ اب دو لاکھ سے زیادہ ایسے انسان ہین جو میری بیعت مین داخل ہین اور انہین الہامات مین ایک تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ لوگ کوشش کرینگے کہ اس سلسلہ کو معدوم کر دین اور اس نور کو بجھا دین۔ مگر وہ اس کوشش مین نامراد رہینگے۔ اب اگر کوئی شخص صریح بے ایمانی اختیار کرے تو اسکو کون روک سکتا ہے ورنہ یہ تینون پیشگوئیان آفتاب کیطرح چمک رہی ہین ظاہر ہے کہ ایسے زمانہ مین جبکہ ایک شخص گمنامی کی حالت مین پڑا ہے اور تنہا اور بیکس ہے اور کوئی ایسی علامت موجود نہین ہے کہ وہ لاکھون انسانون کا سردار بنایا جائے اور نہ کوئی یہ علامت موجود ہے کہ لوگ ہزارہا روپے اسکی خدمتمین پیش کرین پھر ایسی حالت مین ایسے شخص کی نسبت اسقدر اقبال اور نصرت الٰہی کی پیشگوئی اگر صرف عقل اور اٹکل کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے تو منکر کو چاہئے کہ نام لیکر اس کی نظیر پیش کرے بالخصوص جبکہ ان دونون پیشگوئیونکو اس تیسری پیشگوئی کیساتھ ہی رکھا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ بہت کوشش کرینگے کہ یہ پیشگوئیان پوری نہون لیکن خدا پوری کریگا تو بالضرورت ان تینون پیشگوئیونکو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ماننا پڑیگا کہ یہ انسان کا کام نہین ہے۔ انسان تو یہ بھی دعوے نہین کر سکتا کہ اتنی مدت تک زندہ بھی رہ سکے پھر چوتھی پیشگوئی ان الہامات مین یہ ہے کہ ان دنونمین اس سلسلہ کے دو مرید شہید کئے جائینگے چنانچہ شیخ عبد الرحمان امیر عبد الرحمن والئی کابل کے حکم سے اور مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف خانصاحب امیر حبیب اللہ کے ذریعہ سے کابل مین شہید کئے گئے +

اسکے سوا اور صدہا پیشگوئیان ہین جو اپنے وقتونپر پوری ہو گئین چنانچہ ایک دفعہ مولوی

حاشیہ +

حکیم نورالدین صاحب کو قبل از وقت خبر دیگئی کہ انکے گھر مین ایک بیٹا پیدا ہوگا اور اسکے بدن پر کئی
پھوڑے ہونگے چنانچہ ایسا ہی ظہور مین آیا اور وہ بیٹا پیدا ہوا اور اسکے بدن پر پھوڑے تھے
مولویصاحب موصوف اس جلسہ مین موجود ہونگے انسے ہر ایک شخص حلفاً دریافت
کرسکتا ہے کہ یہ بات سچ ہے یا نہین - پھر سردار محمد علیخانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا لڑکا
عبدالرحیم نام بیمار ہوا اور آثار ناامیدی ظاہر ہوگئے اور مجھے الہام کے ذریعہ خدا نے خبر دی
کہ تیری شفاعت سے یہ لڑکا اچھا ہوسکتا ہے چنانچہ مین نے ایک شفیق صبح کے رنگمین اسکے
لئے بہت دعا کی اور وہ لڑکا اچھا ہوگیا - گویا مردہ زندہ ہوا - پھر ایسا ہی انکا دوسرا لڑکا ...
عبداللہ خان بیمار ہوا وہ بھی خوفناک بیماری مین پڑکر موت تک پہونچگیا اس کی شفا کی نسبت
بھی مجھے خبر دیگئی اور وہ بھی میری دعا سے اچھا ہوگیا - اسی طرح اور بہت سے نشان ہین اگر
وہ سب لکھے جائین تو ممکن نہین کہ وہ مضمون دس دن مین بھی ختم ہوسکے - ان نشانو نکے گواہ
ایکدو نہین بلکہ کئی لاکھ انسان گواہ ہین یعنی مین نے ان نشانو نمین سے ڈیڑھ سو نشان اپنی
کتاب نزول المسیح نام مین درج کیا ہے جو عنقریب شایع ہونیوالی ہے وہ تمام نشان کئی
قسم کے ہین - بعض آسمان مین ظاہر ہوئے بعض زمین مین بعض دوستو نکے متعلق ہین
بعض دشمنو نکے متعلق جو پورے ہوچکے بعض میری ذات کے متعلق ہین بعض میری اولاد کے
متعلق اور بعض ایسے نشان بھی ہین کہ وہ محض کسی دشمن کے ذریعہ سے بغیر دخل میری ذات
کے ظہور مین آگئے ہین - جیسا کہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے اپنی کتاب موسومہ
فتح رحمانی مین اپنے طور پر میرے ساتھ مباہلہ کیا اور یہ دعا کی کہ دونون مین سے جو جھوٹا ہے خدا
اسکو ہلاک کرے چنانچہ اس دعا کے بعد صرف چند دن گذرنے پائے تھے کہ مولویصاحب
مذکور آپ فوت ہوگئے اور اپنی موت سے میرے سچا ہونیکی گواہی دے گئے اور ہزارہا ایسے لوگ
ہین کہ محض خوابو نکے ذریعہ سے خدا تعالے نے میرا سچا ہونا انپر ظاہر کردیا غرض یہ نشان
اسقدر کھلے کھلے ہین کہ اگر انکو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو انسان کو بجز ماننے کے بن نہین
پڑتا - اس زمانہ کے بعض مخالف یہ بھی کہتے ہین کہ اگر قرآن شریف سے یہ ثبوت ملے تو ہم مان
لینگے - مین انکے جواب مین کہتا ہون کہ قرآن شریف مین میرے مسیح ہونیکے بارہ مین کافی ثبوت
ہے جیسا کہ مین کسیقدر لکھ بھی چکا ہون - ماسوا اسکے اس شرط کو پیش کرنا بھی صریح زبردستی اور
حکومت ہے کسی شخص کے سچا ماننے کیلئے یہ ضروری نہین - کہ اسکی کھلی کھلی خبر کسی آسمانی کتاب
مین بھی موجود ہو - اگر یہ شرط ضروری ہو تو کسی نبی کی نبوت ثابت نہین ہوگی اصل حقیقت یہ
ہے کہ کسی شخص کے دعوےٰ نبوت پر سب سے پہلے زمانہ کیضرورت دیکھی جاتی ہے پھر یہ

بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی سوچا جاتا ہے کہ خدا نے اسکی تائید کی ہے یا نہیں پھر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ دشمنوں نے جو اعتراض اٹھائے ہیں ان اعتراضات کا پورا پورا جواب دیا گیا یا نہیں۔ جب یہ تمام باتیں پوری ہو جائیں تو مان لیا جائیگا کہ وہ انسان سچا ہے ورنہ نہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ زمانہ اپنی زبان حال سے فریاد کر رہا ہے کہ اسوقت اسلامی تفرقہ کے دور کرنیکے لئے اور بیرونی حملوں سے اسلام کو بچانیکے لئے اور دنیا میں گمشدہ روحانیت کو دوبارہ قائم کرنیکے لئے بلاشبہ ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے جو دوبارہ یقین بخشکر ایمان کی جڑھوں کو پانی دیوے اور اسطرح بدی اور گناہ سے چھوڑا کر نیکی اور راستی کیطرف رجوع دلاوے۔ سو عین ضرورت کے وقت میں میرا آنا ایسا ظاہر ہے کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ بجز سخت متعصب کے کوئی اس سے انکار کر سکے اور دوسری شرط یعنے یہ دیکھنا کہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ یہ شرط بھی میرے آنے پر پوری ہو گئی ہے کیونکہ نبیوں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ جب چھٹا ہزار ختم ہونیکو ہوگا تب وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ سو قمری حساب کے رو سے چھٹا ہزار جو حضرت آدمؑ کے ظہور کے وقت سے لیا جاتا ہے مدت ہوئی جو ختم ہو چکا ہے اور شمسی حساب کے رو سے چھٹا ہزار ختم ہونیکو ہے۔ ماسوا اسکے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد آئیگا جو دین کو تازہ کریگا اور اب اس چودھویں صدی میں سے اکیس سال گذر بھی چکے ہیں اور بائیسواں گذر رہا ہے اب کیا یہ اس بات کا نشان نہیں کہ وہ مجدد آ گیا۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ کیا خدا نے اسکی تائید بھی کی ہے یا نہیں سو اس شرط کا مجھ میں پایا جانا بھی ظاہر ہے کیونکہ اس ملک کی ہر ایک قوم کے بعض دشمنوں نے مجھے نابود کرنا چاہا اور ناخنوں تک زور لگایا اور بہت کوششیں کیں لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں نامراد رہے کسی قوم کو یہ فخر نصیب نہ ہوا کہ وہ کہہ سکے کہ ہم میں سے کسی نے اس شخص کے تباہ کرنیکیلئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی اور انکی کوششوں کے برخلاف خدا نے مجھے عزت دی اور ہزارہا لوگوں کو میری تابع کر دیا۔ پس اگر یہ خدا کی تائید نہیں تھی تو اور کیا تھا کسکو معلوم نہیں کہ سب قوموں نے اپنے اپنے طور پر زور لگائے کہ تا مجھے نابود کر دیں مگر میں انکی کوششوں سے نابود نہ ہو سکا بلکہ میں دن بدن بڑھتا گیا یہانتک کہ دو لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہو گئی پس اگر خدا کا ایک پوشیدہ ہاتھ میرے ساتھ نہ ہوتا اور اگر میرا کاروبار محض انسانی منصوبہ ہوتا تو ان مختلف تیروں میں سے کسی تیر کا میں ضرور نشانہ بنجاتا اور کبھی کا تباہ ہوا ہوتا اور آج میری قبر کا بھی نشان نہ ہوتا کیونکہ جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اسکے مارنیکے لئے کئی راہیں نکل آتی ہیں وجہ یہ کہ خدا خود اسکا دشمن ہوتا ہے مگر خدا نے ان لوگوں کے تمام منصوبوں سے مجھے بچا لیا جیسا کہ اس نے چوبیس برس پہلے خبر دی تھی۔ ماسوا اسکے کیسی کھلی کھلی تائید ہے کہ خدا نے میری تنہائی اور گمنامی کے زمانہ میں کھلے لفظوں میں براہین احمدیہ میں مجھے خبر دیدی کہ میں تجھے مدد دونگا اور کثیر جماعت تیرے ساتھ کر دونگا اور مزاحمت کرنیوالوں کو

نامراد رکھونگا پس ایک صاف دل لیکر سوچو کہ یہ کسقدر نمایان تائید ہی اور کیسا کھلا کھلا نشان ہی کیا آسمان کے نیچے ایسی قدرت کسی انسان کو ہی یا کسی شیطان کو۔ کہ ایک گمنامی کیوقت مین ایسی خبر دے اور وہ پوری ہو جاوے اور ہزارون دشمن اٹھین مگر کوئی اس خبر کو روک نہ سکے پھر جو یہ شرط تھی کہ مخالفون نے جو اعتراض اٹھائے ان اعتراضات کا پورا پورا جواب دیا گیا یا نہین یہ شرط بھی صفائی سے طے ہو چکی کیونکہ مخالفونکا ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ مسیح موعود حضرت عیسےٰؑ ہین وہی دوبارہ دنیا مین آئینگے پس انکو جواب دیا گیا کہ قرآنشریف سے ثابت ہی کہ حضرت عیسےٰؑ فوت ہو چکے ہین اور پھر دوبارہ دنیا مین ہرگز نہین آئینگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ انہین کی زبان سے فرماتا ہے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ پہلی آیتونکو ساتھ ملا کر ترجمہ یہ ہی کہ خدا تعالیٰ قیامت کو حضرت عیسےٰؑ سے پوچھیگا کہ کیا تو نے ہی یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو خدا کرکے ماننا اور ہماری پرستش کرنا۔ وہ جواب دینگے کہ اے میرے خدا اگر مینے ایسا کہا ہو تو تجھے معلوم ہوگا کیونکہ تو عالم الغیب ہی۔ مینے تو وہی باتین انکو کہین جو تو نے مجھے فرمائین یعنی یہ کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک اور مجھے اسکا رسول مانو۔ مین اسوقت تک انکے حالات کا علم رکھتا تھا جبتک کہ مین انمین تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو انپر گواہ تھا مجھے کیا خبر ہے کہ میرے بعد انہون نے کیا کیا۔ اب ان آیات سے ظاہر ہی کہ حضرت عیسےٰؑ یہ جواب دینگے کہ جبتک مین زندہ تھا عیسائی لوگ بگڑے نہین تھے اور جب مین مر گیا تو مجھے خبر نہین کہ انکا کیا حال ہوا پس اگر مان لیا جاوے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ابتک زندہ ہین تو ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ عیسائی بھی ابتک بگڑے نہین اور سچے مذہب پر قائم ہین پھر ماسوا اسکے اس آیت مین حضرت عیسےٰؑ اپنی وفات کے بعد اپنی بیخبری ظاہر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اے میرے خدا جب تو نے مجھے وفات دیدی اسوقت سے مجھے اپنی امت کا کچھ حال معلوم نہین پس اگر یہ بات صحیح مانی جائے کہ وہ قیامت سے پہلے دنیا مین آئینگے اور مہدی کے ساتھ ملکر کافرون سے لڑائیان کرینگے۔ تو نعوذ باللہ قرآنشریف کی یہ آیت غلط ٹھہرتی ہے اور یا یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے سامنے جھوٹ بولینگے اور اس بات کو چھپائینگے کہ وہ دوبارہ دنیا مین آئے تھے اور چالیس برس تک رہے تھے اور مہدی کے ساتھ ملکر عیسائیونسے لڑائیان کی تھین پس اگر کوئی قرآنشریف پر ایمان لانیوالا ہو تو فقط اس ایک ہی آیت سے تمام وہ منصوبہ باطل ثابت ہوتا ہے جسمین یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مہدی خونی پیدا ہوگا اور عیسےٰ اسکی مدد کے لئے آسمان سے آئیگا بلاشبہ وہ شخص قرآن شریف کو چھوڑتا ہے جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے پھر جب ہمارے مخالف ہر ایک بات مین مغلوب ہو جاتے ہین تو آخر کار یہ کہتے ہین کہ بعض پیشگوئیان پوری نہین ہوئین جیسے کہ آتھم کی پیشگوئی۔ مین کہتا ہون کہ اب آتھم کہان ہے اس پیشگوئی کا تو ماحصل یہ تھا کہ جو شخص جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی مین ہی وفات پا جائیگا سو آتھم وفات پا گیا اور مین ابتک زندہ ہون

اور وہ پیش گوئی شرطی تھی یعنی میعاد اس کی شرط سے وابستہ تھی پس جس حالت میں آتھم پیشگوئی کو سن کر ڈرتا رہا تو اُس نے اُس شرط کو پورا کر دیا۔ اسلئے چند مہینہ اُور مہلت اسکو دیگئی۔ افسوس کہ ایسے اعتراض کرنیوالے اس بات کو نہیں سوچتے کہ جو یونس نبی نے پیشگوئی کی تھی اسکے ساتھ تو کوئی شرط نہ تھی جیسا کہ یونہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے تاہم وہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئیان یعنی وہ پیشگوئیان جن میں کسی پر عذاب نازل ہونیکا وعدہ ہو وہ خدا کے نزدیک ہمیشہ توبہ کی شرط سے یا صدقہ خیرات کی شرط سے مشروط ہوتی ہین یا خوف کی شرط سے مشروط ہوتی ہین اور توبہ اور استغفار اور صدقہ خیرات اور خدا تعالے سے ڈرنیکے ساتھ ان پیشگوئیون مین تاخیر ہو سکتی ہے یا بالکل ٹل سکتی ہین۔ ورنہ یونسؑ نبی نبی نہین ٹھہرتا کیونکہ اس کی قطعی پیشگوئی خطا گئی۔ خدا کے عذاب کے ارادے جو کسی مجرم کی نسبت ہوتے ہین صدقات خیرات دعا سے بھی ٹل سکتے ہین اور مجرم کے خوف سے بھی ٹل سکتے ہین۔ پس جو پیشگوئی عذاب پر مشتمل ہو اسکا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ خدا تعالے نے کسی شخص کی نسبت عذاب دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ جس ارادہ کو کسی نبی پر اس نے ظاہر بھی کر دیا ہے۔ پس کیا وجہ کہ وہ ارادہ اُس حالت مین تو صدقہ خیرات اور دعا سے ٹل سکتا ہے۔ کہ جب کسی نبی پر ظاہر نہ کیا گیا۔ لیکن جب ظاہر کیا گیا ہو تو پھر ٹل نہین سکتا۔ یہ خیال سراسر بیوقوفی ہے اور اس مین تمام انبیاء کی صریح مخالفت ہے۔ ماسوا اسکے بعض پیشگوئیان مجمل بھی ہوتی ہین اور بعض متشابہ ہوتی ہین جو بعد مین ان کی حقیقت کھلتی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض وقت کسی پیش گوئی کے معنے کرنے مین ایک نبی کا اجتہاد بھی خطا ہو سکتا ہے جس سے کچھ ضرر نہین۔ نبی کے ساتھ بھی بشریت ہے۔ حضرت عیسے علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بارہ حواری بہشت مین بارہ تختون پر بیٹھینگے مگر یہ بات صحیح نہ ہوئی بلکہ ایک حواری مرتد ہو کر جہنم کے لائق ہو گیا۔ اور آپنے فرمایا تھا کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے کہ مین دوبارہ آجاؤنگا۔ یہ بات بھی صحیح نہ نکلی اور کئی اور پیشگوئیان حضرت عیسے علیہ السلام کی باعث اجتہادی غلطی کے پوری نہین ہو سکین غرض یہ اجتہادی غلطیان تھین اور میری پیشگوئیون کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی صبر اور صدق سے سننے والا ہو تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ پیشگوئیان اور نشان میری تائید مین ظاہر کئے گئے ہین پس سخت کمینگی ہے کہ ہزارہا پیشگوئیون سے جو پوری ہو چکین کچھ فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اگر ایک سمجھ نہ آسکے تو اسکو نشانہ اعتراض کا بنا دیا جائے اور شور ڈالا جائے اور اسی پر تمام فیصلہ کر دیا جائے مین امید رکھتا ہون اور یقین کامل سے کہتا ہون کہ اگر کوئی شخص چالیس روز بھی میرے پاس رہے تو کوئی نشان دیکھ لیگا۔ اب مین ختم کرتا ہو اور یقین رکھتا ہون کہ اسقدر طالب حق کے لئے بس ہو والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ الراقم میرزا غلام احمد

مخلص احباب کی اس تگاپو فی سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر نسبت اوایل کے نرمی سے دکھائی دینے لگی ہی حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کے اُس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہے جس تعداد تک پہنچانیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہی اس دھیماپن کا بجز اسکے اور کیا باعث قرار دیا جاوے کہ اپنی جماعت کے جملہ افراد کے اعضا مین حمیت و اعانت مین ابھی پورا جوش پیدا نہین ہوا۔ ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پرجوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین۔ اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر تکاہل و تساہل حضرت اقدس کی تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی منفاد تو اس امر کے مقتضی تھی کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا نخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا اس دو لاکھ سے بھی زیادہ احمدیہ جماعت کی احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کی خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے +

تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ سا مچا دیا ہی جس سے مخالفونکے دلونمین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہوگئی ہین پچھلے ایام مین اسٹریلیا سے ایک یورپین کی چٹھی آئی تھی جسمین وہ اس رسالہ کی مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کرکے کہتا ہی کہ "اسکے پرحقایق دلچسپ مضامین مین متلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہی امید ہی کہ اسکے مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے" کیون نہو پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت و سعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہ سکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کی مخلص احباب کے دلونمین اسکے احکام کی بجا آوری کا خیال و تحریک پیدا نہو مشیت ایزدی مین جو کام ہونا ہی اور جن اغراض کیلئے اسکا مامور آیا ہی وہ سب ہوکر ہی رہین گی۔ یہ تو صرف ہمارے واسطے توشہ عقبے حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہی۔ ما در من قال۔ ؎ بمفت این اجر نصرت را دہندت ای اخی ورنہ * قضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا حسنات دارین حاصل کرنیکا عین وقت ہی اللہ تعالے جملہ احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانیکی توفیق بخشے تاکہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کرکے سابق بالخیرات بنین۔ آمین۔ ثم آمین۔ والسلام۔ منیجر

اطلاع ضروری

مقدمات سے عدیم الفرصتی کی وجہ سے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کا انگریزی میگزین وقت پر شایع نہین ہوسکتا اگلے مہینہ کے ساتھ اکٹھا شایع ہوگا +

خریداران بوجہ مجبوری معذور فرما دیں۔ والسلام

منیجر

اعلان - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عکسی تصاویر کارخانہ البدر قادیان سے طلب کریں + [illegible] ۵/ ۹/ [illegible]

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے مین تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان مین پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے استعمال کرنیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے بڑھکر مبہی مولد خون صالح مشتہی - **بدن کو مضبوط اور خوش رنگ بنانے** اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی ایسی آجتک ایجاد نہین ہوئی اسکا اثر ان اعضا پر جنپر نسل انسان کی پیدایش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے **کبریت احمر** اسکا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ قوے کو از سر نو بحال کر کے شگفتہ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے - **قیمت فی شیشی** سے ۳ روپے

روغن درد گردہ - درد گردہ کی دورے اور تکلیفین ایسی سخت ہوتی ہین کہ الامان - یہ عجیب و غریب روغن درد گردہ مین خاصکر جب درد کنکری کیوجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے - چھوٹے چھوٹے سنگریزونکو توڑکر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے - تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہین ہوتی **قیمت فی شیشی** عہ ۳ روپے ۱۲ آنہ

عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے - اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پر تاثیر تیز بہدف ہر قسم کے **زخمون - جراحتون - چوٹون - گلٹیون - خنازیر - سرطان طاعون** اور ہر قسم کے خبیث زہریلے **پھوڑون - پھنسیون - ناسورون گنج خارش بواسیر** اور طرح طرح کی جلد کی بیماریون ہاتھون کی سردی سے پھٹ جانے جانورونکے کاٹ لینے جل جانے اور عورتونکے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلئے ہزار ہا سال کا مجرب **مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین** تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسی کے دنیا بھر مین اور کہین نہین بنتا **قیمت فی ڈبیہ خورد** ۶ / ۱۲ / **فی ڈبیہ کلان** عہ

رسالہ آئینہ صحت نامفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسیٰ نولکھا لاہور** سے طلب کرو	عمدۃ التقویم سنہ ۱۹۰۲ء مفت

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہونیکے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین تو بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دکان کا فایدہ اور بھائی کی مدد ہے + المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا -

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ [illegible] روپیہ [illegible]

"حضرت اقدس ؑ کے مبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پُرجوش روحوں کی احتیاج"

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدس ؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت محسوس کرکے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ ریگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کرکے پرزور تاکیدی الفاظ مین ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہئیے چنانچہ اُس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

"اگر بیعت کرنے والے **اپنی بیعت کی حقیقت** پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

"مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادین اور اس خدمت مین **جان توڑ کوشش کرین**"۔

حضرت اقدس ؑ کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص زمانہ سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑجانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کو مختص یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی! اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایان تھا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران واحباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اگر اپنی ہماری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری کہین دسہزار سے بھی بڑھجاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدس ؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام سعادتمند روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کیلئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور ماً مور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں؟

گزشتہ مہینے کے اخبار آبزرور کے چند متواتر نمبروں میں مسٹر دلاور حسین احمد سابق انسپکٹر جنرل محکمہ رجسٹریشن بنگال کے قلم سے نکلا ہوا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں راقم مضمون نے اسلام جیسے پاک اور اعلےٰ اصول رکھنے والے مذہب کو ایسے خطرناک اور سخت عیوب کا متہم کیا ہے جو آجتک کسی تنقید کرنے والے کے قلم و زبان سے نہیں نکلے۔ راقم مضمون یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کو از سر نو ترتیب دی جاوے اور مدنی سورتوں کو ناقابل عمل سمجھ کر خارج کر دیا جائے۔ اس طریق اصلاح کو پیش کرنے کی غرض وہ بظاہر یہی بیان کرتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں سے وہ نقص اور قباحتیں دور ہو جائیں گے۔ جو کثرت ازدواجی اور طلاق اور پردہ اور قوانین وراثت وغیرہ کی وجہ سے انمیں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن دراصل ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان شیشوں کی آڑ میں وہ اور ہی شکار کھیلا چاہتے ہیں۔ ان کے طرز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکی مجوزہ اصلاحوں کا واقعی نشانہ یہی چند مسائل اور امور نہیں انکی دلی تمنا جو گوشہ دل میں چھپی ہوئی اپنا مطلب نکالنا چاہتی ہے۔ انکے طرز سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کاش پاک اسلام کی شریعت ہی دنیا سے مٹ جائے۔ اور خصوصاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کے فرائض کا بوجھ دین اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اور کھانے اور پینے اور دوسرے امور کیلئے جو حرمت کی روکاوٹیں قرآن کریم نے لگائی ہوئی ہیں۔ انکو اٹھا دیا جاوے۔ کیونکہ اس قسم کے احکام اکثر مدنی سورتوں میں ہی بھرے ہوئے ہیں۔ اور مدنی سورتوں کو خارج کرنیکی تجویز پیش کرنے سے مراد اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر انکی منشاء صرف انہیں چند امور کے اصلاح تک ہی محدود ہوتی۔ تو وہ اس راہ کو کبھی اختیار نہ کرتے۔ اور نہ ہی یہ وہ راہ تھی جس سے وہ اس مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو تمام مدنی سورتوں کو جو اسلامی شریعت کی روح رواں ہیں۔ اور جنمیں کثیر حصہ تمدنی مضامین کا بھرا ہوا ہے۔ انہیں کو جڑ سے کاٹنے کی تجویزیں پیش کیجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کے کندھوں سے شریعت کا جوا ہی اتار دینا مقصود ہے۔ بنگال بھی ایک عجیب ملک ہے۔ جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا ایسا خیرخواہ پیدا ہوتا رہتا ہے جو اسلام کے سر سبز گلستان کے پیڑ پودوں کو کسی نہ کسی رنگ میں اکھاڑنے کی صلاحیں دیتے رہتے ہیں۔ مگر ندا ہے۔ جو اپنے نفس و

اِنّا لہ لحٰفظون کے مطابق دین اسلام کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور اُن لوگوں کو اپنی ایسی کوششوں میں نامراد ہی رکھتا ہے۔ ابھی دو سال ہوئے ہیں۔ کہ اسی ملک بنگال میں ایک محمد سرفراز خاں صاحب نامی تھے جنہوں نے اسلامی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر یہ کوشش کی تھی۔ کہ اس پائدار محل کے ستون نماز۔ روزہ وغیرہ ہی نیچے سے کھینچ لئے جاویں۔ سرفراز خاں صاحب نے بنگال کے ایک اسلامی پرچہ میں اپنی اصلاحوں کی تمہیدیوں شروع کی تھی کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کے احکام جو حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام والتحیات نے قائم فرمائے تھے۔ وہ موجودہ صدی کے مسلمانوں کے مناسب حال نہیں۔ بلکہ اُن میں ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب جنٹلمینوں کے لئے حسب ذیل اصلاح ہونی چاہئے۔ مثلاً خدائے ذو الجلال والاکرام کے حضور میں نماز کے وقت سربسجود ہوکر ناصیہ نیاز کو بہزار خشوع زمین پر رکھنے کی رسم کو بالکل اڑا دیا جائے۔ اور اسکی بجائے صرف اس قدر جائز رکھا جائے۔ کہ کرسیوں پر بیٹھکر کچھ دعا کرلی جاوے۔ اور جو نمازیوں کا امام آگے کھڑا ہوکر فاتحہ اور دوسری قرآنی سورتیں پڑھتا ہے۔ وہ صرف یہی کرلے۔ کہ مقتدیوں کو پادریوں کیطرح لیکچر سنانے پر کفایت کرلیا کرے۔ اور روزے میں کھانے اور پینے کے روک کو دور کردیا جاوے۔ اور بجائے اسکے ہلکے قسم کے ناشتے دن کے مختلف اوقات میں کھانیکی اجازت دی جاوے۔ اسیطرح زکوٰۃ کے مبارک اصول کی بیخ کاٹکر علیگڑھ کالج کو چندے دئے جایا کریں۔ اور بجائے بیت اللہ شریف کے حج کے ایجوکیشنل کانفرنس کے سالیانہ اجلاسوں میں شریک ہونیکو کافی سمجھ لیا جائے۔ اور حج کو ترک کردیا جائے۔ مسٹر ولاورحسین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ "اسلام کا زمانہ تو گزر چکا ہے۔ اور اُسکی زندگی کے دن ختم ہوچکے ہیں۔ ہاں اگر اسلامی احکام اور شریعت میں ترمیم اور اصلاح کرنا اب سے ہی شروع کردیا جائیگا۔ تو ہم پر خود بخود واضح ہوجائیگا کہ واقعی طور پر زمانہ اسلام کی حیات کا بادہ لبریز نہیں ہوچکا" اسلئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ اس بات پر غور کریں۔ اور اُسکی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کریں۔ کہ ان مجوزہ اصلاحوں اور ترمیموں کا مذہب اسلام پر کیا اثر ہوگا؟ کیا اصلاحوں اور ترمیموں کے بعد جو مذہب قرار پاتا ہے۔ وہ وہی اسلام ہوسکتا ہے۔ جو حضرت سرور کائنات فخر عرب وعجم نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم کیا تھا؟ مسٹر ولاورحسن مکی اور مدنی سورتوں میں ایک فرق تجویز کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اپنی مکی زندگی میں جب اللہ تعالےٰ کی توحید اُسکی قدرت وطاقت اور اُسکی محبت کی تعلیم دی۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک ایسے نبی کی تھی۔ جو تمام اہل جہان کی روحانی اصلاح اور ترقیات کیلئے نازل ہؤا تھا۔ لیکن جب آپ نے مدینہ میں شرعی اور قانونی احکام نافذ فرمائے۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی۔ جسکی غرض صرف مدینہ کی شورہ پشت قوموں میں امن قائم رکھنا۔ اور ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچائے رکھنا تھی۔ مکی زندگی میں آنحضرت نے ؏ ایسے مذہبی اور اخلاقی علوم کے حقائق ومعارف کی تعلیم کی۔ جو ہر جا یکساں ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قابل ہیں۔ مدینہ میں جاکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

ان لوگوں کے جو وہاں موجود تھے۔ مناسب حال سلوک کرنا پڑا"۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا اس فرق کی تمیز ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسین ہی کے ایسے ذہن رسا اور دماغ نکتہ سنج کی تراش ہے۔ اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے بیخبر اور ناواقف تھے؟ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع فیوض و برکات نے انتہا ہنے خود بھی کسی ایسے فرق کو بیان فرمایا ہے؟ مسٹر موصوف کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے۔ کہ درحقیقت یہ فرق پہلے موجود تھا۔ لیکن انکے نزدیک یہ قصور خلفائے راشدین کا ہے۔ کہ انہوں نے مکی اور مدنی سورتوں کو ملا کر گڑبڑ مچادی۔ بقول مسٹر موصوف قرآنی سورتوں کی یہ اتفاقی ترتیب ہی اس امر کا موجب ہوئی ہے۔ کہ وہ احکام جو صرف مدینہ طیبہ کے وحشی اور جاہل اور بہائم خصلت ناشائستہ اقوام کے مناسب حال تھے۔ کاش اگر اسوقت رسولکریم صلعم زندہ ہوتے۔ تو نہ تو خود ہی ایسی حرکت کرتے اور نہ ہی صحابہ کو کرنے دیتے۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں۔ کہ خلفائے راشدین کے افعال اور اقوال وہ تعظیم اور تکریم پانیکا حق نہیں رکھتے جو انکے یعنے رسول خدا صلعم کے اپنے افعال اور اقوال پانیکا حق رکھتے ہیں"۔ غرض اب اس سارے مسئلہ کا مدار اسبات پر آن ٹھیرتا ہے۔ کہ خود رسولکریم صلعم مدنی سورتوں کو (جنمیں وہ قانونی احکام اور شریعت ہیں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی) مکی سورتوں سے کم رتبہ سمجھتے تھے۔ یا دونوں قسم کی سورتوں کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اگر ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسن صاحب بیدار مغزی سے کام لیتے تو ایسے امر پر جو سوسایٹی کے مسلم اصول کو تہ و بالا کرنیوالا ہے۔ لب کشائی کی جراءت کرنیسے پہلے انکا فرض تھا۔ کہ اس مسئلہ پر ہر ایک نشیب و فراز کے پہلو سے غور کرتے ہمیں تو تعجب آتا ہے۔ کہ مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل انسان جو اتنی بڑی اہم قومی اصلاح کا بیڑہ اٹھانیکے لئے ایسی جراءت کرتے ہیں۔ ایسے نازک مسئلہ پر جسکا اثر قرآن کریم پر پڑتا ہے۔ بحث کرتے وقت اسقدر جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ انہوں نے ایسا بعید القیاس پہلو اختیار کیا ہے۔ جسے دیکھکر نہ صرف ہم بلکہ جو شخص قرآن کریم کو پڑھے گا تعجب کریگا۔ جس حی و قدیر خدا نے مکی سورتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی فرمایا تھا۔ اسی عالم الغیب توانا و توانا خدا نے اسی طرح مدنی سورتوں کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم پر نازل فرمایا۔ اور سارے قرآن میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ملیگا۔ جس سے کوئی باسمجھ انسان یہ نتیجہ نکال سکے۔ کہ مدنی سورتوں کے احکام مکی سورتوں کے احکام سے الگ اور نرالے رنگ کے ہیں۔ اور نہ ہی اسبات کا قطعاً کوئی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مدنی احکام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی الٰہی کے اپنی طرف سے ہی دیدیئے تھے۔ غور کی بات ہے۔ کہ ذیل کی آیۃ شریفہ ایک مدنی صورت میں ہی نازل ہوئی ہے۔ جس سے یہ امر حتمی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ سارے کا سارا قرآن شریف کیا وہ حصہ جو کہ میں نازل ہوا تھا۔ اور کیا وہ جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا۔ بلا کسی تفاوت اور فرق کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے یکساں الہام ہے۔ وہ آیۃ یہ ہے۔ افلا یتدبرون

۱؎ یعنے کے لئے مسلمانوں کے ذہن پر ان کی تباہی کا موجب ہوئے۔

القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ یعنے کیا۔ پھر وہ قرآن کو سوچ اور بچار سے نہیں پڑھتے ہ۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو انہیں بہت سے اختلاف یقیناً مل جاتے تھا۔

اب ناظرین خود ہی غور فرماویں۔ کہ جبکہ ایک مدنی سورۃ میں یہ آیتہ موجود ہے جو بلا تفاوت سارے قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر قاطع اور ساطع دلیل ہے۔ تو اسکے مقابل میں مسٹر ولادر حسین صاحب کی یہ باتیں کس وقعت کے قابل ہیں۔ کہ مدنی سورتوں میں جو احکام درج ہیں۔ وہ خدا کی وحی کے بغیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے صرف اُن وحشی لوگوں پر سیاست اور حکومت کی غرض سے درج کئے ہیں۔ اسکے ماسواء ایک اور مدنی سورۃ میں ذیل کی آیتہ ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین - فان لم تفعلوا ولن تفعلوا ....

یعنے جو کچھ ہمنے اپنے بندے (حضرت سرور کائنات) کیطرف نازل کیا ہے۔ اگر اسمیں تمہیں کچھ شک ہے۔ تو تم کوئی ایسی سورۃ لا دکھاؤ۔ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو طلب کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم نکرو۔ اور کسی طرح ویسی سورۃ نہیں لا سکو گے۔"

جہانتک ہم قیاس کر سکتے ہیں انہی آیات ہی مسٹر ولادر حسن صاحب کو یہ یقین دلانیکے لئے کافی ہونگی۔ کہ انہوں نے ایک غلط پہلو اختیار کیا ہے۔ اور اُنکو صاف ثابت ہو جائیگا۔ کہ مدنی سورتیں بھی اسی علام الغیوب کی وحی ہے جس نے اپنی کامل قدرت سے مکہ معظمہ میں اپنے پیارے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر غیر متغیر اخلاقی دینی معارف و حقایق کو بذریعہ وحی کے نازل فرمایا تھا۔ یہ بات اس حد تک تو صاف اور کھلی ہے۔ کہ مدنی احکام اور فرائض آنحضرت صلعم نے کسی مصلحت اور ضرورت کیلئے نہیں بنائے تھے۔ بلکہ جو کچھ وہ اللہ تعالےٰ سے پاتے وہی آگے پہونچاتے تھے۔ مسٹر ولادر حسین اگر قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونیکے قائل ہوں۔ تو شاید یہ اعتراض کریں۔ کہ اگرچہ یہ احکام اللہ تعالےٰ ہی کیطرف سے وحی ہوئے تھے لیکن انسے یہ مراد نہیں تھی۔ کہ ہمیشہ کیلئے یہ احکام دئے گئے ہیں۔ اور تمام جہان پر فرض کئے گئے ہیں بلکہ وہ خاص حالات کے ماتحت خاص خاص اقوام کو دئیے گئے تھے۔ اس صورت میں مدنی احکام کے ساتھ ایسے الفاظ دکھلانیکا بار ثبوت اُنکے ذمے ہے۔ کہ جن سے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہو۔ کہ یہ مدنی احکام محدود القوم اور محدود الوقت تھے۔ اور یہ دکھلانا بھی انہیں کا ذمہ ہے۔ کہ مکی سورتوں کے ساتھ ایسے الفاظ نہیں۔ اس بات کو ماننے کے لئے ہم طیار ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلعم صرف عربوں ہی کیلئے رسول بنکر آئے ہوتے تو یہ قوانین اور احکام شاید دوامی ہونے کا دعویٰ کرنیکے حقدار نہوتے۔ لیکن آپکی ذات مبارک تو رحمۃ للعلمین ہے۔ اور آپ تمام جہان کی ہدایت کے لئے زندہ نبی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنے کہہ کہ اے دنیا کے لوگو میں تم سب کیطرف رسول ہو کر آیا ہوں۔ اسلئے آپکی تمام وحی بالاستقلال آئندہ کے لئے ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ جو شریعت آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے۔ وہ آخری شریعت ہے۔ اور کوئی نئی شریعت اسکے بعد نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اسکو منسوخ کر سکتی ہے۔ اسلئے تمام قوانین اور قانونی احکام جو اسمیں درج ہیں۔ خواہ دینی حقایق اور معارف ہوں۔ اور خواہ وہ تمدن و معاشرت کے متعلق ہوں۔ وہ سب مدامی اور مستقل ہیں۔ اور جس شخص کو آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان ہے۔ وہ ہر وقت ان احکام کو واجب التعمیل مانیگا۔

اسکے علاوہ ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پردہ۔ کثرت ازدواج طلاق اور وراثت کے احکام دوسرے سینکڑوں دینی احکام اور فرائض سے جدا نہیں ہو سکتے جن کا مجموعہ شریعت اسلامی ہے۔ بلکہ اُن تعلیموں سے بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں جنکا منشا یہ ہے۔ کہ ہم اپنے نوع جنس پر شفقت اور لطف کریں۔ اور اسطرح خدا کی رضا جوئی کریں۔ اور اسکی حمد اور شکر بجا لائیں۔ اور اسکے لاانتہا رحم اور فضل و کرم کا شکریہ ادا کریں"۔ اور مؤخر الذکر تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جنہیں مسٹر دلاور حسین خود مانتے ہیں۔ کہ یہ غیر متغیر اور مدامی تعلیم ہے۔ پس اگر مدنی سورتوں کو رد کر دیا جائے۔ تو انکے ساتھ بہت سے ایسے حقایق اور احکام کو رد کرنا پڑیگا۔ جو غیر متبدل اور مدامی ہیں۔ اور جنکی اس تہذیب کے زمانے میں واجب التعمیل ہونے پر خود مسٹر دلاور حسین کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اور ان تمام صداقتوں کا بیش قیمت خزانہ صرف اُن تین یا چار یا تو نکو دور کرنیکی خاطر رد کرنا پڑے گا جنہیں وہ قبیح اور مضر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ جن مسائل کو انہوں نے قبیح اور مضر قرار دیا ہے۔ وہ ایسے مسائل ہیں جو صحیح طور پر اعلےٰ درجہ کے علمی اصول اور حقایق پر مبنی ہیں اور جنکو اس زمانہ اور اس ملک میں اُنسے بڑھکر فاضل اور علم آزکم مساوی درجہ کے آزاد خیال والے لوگوں نے انہیں مسائل کو دنیا کے لئے مفید اور نوع انسان کی بہتری کا باعث قرار دیا ہے الحق مرّ مشہور قول ہے۔ مگر سچی بات کا نہ کہنا بھی ایمانداری نہیں۔ مسٹر دلاور حسین کو حقیقی اسلام کی برکتوں کی لذت سے بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ اسکے حسن تیاں ربا کے کرشموں سے کچھ خبر ہی ملی ہے۔ کاش انہیں اس لذت سے کچھ حصہ نصیب ہوتا۔ اور وہ اس مہر منیر کے حسن سے کچھ خبر پاتے تا اس بے خبری اور کوری میں ان احکام پر ایسا فتویٰ صادر نہ کرتے۔ اور اسمیں وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ کیونکہ جو حال انکا ہے۔ اسمیں وہ اکیلے ہی مبتلا نہیں۔ بلکہ اس ملک کے بہت دولکا یہی حال ہو رہا ہے۔ پھر ایک اور دلیل اس امر پر کہ شریعت اسلام کے احکام قوم و ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ یہ ہے کہ اسلام کی برکات دائمی برکات ہیں عیسائیت اور دوسرے مخالف

مذہبوں کی طرح اسلام ایسا مذہب نہیں۔ کہ جسمیں وہ برکات نہ رہی ہوں جنکا اسکے ماننے والوں کو وعدہ دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ وہ پاک دین ہے۔ جو سدا ہرے بھرے باغ کی طرح ہے۔ کہ جسکی سرسبزی میں کبھی فرق آتا ہی نہیں۔ اور جسمیں ثمرات کبھی ختم ہوتے ہی نہیں۔ اب بھی ایک مومن مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے سے انہیں برکتوں کا وارث ہو جاتا ہے جنکا اس پاک کتاب میں وعدہ درج ہے۔ ایک انسان پرست عیسائی یہ کہیگا۔ کہ پہاڑوں کو جگہ سے ٹلا دے اور زہر ہلاہل کو کھا جائے۔ اور اُس سے کچھ نقصان نہ پائیگی فوق العادت طاقت جو مومنوں کے لئے انجیل میں وعدہ دیگئی ہے۔ اسکا خاتمہ صرف مسیح کی حواریوں ہو چکا۔ لیکن ہم مسلمانوں کا خدا کے فضل سے آجتک یہ دعویٰ ہے۔ کہ خدا کے کلام پر صدق دل سے عمل کرنیکی برکت سے دعا کی قبولیت اور خدا سے مکالمہ کا شرف ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

پس جب اسلام کی برکتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ تو اسکے احکام بھی کبھی بیکار نہ ہونگے۔ اگر ایک شخص ان برکات کو حاصل کرنے سے محروم ہے۔ یا ان احکام شریعت کو ہمیشہ کے لئے قابل عمل نہیں سمجھتا۔ تو یہ اُسکے فہم کا قصور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اب دیکھنا یہ امر ہے۔ کہ ان مدنی احکام کو قرآن کریم کس طرح پیش کرتا ہے؟

آیۃ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ایک مدنی سورۃ میں وارد ہے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا ہے۔ جس سورۃ میں یہ آیۃ ہے۔ یہ وہ سورۃ مبارکہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخیر حصہ زندگی میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسے صاف ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کی تکمیل اور اتمام نعمت جنکی طرف اس آیۃ کا اشارہ ہے۔ وہ مدنی احکام کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر مدنی اور مکی سورتوں میں اسی قسم کا فرق ہوتا جو مسٹر والو حسین صاحب بیان کرتے ہیں۔ تو تکمیل دین اور اتمام نعمت کے متعلق اس مضمون کی آیۃ مکی سورتوں کا تتمہ ہونا چاہئے تھی۔ نہ کہ مدنی سورتوں کا۔ لیکن یہاں تو مدنی حصہ قرآن کو شامل کرکے ایک سورۃ میں یہ تمامی اور اتمامی کلام نازل ہوا ہے۔ اور ماسوا اس کے اس آیۃ شریفہ میں کنایۃ یا صراحت سے کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز ظاہر ہو سکے۔ یہ آیۃ مکی اور مدنی سورتوں پر مساوی طور پر حاوی ہے نہ تو خود قرآن کریم نے ہی مانا ہے۔ کہ مکی سورتیں ہی اتمام اور تکمیل دین کے لئے بس ہیں۔ اور نہ ہی دین اسلام مدنی سورتوں کے بغیر اتم اور اکمل ہو سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کے لئے مکی سورتوں کی طرح مدنی سورتیں بھی نہایت ضروری اور جزو لاینفک ہیں۔ ورنہ انکے بغیر اسلام ناقص اور غیر مکمل رہتا ہے۔ اور اسکا دعویٰ اتمام اور تکمیل عبث ٹھہرتا ہے۔ اب رہا سورتوں کی ترتیب کا معاملہ

سو چونکہ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ اسلئے ہم کسی وقت اسپر علیحدہ بحث کرینگے۔ سردست اسجگہ ہم ناظرین کو اسبات سے آگاہ کردینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بات سچی نہیں ہے۔ کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب محض اتفاقی واقعہ ہوئی ہے۔ اور نہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف خلفائے راشدین نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا سورتوں کو ترتیب دے لیا۔ خود قرآن کریم تو یہ دعوی کرتا ہے۔ کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون اس وعدہ میں اللہ تعالے صاف فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا۔ اور ہم خود ہی اسکے نگاہبان ہونگے۔ اب جو شخص خدا کی ہستی اور اسکے اوصاف پر ایمان رکھتا ہے۔ خوب سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس قرآن کے متعلق انسانی ہاتھوں سے کسی طرح کی دستخالی کو۔ کیا بلحاظ اسکی ترتیب وغیرہ کے دخل پانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدائی وعدہ انسانی دستخالی کا مانع ہے۔ اور یہ صحیح یقینی اور ثابت شدہ واقعہ ہے۔ کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن کریم کو انسان کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا ہے۔ اور کسی کو جرات نہیں ہوئی۔ کہ ایک نقطہ یا شوشہ تک قرآن کریم میں تحریف کرسکے۔ آج صفحہ دنیا پر ایک ہی پاک اور بے عیب کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ جو تمام سماوی کتابوں کے میدان میں خم ٹھوک کر باواز بلند کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ ان سب میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو ہر طرح خدا محفوظ رکھتا ہے۔ اور جس میں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا۔ اور نہ کر ہی سکا ہے۔ اور اس وقت تک وہی قرآن محفوظ ہوں۔ جو فخر کائنات محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اسجگہ پر اس مضمون پر ہم بہ تفصیل بحث نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ خود ایک مستقل مضمون ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالے مسٹر ولا و رحسین کے جوابی مضامین کے سلسلہ میں ہی الگ مضمون میں اس پر مفصل بحث کرینگے۔ کیونکہ یہ خیالات مسٹر ولاور حسین ہی کے نہیں۔ بلکہ عیسائی۔ پادری بھی نادانی سے بعض وقت یہ اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ مسٹر ولاور حسین نے ان مسائل پر ٹھنڈے دل سے بحث نہیں کی۔ مغربی تہذیب کی مدح سرائی اور ہم ایک اسلامی مسئلہ کی تخفیف کرتے ہیں۔ اپنے کلام میں علمی یا تواریخی طرز تحقیق اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ جن امور کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر رنگ چڑھانے کے لئے ہر ایک قسم کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ کیسے ہی بے بنیاد اور کمزور کیوں نہ ہوں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ پردہ کی رسم اسلامی قوموں کی ترقی

کے لئے سد راہ ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ مجھے نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ کہ تاریخ عرب کے مطالعہ سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ تہذیب کے زمانہ میں کہ مسلمانوں کی عورتوں کی حالت بہت پستی میں گر گئی اور عرب کے صحرا نشینوں میں جو عورتوں کی حمایت کی سچی روح پائی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی نظم ہمارے دلوں کو فریفتہ کرتی ہے۔ وہ بتدریج مردہ ہوگئی اور اس کی بجائے گھروں میں لونڈیاں رکھنا رواج پا گیا۔ اور لونڈیوں کی تجارت ایک مستقل صورت اختیار کر گئی۔ اور میدان کارزار میں جو مدد عورتیں دیا کرتی تھیں۔ اس کی رسم بھی بالکل جاتی رہی۔ اس بیان کی تائید میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ انکے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو انہوں نے تاریخ عرب پڑھی ہی نہیں اور یا انکی منشا ہے۔ کہ مسلمان پھر اسی ذلت اور جہالت اور وحشت کے قعر میں غرق ہوں جس میں ایام جاہلیت کے عرب غرق تھے۔ وہ جاہلیت کا زمانہ جس کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا۔ جب عورت ایک نہایت ہی ذلیل حالت میں تھی۔ وہ خاوند کی جائیداد شمار ہوتی تھی۔ اور باپ کے ترکہ کے تقسیم میں بیٹے کو ورثہ میں ملتی تھی۔ اور معصوم لڑکی پیدا ہوتے ہی ہلاک کیجاتی تھی۔ اور مرد بلا تعداد اور بلا قید عورتوں کو گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ اور فسق و فجور حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ابنائے وحشت کی روح حمایت کو بھیر تبھی پا سکتے ہیں۔ کہ یہ زمانہ واپس آجاوے۔ کیا پردہ کی رسم کو دور کرنے کی خوشی حاصل کرنے کے لئے مسٹر دلاور حسین صاحب اُن تمام بدکاریوں اور بدرسموں کو جنکو اسلام جڑ سے اکھاڑ چکا ہے۔ از سر نو رواج دینگے۔ کیا یہی وہ طرز اصلاح ہے جس کو اسلامی سوسائٹی میں رواج دینے کے وہ درپے ہو رہے ہیں؟ کیا پردہ ایسی بُری چیز ہے۔ کہ ایام جہالت کے عرب کی وہ ساری سیاہ کاریاں بھی اس سے کم درجہ پر ہیں۔ اور انکے مقابل میں پردہ زیادہ نقصان رساں ہے۔ کیا کوئی عقلمند انسان باور کر سکتا ہے کہ یہ باتیں صحیح ہیں؟ کیا یہی وہ نیا اسلام ہے جسکی طرف ایسے صاحبان ہمیں لیجانا چاہتے ہیں؟ اسلام کے دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں۔ کہ اسلام نے دنیا میں عورت کی منزلت کو بڑھا دیا ہے۔ اور اسے بہت سے ضروری حقوق سے متمتع کیا ہے۔ جن پر آج وہ ناز کرسکتی ہے۔ یعنی اسے حق بخشتا ہے۔ کہ وہ علم حاصل کرے۔ اسے حق دیا ہے۔ کہ وہ خاوند سے علیحدہ اپنی جائیداد کی وارث ہو اور اسپر قابض ہو۔ لیکن مسٹر دلاور حسین ہر ایک اسلامی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کی حالت زمانہ جاہلیت سے بھی بہت نیچے گرا دی ہے۔ حالانکہ اسوقت گو وہ پردہ میں

نہ ہوں مگر یہاں تک ہم نہیں انسانیت سے خارج سمجھا گیا تھا کہ لڑکی کو مار ڈالنا اچھا کام سمجھا جاتا تھا ۔

علاوہ اس کے مذکورہ بالا فقرہ میں بعض نہایت ظالمانہ غلط بیانیاں کی گئی ہیں ۔ مثلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ لونڈیوں کے گھروں میں رکھنے کے اسلام نے ہی بنیاد ڈالی ۔ اور اسلام نے ہی غلامی کی تجارت کو رواج دیا ۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں عربی سوسائٹی میں زمانۂ جاہلیت میں مروج اور موجود تھیں ۔ اور نہایت بدترین حالت میں موجود تھیں اسلام نے جو کیا وہ صرف یہ تھا کہ ان ہر دو امور میں عمدہ سے عمدہ اصلاح جو ممکن تھی ۔ کر دکھائی ۔ نہ ہی صراحت یا کنایتہ سے اسلام نے عورتوں کا جنگوں میں جاکر مدد دینا مسدود کیا ۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت اوان میں مسلمان خواتین معرکہائے کارزار میں پہنچ کر امداد کرتی تھیں ۔ اور یہ دستور نہ صرف اس وقت تک ہی جاری رہا جب تک کہ پردہ کا حکم صادر نہوا بلکہ پردہ کے حکم والی آیات نازل ہو جانے کے بعد بھی برابر مسلمان عورتیں اسی طرح میدانوں میں مدد کے لئے آتیں اور مدد دیتیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ رسم پردہ پر جو اسلام کے دشمن اور دوست اعتراضات کرتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اصلی اور حقیقی اسلامی پردہ اسی کو سمجھ رکھا ہے جو موجودہ بگڑی ہوئی صورت میں عام طور پر مسلمانوں کے رواجوں میں پایا جاتا ہے ۔ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے کہاں تک پردہ کو ضروری قرار دیا ہے اور آیا وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ نہیں اور ضروری ہے کہ نہیں ۔

جس نہج سے مسٹر دلاور حسین عربی علم ادب کی تعلیم کو فضول اور نکما سمجھتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نکتہ چینی منصفانہ طور پر نہیں ۔ ان کی رائے میں عربی تعلیم مسلمان سوسائٹی کی ترقی کی کے لئے نہایت مضر ہے ۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ عربی علم ادب سے تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوتی ۔ اگر عربی علم ادب کا سیکھنا واقعہ میں ایسا ہی بے ثمر تھا اور اسی قسم کی سریع الاعتقادی اور سادہ لوحی اور باطل پرستی سکھلانے والا ہی تھا جیسا وہ اسے بیان کرتے ہیں تو کیونکر عربی ہی کی تعلیم سے مسلمان تہذیب کے معراج پر پہنچ گئے تھے ۔ اور کس طرح وہ دوسرے ملکوں میں چراغ علم کے روشن کرنے کا موجب ہوئے ۔ اور علم ریاضی و نجوم و تواریخ و جغرافیہ وغیرہ علوم میں تمام جہان کے استاد بن گئے ؟ کیا پھر یہ بات کہ عربی تعلیم سے مادہ تحقیقات پیدا نہیں ہوتا صحیح اور منصفانہ ہے ؟ اب ناظرین اس عجیب طریق کو بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے صاحب موصوف اپنے اس بیان کی تائید کرتے ہیں ۔ کیا پڑھنے والے اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ابن حجر کی کتاب غبطۃ النظر پڑھنے سے تحقیقات کا مادہ پیدا ہوگا ۔ یہ کتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی سوانح عمری ہے ۔ اور مسٹر دلاور حسین صاحب کو اس کے مطالعہ کرنے پر اس لئے اعتراض ہے کہ اس میں حضرت شیخ مرحوم علیہ السلام کی بعض کرامات کا ذکر ہے ۔ مثلاً اس میں لکھا ہے کہ آپ نے دریائے دجلہ کو طغیانی سے روک دیا ۔ ابر کہیں بارش ہونے سے رک گیا ۔ اور آسمان تک سیدھے اڑ گئے اور والدہ کی موت کا وقت بتا دیا ۔

اور شیر خواری کی حالت میں رمضان میں والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کرامات کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "کیا ان لغو اور باطل کہانیوں کے پھیلانے سے تحقیقات کی عادت کو ترغیب ملنے کے کوئی امید ہو سکتی ہے ؟ یا تم امید نہیں کرتے کہ ایسی شرمناک جھوٹی کہانیوں کی اشاعت جو پادریوں اور پروہتوں نے محض بے حیائی سے ایجاد کی ہوئی ہیں تدبیر اور تحقیق کے مادہ کا گلا گھونٹ دیگی ؛ عربی تعلیم ہمیں ایسے جھوٹے اور غیر ممکن قصے اور کہانیاں سکھلائیگی۔ اور ہمیں سریع الاعتقادی میں ڈوبے رکھیگی۔ جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ مسٹر دلاور حسن کی منطقی نکتہ سنجی اور باریک بینی کی پوری تعظیم کر کے ہم ان سے ہی با ادب پوچھتے ہیں کہ کیا انکے نزدیک استدلال کرنے کا یہی صحیح طریق ہے ؛ تمام قدیم اور جدید اور دینی اور دنیاوی عربی لٹریچر کو صرف اسی ایک بات کے قصور میں ملزم ٹھیراتے ہیں کہ اس میں ایک ایسی کتاب لکھی ہوئی ہے جس میں ایک ولی اللہ کی بعض ایسی کرامات درج ہیں جنہیں وہ نہیں مان سکتے۔ کیا یہ کتاب غبطۃ النظر جس سے ان کا غصہ اس قدر بھڑکا ہے ایک ہی کتاب اس زبان میں ہے یا کیا یہی سب سے بہتر کتاب مسلم ہو چکی ہے یا کیا یہی کتاب عربی زباندانی کے لئے بطور معیار کے ہے ؟ کیا انگریزی زبان میں سنٹوں کی سوانح عمری میں ان سے ہزار ہا درجے بڑھ کر بیہودہ کہانیاں پائی نہیں جاتیں ؛ کیا مسٹر دلاور حسین نے انہیں کبھی نہیں دیکھا ؟ یا کیا اسی بنا پر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کرنے کے لئے بھی وہ اسی طرح طیار ہیں ؟ اس زمانے میں جو کہ ہر شاخ علم میں لغات کا زمانہ ہے انہیں ایسی کتابوں کے تلاش کرنے کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں ایک آسان راہ بتاتے ہیں کہ وہ صرف ڈکشنری آف میریکلز یعنے فرہنگ کرامات کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ انگریزی زبان میں کیسی بیہودہ کہانیاں درج ہیں جن کے سامنے بیہودگی خود نادم ہوتی ہے ٭

انگریزی علم ادب بھی ان عیوب اور نقائص سے پاک نہیں جو ہم نہیں عربی لٹریچر میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ ایسے قصے آجکل انگریزی میں پڑھے نہیں جاتے اور اس لئے ان کا انگریزی زباندانی پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو یہی بات ہم غبطۃ النظر کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس زمانے میں عربی نے کس قدر بڑی ترقی کی ہے۔ اور تمام علمی تحقیقاتوں اور جدید معلومات کا مخزن اور مرجع ہو گئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں جو معلومات پائی جا سکتی ہیں وہ سب عربی زبان میں مل سکتی ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ مسٹر دلاور حسین کو ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق ہوگا کہ انگریزی زبان میں بائیبل ایک اعلےٰ درجہ کی زباندانی کی کتاب مانی گئی ہے اور اسے پڑھے بغیر انگریزی زبان کی تعلیم ہی ناقص سمجھی جاتی ہے ٭

اب اس بائیبل میں کیا ہے ؟ یہ تو اسی قسم کی کہانیوں اور قصوں سے بھری ہوئی ہے جن کو خود مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل اور منطقی انسان جھوٹے اور لغو قصے بیان کرتے

ہیں جو اُن کے خیال میں پادریوں اور پروہتوں وغیرہ نے محض بیحیائی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں ان لوگوں کی نظروں میں یہ ایسے لغو قصے ہیں جن کے مقابلہ میں غنیۃ الطالبین کی حکایات ہزاروں درجے کم لغو نظر آتی ہیں۔ اور جو بقول مسٹر دلاور حسین قوم کو سخت ضعیف الاعتقادی اور باطل پرستی کے گڑھے میں غرق رکھتی ہیں اُنہیں کی کلام ہ اُنہیں پر اُلٹا کر معارضہ کرنیوالے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اُن کی خدمتمیں یہ عرض کرے کہ "انگریزی زبان کی تعلیم خواہ کتنی وسیع اور عمیق کی جاوے تو بھی اُس سے تفکر اور تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوسکیگی۔ کیا کوئی پڑھنے والا امید کرسکتا ہے۔ کہ بائبل جیسی کتاب کے پڑھنے سے تفحص اور تحقیقات کے مادے کو تحریک پیدا ہوسکیگی؟ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک عورت کے ہاں خدا پیدا ہوا۔ اور اُس بچے کو لوگ ہزاروں کوسوں سے چل کر یروشلم میں دیکھنے آئے۔ اور اُنکے آگے آگے ایک ستارہ چل رہا تھا جو اُس جگہ پر آکر ٹھیر گیا جہاں وہ بچہ تھا یہ بھی اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ آدمی جس کا نام یسوع تھا سمندروں پر چلتا اور دیووں کو نکالتا تھا۔ اور چھوٹے ہر قسم کی بیماریوں کو چنگا کرتا تھا۔ اور کئی دنوں کے مردوں کو قبروں میں سے زندہ کر کے نکالتا تھا اُس نے کئی ہزار آدمیوں کو ایک ہی روٹی سے سیر کردیا۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ موسے اور ایلیا جو کئی صدیوں سے گذر چکے تھے اُس کو ایک پہاڑ پر ملے تھے۔ اور خود مرنے کے تین روز بعد وہ قبر سے جی اُٹھا۔ اور آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اُسکے مرنے پر صدیوں کے مردہ لوگ پھر زندہ ہو کر شہر یروشلم میں چلے گئے۔ یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو مردہ زندہ کرنے اور دیو نکالنے اور اندھوں کو اچھا کرنے اور سانپوں پر پاؤں رکھ کر چلنے اور زہر نگلنے اور پہاڑ ٹلانے کی طاقت بخشی۔ کیا آپ امید کرسکتے ہیں۔ کہ ایسے غلط اور بیہودہ قصوں کا پھیلنا عادت تحقیق کو تحریک کریگا؟ یا کیا آپ کو امید ہوسکتی ہے کہ ایسے قصوں کی اشاعت سے جو مذہبی لوگوں اور پادریوں نے بیحیائی اور شوخ چشمی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں قوۃ تدبر اور تحقیق دب کر مُردہ نہیں ہو جائیگی؟ انگریزی تعلیم ہمیں اسی قسم کے باطل اور ناممکن قصے سکھائیگی۔ اور ہمیں ضعیف الاعتقادی کے ورطہ میں غرق رکھیگی جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ اس جگہ اس بات پر بحث کریں کہ فلاں معجزہ ممکن الوقوع ہے۔ اور فلاں معجزہ کو ہم نہیں مانتے۔ ہم صرف مسٹر دلاور حسین صاحب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اُن کے دلائل عربی تعلیم کے برخلاف بالکل بیہودہ اور ضعیف ہیں۔ ہم نے اوپر اُن کی عبارت کو حرف بحرف نقل کیا ہے سوائے اس کے کہ عربی کے بجاے انگریزی اور غنیۃ الطالبین کی بجاے بائبل اور شیخ عبدالقادر کی کرامات کی بجاے یسوع مسیح کی کرامات لکھ دی ہیں! ناظرین اب خود ہی قیاس کرسکتے ہیں کہ مسٹر دلاور حسین نے کس نیت اور کس منشاء سے اپنا مضمون لکھا۔ اُنہوں نے اس نہایت ضروری مسئلہ پر کیسی جلدی میں اور بلا تحقیق بحث کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی جو قومی ترقی میں ناموری پانے کی آرزو رکھتے ہیں وہ ان ضروری سوالات پر جنہیں وہ خود حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں گہری نظر

سے توجہ فرمائیں۔ اور علمی اصول پر تحقیق کو اختیار کریں۔ اگر اُن کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں میں تحقیقات کی روح پھونکیں تو اُن کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود اس راہ کو اختیار کریں۔ اور پبلک پر ثابت کریں کہ وہ یورپین تہذیب کے ایسے دلدادہ نہیں کہ صرف اُس کی حمایت کے لئے نہ حق جوئی اور تحقیق کی راہ سے دین اسلام کے اصول پر عیب لگاتے ہیں۔ اُنہیں چاہئے کہ جو مسائل اُن کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اُن پر نہایت متانت اور انصاف سے بحث کریں۔ اور نہایت مطمئن اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ جب تک کہ کسی امر کی تائید میں یا اُس کے برخلاف مضبوط اور قطعی دلائل نہ مل جائیں اُس وقت تک کسی بات پر عیب نہ لگائیں اور نہ ہی کسی بات کی مدح سرائی کریں۔ اگر یورپ کے لوگوں میں نفس الواقعہ کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اُنہیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر اُن میں کچھ نقصان دہ امور ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اُنہیں بُرا کہنے اور ترک کرنے میں تامل نہ کریں +

ہم نے اس مضمون کے شروع شروع میں ہی اپنی پوزیشن کا بیان کر دینا ضروری سمجھا اور اور یہ ظاہر کر دینا لازمی خیال کیا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسائل کو حکیمانہ طور پر تحقیق کرنے کے وقت اعتقادات کو الگ رکھ دینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارا مخاطب ہمارا ہم عقیدہ نہ ہو۔ لیکن افسوس ہے تو اس بات کا ہے۔ کہ مسٹر دلاور حسین نے بھی جوش میں آکر محض اپنے ہی اعتقادات ظاہر کر دیئے۔ اور حکیمانہ طرز بحث اختیار نہ کی۔ انہوں نے یورپین اور اسلامی سوسایٹی کو مقابل میں رکھ کر ان رواجوں کو چن لیا ہے۔ جن کا وجود اسلامی سوسایٹی میں ہے اور دوسری سوسایٹی میں نہیں اور پھر وہ فی الفور اس نتیجہ پر آگئے کہ اسلامی سوسائٹی کے تخریب کا باعث ان امور کا وجود اور یورپین تہذیب کا سبب ان کا نہ ہونا ہے۔

اب اگر یہی طریق درست ہے تو پھر ان کو مناسب تھا کہ وہ یورپین اور اسلامی سوسایٹی کا پورا مقابلہ کرکے اور ایسے خط و خال بھی دیکھتے جو ایک میں موجود ہیں اور دوسرے میں نہیں۔ اور چونکہ یورپ اس وقت کمال تہذیب پر پہونچ چکا ہے۔ اس لئے اس کے ایک خط و خال کو قبول کرلیں۔ مثلاً یورپین تمدن کے ماتحت ایک عورت بالغ سنکوحہ کو کامل آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے جاوے۔ وہ خاوند بیشک بہت ہی نالایق اور حاسد خاوند ہے اور اس میں بدبختی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو اس بات کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ اس کی عورت باہر جاکر کس کو ملی کس کے مکان میں گئی۔ شریف اور عقلمند خاوند وہ ہے کہ جو اس بات کی پرسش نہ کرے اور ایسا ہی جب ڈاک والا چٹھیاں لاوے تو ان خطوط کو ہاتھ تک بھی نہ لگائے جو ان کی بیگم صاحبہ کے نام آئی ہیں ممکن ہے کہ ان خطوط میں سے کسی خط کا راقم ان کی بیوی صاحبہ کے حسن خداداد کا سچا مداح ہو اور ایسے خط

کو پڑھ کر خاوند صاحب میں وہ نالایق اور ردی جذبہ جوش زن ہوجاوے جسکا نام حسد اور رقابت ہے
آخر حسن خدا ہی کا عطیہ ہے۔ خاوند کا پیدا کردہ نہیں اور اگر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے۔ تو
محض خدا کی تعریف کر رہا ہے۔ کیوں ہم اپنی رقیبانہ مزاج سے خدا کی اس تحمید و تمجید کو جو وہ کر رہا ہے
روکیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ تمدن انسانی میل جول کو چاہتا ہے اور ہر ایک انسان کا فرض
ہے کہ وہ دوسرے کی خوشی اور راحت کو بڑھائے۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت اور مرد کا ایک
جلسہ میں جمع ہونا اور ان کا شریک ہو کر کوئی کام کرنا بہت ہی خوشی اور سرور کا موجب ہوتا ہے تو
پھر اگر کوئی حسینہ جمیلہ عورت کسی کے نکاح میں اتفاق حسنہ سے آگئی کہ جس کو دیکھ کر ہر ایک انسان
کی روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ تو کیوں ایک حاسد مزاج خاوند ایسے غزال رعنا کو پردہ کے پنجے میں
بند کر کے خلق خدا کو بھی راحت سے روک رہا ہے وہ انسانی سوسایٹی کا دشمن ہے اور انسانی راحت
کو گھٹا رہا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عورت کو کم از کم ایسے لوگوں میں لیجاوے جو اس کو دیکھکر
خوش ہوں جو اس کے حسن کی اور اسکے لباس کی تعریف کریں جس لباس نے اس کے حسن کو بڑھا دیا اور وہ تعریف
کرنے کی اجازت دے۔ اور ایسی تعریف سے خوش ہو۔ اور اس موقعہ پر ان لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرے
کہ جن حسن پرستوں نے آپکی بیوی صاحبہ کی تعریف کی تھی۔ اس سے بڑھ کر ایک انسان کے لئے سعادت
اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کی راحت کا موجب ہو سکے۔ مثلاً اگر بال میں جا کر کسی کی خوبصورت بیوی
کسی غیر کے ساتھ ناچ کر دیکھنے والوں کو اور خاصکر ناچنے والے کے جذبات کو طمانینت دے رہی ہو
تو یہ ایک خدمت انسانی ہے یہ ناچنے والا کا تھوڑا احسان ہے کہ اس نے اس مرد کی بیوی کو سینکڑوں
موجود بیویوں میں سے انتخاب کر کے خاوند کو عزت دی۔

میں مسٹر ولادر حسین سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس تمام تہذیب کی غایت کیا ہے جس کا اسقدر
رونا ہے۔ جب تک اس کی علت و غایت ہم قایم نہ کریں تب تک اس کے نہ ہونے کا رنج نہیں
اور اس کے ہونے کی خوشی نہیں۔ آخر اس تہذیب کا مآل کیا ہے وہ میرے ساتھ یہ کہنے میں متفق
ہوں گے کہ دولت روپیہ پیسہ اس کا مآل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی ذریعہ اس غایت کے حصول کا ہیں۔
تہذیب کی نہایت عقلاء روزگار کے نزدیک یہ ہے کہ انسانی محنت و تکلیف کم ہو اور اس کی فلاحت
و راحت زیادہ ہو۔ وہ کم سے کم محنت کر کے زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کر سکے۔ یورپین تہذیب جو
مسٹر ولادر حسین کا معراج ہے اس نے بیشک محنت کو دن بدن کم کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل
کر لیا ہے اور اس معاوضہ کو روپیہ کی شکل میں بدلکر روپیہ کے ذریعہ تمام راحتوں کے سامان بہم پہونچائے
ہیں اور بڑی سے بڑی راحتوں میں جو ہمارے یورپین دوست مہیا کرتے ہیں اس کی ایک شکل اوپر

ذکر کر دی گئی ہے۔ اور یہ ایک ایسا یورپین سوسایٹی کا فیچر ہے جو اسلامی سوسایٹی میں مطلق نہیں۔ جب مسٹر دلاور حسین کا طریق تحقیق بھی ہے کہ اس نے دو سوسایٹوں کے مقابلہ پر جو یورپین سوسائٹی میں بالامتیاز دیکھا اس کو وجہ تہذیب ٹھہرا دیا تو اس لئے مجھے مذکورہ بالا سطور لکھنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ والا میرے نزدیک تو یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ کسی قوم کے تنزل یا ترقی کے اسباب دریافت کرنے کا وہ طریق نہیں جو مسٹر دلاور حسین نے اختیار کیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اسلام نے شروع میں فوق العادت ترقی کی۔ اسلام نے ہی اول اول یورپ میں علم وفضل کی روشنی پھیلائی اور یورپ کو قعر جہالت سے نکالکر ترقی کی صراط مستقیم دکھلائی۔ جس قدر سرعت کے ساتھ اسلام نے تہذیب کے منازل طے کئے وہ اپنے اندر ایک اعجاز کا رنگ رکھتے ہیں یورپ کو جو کمال حاصل کرنے میں اسقدر سو برس سے زیادہ عرصہ خرچ کرنا پڑا اور لاکھوں جانیں تلف کرنی پڑیں وہ اسلام نے نصف صدی سے کم عرصہ میں بلاخون کے ضایع ہونے کے حاصل کر دکھایا۔ اس کے ماسوا ہر ایک واقف تاریخ تہذیب کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یورپ چودھویں صدی تک خطرناک جہالت میں گرفتار تھا۔ اس کی اقوام میں ایسے تعصبات اور تعصب موجود تھے کہ ان کی نظیر اس وقت بھی اسلام کی موجودہ پست حالت میں نہیں۔ جیسے روم ایک دن میں روم نہیں بنا تھا۔ اسیطرح فرنگستان نے بھی بہت ہی آہستگی کے ساتھ ترقی کی۔ پندرھویں صدی میں ظلمت جہالت اور روشنی علم کا جنگ شروع ہوا اور بہت آہستگی اور مشکلات کے ساتھ آخر کار روشنی علوم نے فتح پاکر یورپ کے سر پر موجودہ تہذیب کا تاج پہنایا۔ اب اگر اسلامی سوسایٹی میں آج ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے عروج کے وقت بھی موجود تھیں بلکہ قبل از عروج سے لیکر ایام عروج میں بھی موجود تھیں۔ تو انہیں تنزل اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اگر بعض ایسی باتیں جو اس وقت یورپ میں نہیں پائی جاتیں وہ یورپین ایام جہالت میں بھی یورپین سوسایٹی میں نہیں پائی جاتی تھیں تو پھر ان کے وجود یا عدم کو یورپین تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مسٹر دلاور حسین نے یورپین ترقی اور اسلامی تنزل کے اسباب۔ یورپ میں پردہ۔ کثیر الازدواجی طلاق۔ غلامی وغیرہ وغیرہ امور کا نہ ہونا اور اسلامی اقوام میں ان امور کا ہونا بیان کی ہیں۔ لیکن میں ان سے بادب پوچھتا ہوں کہ یہ باتیں تو ابتداً بھی کبھی یورپ میں نہ تھیں۔ پھر کیوں یورپ مدت العمر تک جہالت میں ڈوبا رہا اور تہذیب کے ادنے درجے تک باہر نہ نکل سکا اور بالمقابل اگر ان امور کا وجود ہی اسلام کے لئے باعث تخریب ہوا تو پھر یہ امور تو اس وقت تسلیم کئے گئے تھے جب اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا پھر ان کی موجودگی میں بھی اسلام نے معجز نما ترقی کی۔ معترض کی پوزیشن بیشک مضبوط ہو جاتی اگر وہ دکھلا سکتے کہ یورپ میں ابتداً کثیر الازدواجی پردہ۔ طلاق وغیرہ باتیں بکثرت تھیں۔ اور

اسلام میں بالکل نہ تھیں۔ اس لئے یورپ مدت العمر تک تہذیب سے دور رہا اور اسلام فوق العادت ترقی تہذیب میں کرتا رہا۔ لیکن جب مسلمانی اقوام نے بہت سی فتوحات پیدا کرلیں اور ان کے پاس کثرت سے مال و دولت جمع ہوگئے تو پھر اسلامی سوسایٹی میں مذکورہ بالا باتیں پیدا ہوگئیں اور بالمقابل جب صدیوں تک یورپ نے جہالت کو نہ چھوڑا۔ تو پھر ناچار یوروپین اقوام نے مذکورہ بالا امور کو ترک کیا۔ اس طرح ہر دو اقوام کے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ لہٰذا اسلام نے ترقی چھوڑکر تنزل اختیار کیا اور یوروپین سوسایٹی میں دن بدن بہتری نظر آنے لگی۔ لیکن تاریخ اور واقعات ایسے نتائج اخذ کرنے کے برخلاف ہیں۔ ایک محقق کسی قوم کی ترقی یا عدم ترقی کے اسباب تلاش کرنے کے وقت اس قوم کا نقطہ انقلاب تلاش کرے گا۔ پھر دیکھے گا کہ اُس وقت خاص میں کونسے امور اُس قوم میں موجود یا غیر موجود تھے اور پھر اس وقت خاص کے بعد کونسی باتیں اس قوم نے ترک یا اختیار کیں۔ اب اس نقطہ انقلاب کے بعد اگر اس قوم نے ترقی کی ہے تو اس کی ترقی کا باعث وہ امور ہوں گے جو اس قوم نے انقلاب کے بعد اختیار کئے اور اس کے موجب پستی وہ باتیں ہوں گی جن کو انقلاب کے بعد اس قوم نے ترک کر دیا لیکن اس سے پہلے اُسمیں وہ باتیں موجود تھیں۔ اسی طرح اگر اس قوم نے ترقی کرتے کرتے پھر تنزل کی طرف رخ کیا تو پھر بھی وہی نقطہ انقلاب فیصلہ کن ہوگا اور ان باتوں کی تلاش کرنی ہوگی جو اس وقت کے بعد قوم نے ترک کر دیں یا اختیار کر لیں۔ ترک کردہ امور کو اسباب ترقی سمجھا جاوے گا۔ اور اختیار کردہ باتوں کو موانع ترقیات۔ اب اس معیار کے ساتھ اگر ہم مسٹر دلاور حسین کی تھیوری کا امتحان کریں تو ان کی پوزیشن قایم رہتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جن امور کے نہ ہونے نے یورپ کو ان کے خیال میں معراج تہذیب تک پہونچایا وہ ابتدا سے ہی یوروپین سوسایٹی میں نہ تھیں لیکن پھر بھی یورپ مدت العمر تک تہذیب کو چھو تک نہ گیا اور جن باتوں کے وجود نے بخیال ان کے اسلام کو تنزل دکھلایا۔ وہ اس کی ترقی سے پہلے اور دوران ترقی میں بھی موجود تھیں۔ علاوہ ازیں مسٹر دلاور حسین نے یوروپین سوسایٹی کی ترقی تہذیب میں جن جن اسباب کا حوالہ دیا ہے ان کا بھی ایک ہی پہلو پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک فیوڈل سسٹم بہت کچھ یوروپین طریق سلطنت کی اصلاح کا باعث ہوا۔ اسکے روسے ایک حصہ فرنگستان میں بادشاہ کے نیچے امرا ہوتے تھے اور ان امرا کے ماتحت جو رعایا تھی وہی ان کی فوج تھی جو اپنے امرا کے جان نثار تھے اور جو ان کے کہنے کے مطابق بادشاہ کی اطاعت یا مخالفت پر آمادہ ہوسکتے تھے اس طرح کل ملک کے امرا بحیثیت مجموعی ایک مطلق العنان بادشاہ کی ظالمانہ کارروائیوں کے لئے ایک طاقتور روک تھی۔ جو معترض کو اسلامی ممالک میں بہ سبب تقسیم وراثت جایداد زرعی نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں جان بادشاہ انگلستان کا

زمانہ اور امرا کا جمع ہو کر ظالم بادشاہ سے مگنا چارٹا حاصل کرنا پیش کرتے ہیں یہ ایک حد تک درست ہے لیکن اس ایک فایدہ کے مقابل کیا ان کو وہ طوایف الملوکی اور اس کے بد نتایج بھول گئے ہیں جو یورپ صدیوں تک اس فیوڈل سسٹم کے طفیل بھوگتا رہا۔ کیا امرا کی آپس کی خانہ جنگیوں نے اکثر ملک کے ملک تباہ نہیں کئے کیا ایک امیر دوسرے امیر پر آئے دن حملہ آور نہ ہوتا تھا کیا یہی امرا بعض وقت کسی محض ذاتی تعزز اور ذاتی مفاد کے لئے کسی ظالم بادشاہ کے ساتھ ملکر دوسرے مخالف امرا کی تباہی کا باعث نہیں ہوتے تھے۔ کیا ایک امیر کی رعایا کو دوسرے امیر زبردستی پکڑ نہ لیتے تھے۔ اور طرح طرح کے ظلموں کا اسے شکار نہ کرتے تھے۔ کیا یہی بیرن اور لارڈ اپنی رعایا کے بل پر قزاقوں اور ڈاکوؤں کا کام نہیں کرتے تھے اور غریب زمینداروں کی محنت کا کمایا ہوا روپیہ ان امرا کی عیاشیوں کے سامان بہم پہونچانے میں خرچ نہ ہوتا تھا۔ انگلستان میں تو فیوڈل سسٹم نے مگنا چارٹا حاصل کر دیا لیکن یہ فیوڈل سسٹم تو یورپ کے اور ممالک میں بھی تھا وہاں ملکی اور سیاسی فواید اس سسٹم سے کیا اور کس وقت حاصل ہوئے۔ پھر جب فیوڈل سسٹم رفتہ رفتہ یورپ سے نکل چکا تو اس کی ایک اور صورت سکاٹلنڈ کے پہاڑی اقوام اور ان کے امرا میں رہی۔ یہی پہاڑی اقوام مدت تک انگلستان کے امن میں کانٹے کی طرح چبھتے رہے اور آخر ایک مدبر سلطنت کو ان پہاڑی اقوام کو ایک نیشنل ملیشیا میں بدلکر فیوڈل سسٹم کی پرانی لعنت کا خاتمہ کرنا پڑا۔ اسی طرح جس عدم تقسیم وراثت کی مسٹر ڈلا ورحسین تعریف کرتے ہیں۔ کیا اسی عدم تقسیم وراثت کے بد نتایج خود ایڈیسن وغیرہ مصنفین انگلستان ظاہر نہیں کر چکے اس میں شک نہیں کہ اس سے جایداد تقسیم نہیں ہوئی اور کل کی کل بڑے بیٹے کے ہاتھ لگ گئی۔ لیکن کیا اس طریق نے یورپین لارڈوں کو اپاہج عیاش کاروبار سے متنفر نہیں بنایا دوسری طرف اس طریق وراثت نے امرا کے چھوٹے بچوں کو آوارہ گرد روٹی کے محتاج اور دربدر کیا۔ انہوں نے باپ کی زندگی میں تو کسی دستکاری یا کسی حرفہ یا تجارت کی زندگی کا اختیار کرنا اپنی حیثیت کے برخلاف سمجھا اور پھر جب باپ مرگیا تو قوت لایموت کے لئے انہیں اپنے بڑے بھائی کے میر اصطبل یا میر شکار بنکر پیٹ پالنا پڑا اور اپنی بھاوج کی بیجا ناز برداریاں کرنی پڑیں یا اپنے بھتیجوں کی اتالیقی کرنی پڑی۔ یورپین طریق وراثت نے بیشک خاندانی ثروت اور وجاہت کو تو قایم رکھا۔ لیکن خاندان کے دیگر افراد کو خستہ اور تباہ حال کر دیا۔

اسی طرح مسٹر ڈلاور حسین نے پوپ کی مذہبی طاقت کو یورپین تہذیب کی ایک بھاری جزو تسلیم کیا ہے اس میں شک نہیں کہ پوپ کی طاقت بعض وقت ظالم فرمانروایوں کے ظلم سے رعایا کو بچاتی رہی۔ لیکن کیا یہ پوپ کی طاقت خود طرح طرح کے مظالم کی بنیاد نہیں ہوئی۔ کیا یہی طاقت رومن فادرس کی خطرناک سیہ کاریوں کی پردہ پوش نہیں ہوئی۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر مریم

سفاکی نے انگلستان میں معصوم خون کے دریا نہیں بہائے۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر اہل سپین نے بیکس اور بے دست و پا امریکہ کے قدیم باشندگان کو تہ تیغ نہیں کیا۔ اسیطرح مسٹر دلاور حسین پردہ کے متعلق لکھتے لکھتے عرب کی ایام جاہلیت کے عورت مردوں کو یاد کر کے وہ زمانہ پھر دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب عورتیں جنگوں میں مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں۔ اور عرب مرد بھی حمایت ان عورتوں کی ظاہر کرتے تھے۔ لیکن میرے دوست کو عرب مردوں اور عورتوں کی سیہ کاریاں شاید عربی اشعار اور دیوانوں میں نظر نہیں پڑیں کہ جن سیہ کاریوں میں عرب کا نمبر کل دنیا سے بڑھ چکا تھا۔ میری غرض ان باتوں کے مختصر ذکر کر دینے سے یہ ہے۔ کہ ایک ٹھنڈے دِل کے ساتھ تحقیق کرنے والا انسان کسی انسٹیٹیوشن کا کوئی چمکتا ہوا پہلو دیکھ کر شیدا نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا ہی اگر اس انسٹیٹیوشن نے ملکی تہذیب کے قائم رکھنے میں یا اُس کے ترقی دینے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ لیکن اُس کی قباحتیں تعداد میں فوائد سے زیادہ ہیں تو وہ انسٹیٹیوشن چنداں قابل التفات نہیں ہوتی۔ جب تک اُس کی قباحتوں کے انسداد کا انتظام بھی ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ اسیطرح کوئی بھی چیز بذات خود باستثنا خاص خاص امور کے نہ اچھی اور نہ بُری ہے اُس چیز کا ایک استعمال اُسے انسان کے لئے باعث رحمت کر دیتا ہے۔ اور دوسرا استعمال اُسے انسانی تباہی کا موجب بنا دیتا ہے پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہی چیز تہذیب یا عدم تہذیب کا باعث ہو گئی +

مسٹر دلاور حسین کا فرض تھا کہ وہ ہر ایک انسٹیٹیوشن کے متعلق جذبات سے خالی ہو کر بحث کرتے جو ان کے زیر حملہ تھی۔ وہ دیکھتے آیا انسانی سوسائٹی کی آسائش کے لئے اُس انسٹیٹیوشن کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اور اگر ضروری ہے تو وہ انسٹیٹیوشن چونکہ اُن کے نزدیک بہت سی قباحتوں کا موجب ہے اُس کا ما بدل بھی کوئی دوسری سوسائٹی میں موجود ہے یا قیاس میں آسکتا ہے یا نہیں۔ اگر تو ایسا تھا تو پھر وہ انسٹیٹیوشن بیشک قابل ترک تھی۔ لیکن اگر وہ انسٹیٹیوشن انسانی تمدن اور انسانی ضروریات کے لئے ازبس ضروری تھی۔ اور اُس کا بدل انسانی دماغ تجویز کر ہی نہیں سکتا۔ تو پھر اُن کو یہ دیکھنا چاہئے تھا۔ کہ آیا اس انسٹیٹیوشن کے وجود سے جو جو قباحتیں متصور ہیں ان کا کوئی انسداد بھی کیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اس طریق پر اسلامی تعلیمات کا امتحان کرتے تو میں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اسلامی تعلیم میں ایک خاص امتیاز دیکھتے۔ اُن کو نظر آجاتا کہ قرآن نے انسانی تمدن اور انسانی معاشرت کو قائم رکھنے اور اُس کو ترقی دینے کے لئے کیسے حکیمانہ اصول استعمال کئے ہیں۔ وہ دیکھ لیتے کہ اسلام نے اول تو اُن تمام امور کو ترک کر دیا ہے۔ کہ جنہیں

انسان کے لئے کوئی فائدہ نہیں پھر تمام ایسی باتیں جن سے خیر و شر دونوں متصور تھیں لیکن اُن کا ایک نعم البدل امر بھی ممکن تھا کہ جس سے شر پیدا نہ ہو سکتے تھے ایسی حالت میں اُس امر کو بھی ترک کر کے اُس کی جگہ نعم البدل تجویز کر دیا۔ اور آخر کار ایسے امور کے اختیار کرنے میں کہ جو انسانی آسائش کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اور جن کا بدل بھی ہو نہیں سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اُن کی بد استعمالی بہت کچھ خرابیوں کا موجب ہو سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اُن باتوں کو تو اختیار کیا لیکن اُن کی بد استعمالی کا سدباب کیا۔ اسی آخری قسم میں میں طلاق۔ کثیر الازدواجی وغیرہ کو سمجھتا ہوں۔ یہی مذہب اور یہی اصول سوسائٹی کے حکیمانہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ جس میں انسان کی ہر ایک ضرورت اور اُس کی ہر ایک قوت کی نشوونما کرنے کے سامان مہیا کئے گئے ہوں۔ اب اگر قوم خدا تعالےٰ اور خدا کے رسول کی وصایا کو بھول جاوے۔ اور اپنی گمرہی کے باعث کسی خاص انسٹیٹیوشن کو بُرے طور سے استعمال کرے تو کیا یہ اُس انسٹیٹیوشن کا قصور ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فعل نے خطرناک امراض کے دفعیہ کے لئے نہایت ہی مفید دوائی افیون کی شکل میں پیدا کی ہے۔ اور چین نے اُسے بُرے طور پر استعمال کر کے اُس نعمت الٰہی کو اپنے لئے لعنت بنا لیا ہے تو کیا یہ اعتراض خدا کے اُس فعل پر ہو سکتا ہے۔ اسیطرح اگر انسانی سوسائٹی کے خاص خاص امراض کا خاص خاص وقتوں میں علاج خدا کے کلام نے طلاق اور کثیر الازدواجی کے رنگ میں بتلایا ہے۔ اور ایک قوم نے اُسے بد استعمالی سے قوم کے لئے موجب فساد کر دیا ہے تو کیا جس طرح افیون کے پیدائش میں خدا کا فعل قابل اعتراض نہیں اُسی طرح طلاق اور کثیر الازدواجی کے تجویز کرنے میں خدا کا قول قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ +

مسٹر ولاور حسین کا دوسرا طریق بحث یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ خود تہذیب کی تحقیق اور تعیین کرتے وہ پبلک پر اولاً ظاہر کرتے کہ حقیقی تہذیب کیا ہے انسان کن کن قوائے کے نشوونما پانے پر مہذب اور کن کن نقصوں کے باعث غیر مہذب کہلاتا ہے۔ وہ ہمارے سامنے یورپین سوسائٹی کے خط و خال پیش کر کے اسی معیار پر اسلامی تعلیم کو آزما رہے ہیں۔ اُن کا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ ہم کو یقین دلا دیں کہ یورپین معاشرت و تمدن کا ہی دوسرا نام حقیقی تہذیب ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے طیار ہیں کہ یورپ نے بعض حالات میں تہذیب حاصل کر لی ہے۔ لیکن ہم اس بات کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ اخلاق و آداب کے لحاظ سے یورپ ابھی تہذیب میں ناکمل ہے۔ دولت اور روپیہ

کا جمع ہو جانا۔ تھوڑے وقت کا زیادہ معاوضہ ملنا۔ تھوڑی محنت کے مقابل میں زیادہ آسائش ہونا۔ پولیٹیکل اکانمی کے رو سے عین تہذیب ہے اور ہم کو اس لحاظ سے یورپین تہذیب کا قائل ہونا ہوگا۔ لیکن یہ تہذیب محض جسمانیات تک محدود ہے ابھی اخلاقی تہذیب اور روحانی تہذیب باقی ہے۔ کیونکہ انسانی سوسائٹی کا کمال نہ صرف جسمانیات تک ہی محدود ہے۔ بلکہ اخلاقی اور رُوحانی ترقیات بھی انسانی تہذیب کے لئے ضروری ہیں۔ ہم جسمانیات میں یورپین تہذیب کے ایک حد تک قائل ہیں ہم اخلاقی اور رُوحانی حالات کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی یُورپین تہذیب کے مداح نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اگر مادی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر تحقیق کی جائے۔ تو معترض کو اس کے اسباب تلاش کرنے ضروری تھے اور ان اسباب کی تلاش میں اُنہیں تجدید علوم کے زمانہ کی طرف دیکھنا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہی وقت یورپین تہذیب کا جائے انقلاب تھا۔ اس تحقیق میں اُن کو ایسی باتیں دریافت کرنی تھیں جو تجدید علوم سے پہلے تو یورپ میں نہ تھیں اور بعد میں پیدا ہو گئیں۔ کیونکہ وہی باتیں اس تہذیب کا حقیقی باعث تھیں۔ نہ کثیر الازدواجی وغیرہ کا عدم وجود۔ اس تحقیق کے بعد جب وہ اس یُورپین مادی تہذیب کے اسباب دریافت کر لیتے تو پھر ان اسباب کی تعلیم وہ انہیں مدنی سورتوں میں دیکھتے جنکو وہ قرآن سے خارج کرنا چاہتے ہیں اگر اُن کو ان اسباب بلکہ ان اسباب سے احسن اسباب پیدا کرنے کی تعلیم قرآن میں ملجاتی تو پھر اُن کو قرآنی تعلیم کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ یہ تعلیم اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے تہذیب یافتہ سوسائٹی کے موزون حال ہے۔ البتہ اگر قرآن ایسے تعلیمات سے خالی ثابت ہوتا تو پھر بیشک اُن کا حق تھا کہ وہ قرآن کے تمدن اور معاشرت کے قوانین کو عربی صحرانشینوں کے ہی موزون حال قرار دیتے اور پھر ہم بھی اُن کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے۔ سو اصلی اور ضروری سوال یہ ہے کہ تہذیب کیا ہے +

خواجہ کمال الدین بی۔ اے پلیڈر لاہور

نوٹ ۔ مسٹر دلاور حسین کے بڑے بڑے اعتراض مفصلہ ذیل امور کے متعلق ہیں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ تقسیم وراثت۔ غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت۔ تجارتی سود کی ممانعت۔ اور ان چھ امور کے ساتھ ساتواں اعتراض سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہے ہم ان ساتوں امور پر الگ الگ مضمون انشاء اللہ آیندہ شایع کریں گے +

مصلح کا پہلا فرض کیا ہے

خلاصہ تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو لیکچر کے خاتمہ پر جو دوسری جگہ چھپ چکا ہے آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمائی

میں آپ سب صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سنا۔ میں اس شہر میں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤنگا۔ لیکن میں اس شکر اور خوشی کو اپنے ساتھ لیجاؤنگا کہ باوجود اختلاف اعتقاد کے آپ لوگوں نے میرے لیکچر کو نہایت تحمل اور خاموشی سے سنا۔ اکثر آدمی اپنے اعتقاد کے خلاف سنکر جوش میں آجاتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ خوشی ہے کہ اس مجمع میں جس میں ہر مذہب ملت کے آدمی موجود ہیں۔ آپ صاحبان نے میری باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنا ہے میں یہ جانتا ہوں اور اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات اور اعتقادات کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کیسے ہی غلط اور نقصان رساں کیوں نہ ہوں۔ یہ محض اللہ تعالٰے کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے +

یہ مختلف مذہبی خیالات کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مجمع اس بات کی علامت ہے کہ وہ وقت بھی عنقریب اس ملک پر آنے والا ہے کہ جیسے اب یہ جسمانی طور پر ایک اجتماع ہوا ہے ایسا ہی دلوں میں اتحاد اور اجتماع بھی ہو اور میں خدائے تعالٰے سے دعا کرتا ہوں کہ وہ وقت جلدی لاوے جب ہم اس رُوحانی اجتماع کو بھی دیکھیں۔ تفرقہ نے اس ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن یہ صورت تفرقہ کی ہمیشہ نہیں رہی ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلاف مذاہب بھی ان میں قابل قدر میل ملاپ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں رہی اور اس باہمی محبت کے تعلقات میں بہت فرق آگیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ تفرقہ دور ہو کر وہ وقت جلدی آوے جب پھر باہمی برادرانہ محبت کے ساتھ یہ دونوں قومیں ایک ہو جائیں +

یاد رکھو یہ بڑی تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلاف رائے یا اختلاف مذہب کی وجہ سے عمدہ اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور اخلاق اور چیز۔ بلکہ اُس انسان کو با اخلاق نہیں کہا جا سکتا جس کے اخلاق محض اپنے ہم مشربوں تک ہی محدود ہیں۔ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے عمدہ

اخلاق سے پیش آوے اور اظہار اختلاف کے وقت کوئی اخلاقی کمزوری نہ دکھاوے۔ آج کا جلسہ مجھے تازہ امید دلاتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول دن بدن ترقی کریگا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک طبیعت میں یہ استعداد نہیں ہوتی۔ کہ کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک مخالف رائے کو سن سکے تو وہ ایسی رائے کو سن کر چپ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے آج اس مختلف اجزاء کے کثیر مجمع کے خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتے ہیں کہ اچھے نتیجے پیدا ہونگے +

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب مخالف رائے کو سنے تو فوراً جواب دینے کو تیار نہ ہو جاوے کیونکہ مباحثہ کی اصل غرض اظہار صداقت ہونی چاہیئے نہ کہ ہار جیت کی خواہش بیشک وہ آدمی قابل قدر ہے جو مخالف بات کو سن کر اس پر غور اور فکر کرتا ہے اور فی الفور بول نہیں اُٹھتا۔ کیونکہ انسان کسی رائے کے صحیح نتیجہ پر یا کسی امر کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس پر صبر سے غور و فکر نہ کرے۔ اسی راہ پر چلنے سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے اور علم و حکمت ایک ایسا خزانہ ہے جو دنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے۔ پس جو آدمی جلدی نہیں کرتا بلکہ جو امر اس کے سامنے آوے۔ اس پر فکر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو تُو مجھے سیدھا راہ دکھا اور بصیرت اور معرفت عطا کر۔ ایسا آدمی علم اور حکمت کے خزانہ کو پالیتا ہے۔ اور اُس خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے میری یہ سچی خواہش ہے کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کریں اور اس لئے میں آپ سب صاحبوں کی خدمت میں ادب عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آج آپ کو سنایا گیا ہے آپ اس پر پوری توجہ سے غور و فکر کریں تاکہ میری محنت بھی ضایع نہ ہو۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میں نے کسی کی دل آزاری یا استخفاف مذہب کی نیّت سے نہیں لکھا۔ بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر گواہ کون ہو سکتا ہے کہ میں نے بہت غور و فکر کے بعد سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے لکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کا کسی نہ کسی دل پر ضرور اثر ہو گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل۔ یہ لیکچر چھپوا بھی دیا گیا ہے ممکن ہے کہ بعض صاحبوں نے پورا نہ سنا ہو۔ وہ چھپا ہوا لیکچر پڑھ سکتے ہیں۔ پس اس کو پڑھ کر توجہ کریں +

اس وقت فرصت کم ہے اور زیادہ بیان کرنے کی گنجائش نہیں مگر میں مکرر سب صاحبان کی خدمت

میں عرض کرتا ہوں کہ مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بناویں۔ اور اعتقادی اختلافات کو دشمنی کا رنگ نہ دیں۔ مذہب انسان کو کیا سکھاتا ہے؟ مذہب تو اس لئے ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق وسیع ہوں اور وہ اعلےٰ درجہ کا بااخلاق بنے۔ مذہب ہی تعلیم دیتا ہے۔ کہ انسان اپنے اخلاق کو خدا کے اخلاق کی طرح کرے۔ پس دیکھ لو کہ خدا کے اخلاق کیسے وسیع ہیں۔ کوئی ہزاروں گالیاں اُسے دے وہ فی الفور اس پر پتھر برسا کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر ڈالتا۔ اسی طرح حقیقی مذہبی الانسان بہت تحمل اور برداشت والا ہوتا ہے۔ اور تنگ ظرف نہیں ہوتا۔ تنگ ظرف انسان خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وہ اپنے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلاف مذہب کا اظہار نہ کرو یا غلطیوں پر جائز نکتہ چینی نہ کرو۔ لیکن جو ایسا کرتے ہیں۔ ان کو چاہئیے کہ نیک نیتی سے ایسا کریں اور تعصب اور کینہ کا رنگ اپنے خیالات کو نہ دیں۔ ورنہ بجائے فائدہ کے اس طریق سے نقصان متصور ہوگا۔ چاہئیے کہ تمہارے الفاظ سے تمہارے پرانے تعلقات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات صرف دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں۔ خدا کرے کہ بہت سے دلوں میں جوش ڈال دے کہ ان تعلقات کو دور نہ ہونے دیں +

یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل وقال کا نام نہیں۔ جب تک عملی حالتیں درست نہ ہوں محض قیل وقال کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یاد رکھو کہ خدا خالی باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور بہت باتیں کرنے والے کی جس کی عملی حالت ٹھیک نہ ہو اُس کے حضور کوئی عزت نہیں۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گزرے ہیں اُن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس مرتبہ پر نہیں پہنچے جب تک انہوں نے اپنی عملی حالت کو درست نہیں کیا۔ انہوں نے دوسروں کی اصلاح کا بیڑا نہیں اُٹھایا جب تک پہلے اپنی اصلاح نہیں کر لی۔ جن جن سچائیوں کا وہ وعظ کرتے تھے پہلے انہوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو ثابت کر دکھایا۔ قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو پھر تم دوسروں کی اصلاح کے قابل ہو گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ پہلے اپنے آپ کو درست کیا جاوے۔ جب تک ہم خود اپنے اعمال سے خدا کو راضی نہیں کرتے دوسروں کو خدا کی رضا کی طرف بلانا عبث ہے۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں وہ

دوسروں کو کیا روشنی دے سکتا ہے۔ اور جو آپ ٹھوکریں کھا رہا ہے وہ دوسروں کو کیا سہارا دے سکتا ہے۔ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو کیا پاک کر سکتا ہے۔ جو شخص محض زبان سے کام لیتا ہے وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بناتا ہے۔ ایسے مصلحوں سے بجائے اس کے کہ کوئی فائدہ پہنچے بلکہ سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری ہے مگر اندر خالی رہتا ہے۔ اپنی زبان سے وہ بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں۔ مگر دل دیکھو تو بالکل خالی ہیں۔ خدا تعالے جانتا ہے کہ میں یہ باتیں نہایت خیر خواہی اور ہمدردی کی خاطر کہہ رہا ہوں کسی کو اختیار ہے کہ خواہ ان کو نیک ظنی پر محمول کرے یا بدظنی پر۔ مگر میں کہونگا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے۔ پہلے اپنے اندر روشنی پیدا کرے تو پھر دوسروں کو بھی اُس سے روشنی پہنچ سکتی ہے۔ سورج کو دیکھ لو کہ پہلے خود روشنی حاصل کرکے روشن ہوا تو پھر دوسروں کو روشنی پہنچانے کے قابل ہوا۔ ایسا ہی چاند پہلے خود سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے پھر دوسروں کو روشنی پہنچاتا ہے +

میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے مصلح اور ہر ایک مذہب کے بانی نے یہی تعلیم دی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اب دوسرے کو لاٹھی مارنا تو آسان ہے۔ لیکن اپنے نفس کی قربانی دینا مشکل ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے۔ وہ اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جاکر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح نہ کرلیں گے دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے۔ وہ آج کل کے لکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جب تک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالے کے قرب اور محبت کی راہ ہے۔ لیکن اب حالت دگرگوں ہے۔ دوسروں کی اصلاح کا ہر کس و ناکس بیڑا اُٹھا رہا ہے۔ مگر اپنی اصلاح کا کسی کو فکر نہیں۔ کہتے بہت ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اور محض زبان سے ہی کام لیتا ہے اُس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے جو جھگڑے پیدا کرتا ہے۔ لیکن جو شخص نور اور معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ اس آسمانی بارش کی طرح ہے جو رحمت الٰہی سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت آپ یاد رکھیں کیونکہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچے دل سے اور خیر خواہی سے کہا ہے۔ آپ نے مجھے

آج کے بعد یہاں نہ دیکھیں گے۔ اور میں نہیں جانتا کہ پھر اس طرح اکٹھے ہونے کا موقعہ ہو یا نہ ہو۔ اس لئے میں پھر بھی کہتا ہوں کہ ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ لوگوں کا کچھ ہی خیال ہو۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش + ور نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ یاد رکھو کہ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کریگا۔ اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مریگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا۔ خود اس لئے مریگا کہ زہر تو اس میں اثر کر چکا ہے اور اپنے علاج کی طرف وہ متوجہ نہیں۔ اور دوسروں کو اس لئے ہلاک کریگا کہ زہر کے اثر سے اس کے حواس قائم نہیں رہے۔ اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مضر ہوگا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا باعث وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔ اور اصل حقیقت مذہب سے ناواقف ہیں ؎

اس وقت میں ایک اور امر کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ اسلام کے سوائے باقی سب مذاہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہے میرا یہ ایمان ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے اور جیسا وہ سب کی جسمانی ضروریات کو پورا کر رہا ہے ایسا ہی رُوحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے یہ سچ نہیں کہ دُنیا کی ابتدا سے اُس نے صرف ایک قوم کو ہی چُن لیا ہے اور دوسروں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ میں یہ باتیں کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا بلکہ خدائے تعالےٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ راجہ رام چندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے میں اُس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی نندیا یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کئے اور کوشش کی کہ اسی راہ کو پائیں جو خدائے تعالےٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے ان من امۃ الاخلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی قوم اور امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ پس اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی۔ مگر مرور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اصل حقیقت اُنہیں غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔ میں باوا نانک صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں۔ اور

کبھی پسند نہیں کرتا کہ ان کو برا کہا جائے۔ میں ان کو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دلمیں خدائے تعالےٰ اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کی پیروی کرو اور اپنے دلوں کو روشن کرو۔ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو۔ اس ملک کی شایستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئیگا جب نری زبان نہ ہوگی بلکہ دل پر دارومدار ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدائے تعالےٰ سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

ریویو

یوگی اور اسکا پیغام

اس نام کا ایک رسالہ انگریزی زبان میں لکھا ہوا مصنفہ سوامی دھرمانند مہا بھارتی صاحب ہمارے پاس ریویو کے لئے پہنچا ہے۔ اس رسالہ میں دو لیکچر درج ہیں جو سوامی صاحب نے یو۔ پی مشن چرچ اجمیر اور اکسفورڈ مشن ہوسٹل ہال کلکتہ میں دیئے تھے ان دونوں لیکچروں میں سے ایک کا عنوان "عیسے مسیح عجیب وغریب یوگی" اور دوسرے کا عنوان "انجیل مقدس پیغام یوگی" ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ سوامی صاحب یوگی سے کیا مراد سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں کے اپنے الفاظ سے اقتباس کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "یوگی وہ ہوتا ہے جو جتنی دفعہ چاہے مرے۔ موت اس کے قبضے میں ہوتی ہے" پھر وہ کہتے ہیں کہ یوگ کی قوت سے تمہیں مفصلہ ذیل باتیں حاصل ہوسکتی ہیں "گذشتہ واقعات کا تمہیں علم ہوسکتا ہے۔ موجودہ اور آیندہ کی تمہیں خبر ہوسکتی ہے۔ تمام بدیوں سے تم بچ سکتے ہو۔ دوسرے لوگوں کے خیالات تم پڑھ سکتے ہو۔ پانی میں ڈوبنے کے بغیر رہ سکتے ہو۔ اور آگ میں جلنے کے بغیر ٹھہر سکتے ہو۔ زہر کو تریاق بنا سکتے ہو۔ تم اتنے مضبوط ہوسکتے ہو کہ تم پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ تم اپنا جسم چھوڑکر دوسرے کے جسم میں داخل ہوسکتے ہو۔ اپنی مرضی سے جب چاہو مر سکتے ہو۔ تم دیوتاؤں کی طرح کھیل کود کر سکتے ہو۔ جو کچھ تم چاہو حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے کاموں کو کوئی بات روک نہیں سکتی۔ جو صورت تم چاہو اختیار کر سکتے ہو۔ ہوا کی طرح تیز چل سکتے ہو۔ تم اپنے کشفی جسم سے ہر جگہ جاسکتے ہو تم دور سے سن سکتے ہو۔ بغیر پانی کے زندہ رہ سکتے ہو۔ تم کو دور دراز کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔ تم عورتوں اور مردوں کے دلوں پر حکمرانی کر سکتے ہو" ان دعاوی کو سنکر ناظرین منتظر ہوں گے کہ انکا ثبوت کیا ہے اور کونسی دلیل ان کی تائید میں دیجا سکتی ہے۔ مگر سوامی صاحب کی کتاب اس سے بالکل خالی

ہے۔ اور یہ سب دعاوی نرے دعاوی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اُس قسم کے یوگی اس وقت تک کوہ ہمالہ اور تبت میں پائے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے باکمال یوگی موجود ہیں"۔ بقول سوامی صاحب ان کی تعداد ۱۵۰ مرد اور ۱۳ عورتیں ہے۔ لیکن ان کے نام اور پتے سوامی صاحب کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے۔ شاید اس لئے کہ حقیقت معلوم نہ ہو جائے۔ سوامی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے یوگی کو جانتے ہیں جس کی عمر ۲۶۵ سال کی ہے۔ اور ایک یوگن انہوں نے دیکھی ہے جس کی عمر ۵۰۰ برس بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں بچوں کے خوش کرنے کے لئے تو خوب ہیں۔ لیکن ان فضول دعاوی کو ایک ایسے ہی دعوے کے ثبوت میں پیش کرنا۔ یہ سوامی صاحب کا ہی کام تھا۔ ان باتوں سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یوگیوں میں ایسی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے یسوع مسیح بھی ایک یوگی تھا کیونکہ اُس کی نسبت بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن تعجب ہے پھر تو وہ انسان ثابت ہُوا۔ خدا یا ابن خدا جو سوامی صاحب اُسے بنانا چاہتے ہیں کیونکر ہُوا۔ یا اُنہیں یہ کہنا پڑیگا کہ ہر ایک یوگی خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا ہے +

الغرض یسوع مسیح بھی انکے نزدیک اسی قسم کا یوگی تھا جسکی سوامی صاحب نہایت مبالغہ آمیز تعریف اور مدح کرتے ہیں اور جسکی فضول ثناخوانی کرتے ہیں۔ اس یوگی پر وہ ایسے فریفتہ ہیں۔ کہ اُس کی تعریف کرتے وقت اُنہوں نے واقعات کو نظر انداز کر کے اپنے ولولوں اور جوشوں کو زبردست الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہم مسیح کو بنظر تعظیم دیکھتے ہیں اور اُن کو خدا کا سچا نبی جانتے ہیں لیکن ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے اور نہ ہی کوئی عیسائی اس سے کبھی انکار کرسکتا ہے۔ کہ دوسرے نبیوں کی طرح یسوع مسیح کو بھی اُسکے زمانہ کے لوگوں نے گالیاں دیں اور ذلیل کیا اور حقارت سے دیکھا اور بہت تھوڑے لوگ تھے جنھوں نے اُسے ابتداے دعوے میں سچا مسیح شناخت کیا۔ مگر اس کے متعلق مصنف کتاب زیر ریویو فرماتے ہیں کہ "ایشیا کے سخت مزاج لوگ سب کے سب روحانی غفلت سے بیدار ہو گئے اور پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ عرب اور سکندریہ اور ترکستان اور تاتار اور شام اور یونان اور ایران نے بیچین ہو کر سوال کیا کہ یہ عجیب نوجوان کون ہے؟ یونانیوں اور رومیوں نے اپنی عالمانہ تحقیقاتیں اسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع کیں کہ یہ بینظیر انسان کون ہو سکتا ہے پادشاہ اور زمیندار حیرت زدہ ہو کر ٹھٹھر گئے بہادران نبرد آزما اُس کی باتوں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ فلاسفر اور سائنس دان تحیر میں پڑ گئے دیو اور شیاطین اُسکے حکم کے آگے کانپتے تھے۔ بڑے طغیانی کرنے والے سمندر اور سخت تیز چلنے والی ہوائیں اُسکے حکم کی پوری تعمیل کرتی تھیں مردے قبروں میں سے نئی زندگی لیکر اُٹھے۔ قانون دان اور منطقی لوگ اُس کے وعظوں پر فدا ہو گئے۔ اسکی آسمانی فصاحت کے سامنے پنڈتوں اور حکماء کی شہرت مٹ گئی رمّالوں اور رمّالوں نے اپنی قیمتی کتابیں پرے پھینکدیں۔ مجوسیوں اور جادوگروں نے پیشگوئیاں کرنی چھوڑ دیں۔ اور ربیوں اور سردار کاہنوں نے شرم کے مارے اسکے سامنے چہرونکو چھپا لیا"۔ لیکن واقعات کیا ہیں؟ جب یسوع نے اپنا دعوے مسیحیت کیا تو ساری یہودی قوم نے اُسکی سخت مخالفت کی جھوٹا اور فریبی کہا مفتری اور

کذاب قرار دیا گالیاں دیں۔ اور ہر طرح سے اُس کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ صرف چند ماہی گیر اور چھوٹی ذات کے مرد اور کچھ عورتیں تھیں جو اُسکے ساتھی ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اُسے اپنا نجات دہندہ نہ مانا۔ یونانیوں اور رومیوں نے اُسکے صادق یا کاذب ہونیکے سوال کو ایک لمحہ کے لئے بھی ضروری نہیں سمجھا اور نہ اُسے کچھ وقعت ہی دی۔ اور آخر کار اُسے مفسدہ پرداز خیال کرکے اور یہودیوں کو حکومت کے مقابلہ میں سرکشی کی ترغیب دینے کے جرم میں رومی گورنمنٹ نے اُسکو گرفتار کر لیا۔ سرزمین شام سے باہر اُسے کوئی نہ جانتا تھا۔ اور عرب اور ترکستان اور تاتار اور یونان اور ایران اور روم وغیرہ اُسکی ہستی سے بھی بالکل بیخبر تھے ربی اور سردار کاہن اُسے مفتری اور کذاب سمجھتے تھے۔ اور اُسکو اور اُسکی والدہ کو (ان دونوں پر سلام ہو) سخت عیوب سے مُتہم کرتے تھے رومی سپاہیوں نے اُسے گرفتار کیا۔ حراست میں رکھا۔ مقدمہ چلایا۔ مجرم اُسکے ذمہ ثابت پایا۔ اور صلیب پر سزا دینے کیلئے چڑھا دیا سوامی صاحب کے بہادران نبرد آزما جو اُسکی باتوں کے آگے سرنگوں ہوگئے صرف وہ نہایت کمزور دل حواری ثابت ہوئے جنہوں نے آخری وقت میں اُس سے بیوفائی کرکے اُس کا ساتھ ترک کر دیا۔ ابتداء میں تو اُس کا استقبال اسی آلہی قانون کے مطابق ہوا جو قرآن کریم میں درج ہے۔ یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن۔ یعنے لوگوں پر افسوس ہے! کوئی رسول اُن پاس نہ آیا جس سے اُنہوں نے ٹھٹھا نہ اُڑایا" ✦

معلوم ہوتا ہے کہ سوامی صاحب اسبات کی احتیاط نہیں کرتے کہ جو بات وہ منہ سے بیان کر رہے ہیں کہاں تک صداقت رکھتی ہے۔ مثلاً سوامی صاحب اپنے لیکچر میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یسوع مسیح کو تمام نبیوں سے افضل اور تمام انبیاء کا سردار بیان کیا ہے۔ اور قرآن کریم نبیوں کا شاہزادہ اُس کا نام رکھتا ہے۔ اور اسکو تمام کاہنوں سے مقدس اور بلند رتبہ لکھتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلط بیانی ہے۔ اسی سے دوسری کتابوں وید وغیرہ کے حوالجات کی صحت یا عدم صحت کا اندازہ ہوسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ سوامی صاحب اسلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ "قرآن تمہیں یہ نہیں بتاتا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا"۔ حالانکہ قرآن صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ وما صلبوہ یعنے وہ (یہودی) بذریعہ صلیب کے بھی اُسے مار ڈالنے پر قادر نہ ہوسکے"۔ اسکے دلائل صاف ہیں۔ قرآن کریم مسیح کو خدا کا سچا نبی بیان کرتا ہے۔ اور بقول حضرت مسیح علیہ السلام اگر وہ صلیب پر مر گئے تو پھر سچے نبی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ پرانے عہدنامہ میں لکھا ہے کہ جو شخص کاٹھ یعنے صلیب پر مرجاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے مردود ہوجاتا ہے۔ اور وہ خدا سے بیزار اور خدا اُس سے بیزار ہوتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مسیح کو یہودیوں نے صلیب پر کھینچا لیکن وہ وہاں مرا نہیں۔ کیونکہ کلام خدا میں لکھا ہے ولکن شبہ لھم وہ (یہود) شک میں پڑ گئے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اُسکو مردہ خیال کر لیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت مردہ نہ تھا۔ مجھے یہ بات دیکھ کر سخت رنج ہوا ہے کہ سوامی دھرمانند مہاورتی جیسے مشہور و معروف انسان اسلام جیسے عظیم الشان مذہب سے ایسے ناواقف ہوں جو ہندوستان کے پانچویں حصہ سے زیادہ کا مذہب ہے ✦

بعض امور اس رسالہ میں ایسے ہیں جو واقعی قابل تعریف بھی ہیں۔ اول یہ کہ مسیح کے ہندوستان میں آنے کی تائید کی گئی ہے۔ دوسرے مسیحی مذہب کے ماننے والوں پر اس مذہب کے جو اثر ہوئے ہیں ان کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ذیل کی عبارت خاص توجہ کے لایق ہے "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کے اچھے دن اب گذر چکے ہیں۔ آجکل اس مذہب میں یار یہ۔ چنڈال چمار چوہڑے گوالے۔ اور اسی قسم کے نیچ اور خبیث لوگ داخل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے لئے وبال جان ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط سے اعلےٰ سوسایٹی کی ذلت ہوتی ہے۔ یہ بیہودہ نالایق شرابی بدمعاش بھوکے مرتے شریر لوگ اب ہندوستانی نوعیسائی لوگوں میں لاکھوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔ اور اعلےٰ قوموں کے لوگ ابھی تک عیسائیت کے اثر سے بالکل بچے ہوئے ہیں۔ ان نیچ ذاتوں کے بہت سے لوگوں کو بجائے اچھی حالت میں کرنے کے عیسائیت نے اور بھی پست حال کر دیا ہے۔ کثرت سے ایسے لوگوں کی حالت بالکل خراب ہوگئی ہے اور ان کے اخلاق گر گئے ہیں اور پہلے کی نسبت وہ بدچلنی میں اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ دیسی عیسائیوں میں سے ۹۹ فیصدی ایسے ہیں جن کے اخلاق بہت پستی میں گرے ہوئے ہیں۔ ذہنی قوائے کے لحاظ سے ہندوؤں سے دس ہزار درجہ کم ہیں۔ اور روحانی حالت انکی ایسی ہے کہ گویا وہ ہندوستانی عیسائیت کی کتاب حساب میں اس قدر صفر ہیں"۔

نوعیسائیوں کی یہ تصویر عیسائی مذہب کے ایک دشمن نے نہیں بلکہ ایک نہایت دلدادہ عاشق نے کھینچی ہے۔ اور یہ ایسی سچی باتیں ہیں کہ ان کی صداقت بہت دفعہ خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کی ہے۔ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو عیسائی مذہب سے اسکے حامیوں کو ہاتھ دھو بیٹھنے چاہئے۔ جسطرح ہندوستان میں عیسویت نے لوگوں کو قعر ذلت میں ڈالدیا ہے اُسی طرح افریقہ میں بھی اس نے لوگوں کے اخلاق پر برا اثر ڈالا اور ان کو اور بھی نیچے گرا دیا ہے۔ برعکس اسکے اگر اسلام کے پاک اثر کو جو افریقہ کے نومسلموں کی حالت سے ثابت ہوتا ہے اور جسے خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کیا ہے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور ان تمام باتوں سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی مذہب کے دن اب پورے ہو چکے ہیں۔

یسوع مسیح اور اسکے مذہب اور بائیبل کی کوئی کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے اگر عیسائی مذہب کا اثر وہی ہے جس کو سوامی صاحب تسلیم کرتے ہیں تو یہ ساری تعریف عبث ہے کیونکہ واقعات اسکو جھوٹا ٹھیرا رہے ہیں یہ رسالہ ۶۴ صفحوں پر چھوٹی تقطیع پر چھپا ہے اور گوسوامی ججے بھارتی صاحب نے کلکتہ سے شایع کیا ہے۔

اعجاز القرآن

ان تمام کتابوں میں سے جو دنیا کے کسی مذہب کے نزدیک آسمانی اور الہامی مانی گئی ہیں صرف قرآن کریم کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ جن امور پر ایمان لانیکے لئے وہ بُلاتا ہے اُنکے لئے نہایت صاف اور سادہ طریق سے جسمیں شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ثبوت پیش کرتا ہے اس دعوے کی صداقت ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک ہر ایک زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی ہے اور مشاہدہ کی جاتی رہی ہے اور خود آج اس زمانہ میں بھی نہایت اجلی اور بدیہی طور پر یہ صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ عام طور پر کوئی شخص خواہ معجزات کا انکار کرتا ہو یا اقرار اُسے ماننا پڑے گا کہ علم غیب انسان کا خاصہ نہیں ہے اور کوئی پیشگوئی جو آیندہ کے ایسے گہرے رازوں کو بتانیوالی ہو جن تک اعلےٰ سے اعلےٰ انسانی فراست کے لئے پہونچنا بھی محال ہے اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ وہ انسان سے کسی اعلےٰ طاقت کی طرف سے ہے اور ایسی ہستی کیطرف سے ہے جس کا علم تمام ذرات عالم پر محیط ہے اور جس کی قدرت اور طاقت سے کوئی چیز باہر نہیں سچ تو یہ ہے کہ جو پیشگوئی صفائی سے ثابت ہو جاوے اس سے بڑھکر اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور کوئی قطعی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب تمام معجزات میں سے قرآن کریم نے پیشگوئی کو خاص طور پر امتیاز دیا ہے اور شروع سے اخیر تک اس کتاب مقدس میں عجیب اور عظیم الشان پیشگوئیاں بھری پڑی ہیں جن کا اظہار ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے سب سے پہلے لفظ جو بذریعہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئے وہ خود اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی آپ کی آیندہ کامیابیوں کی رکھتے ہیں اور قرآن کریم ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے جن میں قبل از وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آنیوالی ہیں کن کن مخالفتوں کا آپ کو مقابلہ کرنے پڑے گا۔ آپ کے دشمن آپ کو ہلاک کرنے کے لئے کیا کیا منصوبے بنائیں گے اور اسلام کو دنیا سے اکھاڑنے کے لئے کیا کیا کوششیں کرینگے کیا کیا اذیتیں اور تکلیفیں پہونچائیں گے۔ کیونکر مکہ سے آپ کو نکلنا پڑے گا اور پھر کیونکر آخرکار آپ غالب آویں گے۔ دشمنوں کے تمام منصوبے کیونکر خاک میں ملا دیئے جاویں گے کسطرح پر آخرکار ان کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اور کیونکر آپ مکہ میں کامیابی اور فتح کے ساتھ واپس آویں گے۔ کیونکر قومیں اسلام کے آگے سرنگوں ہو جاویں گی۔ اور گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہو جاویں گے۔ کیونکر سلطنت اسلام قایم ہوگی اور آپکے خلیفے ہی امت سے ہونگے۔ پھر کسی زمانہ میں عیسائیت کا کیونکر غلبہ ہوگا اور مسیح موعود کا آنا اور اس کے نشان کیا ہونگے اور پھر بالآخر دین اسلام کس طرح دنیا میں پھیل جاوے گا۔ اور تمام دینوں پر غالب آجاوے گا۔ اس طرح پر اسلام کی پیدایش سے لیکر انجام دنیا تک۔ قرآن کریم نے ان تمام اہم امور کو بطور پیشین گوئی بیان کر دیا ہے جو اسلام میں واقع ہونے والے تھے۔ یہ مضمون اسقدر

وسیع ہے کہ اس پر جلدوں کی جلدیں کتابوں کی لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ موقعہ اس بحث کے لئے موزون نہیں ہم صرف ایک دو مثالیں اس کی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کی ابتدائے نازل شدہ سورتوں میں سے ایک سورت میں جو مکہ میں نازل ہوئی عین اس وقت جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف مخالفت کا جھنڈا بلند ہو چکا تھا جب آپ کے معدودے چند پیرو قریش کی طرف سے سخت اذیتوں اور تکلیفوں کے نشانے ہو رہے تھے۔ گھروں سے نکالے گئے تھے۔ اور بعض بیرحمی سے قتل کئے جاتے تھے۔ جب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالنے کے لئے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ غرضیکہ اس وقت جبکہ تمام عرب دین اسلام کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالنے پر آمادہ ہوا ہوا تھا اور بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ ان کے حملوں سے دین اسلام جانبر ہو سکے۔ عین اس بیکسی اور ناامیدی کے وقت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ کلام نازل فرمایا ام یقولون نحن جمیع منتصر۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ یعنی اے نبی کیا یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم بڑی بڑی جماعتیں اور بڑی طاقت والے ہیں۔ عنقریب ان کی تمام جماعتیں شکست کھائیں گی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگیں گی۔ ہاں اس کے لئے ہم نے ایک گھڑی مقرر کی ہوئی ہے اور وہ گھڑی ان کے لئے بڑی سخت اور تلخ ہوگی۔ (سورہ قمر) اب ایک نکتہ چین کو اختیار ہے کہ سخت سے سخت مخالفت کا پہلو جو وہ اختیار کر سکتا ہے اختیار کرے لیکن اس پیشگوئی کی قطعیت میں شک ڈالنے کے لئے وہ کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ الفاظ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے لفظ ہو سکتے تھے جن کو بہ تقاضائے بشریت کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اس قدر بیشمار دشمنوں کے پنجے سے بچ جاویں گے؟ کیا ایک انسان کی جس کے ساتھ چالیس یا پچاس آدمی ہوں یہ طاقت ہے کہ وہ بہادر جنگجوؤں کی ایک قوم کی قوم کو چیلنج کرے کہ میں تم سب پر غالب آؤں گا کیا کوئی شخص کوئی ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بطور فراست معلوم کر سکتے تھے کہ وہ آخر کار کامیاب اور ان کے دشمن پامال ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے علاوہ خود ان الفاظ کی قطعیت کو دیکھو۔ ان کا بولنے والا ان کی صحت کا قطعی اور یقینی علم ظاہر کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا۔ جس طرح ایک انسان فراست سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ میں غالب آجاؤں گا یا اغلب ہے کہ دشمن مغلوب ہو جاویں بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ بات ہونیوالی ہے اور یقینی اور قطعی ہے اور کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا۔ جو قوت اور جو یقین ان الفاظ میں پایا جاتا ہے اور جو طاقت ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑے گا کہ وہ انسانی علم اور انسانی طاقت سے بہت بالا تر ہے یہ صاف طور پر ایک ایسی ہستی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ جس کو نہ صرف آیندہ کے تمام واقعات کی

تفصیلی اور یقینی خبر ہے بلکہ جسکے ہاتھ میں وہ فوق الفوق طاقت بھی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ تمام انسانی کوششوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس کو پورا کر کے دکھا سکتا ہے۔

اس جگہ ہم نے صرف ایک ہی موقعہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انجام کار کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ لیکن اس قسم کی آیات مکی سورتوں میں بکثرت موجود ہیں اور ایسے وقت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب سخت مخالفت آنحضرت کی ہو رہی تھی۔ کئی سال تک مخالفت کا جوش اور بھی بڑھتا گیا اور بظاہر واقعات سے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ معدودے چند مسلمان سخت اذیتیں کفار کے ہاتھ سے اٹھا رہے تھے اور دو دفعہ گھروں اور جایدادوں کو چھوڑ کر انہوں نے غیر ملک میں پناہ لی۔ آخر کار آنحضرت اور صرف ایک صحابی مکہ میں رہ گئے اور ادھر دشمنان دین نے آپ کی ہلاکت کے لئے منصوبے کئے ہوئے تھے۔ ایسی نازک حالت میں دشمن ان وعدوں پر کس قدر ہنستے ہونگے مگر اللہ تعالےٰ کے وعدے پورے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ایک سال بعد بدر کا مقام فریقین کے جنگ کا میدان بنا جس میں مسلمانوں کی طرف سے تین سو کے قریب آدمی تھے۔ اکثر نوعمر اور ناتجربہ کار تھے اور سامان جنگ بھی کوئی نہ تھا۔ اور قریش کی طرف ایک ہزار سے زیادہ مضبوط تجربہ کار نبرد آزما جوان تھے۔ جو ہر طرح پر مسلح تھے۔ یہی وہ مقررہ میدان تھا جہاں مسلمانوں کو غلبہ کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اور باوجودے کہ اسلام کی طاقت کفر کے بالمقابل کچھ بھی نہ تھے لیکن جس یقینی فتح کا وعدہ دیا گیا تھا وہ وعدہ پورا ہوا۔ کفار کے بڑے بڑے آدمی میدان جنگ میں مارے گئے اور کچھ قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو سالہا سال پہلے ایسے وقت میں کی گئی تھی کہ جب اسلام سخت مغلوبی کی حالت میں تھا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نہیں دکھا سکتا کہ ایسی پر شوکت پیشگوئی ایسے صاف طور پر پوری ہوئی ہو جو اپنے ساتھ ایسا قطعی اور یقینی ثبوت رکھتی ہو۔

یہاں ہم نے صرف ایک پیشگوئی کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے متعلق ہے درحقیقت آپ کی زندگی کے ہر ایک واقعہ کا قرآن کریم نے پیشگوئیوں میں نقشہ کھینچا ہے۔ مثلاً آپ کی ہجرت کا واقعہ دیکھو کہ کس طرح قرآن شریف نے اسے قبل از وقت بیان کیا اور پھر آپ کا مکہ میں واپس آنا بھی بتایا۔ چنانچہ سورہ قصص میں جو مکہ میں ہی نازل ہوئی فرمایا۔ ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد۔ یقیناً یقیناً وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن اتارا ہے اور اس کے احکام کو تجھ پر فرض کیا ہے وہی طاقتور ہستی تجھے تیرے اس گھر میں واپس

پہونچائے گی جس سے تو نکالا جاوے گا۔ لفظ رد کا صاف دلالت کرتا ہے کہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس گھر سے نکالے جاویں گے اور پھر اللہ تعالے ان کو واپس لاوے گا۔ کیونکہ رد کے معنے ہیں لوٹ کر آنے یا واپس آنے کے۔ پس اس ایک ہی آیت میں جو مکہ میں نازل ہوئی یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی اور یہ بھی بتادیا گیا ہے۔ کہ پھر اللہ تعالے آپ کو کامیاب کرکے واپس لاوے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اس پیغمبر عربی کو ایسی بیکسی اور غربت کی حالت میں مکہ سے بھاگتے دیکھا تھا ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ یہی شخص آخر کار ان پر غالب ہوکر اسی شہر میں جاہ وجلال کے ساتھ واپس آوے گا۔ لیکن خدا تعالے کا یہ وعدہ تھا اور اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ کفار مکہ بھی ان تمام پیشگوئیوں سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن وہ ان باتوں کو ہنسی میں اڑاتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک تو یہ بالکل ناممکن امر تھا۔ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ اسی طرح دوسری طرف کفار کو واقعات کے رو سے ان وعدوں کے پورا نہ ہونے کا یقین کامل تھا۔ لیکن جب آخر کار انہیں لوگوں نے ان تمام وعدوں کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھا اور ان امور کو حسب وعدہ الٰہی واقع ہوتے دیکھا۔ جو ان کے نزدیک ناممکن تھے تو انہوں نے صریح طور پر خدائی ہاتھ کو آنحضرت کی تائید میں دیکھ لیا اور جب آپ مکہ میں حسب وعدہ الٰہی بحیثیت ایک کامیاب حکمران کے داخل ہوئے تو مکہ والوں کی گردنیں اس خدائے ذوالجلال کے آگے جھک گئیں۔ جس کی ہستی کو وہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے صاف صاف دیکھ چکے تھے اور جس کی طاقت کو وہ محسوس کر چکے تھے۔ اور انہوں نے انشراح صدر سے آپ کی رسالت کو قبول کیا اور اللہ تعالے پر ایمان لائے۔

اسی طرح پر قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ ان کی بحث کا وقت نہیں۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر آنحضرت کی وفات کے بعد اسلام پر ایک ایسا خطرہ کا وقت آوے گا۔ کہ جس سے اس کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہوگا اور کیونکر خدا اس خوف کو امن سے بدل دے گا اور دین اسلام کو مضبوطی سے قایم کردے گا۔ اور مومنوں کی جماعت میں سے خلیفے بنائے گا۔ جو زمین کے مالک ہوں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو تختوں کو وعدے دیئے اُسی طرح انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح نے بھی اپنے حواریوں کو بار بار تختوں کے وعدے دیئے تھے۔ مگر ہمارے نبی

کے وعدے تو صحابہ نے اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لیے۔ لیکن حواریوں کے تختوں والے وعدے آجتک پورے نہیں ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان تمام وعدوں کو جو اللہ تعالےٰ نے ان کے ساتھ کیے تھے۔ اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لیا۔ اور اس طرح پر ان کا ایمان اللہ تعالےٰ پر یقین کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ تک پہنچ گیا۔ جو وعدے ان کے ساتھ اس دنیا کے متعلق کئے گئے تھے ان کو پورے ہوتے دیکھ کر انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالےٰ کی آخرت کے وعدے بھی اسی طرح پر سچے ہیں۔ اس طرح پر ان کا ایمان خدا پر مضبوط ہوا اور۔ ایک شک اور نقص سے پاک رہا اور درحقیقت مضبوطی ایمان کے لئے یہی ایک راہ ہے قرآن کی ان پیشگوئیوں کے متعلق جو بعد کے زمانہ کے لئے ہیں ہم بالفعل صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ناظرین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لاہور کے لیکچر کے دوسرے حصہ کی طرف توجہ دلاویں۔ جو ستمبر کے مہینہ میں چھپ چکا ہے۔

ان چند سطروں کا لکھنا کتاب اعجاز القرآن کے ریویو کے لئے ضروری تھا یہ رسالہ مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی رجسٹرار ہائی کورٹ حیدر آباد دکن کی تصنیف ہے اور حال ہی میں اردو سے انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس رسالے کے بڑے حصے میں قرآنی پیشگوئیوں کا ہی ذکر ہے اور یہ مضمون اس کے دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آرٹیکل میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف نے بعض الفاظ قرآن کریم کو حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور شاہان امیہ اور عباسی بادشاہوں پر چسپاں کرنے میں بڑی ذہانت دکھائی ہے لیکن ہم انکے ساتھ ان اٹکل بازیوں میں اتفاق نہیں کرتے وہ بہت کھینچ تان کر الفاظ کو کچھ کے کچھ معنے دیتے ہیں اور اگر ان کے طرز کو صحیح مانا جاوے تو پھر ہر لفظ سے جو چاہے کوئی مراد لے سکتا ہے۔ ان کی طرز کے سمجھنے کے لئے ایک مثال کافی ہوگی۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ان کے نزدیک ھدی للمتقین سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الذین یومنون بالغیب سے خلافت حضرت ابوبکر۔ ویقیمون الصلوٰۃ سے حضرت عمر۔ ومما رزقنٰھم ینفقون سے مراد حضرت عثمان۔ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک سے خلافت حضرت علی۔ وبالآخرۃ ھم یوقنون سے حضرت امام حسن۔ ایسا ہی سورۃ شوریٰ کے الفاظ۔ انما السبیل علے الذین یظلمون الناس۔ ویبغون فی الارض بغیر الحق سے مراد حضرت معاویہ۔ اور ان الخسرین الذین خسروا انفسھم واھلیھم یوم القیامۃ سے مراد بنی مروان کے خلفا اور اس سے آگے کی آیتوں سے مراد بنی عباس کے خلفا لیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ایک کھیل ہے۔ یہ طریق عیسائیوں نے بھی

یسوع کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہوا ہے اور شیعہ بھی حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے لئے ایسی ہی دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پیش گوئی کے بیان کرنے سے کوئی غرض بھی ہوتی ہے۔ پیشگوئیاں اللہ تعالےٰ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ انہیں پورا ہوتا دیکھ کر لوگوں کے ایمان میں ترقی ہو۔ لیکن اس قسم کی پیشگوئیاں جو مصنف کتاب پیش کرتے ہیں ایسا فایدہ نہیں دے سکتیں کیونکہ ان کے پورا ہونے کو ان لوگوں نے تو سمجھا نہیں جنکی آنکھوں کے سامنے وہ پورے ہوئیں اور اب ایک ہزار یا تیرہ سو سال بعد ایک شخص کی سمجھ میں یہ بات آئی جو دنیا سے بھی بالکل بے خبر ہے۔ جو آیت ظالموں کے سزا کے لئے ہے اُسے معاویہ پر لگا دیا۔ کیونکہ آپ معاویہ کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن کیا ان کو یقین ہے کہ حضرت معاویہ اس آیت کے واقعی مصداق تھے۔ ایک خداترس مسلمان اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ پھر کیا انکو یقین ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام خلفاء سب کے سب دوزخی تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک اس قسم کے خیالات سے مسلمانوں میں سچا علم نہیں پھیل سکتا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشگوئیاں ہمیشہ اسی قسم کے اشاروں میں ہوتی ہیں جیسے انہوں نے بیان کئے ہیں۔ ان کی تردید کے لئے وہ پیشگوئیاں کافی ہیں جو ہم نے ابتداء مضمون میں بیان کی ہیں یہ وقت ہے کہ مسلمان سمجھیں کہ ان کا فرض قرآن کریم نے متعلق کیا ہے اور افراط و تفریط کے پہلوؤں کو چھوڑیں *

باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہوکر رہین گی) پوری ہون۔ اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنین۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین۔

منیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کر کے ماہوار ارسال فرمایا کرین اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے۔ اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہیئے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان ... ارسال کرنا چاہیئے۔ والسلام۔

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال رواں کا زرچندہ قابل وصول ہے وہ جملہ رقوم قابل الوصول جلد تر بنام منیجر صاحب میگزین بھیجکر بیباقی حساب فرماوین۔ ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاد دہانی بھیجے جاچکے ہین۔ عدم اتفاقی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔

(۲) ہر قسم کی خط کتابت و ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام منیجر صاحب میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدس یا کسی دیگر مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے علاوہ طوالت و حرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے۔ اور حضرت اقدس کو بھی اسمین تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی۔

(۴) تاریخ اجراء یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو و انگریزی (باستثنائے انگریزی میگزین نمبر ۱ سال سنہ ۱۹۰۲ء کے) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین۔ بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ والسلام۔ **منیجر میگزین**

اطلاع بے نظیر لکچر حضرت اقدس جو ۳ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور ایک عظیم الشان جلسہ مین پڑھا گیا تھا۔ پرچہ میگزین ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء مین مکمل شائع ہو چکا ہے پرچہ بذریعہ منیجر صاحب میگزین قادیان سے درخواست کرنے پر ملسکتا ہے۔

اعلان ۔ کتب ذیل بقیمت ذیل ۔ خلافت راشدہ بار دوم ۔ براہین احمدیہ حصہ دوم ۔ براہین احمدیہ حصہ سوم زیر طبع ۔ مرثیہ مولوی عبد اللطیف صاحب شہید ۔ آدھ آنہ ۔ حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ملسکتی ہین +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

ضروری استدعا

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائیخانہ کے نہونیکے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرنٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان میرے متعلق ہے اس مین نفقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خوجہ کمال الدین

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضل الدین صاحب طبع ہوا +

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ/ انگریزی پرچہ للعہ/

"حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پُر جوش روحوں کی احتیاج"

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کرکے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کرکے پُر زور تاکیدی الفاظ مین ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہیئے چنانچہ اس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

"مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین اور اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرین۔"

حضرت اقدسؑ کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑجانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کے لئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایان تھا۔ جو ان کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہونچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری نہین دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالے تمام سعادتمند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

اسلام*

دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کیجاے تو معلوم ہو گا۔ کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتدا سے جھوٹے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے اُن مذاہب کی تائید چھوڑ دی۔ اور وہ ایسے باغ کی طرح ہو گئے۔ جس کا کوئی باغبان نہیں۔ اور جس کی آبپاشی اور صفائی کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اُن میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ تمام پھلدار درخت خشک ہو گئے۔ اور اُن کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں۔ اور روحانیت جو مذہب کی جڑھ ہوتی ہے وہ بالکل جاتی رہی۔ اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے۔ اس لئے اُس نے ہر ایک صدی پر اس باغ کی نئے سرے آبپاشی کی۔ اور اُس کو خشک ہونے سے بچایا۔ اگرچہ ہر صدی کے سر پر جب کبھی کوئی بندہ خدا اصلاح کے لئے قائم ہوا جاہل لوگ اُس کا مقابلہ کرتے رہے اور اُن کو سخت ناگوار گذرا۔ کہ کسی ایسی غلطی کی اصلاح ہو جو اُن کی رسم اور عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خداتعالےٰ نے اپنی سُنّت کو نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ اس آخری زمانہ میں جو ہدایت اور ضلالت کا آخری جنگ ہے

* حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لکچر جو ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو بمقام سیالکوٹ پڑھا گیا ؎

خدا نے چودھویں صدی اور الف آخر کے سر پر مسلمانوں کو غفلت میں پاکر پھر اپنے عہد کو یاد کیا۔ اور دینِ اسلام کی تجدید فرمائی مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تجدید کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ سب مذہب مر گئے۔ ان میں روحانیت باقی نہ رہی۔ اور بہت سی غلطیاں اُن میں ایسی جم گئیں کہ جیسے بہت مستعمل کپڑہ پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے۔ اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا۔ اور جن کے نفس امارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ان مذاہب کے اندر بیجا دخل دے کر ایسی صورت اُن کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اور ہی چیز ہیں مثلاً عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتدا میں کیسے پاک اُصول پر مبنی تھا۔ اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اگرچہ وہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مقابل پر ناقص تھی۔ کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا۔ اور کمزور استعدادیں اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عمدہ تعلیم تھی۔ وہ اُسی خدا کی طرف رہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے رہنمائی کی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد عیسائیوں کا خدا ایک اور خدا ہو گیا۔ جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں۔ اور نہ بنی اسرائیل کو اُس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا اُلٹ گیا۔ اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے جو ہدائتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہو گئیں۔ اور تمام مدار گناہ سے پاک ہونے کا اس اقرار پر آگیا کہ حضرت مسیح نے دنیا کو نجات دینے کے لئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے۔ اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقعہ ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کرسکیں۔ نہایت حیرت کا مقام ہے۔ کہ جن لوگوں کو توریت کی پابندی کی سخت تاکید تھی۔ اُنہوں نے یک لخت توریت کے احکام کو چھوڑ دیا مثلاً انجیل میں کہیں حکم نہیں۔ کہ توریت میں تو سؤر حرام ہے اور میں تم پر حلال کرتا ہوں۔ اور توریت میں تو ختنہ کی تاکید ہے اور میں ختنہ کا حکم منسوخ کرتا ہوں پھر کب جائز تھا

کہ جو باتیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مُنہ سے نہیں نکلیں۔ وہ مذہب کے اندر داخل کردی
جائیں۔ لیکن چونکہ ضرور تھا۔ کہ خدا ایک عالمگیر مذہب یعنی اسلام دنیا میں قائم کرے
اس لئے عیسائیت کا بگڑنا اسلام کے ظہور کے لئے بطور ایک علامت کے تھا۔ یہ بات
بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسلام کے ظہور کے پہلے ہندو مذہب بھی بگڑ چکا تھا۔ اور
تمام ہندوستان میں عام طور پر بُت پرستی رائج ہو چکی تھی اور اسی بگاڑ کے یہ آثار باقیہ
ہیں۔ کہ وہ خدا جو اپنی صفات کے استعمال میں کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ اب آریہ
صاحبوں کی نظر میں وہ پیدایش مخلوقات میں ضرور مادہ کا محتاج ہے۔ اس
فاسد عقیدہ سے ان کو ایک دوسرا فاسد عقیدہ بھی جو شرک سے بھرا ہوا ہے قبول
کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ تمام ذرات عالم اور تمام ارواح قدیم اور انادی ہیں مگر افسوس کہ
اگر وہ ایک نظر غائر خدا کی صفات پر ڈالتے تو ایسا کبھی نہ کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر خدا پیدا
کرنے کی صفت میں جو اُس کی ذات میں قدیم سے ہے انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج ہے
نہیں۔ انسان بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتا۔ اور بغیر توسط روشنی کے کچھ دیکھ
نہیں سکتا۔ پس کیا پرمیشر بھی ایسی کمزوری اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ بھی سُننے اور
دیکھنے کیلئے ہوا اور روشنی کا محتاج ہے۔ پس اگر وہ ہوا اور روشنی کا محتاج نہیں
تو یقیناً سمجھو کہ وہ صفت پیدا کرنے میں بھی کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ یہ منطق سراسر
جھوٹ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار میں کسی مادہ کا محتاج ہے۔ انسانی
صفات کا خدا پر قیاس کرنا۔ کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ اور انسانی کمزوریوں کو
خدا پر جمانا بڑی غلطی ہے۔ انسان کی ہستی محدود اور خدا کی ہستی غیر محدود ہے پس
وہ اپنی ہستی کی قوت سے ایک اور ہستی پیدا کر لیتا ہے یہی تو خدائی ہے۔ اور وہ اپنی
کسی صفت میں مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ ورنہ وہ خدا نہ ہو۔ کیا اُسکے کاموں کوئی روک
ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ مثلاً چاہے کہ ایک دم میں زمین و آسمان پیدا کر دے۔ تو کیا وہ پیدا
نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں جو لوگ علم کے ساتھ روحانیت کا بھی حصہ رکھتے تھے اور نری خشک
منطق میں گرفتار نہ تھے۔ کبھی اُن کا یہ عقیدہ نہیں ہوا جو آجکل پرمیشر کی نسبت آریہ
صاحبان نے پیش کیا ہے۔ یہ سراسر عدم روحانیت کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ تمام بگاڑ ان مذاہب میں پیدا ہو گئے۔ جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل

[illegible]

نہیں۔اور جو انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہیں۔یہ تمام علامتیں ضرورت اسلام کے لئے تھیں۔ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔اور روحانیت کو کھو چکے تھے۔اور بالکل مُردہ ہو چکے تھے۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مُجدّد اعظم تھے۔جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دُنیا میں لائے۔اس فخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں۔کہ آپ نے تمام دُنیا کو ایک تاریکی میں پایا۔اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلےٰ مراتب ایمان کو پُہنچ گئے۔اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔یہ کامیابی اور اسقدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی۔یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا۔اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا۔اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دُنیا سے انتقال فرمایا۔جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے۔اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی۔کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہایم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہایم کو انسان بنایا۔اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت اُنمیں پھونکدی۔اور سچے خدا کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا کردیا۔وہ خدا کی راہ میں بکریوں کیطرح ذبح کئے گئے۔اور چیونٹیوں کیطرح پیروں میں کچلے گئے۔مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا۔بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے۔ بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جنکے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی

بے بار و بر نہ رہی۔ اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کی تاخر کی وجہ سے ہُوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوّت آپ پر ختم ہو گئے۔ اور چونکہ آپ صفات الٰہیہ کے مظہر اتم تھے اسلئے آپ کی شریعت صفات جلالیہ و جمالیہ دونوں کی حامل تھی۔ اور آپ کے دو نام محمدؐ اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں۔ اور آپ کی نبوّت عامہ میں کوئی حصہ بُخل کا نہیں۔ بلکہ وہ ابتدا سے تمام دُنیا کے لئے ہے +

اور ایک دوسری دلیل آپکے ثبوت نبوت پر یہ ہے۔ کہ تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس لکھی ہے۔ اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دَوْر مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَوْر جسمیں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ دَوْر ہے جسمیں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا خدا تعالےٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دَوْر ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ اول دَوْر ہدایت کے غلبہ کا تھا۔ اس میں بُت پرستی کا نام و نشان نہ تھا۔ جب یہ ہزار سال ختم ہوا تب دوسرے دَوْر میں جو ہزار سال کا تھا طرح طرح کی بُت پرستیاں دُنیا میں شروع ہو گئیں۔ اور شرک کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ہر ایک مُلک میں بُت پرستی نے جگہ لے لی۔ پھر تیسرا دَوْر جو ہزار سال کا تھا۔ اسمیں توحید کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور جسقدر خدا نے چاہا دُنیا میں توحید پھیل گئی۔ پھر ہزار چہارم کے دَوْر میں ضلالت نمودار ہوئی۔ اور اسی ہزار چہارم میں سخت درجہ پر بنی اسرائیل بگڑ گئے۔ اس کے بعد عیسائی مذہب تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہو گیا۔ اور اُسکا پیدا ہونا اور مرنا گویا ایک ہی وقت میں ہُوا۔ پھر ہزار پنجم کا دَوْر آیا جو ہدایت کا دَوْر تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جسمیں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپؐ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اُس ہزار کے اندر ہوا جو روز ازل سے ہدایت کیلئے مقرر تھا۔ اور یہ مَیں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے۔ اور اسی دلیل سے میرا دعوے مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے۔ اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے۔ اس

ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جسمیں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اسلئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اُسکے سر پر پیدا ہو اور اُسکے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اُسکے لئے بطور ظل کے ہو کیونکہ اس ہزار میں اب دُنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالے کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدد صدی بھی ہے اور مجدد الف آخر بھی۔

اس بات میں نصارے اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے اور خدا نے جو سورہ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم مجھ پر ظاہر کی ہے اس سے بھی یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اول تھا اور آدم چھٹے دن جمعہ کی اخیر ساعت میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ خدا کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے اس مشابہت سے خدا نے مسیح موعود کو ششم ہزار کے اخیر میں پیدا کیا۔ گویا وہ بھی دن کی آخری گھڑی ہے۔ اور چونکہ اول اور آخر میں ایک نسبت ہوتی ہے۔ اسلئے مسیح موعود کو خدا نے آدم کے رنگ میں پیدا کیا۔ آدم جوڑا پیدا ہوا تھا اور بروز جمعہ پیدا ہوا تھا۔ اسیطرح یہ عاجز بھی جو مسیح موعود ہے جوڑا پیدا ہوا اور بروز جمعہ پیدا ہوا اور اس طرح پیدائش تھی کہ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر اُس کے عقب میں یہ عاجز پیدا ہوا۔ اس طرح کی پیدائش ختم ولایت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ غرض یہ تمام نبیوں کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ کہ مسیح موعود ہزار ہفتم کے سر پر آئیگا اسی وجہ سے گذشتہ سالوں میں عیسائی صاحبوں میں بھی بہت شور اُٹھا تھا اور امریکہ میں اس مضمون پر کئی رسالے شائع ہوئے تھے۔ کہ مسیح موعود نے اسی زمانہ میں ظاہر ہونا تھا۔ کیا وجہ کہ وہ ظاہر نہ ہوا۔ بعض نے ماتمی رنگ میں یہ جواب دیا تھا۔ کہ اب وقت گذر گیا کلیسیا کو ہی اس کے قائم مقام سمجھ لو۔ القصہ میری سچائی پر یہ ایک دلیل ہے۔ کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار میں ظاہر ہوا ہوں۔ اور اگر اور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ اگر اس کو رد کر دیا جائے تو خدا تعالے کی تمام کتابیں باطل ہوتی ہیں۔ جن کو الٰہی کتابوں کا علم ہے۔ اور جو انہیں غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک ایسی دلیل ہے۔ جیسا کہ ایک روز روشن۔ اس دلیل کے رد کرنے سے تمام نبوتیں رد ہوتی ہیں۔ اور تمام حساب درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور الٰہی تقسیم کا شیرازہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں پھر آدم سے

اخیر تک سات ہزار سال کیونکر گزر سکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالےٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر غور نہیں کیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج یہ حساب بنظر نہیں کیا۔ یہ تو قدیم سے محققین اہل کتاب میں مسلم چلا آیا ہے۔ یہانتک کہ یہودی فاضل بھی اُسکے قائل رہے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی کتابیں بھی باتفاق یہی کہتی ہیں۔ اور آیت اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۔ سے بھی یہی نکلتا ہے۔ اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں۔ اور جیساکہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورۃ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اُس حساب سے یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔ جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے اور نہ کوئی وجہ دیکھتے ہیں۔ کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفق علیہ کلمہ سے انکار کریں۔ پھر جبکہ اس قدر ثبوت موجود ہے۔ اور بلا شبہ احادیث اور قرآن شریف کے رو سے یہ آخری زمانہ ہے۔ پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک رہا اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہونگی۔ کتابیں بہت شائع ہونگی جنمیں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائینگے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخری زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں۔ اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اُس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ خدا قادر ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد چند صدیاں اور بھی زیادہ کر دے۔ کیونکہ کسر شمار میں نہیں آتی۔ جیساکہ حمل کے دن بعض وقت کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دیکھو اکثر بچے جو دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر نو مہینے اور

دس دن کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں جب کہ درد زہ شروع ہوگا۔ اسی طرح دنیا کے خاتمے پر گو اب ہزار سال باقی ہے لیکن اُس گھڑی کی خبر نہیں جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ جن دلائل کو خدا نے امامت اور نبوت کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اُن کو ضائع کرنا گویا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے +

ظاہر ہے کہ قرب قیامت پر تمام علامتیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔ اور زمانہ میں ایک انقلاب عظیم مشہود ہو رہا ہے۔ اور وہ علامتیں جو قرب قیامت کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمائی ہیں اکثر اُن میں سے ظاہر ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت کے زمانہ میں زمین پر اکثر نہریں جاری ہو جائینگی۔ اور بکثرت کتابیں شائع ہونگی۔ پہاڑ اُڑا دیئے جائینگے۔ دریا خشک کر دیئے جائینگے۔ اور زراعت کے لئے زمین بہت آباد ہو جائیگی۔ اور ملاقاتوں کے لئے راہیں کھل جائینگی۔ اور قوموں میں مذہبی شور و غوغا بہت پیدا ہوگا۔ اور ایک قوم دوسری قوم کے مذہب پر ایک موج کی طرح ٹوٹ پڑیگی۔ تا اُن کو بالکل نیست و نابود کر دے۔ اُنہیں دنوں میں آسمانی کرنا اپنا کام دکھلائے گی۔ اور تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائینگی۔ بجز اُن ردی طبیعتوں کے جو آسمانی دعوت کے لائق نہیں۔ یہ خبر جو قرآن شریف میں لکھی ہے مسیح موعود کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی وجہ سے یاجوج ماجوج کے تذکرہ کے نیچے اُس کو لکھا ہے۔ اور یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں جن کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وہ اجیج سے یعنے آگ سے بہت کام لینگی۔ اور زمین پر اُن کا بہت غلبہ ہو جائیگا۔ اور ہر ایک بلندی کی مالک ہو جائیں گی۔ تب اُسی زمانہ میں آسمان سے ایک بڑی تبدیلی کا انتظام ہوگا۔ اور صلح اور آشتی کے دن ظاہر ہونگے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اُن دنوں میں زمین سے بہت سی کانیں اور مخفی چیزیں نکلینگی۔ اور اُن دنوں میں آسمان پر کسوف و خسوف ہوگا۔ اور زمین پر طاعون بہت پھیل جائیگی اور اونٹ بیکار ہو جائینگے یعنے ایک اور سواری نکلیگی۔ جو اونٹوں کو بیکار کر دیگی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تمام کار و بار تجارتی جو کہ پہلے اونٹوں کے ذریعہ سے چلتے تھے۔ اب ریل کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ حج کرنے والے بھی ریل کی سواری میں مدینہ منورہ

کی طرف سفر کرینگے۔ اور اُس روز اس حدیث کو پورا کر دینگے جس میں لکھا ہے کہ لیترکن القلاص فلا یُسعیٰ علیھا۔ پس جبکہ آخری دنوں کے لئے یہ علامتیں ہیں جو پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں۔ تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دُنیا کے دَوروں میں سے یہ آخری دَوْر ہے۔ اور جیساکہ خدا نے سات دن پیدا کئے ہیں۔ اور ہر ایک دن کو ایکہزار سال سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ سے دُنیا کی عمر سات ہزار سال ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور نیز خدا وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ اور اُس نے جیساکہ سات دن وتر پیدا کئے ہیں۔ ایسا ہی سات ہزار بھی وتر ہیں۔ ان تمام وجوہات سے سمجھ آسکتا ہے کہ یہی آخری زمانہ اور دُنیا کا آخری دَوْر ہے۔ جس کے سر پر مسیح موعود کا ظاہر ہونا کتب الٰہیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ میں گواہی دیتے ہیں۔ کہ اسلام میں جس قدر اہل کشف گذرے ہیں۔ کوئی اُن میں سے مسیح موعود کا زمانہ مقرر کرنے میں چودھویں صدی کے سر سے آگے نہیں گذرا +

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود کو اس اُمت میں سے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں وعدہ فرمایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ نبوت کے اول اور آخر کے لحاظ سے حضرت موسےٰ سے متشابہ ہونگے۔ پس وہ مشابہت ایک تو اول زمانہ میں تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور ایک آخری زمانہ میں۔ سو اول مشابہت یہ ثابت ہوئی کہ جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام کو خدا نے آخر کار فرعون اور اُس کے لشکر پر فتح دی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آخر کار ابو جہل پر جو اُس زمانہ کا فرعون تھا اور اس کے لشکر پر فتح دی اور ان سب کو ہلاک کر کے اسلام کو جزیرہ عرب میں قائم کر دیا۔ اور اس نصرت الٰہی سے یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ اور آخری زمانہ میں یہ مشابہت ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ملت موسوی کے آخری زمانہ میں ایک ایسا نبی مبعوث فرمایا جو جہاد کا مخالف تھا۔ اور دینی لڑائیوں سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ عفو اور

درگذر اُس کی تعلیم تھی۔ اور وہ ایسے وقت میں آیا تھا جبکہ بنی اسرائیل کی اخلاقی حالتیں بہت بگڑ چکی تھیں۔ اور ان کے چال چلن میں بہت فتور واقع ہوگیا تھا۔ اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔ اور وہ رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور وہ حضرت موسےٰ سے ٹھیک ٹھیک چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور اس پر سلسلہ اسرائیلی نبوت کا ختم ہوگیا تھا۔ اور وہ اسرائیلی نبوت کی آخری اینٹ تھی۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا اور میرے زمانہ میں رسم جہاد کو اُٹھا دیا۔ جیسا کہ پہلے سے خبر دیگئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کو موقوف کر دیا جائیگا۔ اور اُسی طرح مجھے عفو اور درگذر کی تعلیم دیگئی۔ اور میں ایسے وقت میں آیا جبکہ اندرونی حالت اکثر مسلمانوں کی یہودیوں کی طرح خراب ہو چکی تھی۔ اور روحانیت خراب ہوکر صرف رسوم اور رسم پرستی ان میں باقی رہ گئی تھی۔ اور قرآن شریف میں ان امور کی طرف پہلے سے اشارہ کیا گیا تھا جیسا کہ ایک جگہ مسلمانوں کے آخری زمانہ کے لئے قرآن شریف نے وہ لفظ استعمال کیا ہے جو یہود کے لئے استعمال کیا تھا۔ یعنی فرمایا لننظر کیف تعملون (یونس۔ ۱۴) جس کے یہ معنے ہیں کہ تم کو خلافت اور سلطنت دیجائیگی۔ مگر آخری زمانہ میں تمہاری بداعمالی کی وجہ سے وہ سلطنت تم سے چھین لیجائیگی۔ جیسا کہ یہودیوں سے چھین لی گئی تھی۔ اور پھر سورہ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے۔ کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گذرے ہیں۔ وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہونگے۔ چنانچہ اسرائیلی خلیفوں میں سے حضرت عیسٰے ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اُٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سو اس امت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا۔ دیکھو آیت وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون (النور۔ ۵۵) اس آیت میں فقرہ کما استخلف الذین من قبلھم قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ

موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے۔ اور چونکہ **موسوی** خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہوا یعنے حضرت عیسےٰ پر جو حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا۔ اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اُسی شان کا ہو +

اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی ذکر تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اکثر حصہ مسلمانوں کا یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلیگا۔ اور سورۂ فاتحہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے۔ کہ اے خدا ہمیں ایسے یہودی بننے سے محفوظ رکھ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے۔ اور ان کے مخالف تھے جن پر خدا تعالےٰ کا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ عادت اللہ ہے۔ کہ جب خدا تعالےٰ کسی قوم کو کوئی حکم دیتا ہے۔ یا اُن کو کوئی دعا سکھلاتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ اِن میں سے اس گناہ کے مرتکب ہونگے جس سے اُن کو منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ آیت غیر المغضوب علیہم سے مراد وہ یہودی ہیں جو ملت موسوی کے آخری زمانہ میں یعنی حضرت مسیح کے وقت میں بباعث نہ قبول کرنے حضرت مسیح کے مورد غضب الٰہی ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت میں سُنّت مذکورہ کے لحاظ سے یہ پیشگوئی ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کے آخری زمانہ میں بھی اسی امت میں سے مسیح موعود ظاہر ہوگا اور بعض اس کی مخالفت کرکے ان یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلینگے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ یہ بات جائے اعتراض نہیں کہ آنے والا مسیح اگر اسی امت میں سے تھا تو اس کا نام احادیث میں عیسےٰ کیوں رکھا گیا کیونکہ عادت اللہ اسی طرح واقعہ ہے۔ کہ بعض کو بعض کا نام دیا جاتا ہے جیساکہ احادیث میں ابوجہل کا نام فرعون اور حضرت نوح کا نام آدم ثانی رکھا گیا۔ اور یوحنّا کا نام ایلیا رکھا گیا۔ یہ وہ عادت الٰہی ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں +

اور خدا تعالےٰ نے آنے والے مسیح کو پہلے مسیح سے یہ بھی ایک مشابہت دی ہے۔ کہ پہلا مسیح یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور ایسا ہی آخری مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے

چودھویں صدی پر ظاہر ہؤا۔ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان سے سلطنت اسلامی جاتی رہی تھی۔ اور انگریزی سلطنت کا دَور تھا جیسا کہ حضرت مسیح بھی ایسے ہی وقت میں ظاہر ہوئے تھے جبکہ اسرائیلی سلطنت زوال پذیر ہو کر یہودی لوگ رومی سلطنت کے ماتحت ہو چکے تھے۔ اور اس اُمّت کے مسیح موعود کے لئے ایک اور مشابہت حضرت عیسٰے سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔ بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے ہیں۔ گو باپ سادات میں سے نہیں۔ اور حضرت عیسٰے کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا۔ کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا۔ کہ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔ پس اس لئے تنبیہ کے طور پر ان کو یہ نشان دکھلایا۔ کہ ان میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا۔ گویا اسرائیلی وجود کے دو حصوں میں سے صرف ایک حصّہ حضرت مسیح کے پاس رہ گیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ آنے والے نبی میں یہ بھی نہیں ہوگا۔ پس چونکہ دنیا ختم ہونے پر ہے۔ اس لئے میری اس پیدائش میں بھی ایک اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قیامت قریب ہے۔ اور وہی قریش کی خلافت کے وعدوں کو ختم کر دیگی۔ غرض موسوی اور محمدی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے ایسے مسیح موعود کی ضرورت تھی۔ جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظاہر ہوتا اور جیسا کہ سلسلہ اسلامیہ مثیل موسےٰ سے شروع ہؤا۔ ایسا ہی وہ مثیل عیسے پر ختم ہو جائے تا آخر کو اول سے مشابہت ہو۔ پس یہ بھی میری سچائی کے لئے ایک ثبوت ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو خدا ترسی سے غور کرتے ہیں +

خدا اس زمانہ کے مسلمانوں پر رحم کرے کہ اکثر ان کے اعتقادی اُموں میں ظلم اور ناانصافی میں حد سے گذر گئے ہیں۔ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عیسے فوت ہو گئے۔ اور پھر ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف

ہیں سورہ نور میں پڑھتے ہیں۔ کہ تمام خلیفے آنے والے اسی اُمت میں سے ہونگے۔ اور پھر حضرت عیسٰےؑ کو آسمان سے اُتار رہے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں پڑھتے ہیں۔ کہ وہ عیسٰے جو اس اُمت کے لئے آئیگا وہ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ پھر اسرائیلی عیسٰے کے منتظر ہیں۔ اور قرآن شریف میں پڑھتے ہیں۔ کہ عیسٰے دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیگا۔ اور باوجود اس علم کے پھر اس کو دوبارہ دُنیا میں لانا چاہتے ہیں۔ اور باایں‌ہمہ دعوے اسلام بھی ہے اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے آسمان پر زندہ معہ جسم عنصری اُٹھائے گئے۔ مگر اس کا جواب نہیں دیتے۔ کہ کیوں اُٹھائے گئے۔ یہود کا جھگڑا تو صرف رفع روحانی کے بارہ میں تھا۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ ایمانداروں کی طرح حضرت عیسٰے کی رُوح آسمان پر نہیں اُٹھائی گئی۔ کیونکہ وہ صلیب دیئے گئے تھے۔ اور جو صلیب دیا جائے وہ لعنتی ہے۔ یعنی آسمان پر خدا کی طرف اُس کی رُوح نہیں اُٹھائی جاتی۔ اور قرآن شریف نے صرف اُسی جھگڑے کو فیصلہ کرنا تھا جیساکہ قرآن شریف کا دعوے ہے۔ کہ وہ یہود و نصارے کی غلطیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اُن کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس یہود کا جھگڑا تو یہ تھا کہ عیسٰےؑ مسیح ایماندار لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور اُس کی نجات نہیں ہوئی۔ اور اُس کی روح کا رفع خدا تعالےٰ کی طرف نہیں ہوُا۔ اور فیصلہ طلب یہ امر تھا۔ کہ عیسٰے مسیح ایماندار اور خدا کا سچا نبی ہے یا نہیں۔ اور اُسکی روح کا رفع مومنوں کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف ہوا یا نہیں۔ یہی قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس اگر آیت بل رفعه الله الیه سے یہ مطلب ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت عیسٰے کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر اُٹھالیا۔ تو اس کارروائی سے متنازعہ فیہ امر کا کیا فیصلہ ہوُا۔ گویا خدا نے امر متنازعہ فیہ کو سمجھا ہی نہیں۔ اور وہ فیصلہ دیا جو یہودیوں کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ پھر آیت میں تو یہ صاف لکھا ہے۔ کہ عیسٰے کا رفع خدا کی طرف ہوا۔ یہ تو نہیں لکھا۔ کہ دوسرے آسمان کی طرف رفع ہوُا۔ کیا خدائے عزّ وجلّ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہوُا ہے یا نجات اور ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسم بھی ساتھ ہی اُٹھایا جائے

اور عجب بات یہ ہے۔ کہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں آسمان کا ذکر بھی نہیں بلکہ اس آیت کے تو صرف یہ معنے ہیں۔ کہ خدا نے اپنی طرف مسیح کو اُٹھا لیا۔ اب بتلاؤ۔ کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت موسےٰؑ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کسی اور طرف اُٹھائے گئے تھے۔ خدا کی طرف نہیں۔ مَیں اس جگہ زور سے کہتا ہوں۔ کہ اس آیت کی حضرت مسیح سے تخصیص سمجھنا یعنی رفع الی اللہ اُنھیں کے ساتھ خاص کرنا۔ اور دوسرے نبیوں کو اس سے باہر رکھنا۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسے معنوں سے باستثناء حضرت عیسےٰ تمام انبیاء کو رفع سے جواب دیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے معراج سے آکر اُنکے رفع کی گواہی بھی دی +

یاد رہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کے رفع کا ذکر صرف یہودیوں کی تنبیہ اور دفع اعتراض کے لئے تھا۔ ورنہ یہ رفع تمام انبیاء اور رسل اور مومنوں میں عام ہے۔ مرنے کے بعد ہر ایک مومن کا رفع ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت ھذا ذکرٌ وان للمتقین لحسن ماٰب۔ جنات عدن مفتحۃ لھم الابواب (ص - ۵۰) میں اس رفع کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن کافر کا رفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آیت لا تفتح لھم ابواب السماء (اعراف - ۴۰) اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے ہاں جن لوگوں نے مجھ سے پہلے اس بارے میں غلطی کی ہے۔ اُن کو وہ غلطی معاف ہے۔ کیونکہ اُن کو یاد نہیں دلایا گیا تھا۔ ان کو حقیقی معنے خدا کے کلام کے سمجھائے نہیں گئے تھے۔ پر مَیں نے تم کو یاد دلا دیا۔ اور صحیح صحیح معنے سمجھا دیئے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا۔ تو غلطی کے لئے رسمی تقلید کا ایک عُذر تھا۔ لیکن اب کوئی عذر باقی نہیں +

میرے لئے آسمان نے گواہی دی۔ اور زمین نے بھی۔ اور اس اُمت کے بعض اولیاء نے میرا نام اور میرے مسکن کا نام لیکر گواہی دی۔ کہ وہی مسیح موعود ہے اور بعض گواہی دینے والے میرے ظہور سے تیس برس پہلے دُنیا سے گذر چکے۔ جیسا کہ اُن کی شہادتیں میں شائع کر چکا ہوں۔ اور اسی زمانہ میں بعض بزرگان دین

نے جن کے لاکھوں انسان پیرو تھے ۔خدا سے الہام پاکر اور آنحضرتؐ سے رویا میں سُنکر میری تصدیق کی ۔ اور اب تک ہزارہا نشان مجھ سے ظاہر ہو چکے ہیں ۔ اور خدا کے پاک نبیوں نے میرے وقت اور زمانہ کو مقرر کیا ۔ اور اگر تم سوچو تو تمہارے ہاتھ پیر اور تمہارے دل بھی میرے لئے گواہی دیتے ہیں ۔ کیونکہ کمزوریاں حد سے گذر گئیں اور اکثر لوگ ایمان کی حلاوت کو بھی بھول گئے ۔ جس ضعف اور کمزوری اور غلطی اور بے راہی اور دُنیا پرستی اور تاریکی میں یہ قوم گرفتار ہو رہی ہے ۔ یہ حالت بالطبع تقاضا کر رہی ہے ۔ کہ کوئی اُٹھے اور اُن کی دستگیری کرے ۔ باانہمہ اب تک میرا نام دجّال رکھا جاتا ہے ۔ وہ قوم کیسی بدنصیب ہے ۔ کہ ان کی ایسی نازک حالت کے وقت ان کے لئے دجّال بھیجا جائے ۔ وہ قوم کیسی بدبخت ہے کہ اُن کی اندرونی تباہی کے وقت ایک اور تباہی آسمان سے دی جائے ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص لعنتی ہے ۔ بے ایمان ہے ۔ یہی لفظ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی کہے گئے تھے ۔ اور ناپاک یہودی اب تک کہتے ہیں ۔ مگر قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے وما لنا لا نرى رجالا كنا نعدهم من الاشرار یعنی ہمیں کیا ہو گیا ۔ کہ دوزخ میں ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے ۔ دُنیا نے ہمیشہ خدا کے ماموروں سے دشمنی کی کیونکہ دُنیا سے پیار کرنا ۔ اور خدا کے مرسلوں سے پیار کرنا ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا ۔ اور تم دُنیا سے پیار نہ کرتے تو مجھے دیکھ لیتے ۔ لیکن اب تم مجھے دیکھ نہیں سکتے ۔

پھر ماسوائے اسکے اگر یہ بات صحیح ہے ۔ کہ آیت بل رفعه الله اليه کے یہی معنے ہیں ۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان دوم کی طرف اُٹھائے گئے ۔ تو پھر پیش کرنا چاہیئے کہ اصل متنازعہ فیہ امر کا فیصلہ کس آیت میں بتلایا گیا ہے ۔ یہودی جواب تک زندہ اور موجود ہیں ۔ وہ تو حضرت مسیح کے رفع کے اِنہیں معنوں سے مُنکر ہیں ۔ کہ وہ نعوذ باللہ مومن اور صادق نہ تھے ۔ اور اُنکی روح کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوا ۔ اور شک ہو تو یہودیوں کے علماء سے جاکر پوچھ لو ۔ کہ وہ صلیبی موت سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ اس موت سے رُوح معہ جسم آسمان پر نہیں جاتی ۔ بلکہ وہ بالاتفاق یہ کہتے ہیں ۔ کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے ۔ وہ ملعون ہے ۔ اُس کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے

قرآن شریف میں حضرت عیسٰے کی صلیبی موت سے انکار کیا۔ اور فرمایا۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ اور صلبوہ کے ساتھ آیۃ میں قتلوہ کا لفظ بڑہا دیا تا اس بات پر دلالت کرے۔ کہ صرف صلیب پر چڑھایا جانا موجب لعنت نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے۔ کہ صلیب پر چڑھایا بھی جاوے۔ اور بہ نیت قتل اُس کی ٹانگیں بھی توڑ دی جائیں۔ اور اس کو مارا بھی جاوے۔ تب وہ موت ملعون کی موت کہلائیگی۔ مگر خدا نے حضرت عیسٰے کو اس موت سے بچالیا۔ وہ صلیب پر چڑھائے گئے۔ مگر صلیب کے ذریعہ سے اُن کی موت نہیں ہوئی۔ ہاں یہود کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا کہ گویا وہ صلیب پر مر گئے ہیں۔ اور یہی دھوکا نصاریٰ کو بھی لگ گیا۔ ہاں انہوں نے خیال کیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اصل بات صرف اتنی تھی۔ کہ اس صلیب کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے۔ اور یہی معنے شبہ لھم کے ہیں۔ اس واقعہ پر مرھم عیسیٰ کا نسخہ ایک عجیب شہادت ہے جو صدہا سال سے عبرانیوں اور رومیوں اور یونانیوں اور اہل اسلام کی قرابادینوں میں مندرج ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے کے واسطے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔ غرض یہ خیالات نہایت قابل شرم ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ حضرت مسیح کو معہ جسم آسمان پر اُٹھا لے گیا تھا۔ گویا یہودیوں سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں پکڑ نہ لیں۔ جن لوگوں کو اصل تنازعہ کی خبر نہ تھی۔ اُنہوں نے ایسے خیالات پھیلائے ہیں۔ اور ایسے خیالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو ہے۔ کیونکہ آپ سے قریش نے بتمام تر اصرار یہ معجزہ طلب کیا تھا۔ کہ آپ ہمارے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں۔ اور کتاب لیکر آسمان سے اُتریں تو ہم سب ایمان لے آوینگے۔ اور اُن کو یہ جواب ملا تھا۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرًا رسولا۔ یعنی میں ایک بشر ہوں اور خدا تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ کہ وعدہ کے برخلاف کسی بشر کو آسمان پر چڑھا لے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے۔ کہ تمام بشر زمین پر ہی اپنی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن حضرت مسیح کو خدا نے آسمان پر معہ جسم چڑھا دیا۔ اور اس وعدہ کا کچھ پاس نہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا تھا فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون*

بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ ہمیں کسی مسیح موعود کے ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گو ہم نے قبول کیا۔ کہ حضرت عیسٰے فوت ہو گئے ہیں۔ لیکن جبکہ ہم مسلمان ہیں اور

نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور احکام اسلام کی پیروی کرتے ہیں تو پھر ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس خیال کے لوگ سخت غلطی میں ہیں اول تو وہ مسلمان ہونے کا دعوے کیونکر کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتے حکم تو یہ تھا کہ جب وہ امام موعود ظاہر ہو۔ تو تم بلا توقف اس کی طرف دوڑو۔ اور اگر برف پر گھٹنوں کے بل بھی چلنا پڑے تب بھی اپنے تئیں اُس تک پہنچاؤ۔ لیکن اس کے برخلاف اب لاپروائی ظاہر کیجاتی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے۔ اور یہی مسلمانی ہے۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ سخت سخت گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور کافر کہا جاتا ہے۔ اور نام دجّال رکھا جاتا ہے۔ اور جو شخص مجھے دُکھ دیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اُس نے بڑا ثواب کا کام کیا ہے۔ اور جو مجھے کاذب کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کو خوش کر دیا۔ اے وے لوگو! جن کو صبر اور تقوے کی تعلیم دیگئی تھی۔ تمہیں جلد بازی اور بدظنّی کس نے سکھلائی۔ کونسا نشان ہے جو خدا نے ظاہر نہ کیا۔ اور کونسی دلیل ہے۔ جو خدا نے پیش نہ کی مگر تم نے قبول نہ کیا۔ اور خدا کے حکموں کو دلیری سے ٹال دیا۔ میں اس زمانہ کے حیلہ گر لوگوں کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اس مکار سے مشابہ ہیں کہ روز روشن میں آنکھیں بند کر کے کہتا ہے۔ کہ سورج کہاں ہے۔ اے اپنے نفس کے دھوکہ دینے والے! اول اپنی آنکھ کھول پھر تجھے سورج دکھائی دیگا۔ خدا کے مرسل کو کافر کہنا سہل ہے۔ مگر ایمان کی باریک راہوں میں اس کی پیروی کرنا مشکل ہے۔ خدا کے فرستادہ کو دجّال کہنا بہت آسان ہے۔ مگر اُس کی تعلیم کے موافق تنگ دروازہ میں سے داخل ہونا دشوار امر ہے۔ ہر ایک جو کہتا ہے کہ مجھے مسیح موعود کی پروا نہیں ہے اُس کو ایمان کی پروا نہیں ہے۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان اور نجات اور سچی پاکیزگی سے لاپروا ہیں۔ اگر وہ ذرہ انصاف سے کام لیں اور اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ بغیر اس تازہ یقین کے جو خدا کے مرسلوں اور نبیوں کے ذریعہ سے آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اُنکی نمازیں صرف رسم اور عادت ہیں اور اُن کے روزے صرف فاقہ کشی ہیں ✤

اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ سچے طور پر خدا سے محبّت کر سکتا ہے۔ اور نہ جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے جبتک کہ اُسی کے

فضل اور کرم سے اسکی معرفت حاصل نہ ہو۔ اور اس سے طاقت نہ ملے۔ اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دُنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان دل لگاتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ یہ سب حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور نہ مفید ہوسکتی ہے جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کُھلتا ہے۔ اور پھر بار بار دور فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے۔ اور حجابوں کو درمیان سے اُٹھا دیتا ہے۔ اور نفس امّارہ کی گرد وغبار کو دور کر دیتا ہے۔ اور روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے۔ اور نفس امّارہ کو امّارگی کی زندان سے نکالتا ہے۔ اور بدخواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے۔ اور نفسانی جذبات کی تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ایسی گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہوجاتا ہے کہ بعد اس کے پھر گناہ کی طرف رُخ کرے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ دُعا ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ ہم بھی ہر روز دُعا کرتے ہیں۔ اور تمام نماز دُعا ہی ہے۔ جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دُعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنیوالی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے۔ پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے۔ پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے +

مبارک وہ قیدی جو دُعا کرتے ہوئے تھکتے نہیں کیونکہ وہ ایک دن رہائی پائینگے۔

مبارک وہ اندھے جو دُعاؤں میں سُست نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ ایک دن دیکھنے لگینگے۔

مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ وہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائینگے +

مبارک تم جبکہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کیلئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لیجاتی ہے۔ اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاویگا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم حیا والا۔ صادق وفادار عاجزوں پر رحم کرنیوالا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ۔ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو۔ کہ وہ تم پر رحم فرمائیگا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو خدا کیلئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو۔ تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دعا کرنیوالوں کو خدا معجزہ دکھائیگا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دیجائیگی۔ دعا خدا سے آتی ہے۔ اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے دعا کی پہلی نعمت یہ ہے۔ کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے۔ اس کے صفات تو غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اُس کی ایک الگ تجلی ہے جسکو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اُسکو ظاہر کرتی ہے تب اُس خاص تجلی کی شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی خوارق ہیں +

غرض دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشت خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔ اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے۔ اور پانی کیطرح بہ کر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے۔ اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اُسی کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور روح کا کھڑا ہونا یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔ اور اُس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے۔ اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے تئیں بکلی کھو دیتی ہے۔ اور اپنے نقش وجود کو مٹا دیتی ہے یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے۔ اور شریعت اسلامی نے اسکی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے تا وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی طرف محرک ہو کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کے وجود کی ایسی بناوٹ پیدا کی ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری روح غمگین ہو تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں

اور جب روح میں خوشی پیدا ہو۔ تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اس درد میں روح بھی شریک ہوتی ہے۔ اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو۔ تو روح بھی اُس سے کچھ حصہ لیتی ہے۔ پس جسمانی عبادات کی غرض یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور رکوع اور سجود میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم مجاہدہ کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں تو جب ہم انمیں سے ایک چیز کو اُٹھائینگے۔ تو اس اٹھانے سے دوسری چیز کو بھی جو اس سے ملحق ہے کچھ حرکت پیدا ہوگی لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ جبتک کہ اُسکے ساتھ یہ کوشش شامل نہ ہو۔ کہ روح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت فضل پر موقوف ✦

خدا نے قدیم سے جب سے کہ انسان کو پیدا کیا ہے یہ سنت جاری کی ہے کہ وہ پہلے اپنے فضل عظیم سے جسکو چاہتا ہے اس پر روح القدس ڈالتا ہے۔ اور پھر روح القدس کی مدد سے اسکے اندر اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ اور صدق و ثبات بخشتا ہے۔ اور بہت سے نشانوں سے اسکی معرفت کو قوی کر دیتا ہے۔ اور اُسکی کمزوریوں کو دور کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سچ مچ اسکی راہ میں جان دینے کو تیار رہتا ہے۔ اور اس کا اس ذات قدیم سے کچھ ایسا غیر منفک تعلق ہو جاتا ہے۔ کہ وہ تعلق کسی مصیبت سے دور نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی تلوار اس علاقہ کو قطع نہیں کر سکتی۔ اور اس محبت کا کوئی عارضی سہارا نہیں ہوتا۔ نہ بہشت کی خواہش۔ نہ دوزخ کا خوف۔ نہ دُنیا کا آرام اور نہ کوئی مال و دولت بلکہ ایک لامعلوم تعلق ہے جسکو خدا ہی جانتا ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ یہ گرفتار محبت بھی اس تعلق کی کُنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ کیوں ہے اور کس خواہش اور کس طرح سے ہے۔ کیونکہ وہ ازل سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق معرفت کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ معرفت بعد میں آتی ہے۔ جو اُس تعلق کو روشن کر دیتی ہے۔ جیسا کہ پتھر میں آگ تو پہلے سے ہے۔ لیکن چقماق سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالےٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف تو خدا کے ساتھ اُسکا ایسا ربط ہوتا ہے۔ کہ اُس کی طرف ہر وقت کھینچا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف نوع انسان کے ساتھ بھی اُسکو ایسا تعلق ہوتا ہے جو اُنکی مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ آفتاب زمین کے تمام طبقات کو اپنی طرف کھینچ رہا

ہے۔ اور خود بھی ایک طرف کھینچا جارہا ہے یہی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں **نبی** اور **رسول** اور **محدث** کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں اُن کی قبول ہوتی ہیں۔ اور اپنی دعاؤں میں خدا تعالے سے بکثرت جواب پاتے ہیں۔ بعض جاہل اس جگہ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں کبھی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے کبھی الہام بھی ہو جاتا ہے پس ہم میں اور رسول میں کیا فرق ہے پس اُنکے نزدیک خدا کے نبی مکار یا دھوکا خوردہ ہیں۔ جو ایک معمولی بات پر فخر کر رہے ہیں۔ اور اُن میں اور اُن کے غیر میں کچھ بھی فرق نہیں یا ایک ایسا مغرورانہ خیال ہے۔ جس سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں لیکن طالب حق کیلئے ان اوہام کا صاف جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ خدا نے ایک گروہ کو اپنے خاص فضل اور عنایت کے ساتھ برگزیدہ کر کے اپنی روحانی نعمتوں کا بہت سا حصہ اُن کو دیا ہے اسلئے باوجود اسکے کہ ایسے معاند اور اندھے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام سے منکر رہے ہیں تاہم خدا کے نبی ان پر غالب آتے رہے ہیں۔ اور ان کا خارق عادت نور ہمیشہ ایسے طور سے ظاہر ہوتا رہا ہے کہ آخر عقلمند و نکو ماننا پڑا ہے۔ کہ اُن میں اور اُنکے غیر وں میں ایک عظیم الشان امتیاز ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک مفلس گدائی پیشہ کے پاس بھی چند درہم ہوتے ہیں۔ اور ایک شہنشاہ کے خزائن بھی دراہم سے پُر ہوتے ہیں مگر وہ مفلس نہیں کہہ سکتا کہ میں اس بادشاہ کے برابر ہوں۔ یا مثلاً ایک کیڑے میں روشنی ہوتی ہے جو رات کو چمکتا ہے۔ اور آفتاب میں بھی روشنی ہے۔ مگر کیڑا نہیں کہہ سکتا کہ میں آفتاب کے برابر ہوں۔ اور خدا نے جو عام لوگوں کے نفوس میں رویا اور کشف اور الہام کی کچھ کچھ تخم ریزی کی ہے یہ محض اسلئے ہے کہ وہ لوگ اپنے ذاتی تجربہ سے انبیاء علیہم السلام کو شناخت کر سکیں۔ اور اس راہ سے بھی ان پر حجت پوری ہو اور کوئی عذر باقی نہ رہے ❖

اور پھر ایک خصوصیت خدا کے برگزیدہ بندوں میں یہ ہے۔ کہ وہ اہل تاثیر اور اہل جذب ہوتے ہیں اور وہ دُنیا میں روحانی نسلوں کے قائم کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رہنمائی کرتے ہیں۔ اور مخلوق کے ظلماتی پردوں کو درمیان سے اٹھاتے ہیں اسلئے سچی معرفت الٰہی اور سچی محبت الٰہی اور سچا زہد و تقوےٰ اور ذوق اور حلاوت اُنھیں کے ذریعہ سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اُن سے تعلق توڑنا ایسا ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک شاخ اپنے درخت سے تعلق توڑ دے۔ اور اُن تعلقات میں کچھ ایسی خاصیت ہے۔ کہ تعلق کرنے کے ساتھ ہی بشرط مناسبت روحانیت

کا نشو و نما شروع ہو جاتا ہے۔ اور تعلق توڑنے کے ساتھ ہی ایمانی حالت پر گرد و غبار آنا شروع ہو جاتا ہے
پس یہ نہایت مغرورانہ خیال ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھے خدا کے نبیوں اور رسولوں کی ضرورت نہیں۔ اور نہ
کچھ حاجت ہے۔ یہ سلب ایمان کی نشانی ہے۔ اور ایسے خیال والا انسان اپنے تئیں دھوکہ دیتا ہے جبکہ
وہ کہتا ہے۔ کہ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا یا کلمہ گو نہیں ہوں۔ چونکہ وہ سچے ایمان
اور سچے ذوق و شوق سے بیخبر ہے۔ اسلئے ایسا کہتا ہے۔ اُس کو سوچنا چاہئے کہ گو انسان کو
خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ مگر کس طرح اس نے ایک انسان کو دوسرے انسان کی پیدائش کا سبب
بنا دیا ہے۔ پس جس طرح جسمانی سلسلہ میں جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان
پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی روحانی سلسلہ میں روحانی باپ بھی ہیں جن سے روحانی پیدائش
ہے ہوشیار رہو اور اپنے تئیں صرف ظاہری صورت اسلام سے دھوکہ مت دو اور خدا کے کلام
کو غور سے پڑھو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ وہی چاہتا ہے جس کے بارہ میں سورہ فاتحہ میں
تمہیں دُعا سکھلائی گئی ہے یعنے یہ دعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین
انعمت علیھم۔ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو
نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔ تو پھر تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے
وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو۔ لہذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کیلئے
خدا کے انبیا وقتاً بعد وقت آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔ اب کیا تم خدا تعالےٰ کا مقابلہ کرو گے
اور اُسکے قدیم قانون کو توڑ دو گے۔ کیا نطفہ کہہ سکتا ہے کہ میں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہونا نہیں چاہتا
کیا کان کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم ہوا کے ذریعہ سے آواز کو سننا نہیں چاہتے۔ اس سے بڑھکر اور کیا نادانی ہوگی کہ
خدا تعالےٰ کے قانون قدیم پر حملہ ہو +

اخیر پر یہ بھی واضح ہو۔ کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کیطرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کیلئے ہی نہیں ہے
بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں
اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود کرکے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور میں
عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں۔ کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کیلئے
جن سے زمین پر ہو گئی ہے۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں۔ ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی
ہوں۔ جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے۔ کہ روحانی حقیقت کے
رو سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے

اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ھندوں کیلئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود ہے میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اسکو سن کر فی الفور یہ کہینگے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لیکر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے لیکن یہ خدا کی وحی ہے جسکے اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ اور آج یہ پہلا دن ہے۔ کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو میں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ خدا کیطرف سے ہوتے ہیں۔ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور بااقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنے اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا۔ کہ ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔ اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے۔ کہ جو صفات کرشن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنے پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور اُن کو پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں پس گویا روحانیت کے رو سے کرشن اور مسیح موعود ایک ہی ہیں صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے +

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں انمیں سے ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ روحوں اور ذرات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور انادی سمجھا جائے۔ غیر مخلوق بجز اُس پرمیشر کے کوئی بھی نہیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ نہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ ہیں۔ وہ غیر مخلوق نہیں ہو سکتیں۔ کیا روحوں کے گُن خود بخود ہیں؟ اُن کا پیدا کرنیوالا کوئی نہیں؟ اگر یہی صحیح ہے تو روحوں کا جسموں میں داخل ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے اور ذرات کا اکٹھے ہونا اور متفرق ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے۔ اس طریق سے پرمیشر

کا وجود ماننے کے لئے کوئی عقلی دلیل آپ کے ہاتھ میں نہیں رہیگی۔ کیونکہ اگر عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے۔ کہ تمام ارواح معہ اپنے تمام گُنوں کے جو اُن کے اندر پائے جاتے ہیں خود بخود ہیں۔ تو اس دوسری بات کو بھی بہت خوشی سے قبول کرے گی کہ روحوں اور اجسام کا باہم اتصال یا انفصال بھی خود بخود ہے۔ اور جبکہ خود بخود ہونے کی بھی راہ کھُلی ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ وہ راہ کھُلی رکھی جاوے اور دوسری جگہ بند کیجاوے۔ یہ طریق کسی منطق سے درست نہیں ہو سکتا +

پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں اُن کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھیرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں۔ کیا یہ بخل اور تنگ دلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز کر سکتی ہے۔ جس حالت میں پرمیشر کو ابدی نجات دینے کی قدرت تھی۔ اور وہ سرب شکتیمان تھا تو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ایسا بخل اُس نے کیوں کیا۔ کہ اپنی قدرت کے فیض سے بندوں کو محروم رکھا۔ اور پھر یہ اعتراض اور بھی مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن روحوں کو ایک طول طویل عذاب میں ڈالا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے جُونیں بھگتنے کی مصیبت اُن کی قسمت میں لکھ دی ہے وہ سب جیو پرمیشر کی مخلوق بھی نہیں ہیں۔ اس کا جواب آریہ صاحبان کی طرف سے یہ سنایا گیا ہے۔ کہ پرمیشور ہمیشہ کی مکتی دینے پر قادر تو تھا۔ سرب شکتیمان جو ہوا۔ لیکن میعادی مکتی اس وجہ سے تجویز کی گئی کہ تا سلسلہ تناسخ کا ٹوٹ نہ جائے۔ کیونکہ جس حالت میں روحیں ایک تعداد مقررہ کے اندر ہیں۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہو سکتیں پس ایسی صورت میں اگر دائمی مکتی ہوتی تو جونوں کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ جو روح نجات ابدی پاکر مکتی خانہ میں گئی۔ وہ تو گویا پرمیشور کے ہاتھ سے گئی۔ اور اس روزمرہ کے خرچ کا آخری نتیجہ ضرور یہ ہونا تھا کہ ایک دن ایک روح بھی جونوں میں ڈالنے کے لئے پرمیشور کے ہاتھ میں نہ رہتی۔ اور کسی دن یہ شغل تمام ہو کر پرمیشور معطل ہو کر بیٹھ جاتا۔ پس ان مجبوریوں کی وجہ سے پرمیشور نے یہ انتظام کیا کہ مکتی کو ایک حد تک

محدود رکھا۔ اور پھر اسی جگہ ایک اور اعتراض ہوتا تھا کہ پرمیشور بے گناہوں کو جو ایکدفعہ مکتی پا چکے اور گناہوں سے صاف ہو چکے۔ پھر مکتی خانہ سے کیوں بار بار نکالتا ہے۔ اس اعتراض کو پرمیشر نے اس طرح دفع کیا کہ ہر ایک شخص جس کو مکتی خانہ میں داخل کیا ایک گناہ اس کے ذمہ رکھ لیا۔ اسی گناہ کی سزا میں آخر کار ہر ایک روح مکتی خانہ سے نکالی جاتی ہے۔

یہ ہیں اصول آریہ صاحبوں کے۔ اب انصاف کرنا چاہئے کہ جو شخص ان مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کو پرمیشر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے ایک صاف مسئلہ خالقیت باری تعالےٰ سے انکار کرکے اپنے تئیں بڑی مشکلات میں ڈال لیا۔ اور پرمیشر کے کاموں کو اپنے نفس کے کاموں پر قیاس کرکے اس کی توہین بھی کی۔ اور یہ نہ سوچا کہ خدا ہر ایک صفت میں مخلوق سے الگ ہے۔ اور مخلوق کے پیمانہ صفات سے خدا کو ناپنا یہ ایک ایسی غلطی ہے۔ جس کو اہل مناظرہ قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی یہ تو مخلوق کے کاموں کی نسبت عقل کا ایک ناقص تجربہ ہے۔ پس اسی قاعدہ کے نیچے خدا کی صفات کو بھی داخل کرنا اگر ناسمجھی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا بغیر جسمانی زبان کے بولتا ہے۔ اور بغیر جسمانی کانوں کے سنتا ہے۔ اور بغیر جسمانی آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ بغیر جسمانی لوازم کے پیدا بھی کرتا ہے۔ اس کو مادہ کے لئے مجبور کرنا گویا خدائی صفات سے معطل کرنا ہے۔ اور پھر اس عقیدہ میں ایک اور بھاری فساد ہے۔ کہ یہ عقیدہ انادی ہونے کی صفت میں ذرہ ذرہ کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اور بت پرست تو چند بتوں کو ہی خدا کے شریک قرار دیتے تھے۔ مگر اس عقیدہ کے رو سے تمام دنیا ہی خدا کی شریک ہے۔ کیونکہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں یہ باتیں کسی بغض اور عداوت سے نہیں کہتا بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ وید کی اصل تعلیم یہ ہرگز نہیں ہوگی۔ مجھے معلوم ہے کہ خود روفلسفیوں کے ایسے عقیدے تھے جن میں سے بہت سے لوگ آخر کار دہریہ ہو گئے۔ اور مجھے خوف ہے۔ کہ اگر آریہ صاحبوں نے اس عقیدہ سے دست کشی نہ کی تو ان کا انجام بھی یہی ہوگا اور اس عقیدہ کی شاخ جو تناسخ ہے وہ بھی خدا کے رحم اور فضل پر سخت دھبہ لگاتی ہے۔ کیونکہ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین بالشت کے جگہ میں مثلاً

چیونٹیاں اتنی ہوتی ہیں کہ کئی ارب سے زاید ہو جاتی ہیں۔ اور ہر ایک قطرہ پانی میں کئی ہزار کیڑا ہوتا ہے۔ اور دریا اور سمندر اور جنگل طرح طرح کے حیوانات اور کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں جن کی طرف ہم انسانی تعداد کو کچھ بھی نسبت نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں خیال آتا ہے کہ اگر بفرض محال تناسخ صحیح ہے تو اب تک پرمیشر نے بنایا کیا؟ اور کس کو مکتی دی اور آیندہ کیا امید رکھی جائے؟۔

ماسوا اس کے یہ قانون بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سزا تو دی جائے۔ مگر سزا یافتہ شخص کو جرم پر اطلاع نہ دیجائے۔ اور پھر ایک نہایت مصیبت کی جگہ یہ ہے کہ مکتی تو گیان پر موقوف ہے اور گیان ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی کسی جون میں آنے والا خواہ کیسا ہی پنڈت کیوں نہ ہو۔ کوئی حصہ وید کا یاد نہیں رکھتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جونوں کے ذریعہ سے مکتی پانا ہی محال ہے اور جو جونوں کے چکر میں پڑکر مرد اور عورتیں دنیا میں آتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی ایسی فہرست نہیں آتی جس سے ان کے رشتوں کا حال معلوم ہو۔ تا کوئی بیچارہ کسی ایسی نوزاد کو اپنی شادی میں نہ لاوے جو درصل اس کی ہمشیرہ یا ماں ہے۔

اور نیوگ کا مسئلہ جو آجکل آریہ صاحبوں میں رائج ہے۔ اس کی نسبت تو ہم بار بار یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اس کو جہاں تک ممکن ہو ترک کر دینا چاہیئے۔ انسانی سرشت ہرگز قبول نہ کرے گی کہ ایک شخص اپنی عزت دار عورت کو جس پر اس کے تمام ننگ و ناموس کا مدار ہے باوجود اپنے جایز خاوند ہونے کے اور باوجود اس علاقہ کے قایم ہونے کے جو زن و شوہر میں ہوتا ہے۔ پھر اپنی پاک دامن بیوی کو اولاد کی خواہش سے دوسروں سے ہمبستر کراوے۔ اس بارہ میں ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ صرف شریف انسانوں کے کانشنس پر چھوڑتے ہیں۔ باایں ہمہ آریا صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اس مذہب کی دعوت کریں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک عقلمند سچائی کے قبول کرنے کے لیئے تیار ہوتا ہے مگر یہ سچائی نہیں ہے۔ کہ اس خدا کو جس نے اپنی بزرگ قدرتوں سے اپنی ہستی کو ظاہر فرمایا ہے۔ خالقیت سے جواب دیا جاوے۔ اور اس کو تمام فیضوں کا مظہر نہ سمجھا جائے ایسا پرمیشور ہرگز پرمیشور نہیں ہو سکتا۔ انسان نے خدا کو اس کی قدرتوں سے شناخت کیا ہے۔ جب کوئی قدرت اس میں نہیں رہی۔ اور وہ بھی ہماری طرح اسباب کا محتاج ہے

تو پھر اس کی شناخت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر ما سوا اس کے خدا تعالےٰ اپنے احسانات کی وجہ سے قابل عبادت ہے۔ مگر جبکہ اس نے روحوں کو پیدا ہی نہیں کیا اور نہ اس میں بغیر عمل کسی عامل کے فضل اور احسان کرنے کی صفت موجود ہے۔ تو ایسا پرمیشر کس وجہ سے قابل عبادت ٹھہرے گا۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ صاحبوں نے اپنے مذہب کا اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ پرمیشر کو ایسا کمزور اور کینہ ور ٹھہرایا۔ کہ وہ کروڑہا ارب سزا دیکر پھر بھی دائمی مکتی نہیں دیتا۔ اور غصہ اس کا کبھی فرو نہیں ہوتا اور آریہ صاحبوں نے قومی تہذیب پر نیوگ کا ایک سیاہ داغ لگا دیا ہے۔ اور اس طرح پر انہوں نے غریب عورتوں کی عزت پر بھی حملہ کیا۔ اور دونو پہلو حق اللہ اور حق العباد میں قابل شرم فساد ڈال دیا۔ یہ مذہب پرمیشر کو معطل کرنے کے لحاظ سے دہریوں سے بہت قریب ہے اور نیوگ کے لحاظ سے تو سخت ہی قابل اعتراض ہے۔

اس جگہ مجھے بہت دردل سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی ہے کہ یوں تو اکثر حضرات آریہ صاحبان اور مسیحی صاحبوں کو اسلام کے سچے اور کامل اصولوں پر بیجا حملہ کرنے کی بہت عادت ہے۔ مگر وہ اپنے مذہب میں روحانیت پیدا کرنے سے بہت غافل ہیں۔ مذہب اس بات کا نام نہیں ہے کہ انسان دنیا کے تمام اکابر اور نبیوں اور رسولوں کو بدگوئی سے یاد کرے۔ ایسا کرنا تو مذہب کی اصل غرض سے مخالف ہے۔ بلکہ مذہب سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر ایک بدی سے پاک کرکے اس لایق بنادے۔ کہ اس کی روح ہر وقت خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گری رہے۔ اور یقین اور محبت اور معرفت اور صدق اور وفا سے بھر جائے۔ اور اس میں ایک خالص تبدیلی پیدا ہو جائے۔ تا کہ اسی دنیا میں بہشتی زندگی اُس کو حاصل ہو۔ لیکن ایسے عقیدوں سے حقیقی نیکی کب اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں انسانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ صرف خون مسیح پر ایمان لاؤ۔ اور پھر اپنے دلوں میں سمجھ لو۔ کہ گناہوں سے پاک ہو گئے۔ یہ کس قسم کا پاک ہونا ہے جس میں تزکیہ نفس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ حقیقی پاکی تب حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان گندی زندگی سے توبہ کرکے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تدبیر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔ اور دوسری دعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا کہ وہ گندی زندگی

سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے۔ اور ایک ایسی آگ اس میں پیدا کرے۔ جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کردے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے۔ اور چاہیئے کہ اسی طرح دعا میں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آجاوے کہ ایک الٰہی نور اس کے دل پر نازل ہو۔ اور ایک ایسی چمکتی ہوئی شعاع اُس کے نفس پر گرے۔ کہ تمام تاریکیوں کو دور کردے۔ اور اس کی کمزوریاں دور فرمائے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ دعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مردے زندہ ہوسکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں۔ تو دعاؤں سے۔ اور اگر گندے پاک ہوسکتے ہیں تو دعاؤں سے۔ مگر دعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔ تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے۔ کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن ہوسکتا ہے۔ غرض یہ تین طریق ہی گناہوں سے نجات پانے کے ہیں۔ جن کے اجتماع سے آخر کار فضل شامل حال ہوجاتا ہے۔ نہ یہ کہ خون مسیح کا عقیدہ قبول کرکے آپ ہی اپنے دل میں سمجھ لیں۔ کہ ہم گناہوں سے نجات پا گئے۔ یہ تو اپنے نئیں آپ دھوکا دینا ہے انسان ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کا کمال صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ بہت سے جانور کچھ بھی گناہ نہیں کرتے۔ تو کیا وہ کامل کہلا سکتے ہیں۔ اور کیا ہم کسی سے اس طرح پر کوئی انعام حاصل کرسکتے ہیں۔ کہ ہم نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ مخلصانہ خدمات سے انعام حاصل ہوتے ہیں اور وہ خدمت خدا کی راہ میں یہ ہے۔ کہ انسان صرف اُسی کا ہوجائے۔ اور اس کی محبت سے تمام محبتوں کو توڑ دے۔ اور اس کی رضا کے لئے اپنی رضا چھوڑ دے۔ اس جگہ قرآن شریف نے خوب مثال دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ دو شربت نہ پی لے۔ پہلا شربت گناہ کی محبت ٹھنڈی ہونے کا جس کا نام قرآن شریف نے شربت کافوری رکھا ہے اور دوسرا شربت خدا کی محبت دل میں بھرنے کا۔ جس کا نام قرآن شریف نے شربت زنجبیلی رکھا ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں نے اس راہ کو اختیار نہ کیا۔ آریہ صاحبان تو اس طرف جھک گئے ہیں کہ گناہ بہرحالت خواہ توبہ ہو یا نہ ہو قابل سزا ہے۔ جس سے بیشمار جونیں بھگتنی پڑیں گی۔ اور عیسائی صاحبان گناہ سے نجات پانے کی وہ راہ بیان فرماتے ہیں۔ جو ابھی میں ذکر کرچکا ہوں۔ دونوں فریق اصل

مطلب سے دور پڑ گئے ہیں۔ اور جس دروازہ سے داخل ہونا تھا۔ اس کو چھوڑ کر دور دور جنگلوں میں سرگردان ہیں۔

یہ تو میں نے آریہ صاحبوں کی خدمت میں گذارش کی ہے۔ اور مسیحی صاحبان جو بڑی کوشش سے اپنے مذہب کی دنیا میں اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کی حالت آریہ صاحبوں سے زیادہ قابل افسوس ہے۔ آریہ صاحبان تو اس زمانہ میں یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ کسی طرح اپنے پرانے مذہب مخلوق پرستی سے نکلیں۔ اور عیسائی صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ مخلوق پرستی میں نہ صرف آپ بلکہ تمام دنیا کو داخل کر دیں۔ محض زبردستی اور تحکم کے طور پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے۔ ان میں کوئی بھی ایک ایسی خاص طاقت ثابت نہیں ہوئی جو دوسرے نبیوں میں پائی نہ جائے۔ بلکہ بعض دوسرے نبی معجزہ نمائی میں اُن سے بڑھ کر تھے۔ اور ان کی کمزوریاں گواہی دے رہی ہیں۔ کہ وہ محض انسان تھے۔ انہوں نے اپنی نسبت کوئی ایسا دعوے نہیں کیا جس سے وہ خدائی کے مدعی ثابت ہوں اور جس قدر ان کے کلمات ہیں جن سے اُن کی خدائی سمجھی جاتی ہے اُن سے ایسا سمجھنا غلطی ہے۔ اس رنگ کے ہزاروں کلمات اللہ خدا کے نبیوں کے حق میں بطور استعارہ اور مجاز کے ہوتے ہیں اُن سے خدائی نکالنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ بلکہ انہیں کا کام ہے جو خواہ نخواہ انسان کو خدا بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ میری وحی اور الہام میں اُن سے بڑھ کر کلمات ہیں۔ پس اگر ان کلمات سے حضرت مسیح کی خدائی ثابت ہوتی ہے تو پھر مجھے بھی نعوذ باللہ حق حاصل ہے کہ یہی دعوے میں بھی کروں سو یاد رکھو کہ خدائی کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعوے نہیں کیا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے وہ الفاظ شفاعت کی حد سے بڑھتے نہیں۔ سو نبیوں کی شفاعت سے کس کو انکار ہے۔ حضرت موسےٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ بنی اسرائیل بھڑکتے ہوئے عذاب سے نجات پا گئے۔ اور میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ اور میری جماعت کے اکثر معزز خوب جانتے ہیں کہ میری شفاعت سے بعض مصائب اور امراض کے مبتلا اپنے دکھوں سے رہائی پا گئے۔ اور یہ خبریں اُن کو پہلے سے دی گئی تھیں اور مسیح کا اپنی امت کی نجات کے لئے مصلوب ہونا۔ اور امت کا گناہ ان پر ڈالے جانا۔ ایک ایسا محض عقیدہ

ہے۔ جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے۔ خدا کی صفات عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے۔ کہ گناہ کوئی کرے۔ اور سزا کسی دوسرے کو دیجائے۔ غرض یہ عقیدہ غلطیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خدائے واحد لاشریک کو چھوڑنا۔ اور مُردہ کی پرستش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ اور تین مستقل اور کامل اقنوم قرار دینا۔ جو سب جلال اور قوت میں برابر ہیں اور پھر ان تینوں کی ترکیب سے ایک کامل خدا بنانا۔ یہ ایک ایسی منطق ہے جو دنیا میں مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ پھر جائے افسوس تو یہ ہے کہ جس غرض کے لئے یہ نیا منصوبہ بنایا گیا تھا یعنی گناہ سے نجات پانا۔ اور دنیا کی گندی زندگی سے رہائی حاصل کرنا۔ وہ غرض بھی تو حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ کفارہ سے پہلے جیسے حواریوں کی صاف حالت تھی۔ اور وہ دنیا اور دنیا کے درم و دینار سے کچھ غرض نہ رکھتے تھے۔ اور دنیا کے گندوں میں پھنسے ہوئے نہ تھے۔ اور ان کی کوشش دنیا کی کمانے کے لئے نہیں تھی۔ اس قسم کے دل بعد کے لوگوں کے کفارہ کے بعد کہاں رہے۔ خاص کر اس زمانہ میں جس قدر کفارہ اور خون مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔ اسی قدر عیسائیوں میں دنیا کی گرفتاری بڑھتی جاتی ہے اور اکثر ان کے ایک مخمور کی طرح سراسر دن رات دنیا کے شغل میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس جگہ دوسرے گناہوں کا ذکر کرنا۔ جو یورپ میں پھیل رہے ہیں۔ خاص کر شراب خوری اور بدکاری اس ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔

اب میں عام سامعین کی خدمت میں اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ بیان کر کے اس تقریر کو ختم کروں گا۔ اے معزز سامعین! خدا تعالیٰ حق کے قبول کرنے کے لئے آپ صاحبوں کے سینوں کو کھولے اور آپ کو حق فہمی کا الہام کرے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ ہر ایک نبی اور رسول اور خدا تعالےٰ کا فرستادہ جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ اگرچہ اس کی اطاعت کرنے کے لئے عقل کی رو سے اس قدر کافی ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے۔ وہ حق حق ہو۔ اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور فریب کی بات نہ ہو۔ کیونکہ عقل سلیم حق کے قبول کرنے کے لئے کسی معجزہ کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ لیکن چونکہ انسانی فطرت میں ایک قوت واہمہ بھی ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ایک امر فی الواقع صحیح اور سچا اور حق ہو پھر بھی انسان کو وہم اٹھتا ہے۔ کہ شاید بیان کرنے والے کی کوئی خاص غرض نہ ہو۔ یا اس نے دھوکہ نہ کھایا ہو۔ یا دھوکہ نہ دیا ہو۔ اور کبھی بوجہ اس کے معمولی انسان ہونے کے

اس کی بات کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اور اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے اور کبھی شہوات نفس امارہ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ گو سمجھ بھی آجاوے کہ جو فرمایا گیا ہے وہ سب سچ ہے۔ تاہم نفس اپنے ناپاک جذبات کا ایسا مغلوب ہوتا ہے کہ وہ اس راہ پر چل ہی نہیں سکتا جس پر واعظ ناصح چلانا چاہتا ہے۔ اور یا فطرتی کمزوری قدم اٹھانے سے روک دیتی ہے۔ پس اس لئے حکمت الٰہی نے تقاضا فرمایا۔ کہ جو لوگ اس کی طرف سے مخصوص ہو کر آتے ہیں۔ اُن کے ساتھ کچھ نصرت الٰہی کے نشان بھی ہوں۔ جو کبھی رحمت کے رنگ میں اور کبھی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ انہیں نشانوں کی وجہ سے خدا کی طرف سے بشیر اور نذیر کہلاتے ہیں۔ مگر رحمت کے نشانوں سے وہ مومن حصہ لیتے ہیں۔ جو خدا کے حکموں کے مقابل پر تکبر نہیں کرتے اور خدا کے فرستادہ لوگوں کو تحقیر اور توہین سے نہیں دیکھتے۔ اور اپنی فراست خداداد سے ان کو پہچان لیتے ہیں۔ اور تقویٰ کی راہ کو محکم پکڑ کر بہت ضد نہیں کرتے۔ اور نہ دنیاداری کے تکبر اور جھوٹی وجاہتوں کی وجہ سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ بلکہ جب دیکھتے ہیں کہ سنت انبیاء کے موافق ایک شخص اپنے وقت پر اٹھتا ہے۔ جو خدا کی طرف بلاتا ہے اور اس کی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کی صحت ملنے کے لئے ایک راہ موجود ہے۔ اور اس میں نصرت الٰہی اور تقویٰ اور دیانت کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اور سنن انبیاء علیہم السلام کے پیمانہ کے رو سے اُس کے قول یا فعل پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ تو ایسے انسان کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض سعید ایسے بھی ہیں۔ کہ چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں۔ کہ یہ کذاب اور مکار کا چہرہ نہیں پس ایسے لوگوں کے لئے رحمت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور وہ دمبدم ایک سچا دل کی صحبت سے ایمانی قوت پا کر اور پاک تبدیلیوں کا مشاہدہ کر کے تازہ بتازہ نشانوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمام حقایق اور معارف اور تمام نصرتیں اور تمام تائیدیں اور تمام قسم کے اعلام غیب ان کے حق میں نشان ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ لطافت ذہن کی وجہ سے خدا تعالےٰ کی دقیق در دقیق نصرتوں کو اس فرستادہ کی نسبت محسوس کر کے ایک دربار یک نشانوں پر بھی اطلاع پا لیتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابل پر وہ لوگ بھی ہیں جنکو رحمت کے نشانوں میں سے حصہ لینا نصیب نہیں جیسا کہ نوح کی قوم نے بجز غرق کرنے کے معجزہ کے اور کسی نوع کے معجزہ سے حصہ نہ لیا۔ اور لوط کی قوم نے بجز اس

معجزہ کے جوان کی زمین زیروزبر کی گئی۔ اور ان پر پتھر برسائے گئے اور کسی معجزہ سے فایدہ نہ اٹھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے۔

میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں نوح کی قوم سے ملتی ہیں۔ کئی سال گذرے ہیں کہ میرے لئے آسمان پر دو نشان ظاہر ہوئے تھے کہ جو خاندان نبوت کی روایت سے ایک پیشگوئی تھی اور وہ یہ کہ جب امام آخر الزمان دنیا میں ظاہر ہوگا تو اس کے لئے دو نشان ظاہر ہوں گے۔ جو کبھی کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے یعنی یہ کہ آسمان پر رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ہوگا۔ اور وہ گرہن چاند گرہن کی معمولی راتوں میں سے پہلی رات میں ہوگا۔ اور ان دنوں میں رمضان ہی میں سورج گرہن بھی ہوگا۔ اور وہ گرہن کے معمولی دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور یہ پیش گوئی سنیوں اور شیعوں میں متفق علیہ تھی اور لکھا تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ کبھی ایسا ظہور میں نہیں آیا کہ مدعی امامت موجود ہو۔ اور اس کے عہد میں یہ دونوں واقعہ انہیں تاریخوں میں ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن امام آخر الزمان کے عہد میں ایسا ہی ہوگا۔ اور یہ نشان اسی سے خاص ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی ان کتابوں میں لکھی گئی تھی۔ جو آج سے ہزار برس پہلے دنیا میں شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن جب یہ پیشگوئی میرے دعوے امامت کے وقت میں ظاہر ہوئی۔ تو کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور ایک شخص نے بھی اس عظیم الشان پیشگوئی کو دیکھ کر میری بیعت نہ کی۔ بلکہ گالیاں دینے اور ٹھٹھا کرنے میں اور بھی بڑھ گئے۔ میرا نام دجال اور کافر اور کذاب وغیرہ رکھا۔ یہ اسلئے ہوا کہ یہ پیشگوئی بطور عذاب نہ تھی۔ بلکہ رحمت الٰہی نے قبل از وقت ایک نشان دیا تھا لیکن لوگوں نے اس نشان سے کچھ بھی فایدہ نہ اٹھایا۔ اور کچھ بھی ان کے دلوں کو میری طرف توجہ نہ ہوئی۔ گویا وہ نشان ہی نہیں تھا۔ ایک لغو پیشگوئی تھی۔ جو کی گئی۔ پھر بعد اس کے جب منکروں کی شوخی حد سے بڑھ گئی۔ تو خدا نے ایک عذاب کا نشان زمین پر دکھلایا۔ جیسا کہ ابتدا سے نبیوں کی کتابوں میں لکھا گیا تھا۔ اور وہ عذاب کا نشان طاعون ہے۔ جو چند سال سے اس ملک کو کھا رہی ہے۔ اور کوئی انسانی تدبیر اس کے آگے چل نہیں سکتی۔ اس طاعون کی خبر قرآن شریف میں صریح

لفظوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا۔ یعنی قیامت سے کچھ دن پہلے بہت سخت مری پڑے گی۔ اور اس سے بعض دیہات تو بالکل نابود ہوجاویں گے اور بعض ایک حد تک عذاب اٹھا کر بچ رہیں گے۔ اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب قرب قیامت ہوگا ہم زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے۔ جو لوگوں کو کاٹے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور یہ صریح طور پر طاعون کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کیونکہ طاعون بھی ایک کیڑا ہے۔ اگرچہ پہلے طبیبوں نے اس کیڑے پر اطلاع نہیں پائی۔ لیکن خدا جو عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ طاعون کی جڑھ اصل میں کیڑا ہی ہے جو زمین میں سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کا نام اس نے دابۃ الارض رکھا۔ یعنی زمین کا کیڑا۔ غرض جب نشان عذاب ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں پنجاب میں تلف ہوگئیں۔ اور اس ملک میں ایک ہولناک زلزلہ پڑا۔ تب بعض لوگوں کو ہوش آئی اور چند عرصہ میں دو لاکھ کے قریب لوگوں نے بیعت کرلی اور ابھی زور سے بیعت ہو رہی ہے۔ کیونکہ طاعون نے بھی ابھی اپنا حملہ نہیں چھوڑا اور چونکہ وہ بطور نشان کے ہے۔ اس لئے جب تک اکثر لوگ اپنے اندر کچھ تبدیلی پیدا نہیں کریں گے تب تک امید نہیں کہ یہ مرض اس ملک سے دور ہوسکے۔ غرض یہ سرزمین نوح کے زمانہ کی سرزمین سے بہت مشابہ ہے کہ آسمان کے نشانوں کو دیکھ کر تو کوئی ایمان نہ لایا اور عذاب کے نشان کو دیکھ کر ہزاروں بیعت میں داخل ہوئے۔ اور پہلے نبیوں نے بھی اس نشان کا ذکر کیا ہے۔ انجیل میں بھی مسیح موعود کے وقت میں مری پڑنے کا ذکر ہے۔ اور لڑائیوں کا بھی ذکر ہے۔ جو اب ہو رہی ہیں۔ پس اے مسلمانو توبہ کرو تم دیکھتے ہو کہ ہر سال تمہارے عزیزوں کو یہ طاعون تم سے جدا کر رہی ہے۔ خدا کی طرف جھکو تاکہ وہ بھی تمہاری طرف جھکے اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک طاعون کا دور ہے۔ اور کیا ہونے والا ہے۔

میرے دعوے کی نسبت اگر شبہ ہو اور حق جوئی بھی ہو تو اس شبہ کا دور ہونا بہت سہل ہے کیونکہ ہر ایک نبی کی سچائی تین طریقوں سے پہچانی جاتی ہے **اول** عقل سے یعنے

دیکھنا چاہئے کہ جس وقت وہ نبی یا رسول آیا ہے عقل سلیم گواہی دیتی ہے یا نہیں کہ اُس وقت اُس کے آنے کی ضرورت بھی تھی یا نہیں اور انسانوں کی حالت موجودہ چاہتی تھی یا نہیں کہ ایسے وقت میں کوئی مصلح پیدا ہو؟ دوسرے پہلے نبیوں کی پیش گوئی یعنے دیکھنا چاہئے کہ پہلے کسی نبی نے اس کے حق میں یا اس کے زمانہ میں کسی کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یا نہیں؟ تیسرے نصرت الٰہی اور تائید آسمانی یعنے دیکھنا چاہئے کہ اس کے شامل حال کوئی تائید آسمانی بھی ہے یا نہیں؟۔ یہ تین علامتیں سچے مامور من اللہ کی شناخت کے لئے قدیم سے مقرر ہیں۔ اب اے دوستو خدا نے تم پر رحم کرکے یہ تینوں علامتیں میری تصدیق کے لئے ایک ہی جگہ جمع کردی ہیں۔ اب چاہو تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اگر عقل کی رو سے نظر کرو تو عقل سلیم فریاد کر رہی ہے اور رو رہی ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے۔ اندرونی اور بیرونی حالتیں دونو خوفناک ہیں اور مسلمان گویا ایک گڑھے کے قریب کھڑے ہیں۔ یا ایک تند سیل کی زد پر آپڑے ہیں۔ اگر پہلی پیشگوئیوں کو تلاش کرو تو دانیال نبی نے بھی میری نسبت اور میرے اس زمانہ کی نسبت پیشگوئی کی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ اسی امت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو دیکھ لے اور صدی کے سر پر مجدد آنے کی پیشگوئی بھی پڑھ لے اور اگر میری نسبت نصرت الٰہی کو تلاش کرنا چاہے تو یاد رہے کہ اب تک ہزارہا نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

منجملہ ان کے وہ نشان ہے جو آج سے چوبیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا اور اس وقت لکھا گیا جبکہ ایک فرد بشر بھی مجھ سے تعلق بیعت نہیں رکھتا تھا اور نہ میرے پاس سفر کرکے کوئی آتا تھا۔ اور وہ نشان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق ۔ یعنے وہ وقت آتا ہے کہ مالی تائیدیں ہر ایک طرف سے تجھے پہونچیں گی۔ اور ہزارہا مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اور پھر فرماتا ہے۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس یعنے اس قدر مخلوق آئے گی کہ تو ان کی کثرت سے حیران ہو جائے گا۔ پس چاہئے کہ تو ان سے بداخلاقی نہ کرے۔ اور نہ ان کی ملاقاتوں سے تھکے پس اے عزیزو اگرچہ آپ کو یہ تو خبر نہیں کہ قادیاں میں میرے پاس کس قدر لوگ

آئے اور کیسی وضاحت سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ لیکن اسی شہر میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہوگئی تھی۔ اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اسی شہر میں بیعت کی۔ اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا تھا۔ اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا۔ اور نہ کوئی میرے حال سے واقف تھا۔ پس اب سوچو اور غور کرو کہ میری کتاب براہین احمدیہ میں اس شہرت اور رجوع خلایق سے چوبیس سال پہلے میری نسبت ایسے وقت میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ کہ جبکہ میں لوگوں کی نظر میں کسی حساب میں نہ تھا۔ اگرچہ میں جیساکہ میں نے بیان کیا۔ براہین کی تالیف کے زمانہ کے قریب اسی شہر میں قریباً سات سال رہ چکا ہوں تاہم آپ صاحبوں میں ایسے لوگ کم ہوں گے۔ جو مجھ سے واقفیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ میں اسوقت ایک گمنام آدمی تھا۔ اور احدمن الناس تھا۔ اور میری کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں نہ تھی۔ مگر وہ زمانہ میرے لئے نہایت شیریں تھا۔ کہ انجمن میں خلوت تھی اور کثرت میں وحدت تھی۔ اور شہر میں میں ایسا رہتا تھا۔ جیساکہ ایک شخص جنگل میں۔ مجھے اس زمین سے ایسی ہی محبت ہے۔ جیساکہ قادیاں سے کیونکہ میں اپنے اوایل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گذار چکا ہوں۔ اور اس شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین صاحب جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ وہ کیسا زمانہ تھا۔ اور کیسی گمنامی کے گڑھے میں میرا وجود تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا کہ ایسے گمنام کا آخر کار یہ عروج ہوگا۔ کہ لاکھوں لوگ اس کی تابع اور مرید ہوجاویں گے۔ اور فوج در فوج لوگ بیعت کریں گے۔ اور باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت کے رجوع خلایق میں فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ اس قدر لوگوں کی کثرت ہوگی کہ قریب ہوگا کہ وہ لوگ تھکا ویں۔ کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے اور کیا ایسی پیش گوئی کوئی مکار کرسکتا ہے کہ چوبیس سال پہلے تنہائی اور بیکسی کے زمانہ میں اس عروج اور مرجع خلایق ہونیکی خبر دے؟ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیش گوئی ہے کوئی گمنام کتاب نہیں۔ بلکہ

وہ اس ملک میں مسلمانوں عیسائیوں اور آریہ صاحبوں کے پاس بھی موجود ہے۔ اور گورنمنٹ میں بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اس عظیم الشان نشان میں شک کرے تو اس کو دنیا میں اس کی نظیر دکھلانا چاہیے۔

اس کے سوا اور بہت سے نشان ہیں جن سے اس ملک کو اطلاع ہے۔ بعض نادان جن کو حق کا قبول کرنا منظور ہی نہیں وہ ثابت شدہ نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتے اور بیہودہ نکتہ چینیوں سے گریز کی راہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اور ایک دو پیش گوئیوں پر اعتراض کر کے باقی ہزارہا پیش گوئیوں اور کھلے کھلے نشانوں پر خاک ڈالتے ہیں۔ افسوس کہ وہ جھوٹ بولتے وقت ایک ذرہ خدا تعالےٰ سے نہیں ڈرتے اور افترا کے وقت آخرت کے مواخذہ کو یاد نہیں کرتے۔ مجھے ضرورت نہیں کہ ان کے افتراؤں کی تفصیل بیان کر کے سامعین کو ان کے سب حالات سناؤں۔ اگر ان میں تقوےٰ ہوتا۔ اگر ان کو ایک ذرہ خدا تعالےٰ کا خوف ہوتا۔ تو خدا کے نشانوں کی تکذیب میں جلدی نہ کرتے۔ اور اگر بفرض محال کوئی نشان ان کو سمجھ میں نہ آتا تو انسانیت اور نرمی سے اس کی حقیقت مجھ سے پوچھ لیتے۔ ایک بڑا اعتراض ان کا یہ ہے کہ آتھم میعاد کے اندر نہیں مرا۔ اور احمد بیگ اگرچہ پیش گوئی کے مطابق مر گیا مگر داماد اس کا جو اسی پیشگوئی میں داخل تھا۔ نہ مرا۔ یہ ان لوگوں کا تقوےٰ ہے۔ کہ ہزارہا ثابت شدہ نشانوں کا تو ذکر تک منہ پر نہیں لاتے۔ اور ایک دو پیش گوئیاں جو ان کی سمجھ میں نہ آئیں۔ بار بار ان کو ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک مجمع میں شور ڈالتے ہیں۔ اگر خدا کا خوف ہوتا۔ تو ثابت شدہ نشانوں اور پیش گوئیوں سے فائدہ اٹھاتے۔ یہ طریق راستباز انسانوں کا نہیں ہے کہ کھلے کھلے معجزات سے منہ پھیریں۔ اور اگر کوئی دقیق امر ہو۔ تو اس پر اعتراض کر دیں۔ اس طرح پر تو تمام انبیاء پر اعتراضات کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور آخر اس طبیعت کے لوگوں کو سب سے دست بردار ہونا پڑیگا مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے میں کیا کلام ہے۔ مگر ایک شریر مخالف کہہ سکتا ہے کہ ان کی بعض پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔ جیسا کہ اب تک یہودی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کی کوئی بھی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا تھا۔ کہ میرے بارہ حواری بارہ تختوں پر بہشت میں بیٹھیں گے۔ مگر وہ بارہ کے گیارہ رہ گئے

اور ایک مرتد ہوگیا۔ اور ایسا ہی اس نے کہا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ نہیں مریں گے۔ جب تک کہ میں واپس آجاؤں۔ حالانکہ وہ زمانہ گیا اٹھارہ صدیوں کے لوگ قبروں میں جا پڑے اور وہ اب تک نہیں آیا۔ اور اسی زمانہ میں اس کی پیش گوئی جھوٹی نکلی۔ اور اس نے کہا تھا کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں۔ مگر کوئی بادشاہت اس کو نہ ملی۔ ایسے ہی اور بہت اعتراض ہیں۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بعض ناپاک طبع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعض پیش گوئیوں پر اعتراض کرکے کل پیش گوئیوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض حدیبیہ کے قصہ کو پیش کرتے ہیں۔ اب اگر ایسے اعتراض تسلیم کے لایق ہیں۔ تو مجھے ان لوگوں پر کیا افسوس۔ مگر یہ خوف ہے کہ اس طریق کو اختیار کرکے کہیں اسلام کو ہی الوداع نہ کہدیں۔

تمام نبیوں کی پیش گوئیوں میں ایسا ہی میری پیش گوئیوں میں بعض اجتہادی دخل بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ کے سفر میں بھی اجتہادی دخل تھا۔ تب ہی تو آپ نے سفر کیا تھا۔ مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ نبی کی شان اور جلالت اور عزت میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا۔ کہ کبھی اس کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو۔ اگر کہو کہ اس سے امان اٹھ جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت کا پہلو اس امان کو محفوظ رکھتا ہے۔ کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے۔ اور معہذا الک مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ پس اگر مجمل وحی میں اجتہاد کے رنگ میں کوئی غلطی بھی ہوجائے۔ تو بینات محکمات کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہونچتا۔ پس میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو اور اس کے سمجھنے میں اجتہادی رنگ کی غلطی ہو۔ اس بات میں تمام انبیا شریک ہیں۔ لعنت اللہ علے الکاذبین۔ اور ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں خدا پر فرض نہیں ہے کہ ان کو ظہور میں لاوے۔ یونس کی پیشگوئی اس پر شاہد ہے۔ اس پر تمام انبیا کا اتفاق ہے۔ کہ خدا کے ارادے جو وعید کے رنگ میں ہوں۔ صدقہ اور دعا سے ٹل سکتے ہیں۔ پس اگر وعید کی پیش گوئی ٹل نہیں سکتی۔ تو صدقہ اور دعا لاحاصل ہے۔

اب ہم اس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا شکر کرتے ہیں جس نے باوجود علالت اور ضعف جسمانی کے اس کے لکھنے کی ہمیں توفیق دی۔ اور ہم جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ اس تقریر کو بہتوں کے لئے موجب ہدایت کرے اور جیساکہ اس مجمع میں ظاہری اجتماع نظر آرہا ہے۔ ایسا ہی تمام دلوں میں ہدایت کے سلسلہ میں باہم ربط اور محبت پیدا کردے اور ہر ایک طرف ہدایت کی ہوا چلاوے بغیر آسمانی روشنی کے آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ سو خدا آسمان سے روحانی روشنی کو نازل کرے۔ تاکہ آنکھیں دیکھ سکیں۔ اور غیب سے ہوا پیدا کردے۔ تاکہ کان سنیں۔ کون ہے جو ہماری طرف آسکتا ہے۔ مگر وہی جس کو خدا ہماری طرف کھینچے وہ بہتوں کو کھینچ رہا ہے۔ اور کھینچے گا۔ اور کئی قفل توڑے گا۔ ہمارے دعوےٰ کی جڑھ حضرت عیسےٰ کی وفات ہے۔ اس جڑھ کو خدا اپنے ہاتھ سے پانی دیتا ہے اور رسول اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا نے قول سے اور اس کے رسول نے فعل سے یعنے اپنی چشم دید اور رویت سے گواہی دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہوگئے اور آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو فوت شدہ ارواح میں دیکھ لیا ہے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی لوگ ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کو ایسی خصوصیت دیتے ہیں۔ جو کسی نبی کو خصوصیت نہیں دی گئی۔ یہ امور ہیں جن سے حضرت مسیح کی الوہیت کو عیسائیوں کے زعم میں قوت پہونچتی ہے۔ اور بہت سے کچے آدمی ایسے عقاید سے ٹھوکر کھاتے ہیں ہم گواہ ہیں کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہوگئے اب ان کے زندہ کرنے میں دین کی ہلاکت ہے اور اس خیال میں لگنا خواہ مخواہ کی خاک بیزی ہے۔ اسلام میں اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے جیساکہ آیت ماحمد الارسول قد خلت من قبلہ الرسل سے ثابت ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے جو اس اجماع کے موجب ہوئے اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔

اخیر پر ہم اس گورنمنٹ انگریزی کا سچے دل سے شکر کرتے ہیں۔ جس نے اپنی کشادہ دلی سے ہمیں مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے۔ یہ آزادی جس کی وجہ سے ہم نہایت ضروری دینی علوم کو لوگوں تک پہونچاتے ہیں۔ یہ ایسی نعمت نہیں ہے جس کی وجہ سے معمولی طور پر ہم اس گورنمنٹ کا شکر کریں۔ بلکہ تہ دل سے شکر کرنا

چاہیئے۔ اگر یہ گورنمنٹ عالیہ ہمیں کئی لاکھ کی جاگیر دیتی۔ مگر یہ آزادی نہ دیتی۔ تو ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وہ جاگیر اس کے برابر نہ تھی۔ کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے۔ مگر یہ وہ مال ہے جس کو فنا نہیں۔ ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کے سچے دل سے شکر گذار رہیں۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ نیک انسان وہی ہے کہ جیسے خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہے۔ اس انسان کا بھی شکر کرے۔ جس کے ذریعہ اس منعم حقیقی کی کوئی نعمت اس کو پہونچی ہے۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدےٰ +

الراقم میرزا غلام احمدؐ قادیانی

یکم نومبر ۱۹۰۴ء روز شنبہ

سیالکوٹ

حکم است ز آسماں بزمیں مے رسانمش
گر بشنوم نگویمش آنرا کجا برم

مامورم و مرا چہ دریں کار اختیار
رو ایں سخن بگو بخداوند آمرم

اے حسرت ایں گروہ عزیزاں مراندید
وقتے بہ بینندم کہ ازیں خاک بگذرم

ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
یارب نجات بخش ازیں روز پر شرم

بعد از رہم ہر آنچہ پسندند ہیچ نیست
بدقسمت آنکہ در نظرش ہیچ محترم

بعد از خدا بہ عشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز
ویں طرفہ تر کہ من نگہبان تو کافرم

یارب آب چشم من ایں نسل شاں بشو
کامروز تر شدست ازیں درد بسترم

جانم فدا شود برہ دین مصطفےٰؐ
این است کام دل اگر آید میسرم

کیا ہم ایمان رکھتے ہیں؟

انگلستان میں آجکل ایک نہایت دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ آیا ہم لوگ واقعی ایمان رکھتے ہیں۔ یا ہمارا دعوئے ایمان صرف ایک مونہہ کی بات ہے۔ یہ سوال معلوم ہوتا ہے بہت سے دلوں میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن عام طور پر اس کو پوچھنے یا اس کا صحیح اور صاف صاف جواب دینے کی جرات کسی کو نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک نامہ نگار نے یہ سوال چھیڑ دیا اور اس کے جواب میں ہر طرف سے چٹھیاں آنی شروع ہوئیں۔ جو اخبار مذکور میں چھپتی رہیں۔ اور اس سوال کے ہر پہلو پر مبسوط بحث ہوئی ہے۔ جس میں سب سے پہلے نامہ نگار کے خیالات کی تائید اور تردید میں بکثرت مضامین چھپے ہیں۔ اس جگہ ہم اس کل بحث میں سے ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف سے دو چٹھیاں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اس سوال کے نفی اور اثبات میں کیسے کیسے دلائل دیئے گئے ہیں۔ پہلی چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"جناب من ہم ایمان لاتے ہیں اگرچہ ان دنوں میں جب دنیا میں مختلف عقاید اور بہت سارے غلط عقیدے پھیلے ہوئے ہیں۔ ایماندار لوگ جیسا کہ نجات دہندہ نے کہا تھا۔ ایک بہت چھوٹا گلہ ہیں۔ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہر خداوند کے دن ہم عبادت میں سجدہ ریز ہو کر اس کی پرستش کرتے ہیں اور صرف اسکی حمد ہی نہیں کرتے جو ہماری نئی قوم کا سرا ہے یعنی انسان یسوع مسیح بلکہ اس بڑی بھاری جماعت کیلئے دعا بھی کرتے ہیں جنکی اس برتر ہستی سے دوری اور علیحدگی کی زندگیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ایسے آدمی جو شراب خانوں کو عبادت خانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ عورتیں جو کہ کام میں اسقدر مشغول ہوتی ہیں کہ وہ اسی چیز کو بھول جاتی ہیں۔ جو سب سے زیادہ ضروری ہے دشمن جو کہ ارتداد اور کفر کو ایمان پر اور تفرقہ کو وحدت پر ترجیح دیتے ہیں وہ جنکی روح اعلےٰ زندگی سے لاپرواہ ہے جو اس سفلی زندگی پر جو خاک سے بنی ہوئی ہے حد سے زیادہ گرے ہوئے ہیں اور آخر اسی خاک میں واپس ہو جاتے ہیں۔ جناب من میں کہتا ہوں کہ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہم منتظر ہیں کہ آسمانی کشش سے ایسی روحیں ہماری طرف آخرکار آ جائیں گی۔ جو کہ بحث مباحثہ سے جیتی نہیں جا سکتیں اور اگرچہ وہ خداوند کے حضور سے یونس کی طرح بھاگ گئی ہیں تاکہ وہ اپنے خواہشات کے راہوں میں چلیں اور اپنی چڑچڑی طبیعتوں

کے مطابق کام کریں۔ تاہم وہ واپس لائی جائینگی۔ جناب من ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ جوں جوں ہم مجاہدہ اور کوشش کرتے ہیں۔ نہ صرف ہمارے باپ دادوں کا ایمان۔ ایمان اور دعا۔ ہمارے ملک کو مسیح کی طرف واپس لاوینگے بلکہ وہ خوشی کی جھلکیں جو ایسا کرنے میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ داؤد کے اس قول کی تائید کرتی ہیں۔ کہ ہم اپنے خداوند کی موجودگی کو راستبازی میں دیکھتے ہیں۔ اور کہ جب ہم اُس کی شکل وصورت میں جاگ اُٹھینگے تو ہم کو پھر ایمان کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھینگے۔ اور اسطرح تسلی پائینگے۔ مَیں ہوں آپ کا تابعدار شمالی پہاڑیوں میں ایک پادری" ۔

ایک اور چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

جناب من۔ میں آپ کی اجازت سے یہ سوال اُٹھانا چاہتا ہوں۔ کہ آیا ایمان اور عقائد کے زوال کے ساتھ کوئی ایسی علامات بھی ظاہر ہوئی ہیں جن سے معلوم ہو کہ سخاوت اور عام انسانی ہمدردی اور وسعت خیالات کے معاملہ میں ہم نے تنزل کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور کہ آیا جس قدر آبادی میں ترقی ہوئی ہے اُس سے نسبتًا جرائم کی ترقی زیادہ ہوئی ہے یا نہیں۔ اس امر کا کہ اس زمانہ میں کفر کی ایک رو ساری دنیا پر پھر گئی ہے خصوصًا عیسائی عقاید کے انکار کی رو۔ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا جب تک کہ ہٹ سے اپنی آنکھیں بند نہ کرلے۔ اس کے نشان ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اخبارات اور رسالوں میں اور بڑی بڑی مشہور تصنیفوں میں جنمیں سے بعض کسی دن زمانہ کی یادگار سمجھی جائینگی۔ جیساکہ رینن کی سوانح یسوع مسیح۔ دوسری طرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا جرائم بڑھ گئے ہیں۔ اور عملی نیکیاں جیسے سخاوت اور انسان کی ترقی کے لئے ایک عام کوشش کیا ان میں کوئی کمی ظاہر ہوئی ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا نقشہ موجود نہیں جس سے کوئی نتیجہ نکال سکوں۔ البتہ میں اپنے پچاس برس کے ذاتی تجربہ اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ دُنیا کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ایسا مقابلہ کرنا اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔ لیکن اس قدر شہادت تو صاف ملتی ہے۔ کہ جیسے جیسے عیسائی مذہبی عقیدہ تنزل اور زوال کی طرف جارہا ہے۔ اُسی قدر دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ ہاں یہ امر فیصلہ شدہ نہیں کہ آیا یہ صرف ایک اتفاقی واقعہ ہے یا اس میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے۔ مثلًا اِس زمانہ کے حالات

کو عیسائیت کے درمیانی زمانہ کے حالات سے مقابلہ کرو جبکہ مذہب کی حکومت تھی ۔ اور چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل پر جنگ تک نوبت پہنچتی تھی ۔ درحقیقت یہ سوال پوچھا جانے کے قابل ہے ۔ کہ آیا یہ بالکل صاف بات ہے کہ بعض عیسائی عقاید خواہ وہ پرانے ہوں اور خواہ پراٹسٹنٹ کے ہوں اخلاقی ترقی کو تنزل کی طرف لانے والے نہیں ؟ اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو جھوٹی تسلی جو آپ کے بعض نامہ نگاروں نے دی ہے خصوصاً آپ کے دوشنبہ کے پرچہ میں ایک نامہ نگار نے یا وہ تقریریں جو ممبروں پر چڑھ کر کی جاتی ہیں میرے غصّہ کو بھڑکاتی ہیں ۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ بہت سارے غور کرنیوالے اور سنجیدہ آدمی اسی قسم کے اور بھی ہیں ۔ اور اُن کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے ۔ میرا مطلب آپ کے اُس نامہ نگار سے ہے جس نے ایک ایماندار عیسائی کے اطمینان قلب کے متعلق لکھا تھا کہ اُسکو ایسا یقین ہوتا ہے جیسا یقین ممکن طور پر کسی امر کے متعلق ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ان کوڑوں میں سے جو اُسکے نجات دہندہ کی پیٹھ پر لگے تھے وہ اسکی اپنی بدچلنیوں کی سزا بطور کفارہ تھے کیسا سیاہ جھوٹ ہے ۔ سچ بات یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے عام آدمی جن کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے ۔ اور بلا شک بہت سارے مذہبی سرگروہ ایسی باتوں پر ہرگز ایمان نہیں لاتے ۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسا ایمان ہمارا نہیں ۔ کیونکہ اس جھوٹے اعتقاد کے دور ہونے پر ہماری اخلاقی ترقی منحصر ہے ۔ آپ کا تابعدار ایک طالب حق بلیگیو ۔ ۵ ۔ اکتوبر" +

یہ سوال جو یہاں پوچھا گیا ہے ۔ دو الگ الگ سوالوں پر منقسم ہوتا ہے یعنی اول یہ سوال کہ کس قدر ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایمان کا اقرار کرتے ہوں ۔ اور دوسرا یہ کہ ان لوگوں میں سے جو مُنہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو واقعی ایماندار ہیں ۔ جزو اول تو چند لفظوں میں ہی طے ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ جن لوگوں کا عیسائی عقاید پر ایمان نہیں وہ صاف طور پر اسکو تسلیم کرتے ہیں ۔ باقی رہا یہ کہ انکی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے سو اس سے نہ کوئی انکار ہی کر سکتا ہے ۔ اور نہ کسی ثبوت کی ضرورت ہے بہت سارے نوجوان ایسے پائے جاتے ہیں ۔ خواہ وہ عامی لوگوں میں سے ہوں ۔ اور خواہ مذہبی پیشواؤں میں سے جو اس امر کے منکر ہیں ۔ کہ یسوع مسیح نے صلیب کی لعنتی موت اُن کے گناہوں کی خاطر اُٹھائی ۔ اور وہ ایسی تجویز کو خدا کی طرف سے نجات کی تجویز ہرگز نہیں سمجھتے ۔ اور نہ ہی یسوع کے جی اُٹھنے یا آسمان پر چڑھ جانے پر ایمان لاتے

ہیں۔ باقی رہی دوسری جماعت جسمیں وہ لوگ شامل ہیں جو منہ سے ایماندار ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ سو اُن کے متعلق سب سے زیادہ ضروری سوال حل کرنے کے قابل یہ ہے۔ کہ آیا جن باتوں پر ایمان لانیکا اقرار وہ مُنہ سے کرتے ہیں واقعی بھی اُن کو مانتے ہیں کہ نہیں۔ یہ اس زمانے میں ایک نہایت ضروری سوال ہے۔ اور اس سوال کا سچا جواب صرف عیسائیوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر ایک اہل مذہب کے متعلق اس سوال کا وہی جواب ہوگا + اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک سچے مذہب کی غرض اسکی پیدائش کے وقت یہ نہ تھی کہ وہ عقاید کا ایک مجموعہ تیار کرے۔ بلکہ بڑی غرض اسکی یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق انسانوں کے دلوں میں یقین کامل پیدا کرے اور اُن کو گناہوں کی زندگی سے چھڑائے اور اعلےٰ درجہ کے اخلاق سکھا کر انسان میں اور اللہ تعالےٰ میں سچا تعلق پیدا کرے اور عقاید اس غرض کے حصول کا ذریعہ تھے۔ اگر ہم بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں اور ان کے سب سے پہلے پیرووں کی زندگیوں پر غور کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ اُن کی زندگیاں اُن کے ایمان کا ہی نقشہ تھیں اگر یہی سوال اُن کے متعلق پوچھا جائے جو آج دنیا میں پوچھا جا رہا ہے۔ تو ہمیں اس کا جواب دینے میں کوئی تامل کرنا ہی نہیں پڑتا کیونکہ اُن کا ایمان اُن کے اعمال سے ظاہر تھا۔ ان کا ایمان خالی منہ سے اقرار کا نام نہ تھا۔ بلکہ دل میں رچا ہوا تھا اور اس لئے اُن کے اعمال میں صاف طور پر پایا جاتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان یقین کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ مگر اس زمانے میں ایمان اسی کا نام رکھا جاتا ہے جو منہ سے کوئی بات کہدے۔ خواہ عمل میں دکھائے یا نہ دکھائے۔ عیسائیت کے اس عقیدہ کو کہ مسیح کی موت دنیا کے گناہوں کو اٹھا لے گئی جو ایک نہایت ہی بے معنی اور مہمل بات ہے بالفعل الگ چھوڑ کر اہم اور ضروری سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانے کی کوئی غرض بھی ہے۔ کیا ایمان صرف اسی حد تک محدود ہے کہ ایک شخص منہ سے کسی بات کا اقرار کرے یا اس کا اثر اس کی زندگی پر بھی ہونا چاہئے۔ اگر یہ خالی منہ کی بات ہی ہے تو پھر ایسے ایمان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور ایسے خشک ایمان سے حاصل ہی کیا ہے جو انسان کی عملی حالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا ہمارے خیال میں کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو ایمان کو ایک ایسی نکمی اور فضول چیز قرار نہ دیگا۔ اس لئے ضرور ہے کہ کوئی اہم غرض ایسی ہے جس کا حصول خدا پر ایمان لانے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ پہلا سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کا مفہوم کیا ہے خدا پر ایمان لانا اس امر کے ماننے کا نام ہے کہ ایک اعلےٰ ہستی ہے جس نے دنیا کو پیدا

کیا اور جسکے سبب سے یہ دنیا قائم ہے۔ اور اسی اعلےٰ ہستی کے ارادے اور منشاء کے مطابق اس دنیا کے کاروبار کا کل سلسلہ چل رہا ہے۔ انسان خدا پر ایمان لاکر دل سے اسبات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسکا ایک ایسا مالک اور آقا ہے جس کا علم اور جسکی طاقت اس عالم کے ایک ایک ذرہ پر محیط ہے جسکی آنکھ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اور جسکی حکومت سے کوئی باہر نہیں۔ پھر ایمان لاکر انسان اس امر کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ خدا کامل اور بے عیب اور تمام نقصوں سے بری ہے۔ وہ پاک ہے۔ اور پاکیزگی سے محبت کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے پس خدا پر ایمان لاکر انسان ان سب باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ اور اسی لئے ایک سچے ایماندار کا مقصد یہ ہونا چاہئیے کہ پاکیزگی کے حاصل کرنے اور بدی سے دور رہنے کیلئے ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ خدا کے حضور عاجزی اور فروتنی اختیار کرے۔ انسانی کمزوریوں کے دور ہونے کیلئے اس سے مدد مانگے۔ اور یہ بات اسکے دل میں رچ جائے کہ خدا تعالےٰ اسکے دل کے بھیدوں اور اسکے مخفی در مخفی ارادوں سے آگاہ ہے۔ اور وہ نیک کاموں کا نیک بدلہ اور بُرے کاموں کی سزا دینے والا ہے پس دوسرا سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص جو ایمان کا دعوے کرتا ہے وہ درحقیقت خدا پر ایمان بھی رکھتا ہے۔ انسان کا ایمان اور اسکی عملی زندگی دو مختلف راہ اختیار نہیں کر سکتی کیونکہ جب ایمان دل سے ایک بات کو یقینی اور قطعی طور پر سچا مان لینے کا نام ہے۔ تو اس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر ایسا ہی ہونا چاہئیے جیسا کہ صحیح قطعی اور یقینی علم کا۔ اب دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے متعلق انسان کا عمل اسکے علم کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو علم ہے۔ کہ آگ جلا دینے والی چیز ہے۔ وہ جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ کبھی نہیں ڈالیگا۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکا ہاتھ جل جائیگا۔ اور وہ ایسا فعل نہیں کریگا کیونکہ اس میں اسکی ہلاکت ہے ایسا ہی جس شخص کو علم ہے۔ کہ ایک کوٹھے کی چھت گر رہی ہے۔ وہ اسکے نیچے کبھی نہیں جائیگا۔ خواہ اس کا قیمتی اسباب بھی اسکے نیچے ضائع ہو رہا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے اسکی جان جائیگی۔ اب جائے غور ہے۔ کہ دنیوی امور میں ہمارا عمل کیسا ہمارے علم سے مطابق ہے۔ پس جیسا ہم کو یہ علم ہے۔ کہ آگ جلاتی ہے۔ اور پانی میں انسان ڈوب جاتا ہے۔ اگر ایسے ہی یقین کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہوں۔ کہ خدا ہے اور اسے ہمارے ہر ایک فعل کا علم ہے۔ اور وہ بدی کو بُرا جانتا اور اسکی سزا دیتا ہے۔ اور نیکی سے پیار کرتا اور اسکا نیک بدلہ دیتا ہے۔ اور اسکے غضب کی آگ اس شخص کو کھا جانیکو تیار ہے جو اسکی مرضی کے خلاف چلتا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ

ہم اُس کی مرضی کے خلاف چلیں یا کوئی ایسا فعل کریں جس میں اُسکی ناراضگی ہو پھر تو ہمیں گناہ سے ایسا ہی بچنا چاہئے جیسا ہم آگ سے بچتے ہیں یا اپنی ہلاکت کی راہوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں ایسا ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں۔ کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف چلتا ہے۔ اور ایسے افعال کرتا ہے جو خدا کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ اُسکو خدا پر یقینی ایمان ہرگز حاصل نہیں شاید یہ کہا جائیگا کہ اگر ہم مدعیان ایمان میں سے اس بڑے حصہ کو خارج بھی کر دیں جن کا ایمان محض باتوں تک ہی محدود ہوتا ہے تاہم ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ خواہ انکی تعداد تھوڑی ہی ہو جو سچے دل سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر قادر نہیں۔ کہ گناہ سے ایسے بچ سکیں جیسے آگ سے بچتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جس فعل کا نتیجہ یقینی سزا یا ہلاکت ہو اُس فعل کو انسان کبھی بھی اختیار نہیں کرتا۔ دنیاوی حکومتوں کے ماتحت جو جرائم ہوتے ہیں اُن کا رنگ الگ ہوتا ہے۔ کیونکہ مثلاً جب چور چوری کرتا ہے۔ تو اُس کو غالب یقین یہی ہوتا ہے کہ وہ پکڑا نہیں جائیگا پس سزا بھی یقینی نہیں ہوتی۔ اگر اُسے علم ہو کہ صاحب خانہ جاگ رہا ہے۔ تو ممکن نہیں کہ وہ نقب لگانے کی جُرات کر سکے۔ لیکن جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ شاید میری یہ بدی خدا سے چھپی ہی رہے۔ وہ یقینی طور پر جانتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ کریگا ضرور ضرور اگر وہ بُرا کام ہے تو اُسکی سزا بھی بھگتیگا۔ ایسے یقین کے ساتھ وہ کبھی خدا کے منشاء کے خلاف نہیں چل سکتا۔ اور اگر کوئی شخص خدا کے منشاء کے خلاف چلتا ہے تو ضرور ہے کہ اُسکو ایسا یقین حاصل نہیں۔ یہ دونوں امور لازم ملزوم ہیں۔ جو ایمان وہ ظاہر کرتا ہے ضرور ہے کہ اسکے نیچے یہ چھپا ہوا خیال موجود ہو کہ باری تعالےٰ کی ہستی پر کوئی قطعی اور یقینی ثبوت نہیں اور نہ ہی نیک و بد کی جزا و سزا پر کوئی ایسی قاطع دلیل موجود ہے جو کسیطرح گناہ کا مرتکب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا فعل خدا کے علم میں نہیں آئیگا یا اُسکی طاقت مجھے پکڑ نہ سکیگی پس اگرچہ وہ اپنے دل کو یہ تسلی دے کہ اُسے خدا پر ایمان ہے۔ لیکن یہ جھوٹی تسلی ہوگی۔ اور اگر اُس کے دل کی تہ کے مخفی در مخفی خیالات کو الگ الگ کر کے ذہنی میں رکھنا ممکن ہو تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس وقت جب اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا ضرور اسکے دل میں یہ چھپا ہوا خیال موجود تھا کہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا کوئی یقینی امور نہیں ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس خیال کو معلوم نہ کر سکے اور اسی دھوکہ میں پڑا ہے کہ وہ واقعی اور سچا مومن ہے۔ اور خدا کی ہستی پر یقینی ایمان رکھتا ہے +

پس معلوم ہوا کہ خدا پر ایمان لانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ انسان گناہ سے بچ سکے اس طرح پر اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں بہت ہی کم ایسے

لوگ ہونگے جو اس کا جواب اثبات میں دے سکیں۔ ہر ایک انسان بجائے خود سوچ سکتا ہے کہ اگر اس سے یہ سوال پوچھا جائے تو وہ اس کا کیا جواب دیگا۔ اگر وہ جانتا ہے کہ تنہائی کے گوشہ میں جب وہ تمام دنیا کی نظروں سے چھپا ہوا ہو اور بڑے جوشوں کے وقت میں بھی وہ اپنے آپکو خدا تعالےٰ کے حضور میں ہی دیکھتا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا ایمان اللہ تعالےٰ پر ویسا ہی پکا اور یقینی ہے جیساکہ وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی وقت اور کوئی سے حالات کے ماتحت جذبات نفس کا تابع اپنے آپ کو پاتا ہے یا بدخواہشوں کو روک نہیں سکتا تو اُسے یقینی طور پر یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا ایمان بالکل ناقص اور شکوک میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کیسا ہی پکا ایماندار سمجھتا ہو۔ اس لئے اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں باستثناے ان لوگوں کے جنہوں نے خدا کی ہستی کو یقینی اور قطعی طور پر دیکھ لیا ہے یہی ہوگا۔ کہ ہم اپنی زبانوں سے ایمان لاتے ہیں لیکن دلوں سے نہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے خدا کی ہستی کا اس طور پر مشاہدہ کرلیا ہے۔ سو وہ ہم نیچے ظاہر کرتے ہیں +

اگر یہ سوال اُٹھایا جاوے کہ آیا انسان کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ وہ ایسا یقینی اور قطعی ایمان حاصل کرسکے جو اُس کو گناہوں سے روک سکے تو اُس کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ بیشک یہ ممکن ہے کیونکہ یہ تو کسی صورت میں مانا نہیں جاسکتا کہ خدائے تعالےٰ کی یہ منشاء ہے کہ انسان اس کی ہستی کا قطعی اور یقینی طور پر کبھی پتہ لگا ہی نہ سکے البتہ ضروری سوال یہ ہے کہ ایسا ایمان کیونکر حاصل ہوسکتا ہے سو اس کا جواب بھی آسان ہے کہ اس کی حاصل کرنے کی وہی راہیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہیں۔ حضرت مسیح کے وقت کے یہودی اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت میں یہودی اور عیسائی بھی تو اپنے آپ کو ایماندار ہی ظاہر کرتے تھے جیساکہ آج کل لوگ اس بات کا کہدینا نہایت آسان سمجھتے ہیں کہ ہاں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کا ایمان اس زمانہ کی طرح مردہ ایمان ہوچکا تھا۔ اور اسی واسطے وہ طرح طرح کے فسق وفجور میں باوجود دعوے ایمان کے مبتلا تھے۔ جس فسق وفجور سے انبیاء نے اُنہیں باہر نکالا۔ جو راہ انبیاء نے اختیار کی تھی وہ یہی تھی کہ آسمانی نشانوں کے ذریعے سے خدائے تعالےٰ کی ہستی کا یقینی پتہ لوگوں کو دیں اور وہ خدا کی طرف سے ایسے نشان دکھاتے تھے جن سے ایک برتر اور مقتدر ہستی کا وجود روز روشن سے بھی زیادہ چمک اُٹھتا تھا۔ پس جب خدا پر ان لوگوں کو یقینی ایمان نصیب ہوگیا تو اُنہوں نے بھی ہر ایک قسم کی بدی چھوڑکر پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کیا۔ لیکن مرور زمانہ سے ہر ایک نبی کے

بعد پھر ایک ایسا وقت آجاتا تھا۔ کہ وہ نشانات صرف بطور قصہ کہانی کے رہ جاتے اور اس وئے اصل غرض کو بھی پورا نہ کر سکتے تھے۔ اور پھر ایمانی حالتیں تنزل کی طرف رخ کرتیں۔ ایسے وقتوں میں اللہ تعالےٰ اور نبی بھیج کر از سر نو آسمانی نشان دکھاتا رہا اور اس طرح پر دوبارہ ایمان کو دُنیا میں قائم کرتا رہا پس صرف آسمانی نشان جو ایک زندہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ صرف وہی ایک ایسی چیز ہیں جو ایمان کو دلوں کے اندر ایسی مضبوطی سے قائم کر سکتے ہیں جس ایمان کو حاصل کر کے انسان گناہوں سے رُک سکتا ہے اور اخیر پر طالبان حق کو ہم یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ایسا ایک نشان خدا تعالےٰ نے اس زمانے میں بھی مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اُس کا قدیم سے وعدہ تھا۔ ہاں اس کے پیچھے لگ کر جو دنیا میں مسیح موعود ہو کر ظاہر ہوا ہے۔ ہم اس کامل اور یقینی ایمان کو پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ جو ہمارے دلوں کو اللہ تعالےٰ کی ہستی کے یقین کے ساتھ بھر دے اسی کی پیروی سے اس وقت دنیا گناہوں سے نجات پا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے وجود کا پتہ دیتا ہے۔ پس ہمارا اخیری جواب اس سوال کا کہ آیا ہم ایمان رکھتے ہیں یہ ہے کہ ہم اسیوقت ایمان کا دعوےٰ کر سکتے ہیں جبکہ ہم ان آسمانی نشانوں کو دیکھ کر جو اللہ تعالےٰ نے اپنے مامور کی وساطت سے اس زمانہ میں ظاہر فرمائے ہیں۔ خدائے تعالےٰ کی ہستی پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمارا ایمان ہمارے منہ کی ایک بات ہے جو محض لاف ہی لاف ہے اور جس کی اصلیت کچھ نہیں ؞

نوٹ اور رائیں

حضرت مسیح اور کرشن علیہما السلام

اس رسالہ میں کسی اور جگہ ہم ایک لیکچر درج کرتے ہیں جو کچھ دن ہوئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بمقام سیالکوٹ دیا۔ اس لیکچر میں اُنہوں نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ میں نہ صرف مسیح موعود ہی ہوں بلکہ راجہ کرشن جی مہاراج کا بروز یعنے اوتار بھی ہوں۔ شائد ہمارے بعض ناظرین اس دعوے کو دیکھ کر تعجب سے چونک پڑیں۔ لیکن اُنہیں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ جس طرح عیسائی اور مسلمان آخری زمانہ میں مسیح کے نزول کے قائل ہیں اسی طرح ہندو صاحبان بھی آخری زمانہ میں ایک اوتار کے منتظر ہیں جو نازل ہو کر ہندو مذہب کے اُن عیبوں اور غلطیوں کو دور کریگا جو اس میں داخل ہو گئی ہیں اور خوش قسمتی سے جیسے مسلمان اور

عیسائی صاحبوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مسیح موعود جس کی اُن کو انتظار لگی ہوئی ہے اُس کے نزول کا یہی زمانہ ہے ویسے ہی ہندو صاحبان بھی اسی زمانہ کو اپنے موعود اوتار کے نزول اور ظہور کا زمانہ قرار دیتے ہیں حضرت میرزا صاحب کا یہ دعوے کہ میں موعود اوتار حضرت کرشن مہاراج علیہ السلام کے رنگ و روپ میں آیا ہوں اگرچہ واضح الفاظ میں پبلک کے جلسہ میں اب کے ہی پیش کیا گیا ہے لیکن جو لوگ اُن کی تصانیف کو غور اور تعمق کی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اُن پر یہ بات بہت عرصہ سے روشن ہو چکی تھی۔ یہ دعوے حضرت میرزا صاحب نے از خود نہیں کیا بلکہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اس عہدہ پر ممتاز فرما کر اس کے اظہار کا حکم دیا۔ اس کے متعلق اُن کو ابتدائی زمانہ میں ہی الہام ہوا تھا جس کو اُنہوں نے کتاب میں لکھکر شائع بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ الہام یہ ہے "ہے کرشن رُدر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے" یعنے اے کرشن بدیوں کے دور کرنیوالے اور نیکیوں کے قائم کرنے والے تیری تعریف گیتا میں لکھی گئی ہے حضرت کرشن ع کے دو لقب جو اس الہام میں مذکور ہیں ان کا ماحصل ٹھیک وہی ہے جو مسیح موعود کے دو اوصاف نذیر و بشیر میں موجود ہے کیونکہ نذیر سے مراد وہ ہے جو بدکاروں کو ہلاکت اور تباہی سے متنبہ کرے اور بشیر سے مراد وہ ہے جو راستبازوں کو انجام کار کامیابی اور شادمانی کی خوشخبری سنائے۔ بدنصیبی سے مسیح اور کرشن جی کی نسبت ایک ہی طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل رہی ہیں۔ دونوں کو اُن کے ماننے والوں نے خدا سمجھ رکھا ہے اور اُن کے دشمنوں نے دونوں پر ہی سنگین تہمتیں لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اب ان دونوں بزرگوں کی نسبت خدا تعالےٰ نے حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے۔ اور اُن کا بروز ایک ہی شخص مامور کیا ہے جس کو اُن کے روحانی رنگ اور روپ میں نازل کیا ہے۔ جو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ تین عظیم الشان قوموں کی امیدوں کا ایک ہی شخص کے ظہور میں پورا ہونا نہایت مبارک نشان ہے کہ اب دنیا کی یہ تین قومیں یعنے ہندو مسلمان عیسائی باہم ملجاوینگے حقیقت میں یہ اعلان اُس مقرر اور موعود گھڑی کے پہنچ جانیکی خوشخبری دیتا ہے جبکہ باہم جھگڑنے والے فرقے ایک ہی سچے مذہب کو اختیار کرینگے۔ سردست حضرت میرزا صاحب کے اس دعوے کرنے سے کہ وہ نہ صرف مسیح موعود ہی کے رنگ میں آئے ہیں بلکہ حضرت کرشن مہاراج کے بروز بھی ہیں یہ فائدہ اب سے ہی شروع ہو گیا ہے کہ اُن کے لاکھوں مریدوں کے دلوں میں بنی ہند حضرت کرشن علیہ السلام کی عظمت اور عزت اور صداقت بیٹھ گئی ہے۔ اور وہ اپنے ہندو بھائیوں کو پہلے کی نسبت زیادہ محبت اور عزت اور شفقت کی نگہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں قوموں

کے اتفاق کا یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور جب ہندو صاحبان بھی عیسائی صاحبان کی طرح ایک عاجز انسان کو خدا بنانے کے عقیدہ کی غلطی پر مطلع ہو جاوینگے تو وہ اسلام کے دروازے کے بہت قریب آجائینگے اور خدا کی سچی اور کامل توحید کی معرفت حاصل کر لینگے۔ ہم خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ کہ جلد وہ زمانہ آوے کہ جب ہمارے ہندو بھائیوں کے دلوں پر سے پردے اُٹھ جائیں۔ اور اُن کو اپنی مذہبی غلطیوں پر بصیرت اور معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اُن کے سینے اُس سچائی کے قبول کرنے کے لئے کُھل جاویں۔ جو دین اسلام تعلیم کرتا ہے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ اُنہیں دیا گیا تھا وہ خدا کی طرف سے تھا۔ اور اُس کو ہندوستان کے مقدس نبی **میرزا غلام احمد قادیانی** کے وجود میں خدا تعالےٰ نے پورا کر دکھایا ہے۔

عیسائی مذہب اس تعریف کا حقدار نہیں

اخبار بائبل ریکارڈ کی بنا پر اخبار پیٹریٹ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ایک نوٹ چھپا ہے جس کا عنوان "عیسائیت کی حیات بخش طاقت" ہے عیسائی مذہب کی بلند کرنے والی طاقت کے ثبوت میں چند امور کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ کہ ایکدفعہ لارڈ سالسبری نے بیان کیا تھا کہ دُنیا دو برابر حصوں میں منقسم ہے یعنے آدھی دُنیا تو زندہ اقوام کی ہے اور آدھی دُنیا مردہ اقوام کی ہے زندہ اقوام میں صرف وہ لوگ داخل ہیں جو عیسائی مذہب کے معتقد ہیں۔ اور مردہ اقوام میں وہ لوگ شامل ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ عیسائی مذہب کی حیات بخش طاقت کا ایک ثبوت ہے۔ اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر لوکس نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ نہ ہندو مذہب نہ بُدھ مذہب۔ نہ کانفیوشش کے مذہب۔ اور نہ اسلام میں بلکہ صرف عیسائی مذہب میں حریت اور اعلےٰ تمدنی زندگی اور تہذیب اور ترقی کی کوششوں کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ جن کے ذریعہ سے دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ پھر ایک اَور ثبوت اُنہوں نے یہ لکھا ہے کہ ایک صاحب فلپس نامی نے لکھا ہے۔ کہ مڈغاسکر کے لوگوں نے عیسائی پادریوں کی طفیل اس قدر ترقی کی ہے کہ پرانی بُت پرستی کی وحشیانہ حالت کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کی تہذیب اختیار کر لی ہے۔ کیا کوئی ہے جو ایسے ثبوتوں کے موجود ہوتے ہوئے عیسائی کفارہ کی تردید کر سکے؟ ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان ثبوتوں کی ذیل میں کیوں زید بکر عمر اور اسی قسم کے ہزاروں تنخواہ داروں کی اس قسم کی لایعنی رائیں درج نہیں کر لی گئیں۔ اور تعجب کی تو یہ بات ہے کہ

صاحب مضمون کو یہ بات کسی طرح سے معلوم نہیں ہوسکی کہ جس تہذیب کا اب عیسائی یورپ کو فخر ہے وہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرنا ہی بھول گئے ہیں ہیں۔ کہ جن دنوں عیسائی مذہب کا یورپ پر پورا تسلط تھا وہ ایسا زمانہ تھا کہ یہ براعظم جہالت اور وحشت کے گڑھے میں گرا ہؤا تھا۔ گو کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ اتفاقی معاملہ تھا۔ لیکن اُس کا تسلی بخش جواب ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبان اپنے مطلب کی بات یاد رکھتے ہیں۔ اور باقی بھول جاتے ہیں۔ بعض عیسائی بزرگوار جو مسٹر جانسن کے پیش کردہ گواہوں سے کم رتبہ کے عیسائی نہیں ہیں ہمیں یہ بات بتلاتے ہیں کہ مذہبی حیثیت سے اسلام کی حیات بخش طاقت عیسائی مذہب کی نسبت ہزارہا درجہ زیادہ ثابت ہورہی ہے اور لوگوں کو وحشت اور جہالت کے گڑھے سے نکالنے اور اُن کو تہذیب کے معراج پر پہنچانے میں اس نے بڑے حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں جو عیسائی مذہب کو کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ یورپ نے جو ترقی حاصل کی ہے۔ وہ مادہ پرستی کے زمانہ میں حاصل کی ہے۔ اور یہ صریح ظلم ہے کہ مادہ پرستی کے زمانہ کی ترقیات کو عیسائی مذہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور انکی عزت عیسائیت کے سر پر رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ترقیات عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئیں۔ اگر یہ عیسائیت جو یورپ میں رائج ہے اپنے اندر کوئی ذاتی طاقت مردہ قوموں کو زندگی بخشنے کی رکھتی تھی۔ تو اتنی صدیاں پہلے سے جو یہ مذہب موجود تھا تو اُس وقت اسکی ایسی طاقت کہاں چھپی ہوئی تھی؟ اور کیوں اسکی حیات بخش طاقت ہندوستان میں کوئی اثر نہیں دکھاتی۔ جہاں خود عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ عیسائیت کا اثر تنزل اور ہلاکت ہوا ہے۔ یہی ایک بات ہے جس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ یوروپ کی اصلی ترقی صرف اُس وقت سے شروع ہوئی جب عیسائی مذہب کا زوال اور مادہ پرستی کا عروج شروع ہؤا۔ اور اب اس ترقی کے معراج پر عیسائی عقائد کی یہ حالت ہے کہ غیر تو انکو تو کہا جاتا ہے۔ کہ انگلستان وغیرہ عیسائی ملک ہیں۔ لیکن انگریزوں اور عیسائیوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عیسائی مذہب سے منکر ہیں۔ اور اسکے مسائل کو تمسخر میں اڑاتے ہیں +

روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری کے لئے ایک تازہ جوش سے پُر کرے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہوکر رہینگی۔) پوری ہون۔ اور معاونین اپنی اِس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات وثواب دارین کے مستحق بنین۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین ٭

مینیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کرکے ماہوار ارسال فرمایا کرین اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہیئے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام۔۔۔ قادیان ارسال کرنا چاہیئے۔ والسلام۔

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال روان کا زر چندہ قابل وصول ہو وہ جملہ رقوم واجب الوصول جلد تر بنام مینیجر صاحب میگزین بھیج کر بیباقی حساب فرماوین۔ ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاد دہانی بھیجے جا چکے ہین۔ عدم اتفاقی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔

(۲) ہر قسم کی خط کتابت اور ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام مینیجر صاحب میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدسؑ یا کسی دیگر مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح کرنیسے علاوہ طوالت وحرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے اور حضرت اقدسؑ کو بھی اس مین تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی۔ بجز پتہ نمبر خریداری تلاش نام مین بڑی دقت پیش آتی ہے۔

(۴) تاریخ اجرائے یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو وانگریزی (بہ استثنائے انگریزی میگزین نمبر ۱ سال سنہ ۱۹۰۲ء) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین۔ بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا والسلام۔

مینیجر میگزین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹینٹ یا غیر پیٹینٹ کی ضرورت ہو وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہونیکی باعث یا نہین کسی اور شہر سے دوا منگوانی پڑتی ہین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات یا فرانسیس میڈیکل ہال پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان ہمیر متعلق ہے ہمین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے۔ المشتہر خواجہ کمال الدین

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضلدین صاحب مالک مطبع طبع ہوا۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۲

فہرست مضامین

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز مینجر کے اہتمام سے چھپا

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ انگریزی پرچہ للعہ

حضرت اقدس کے مُبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پُرجوش رُوحوں کی احتیاج

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدس نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کر کے پُرزور تاکیدی الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت میں دس ہزار سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس تاکیدی ارشاد میں حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ:۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھ کر تاکیدی الفاظ میں فرمایا کہ۔

میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد میں جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں۔ اور اس خدمت میں جان توڑ کوشش کریں"۔

حضرت اقدس کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل میں ابتدائی تازہ جوش میں اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ میں تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کیلئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت میں کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب وشایاں تھا۔ جو اُن کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے۔ اس واسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آویں۔ جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنیں تو تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدس کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے تن من دھن غرض کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام سعادتمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت

تمام مذاہب میں سے جنہوں نے دنیا کے کثیر حصہ پر اپنا اثر ڈالا ہے کسی بانی کی زندگی کے واقعات ایسے محفوظ نہیں جیسے بانی اسلام کے۔ یہ ایک ایسا دعوےٰ نہیں جو کسی دلیل کا محتاج ہو یا جس پر کسی مخالف نکتہ چین کو لا نسلم کہنے کی گنجائش ہو۔ کیونکہ مخالف سے مخالف منقد جس نے مذاہب کی تاریخ پر غور کیا ہے۔ اس امر کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ جہاں دوسرے بڑے بڑے بانیان مذاہب کی زندگی کے واقعات دُھندلاپن اور تاریکی کے نیچے ایسے دبے ہوئے ہیں۔ کہ اُن کی صحت کا پتہ لگانا قریباً محال ہے۔ وہاں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تاریخ کی ایسی صاف اور کھلی روشنی کے نیچے ہے۔ کہ اس کا کوئی واقعہ بھی ہماری آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں دوسری طرف یہ امر بھی محتاج ثبوت نہیں۔ کہ کسی مذہب کے پیرووں نے اپنے مقدس پیشوا کی زندگی کے واقعات کی اس تحقیق اور تدقیق سے چھان بین نہیں کی جیسی کہ مسلمانوں نے۔ ایک ایک روایت کی صحت کے پرکھنے کے لئے وہ وہ صعوبتیں محدثین نے اُٹھائی ہیں۔ کہ جن کا ہم اس وقت کسی طرح صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ موقعہ ان تفصیلات کا نہیں۔ ہماری غرض اس جگہ اس امر کے بیان کرنے سے یہ ہے۔ کہ جسقدر مجموعہ روایات کا محتاط محققین نے پوری چھان بین کے بعد صحیح سمجھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسمیں بہت کم غلطی کا احتمال ہے۔ لیکن اس قسم کا احتمال ہمیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ اس سارے کے سارے مجموعہ کو ہی ہم رد کر دیں۔ کیونکہ اس طرح پر کسی تاریخی واقعہ کی شہادت پایۂ اعتبار

نوٹ: اس مضمون کے بعض حصے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مضمون سے لئے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر

تک نہیں پہنچ سکیگی۔ہم دیکھتے ہیں۔کہ اسی زمانہ میں باوجود تاروں اور ریلوں اور مطابع کے اس قدر وسیع انتظاموں کے ایک ایک حد تک ہر ایک واقعہ کی تفصیلات میں غلطیاں داخل ہوجاتی ہیں لیکن ان سے خود اس واقعہ کا بطلان نہیں ہوتا۔بلکہ یہ امر در اصل اُس واقعہ کی صداقت اور صحت کا مؤید ہوتا ہے +

اس بیان سے ہمارا یہ مقصود ہے۔کہ اگرچہ ہمیں قرآن کریم سے صریح اور بین ثبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ملتا ہے لیکن تاہم جن معجزات کا ظہور اس قسم کے مضبوط سلسلہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ان کو ہم کسی طرح نظر انداز نہیں کرسکتے۔مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے متعلق روایات کو قبول یا رد کرتے وقت ایک ایسا طریق اختیار کیا جس پر ایک عقلمند انسان ہنسیگا۔اور بہت ساری اناجیل میں سے جن کے جھوٹھ اور سچ میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں تھا۔بعض کو بلاوجہ صحیح اور بعض کو بلاوجہ جھوٹی قرار دیدیا۔اور وہ بھی ایک ایسے زمانے میں جب ان روایات کی صحت یا عدم صحت کے پتہ لگانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ گیا تھا یعنی تین سو سال گذر جانے کے بعد۔ایسی صورت میں کوئی محقق ان معجزات کو جو ان روایات میں درج ہیں۔ایک لمحہ کے لئے بھی اناجیل کی شہادت پر قبول نہیں کرسکتا۔جب تک کہ کسی اور طرح پر ان کا ثبوت بہم نہ پہنچے۔لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے متعلق ایک ایک روایت کے متعلق الگ الگ حیرت انگیز تحقیقات کیگئی ہے۔اور وہ بھی ایک نہایت قریب زمانے میں جب کہ پوری تحقیق کے ساتھ ایسی روایتوں کی صحت یا عدم صحت کا پتہ لگالینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔اور کسی روایت کو صحت کے پورے درجہ پر قبول نہیں کیا گیا۔جب تک کہ اُسکی شہادت تواتر کے ساتھ اور مختلف ذرائع سے ہاتھ نہیں آگئی۔الغرض ان احادیث میں جن کو محققین نے کامل تحقیق کے بعد صحیح مانا ہے جو معجزات درج ہیں۔وہ اپنے ساتھ ایک قطعی اور یقینی ثبوت رکھتے ہیں۔اور کسی دوسرے ثبوت کے محتاج نہیں۔لیکن اس مضمون میں ہم صرف قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت دیکھنا چاہتے ہیں +

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے۔کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت جیسے جیسے نازل ہوتی رہی وہ ایسی طرح پر مخالفین و موافقین کے درمیان شائع ہوتی رہی کہ جسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔اس کتاب پاک کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو اپنے نزول کے وقت مسلمانوں اور کفار کے درمیان میں

پورے طور پر شہرت نہ پا گیا ہو۔ وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھا کر اور تمام تعلقات کو قطع کر کے آنحضرت
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ساتھ اختیار کیا تھا۔ اُنکی غذا ہی وہ کلام الٰہی تھی جو اُنکے محبوب پر وقتاً فوقتاً نازل
ہوتی رہتی تھی۔ وحی کا ہر ایک لفظ اُنکی تسکین اور اطمینان کا باعث ہوتا تھا اور اس واسطے طرح طرح
کی مصائب کے درمیان وہ تشنہ لبوں کی طرح سرچشمہ وحی کی آواز کے منتظر رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جو لوگ
اُن میں سے اپنے کاروبار بھی کرتے تھے اُنہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دو دو آدمی ملکر ایک ایک
روز اپنے مولےٰ و آقا کی خدمت میں حاضر رہتا اور کوئی نیا کلام جو نازل ہوتا وہ اپنے ساتھی کو شام کو
پُہنچا دیتا۔ اور پھر دوسرے دن دوسرا رفیق اپنی باری پوری کرتا۔ اور بہت سارے تو اُن میں ایسے
تھے جو کسی وقت بھی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ہر ایک
آیت کلام الٰہی کی فی الفور تشہیر پا جاتی تھی۔ علاوہ اسکے کفار کو دین اسلام کی طرف بلانے کا سلسلہ
دن رات جاری تھا۔ اور اسلیئے ہر ایک نئی آیت اُنکے کانوں تک اسی وقت پہنچ جاتی تھی۔ بلکہ
ہر ایک مسلمان اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جو کچھ نیا کلام الٰہی اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے
اُسے فی الفور دوسرے لوگوں تک پُہنچا دے خواہ وہ مخالف ہوں یا موافق۔ پھر علاوہ اس کے نماز
میں جو کم از کم دن رات میں پانچ وقت پڑھی جاتی تھی قرآن کریم کا پڑھنا لازمی تھا۔ اور جس وقت امام
بآواز بلند قرات پڑھتا ہوگا تو ممکن نہیں کہ کفار اس سے بیخبر رہتے ہوں۔ کاش مخالفین اسلام
سوچتے تو اُن کو یہی ایک امر اسکی صداقت کا یقین دلا سکتا تھا کہ کیسی جُرأت سے اُسنے تمام اُن امور کو
بآواز بلند ابتدا سے ہی دُنیا میں مشتہر کیا ہے۔ اس نے اپنی کسی بات کو مخفی نہیں رکھا۔ بلکہ اپنے متاع
کو کھول کھول کر پیش کیا ہے تا جو کوئی نکتہ چینی اس پر ہو سکتی ہے کیجاوے۔ ایک طرف تو ہماری
آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ ہے۔ کہ ایک شخص جسے آج خدا بنایا جاتا ہے ایک بات اپنے چیدہ دوستوں کو
کہکر جھٹ ساتھ یہ حکم لگا دیتا ہے۔ کہ دیکھو یہ بات کسی کو کہنا نہیں۔ اور دوسری طرف ایک انسان جو رسول
ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے نہ صرف اپنے دعوے کو ہی بآواز بلند بیان کرتا ہے۔ بلکہ ایک ایک لفظ کو جسے
وہ خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اِس جُرأت اور قوت اور شجاعت سے بیان کرتا ہے۔ کہ گویا اُسے پورا شعور
حاصل ہے۔ اور وہ قطعی اور یقینی طور پر اس نتیجہ پر پُہنچا ہُوا ہے۔ کہ وہ صادق ہے۔ اور کوئی شخص
یہ طاقت نہیں رکھتا۔ کہ اُسکی صداقت پر کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ غرضیکہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت کا
بروقت نزول مخالفین اور موافقین کے درمیان شہرت پا جانا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اُن کے
مضامین کے متعلق مخالفین کو کسی طرح پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ اور موافقین بھی پوری بصیرت

سے اس کے صدق کے قایل تھے +

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات کے ظہور کو بیان کرتا ہے۔ بلکہ اسیوجہ پر کفار کو ملزم گردانتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے لفظ معجزہ کو کہیں استعمال نہیں کیا بلکہ ان خارق عادت امور کو جن کو عام اصطلاح میں معجزات کہا جاتا ہے لفظ آیات یا بینات یا آیات بینات سے تعبیر کیا ہے۔ ان الفاظ کا لفظی ترجمہ نشان یا کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور مامورین اللہ کی سچائی پر نشان اور کھلی دلیلیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی چونکہ غیب الغیب ہے اسلئے وہ امور جن کو ہر ایک انسان عادت کے طور پر دنیا میں واقع ہوتے دیکھتا ہے اُسکی ہستی کے لئے نشان یا دلیل کا کام نہیں دے سکتے۔ اور ایسا پتہ صرف خارق عادت امور سے ہی لگتا ہے۔ اسی لئے اُسکو معجزہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا امر ہوتا ہے جس کے کرنے سے انسانی طاقت عاجز ہوتی ہے۔ اور جسکی کنہ کو انسان کا فہم پہنچ نہیں سکتا۔ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کو نشانیاں دکھائیں۔ مگر انہوں نے تمسخر اور تکذیب سے کام لیا۔ اور ان معجزات کو جادو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہا۔ اور نئے نئے نشانات اور اقتراحی معجزات مانگے یہ امر قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔ واذا جاءتھم اٰیۃ قالوا لن نؤمن حتےٰ نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ (الانعام - ۱۲۵) اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانینگے جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولوں کو ملتی ہیں + اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ کفار کو معجزات دکھائے گئے۔ لیکن بجائے اسکے کہ ان معجزات کو دیکھ کر وہ ایمان لاتے انہوں نے کہا کہ جبتک ہمکو خود یہ طاقتیں حاصل نہ ہوں ہم ایمان نہیں لاتے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرماتا ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا (الانعام - ۱۰۵) خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں دیئے ہیں سو جو اُنکو شناخت کرے اُس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا۔ اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ ایسا ہی سورہ قمر کے ابتدا میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (قمر - ۲) جب وہ نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی ایک جادو ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء کے نشانوں کو دیکھ کر اُنکے منکرین ان نشانات کو جادو کہتے رہے ایسا ہی یہ کافر بھی کرتے ہیں۔ گویا ان کی نا انصافی کا ذکر کرکے اس طور کا اقرار ان کا درج کیا ہے۔ کہ وہ نشانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ کہ وہ جادو ہے جیسا پہلے انبیاء کے نشان جادو تھے۔

واذا ذکروا لا یذکرون ۔ واذا راؤا اٰیۃ یستسخرون وقالوا ان ھٰذا الا سحر مبین (والصّٰفّٰت ۱۳-۱۴-۱۵) جس وقت نصیحت دیجاتی ہے تو قبول نہیں کرتے ۔ اور جب نشان دیکھتے ہیں تو ٹھٹھا کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے ۔ اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو معجزات دکھائے مگر انہوں نے ان نشانات کو ہنسی میں اڑایا اور جادو کہا ۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے ۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت (آل عمران ۔ ۸۵) وہ لوگ کیونکر ایمان لاسکتے ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد انکار کیا ۔ اور وہ اقرار کرچکے تھے کہ یہ رسول برحق ہے ۔ اور کھلے کھلے نشان اسکی صداقت کے بھی دیکھ چکے تھے ۔ پھر سورہ بقرہ آیت ۹۹ میں فرماتا ہے ۔ ولقد انزلنا الیک اٰیات بینٰت وما یکفر بھا الا الفاسقون ۔ یعنی ہم نے تجھ پر کھلی کھلی نشانیاں اُتاری ہیں ۔ پس جو ان کھلے نشانوں کا انکار کرتا ہے وہ فاسق ہے ۔ اس جگہ بھی صفائی سے یہی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے کھلے کھلے معجزات کفار کو دکھائے مگر وہ تکذیب ہی کرتے گئے ۔ جیسے پہلے انبیاؑ کی تکذیب کی ۔

اب ان تمام آیات سے بداہت ثابت ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار عرب نے معجزات دیکھے مگر انکو جھٹلایا اور ہنسی کی اور جادو کہا اور نئی نئی شرطیں پیش کیں ۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قرآن کریم نے آنحضرت کے معجزات سے انکار کیا ہے کس قدر بیہودہ بات ہے ۔ باقی رہی یہ بات کہ ان معجزات کی تصریح قرآن کریم نے کیوں نہیں کی ۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ یہ معجزات بہ تفصیل معتبر روایات میں درج ہیں ۔ اور قریباً تین ہزار معجزہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں سے ثابت ہے ۔ اور ایسا ہی آپ کی ہزاروں پیشگوئیاں احادیث سے ثابت ہیں جو اپنے وقتوں پر پوری ہوئیں یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں قرآن کریم خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا مثبت ہے ۔ تو پھر بعض جگہ انکار معجزات سے کیا مطلب ہے اس جگہ بطور اعتراض دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں ۔ اول سورہ عنکبوت کی آیت وقالوا لولا انزل علیہ اٰیٰت من ربہ قل انما الاٰیٰت عند اللہ وانما انا نذیر مبین ۝ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلیٰ علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یومنون ..... ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب ولیاتینھم بغتۃ وھم لا یشعرون (العنکبوت ۔ ۵۰ ۔ ۵۳) جو لوگ اس سے انکار معجزات نکالنا چاہتے ہیں وہ پہلے حصہ کو تو پیش کرتے ہیں ۔ اور باقی آیات کو نہیں پڑھتے ۔ ہم کہتے ہیں کہ صرف پہلے حصہ سے بھی انکار معجزات ہرگز نہیں نکلتا ۔ جس صورت میں قرآن شریف بار بار جیسا کہ اوپر دکھایا جاچکا ہے کفار کو

ملزم کرتا ہے کہ وہ نشان دیکھ کر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اور ان کو نشانوں کے انکار کے سبب سے کافر اور ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ اور ایسی آیتوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ تو کفار کے اس قول کے معنے کہ نشان کیوں نہیں اُتارے جاتے سوائے اس کے کیا ہو سکتے ہیں کہ جو نشان وہ دیکھ چکے تھے ان پر ہنسی کرتے تھے یا اُن کو سحر کہتے تھے۔ اور اسلئے نئے سے نئے نشان طلب کرتے تھے۔ اس آیت کے معنے ہمارے اس زمانے میں اور بھی وضاحت سے کھلتے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہزارہا نشان دیکھنے کے باوجود پھر بھی مکذبین یہی کہے جاتے ہیں۔ کہ کوئی نشان نہیں دکھایا گیا۔ ایسا ہی ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس جگہ کفار عام طور پر نشانات کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کے نشان کے طالب تھے۔ اور اُسی کا جواب ان ایات میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت کو جس میں یہ آیات واقع ہوئی ہیں۔ ابتدا سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ کفار عرب کو اللہ تعالےٰ پہلی قوموں کی حالت سے عبرت پکڑنے کیلئے نصیحت فرماتا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے بیان فرماتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا انکار کیا گیا تو پھر ہم نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا حضرت نوحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوموں اور ایسا ہی عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان پر عذاب کے نازل ہونیکا ذکر فرماتا ہے۔ چنانچہ ان سب کے واقعات کو بیان کر کے فرماتا ہے۔ فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من اخذنا بہ الارض ج ومنھم من اغرقنا ج وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون ..... وتلک الامثال نضربھا للناس ج (العنکبوت ۴۰ و ۴۳) ہم نے ان سب کو جن کا ذکر اوپر ہوا ان کے گناہ کے سبب سے پکڑ لیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھر برسائے۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو بڑے زور کی آواز نے آدبایا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھسا دیا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جنکو ہمنے غرق کر دیا۔ اور خدا نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خود خدا کے نشانوں کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ..... اور یہ مثالیں ہم اسلئے بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ سمجھ جاویں۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کفار کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ جس طرح پر پہلی قوموں پر نشانات الٰہی کی تکذیب کے سبب سے عذاب نازل ہوا اُسی طرح تم پر بھی نازل ہوگا۔ کیونکہ تم ان نشانات کی تکذیب کر رہے ہو۔ جو ہم اس نبی پر اُتار رہے ہیں۔ اسکے جواب میں کفار کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔ لولا انزل علیہ آیات من ربہ۔ کہ اگر یہ بات حق ہے تو پھر وہ عذاب کی نشانیاں ہم پر کیوں نہیں اُترتیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسی کی تصریح ہے۔ واذ قالوا اللھم ان کان ھذا

هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم (الانفال۔۳۲)

جب ان کافروں نے دعائیں مانگیں۔ کہ یا اللہ اگر یہ دین حق ہے اور جو معجزات اسکی تائید میں دکھائے جاتے ہیں وہ تیری ہی طرف سے ہیں تو پس چونکہ ہم انکی تکذیب کر رہے ہیں۔ اسلئے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر۔ یہ سوالات کفار کے دل میں اس وقت پیدا ہوئے جب بار بار ان کو نشانات دکھائے گئے۔ اور قرآن شریف نے انہیں ملزم کیا کہ تم خدا کے نشانوں کو جھٹلا رہے ہو۔ اور باوجود نشان دیکھنے کے ایمان نہیں لاتے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے +

الغرض یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ سورہ عنکبوت کی اس آیت متنازعہ میں کفار کا سوال یہ تھا کہ جب ہم نشانوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ تو پھر خدا کی طرف سے وہ عذاب کا نشان کیوں نازل نہیں ہوتا جس سے بار بار ڈرایا جاتا ہے۔ اب ہم ان آیات کا ترجمہ کر کے دکھاتے ہیں۔ کہ مابعد کی آیتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کا سوال صرف عذاب والے نشانوں کے متعلق تھا۔ کیونکہ قرآن کریم میں جب کبھی کسی قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا جاتا تھا تو ساتھ ہی کفار کو یہ کہا جاتا تھا کہ اس میں تمہارے لئے بھی ایک نشان ہے ترجمہ آیات کا جو اوپر نقل کیگئی ہیں یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر نشانیاں۔ ان کو کہدے کہ وہ نشانیاں جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں وہ خدا تعالےٰ کے پاس موجود ہیں۔ اور اسی عذاب سے میں تمہیں ڈرانیوالا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لئے جو عذاب کی نشانی مانگتے ہیں یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں ہے۔ کہ ہم نے تجھ پر باوجود تیرے اُمّی ہونیکے وہ کتاب جو جامع کمالات ہے نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں نصیحت ہے ------ مگر یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے۔ اور رحمت کے نشانوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔ ان کو کہدے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس عذاب کا اللہ تعالےٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہوتا تو یہ عذاب کی نشانیاں جو تم مانگتے ہو کب کی نازل ہو گئی ہوتیں اور یہ عذاب تو یقیناً یقیناً ان پر وارد ہو کر رہیگا۔ اسوقت کہ انکو خبر بھی نہیں ہوگی۔ آخری آیت نے پہلی آیات کے معنوں کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ عذاب کے نشان کا ہی مطالبہ تھا جو تکذیب معجزات پر نازل ہونیوالا تھا نہ معمولی نشان کا کیونکہ اخیر میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کہ وہ عذاب کے نشان کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اس کا ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اور وہ ضرور نازل ہو کر رہیگا۔ اس وقت کی طرف سورہ انفال کی اس آیت میں بھی اشارہ ہے جو مطالبہ عذاب کے بعد ہے۔ جہاں اُن کو کہا گیا ہے۔ کہ خدا اس لئے اُن پر عذاب نہیں بھیجتا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان کے درمیان ہیں۔ اور ایسا ہی ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ عذاب آنحضرتؐ کے مکّہ سے ہجرت کے ایک سال بعد ان پر نازل ہوگا۔ پس یہی وہ نشان تھا جس کا کفار مطالبہ کرتے تھے۔ اور جس کے لئے اُن کو کہا گیا تھا کہ اُسکا وقت ابھی نہیں آیا۔ ہاں اللہ کے نزدیک وہ نشان موجود ضرور ہے اور ضرور تم پر وارد ہوکر رہیگا +

اس جگہ اللہ تعالےٰ نے کفار کو یہ بھی سمجھایا ہے۔ کہ جس صورت میں رحمت کے نشان اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ان کو دکھائے گئے اور دکھائے جارہے ہیں تو کیوں وہ عذاب کے نشان کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مدعا تو رحمت کے نشانوں سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ کفار کی غرض عذاب کا نشان مانگنے سے یہ تھی۔ کہ تا وہ ان پر وارد ہوکر حق الیقین تک پہنچا وے اور صرف دیکھنے کی چیز نہ ہے۔ کیونکہ مجرد رویت کے نشانوں میں اُن کو یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے انہیں دھوکا ہی لگا ہو۔ اور یا یہ جادو یا چشم بندی کی قسم ہو جیسا کہ بار بار اُن کا پہلے نشانوں کو سحر کہنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اسی وہم اور اضطراب کے دور کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہوجاوے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے۔ کیا اسی مدعا کے حاصل کرنے کیلئے رحمت کا نشان کافی نہیں۔ یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنی پرنور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے۔ اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنے فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو اور وہ تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارق عادت اثر ڈال رہا ہے۔ اور دلوں پر وارد ہوکر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدتہائے دراز کے مردے اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادر زاد اندھے جو بیشمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے آنکھیں کھول رہے ہیں۔ اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دور ہوتی ہے۔ اور وصل الٰہی میسر آتا ہے +

اب انصاف سے دیکھو کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔ یہ آیتیں تو بآواز بلند پکار رہی ہیں۔ کہ کفار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اول انہیں کہا گیا کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے۔ یعنی قرآن جو تم پر وارد ہوکر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے۔ مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہو تو وہ تمہیں ہلاک کریگا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو۔ اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ بھی جلد آئیگا۔ پس اللہ جلشانہ نے

ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا۔ اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں۔ اور دلوں وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی طرف توجہ دلائی۔ معترض کا یہ کہنا کہ اس آیت سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ مکہ کے مخاطب بُت پرست کبھی تمام معجزات کا انکار نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ نہ صرف آخر کار اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو معجزہ کر کے مان لیا۔ بلکہ کفر کے زمانہ میں بھی وہ قطعاً انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اور روم اور ایران میں جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعجبانہ خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے۔ اور گو بجا پیرایوں میں ہی سہی مگر نشانوں کا اقرار کر لیا کرتے تھے اور انکے یہ اقرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر ان کو ایسا ہی معجزات محمدیہ سے قطعی انکار ہوتا تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو اُنہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا مشرف باسلام کیوں ہو جاتے۔ اور کفر کے ایام میں بھی ان کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں کہ وہ اپنی کم فہمی کے دھوکے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ساحر رکھتے تھے۔ جیسا کہ قال الکافرون ھذا ساحر کذاب۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد اُنہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا۔ اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس معجزات کا ہمیشہ کیلئے سچے دل سے گواہ بن گیا۔ تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ قطعاً نشانوں سے منکر ہو جاتے۔ بلکہ قرائن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا ہے۔ کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اُترتی ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نشان ہم مانگتے ہیں انہیں سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترتا +

دوسری آیت جس سے انکار معجزات نکالا جاتا ہے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے۔ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون۔ اس آیت کے معنے سمجھنے کے لئے اس کے سیاق وسباق کو دیکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب اعتراض کیا جاتا ہے تو آگے پیچھے کو کاٹ کر صرف ایک ٹکڑے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ان آیات کا باہمی تعلق یوں ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا کان ذالک فی الکتاب مسطورا ہ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون و اتینا

ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بہا و ما نرسل بالایات الا تخویفا ۰۰۰۰ ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا (بنی اسرائیل ۔ ۵۸ ۔ ۶۰) یہ ہمارا ایک قہری نشان ہے ۔ کہ قیامت سے پہلے ہر ایک بستی پر یا ہلاکت اور یا عذاب شدید ہم نازل کرینگے یہی کتاب میں لکھا جا چکا ہے مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کو اسلئے نہیں بھیجتے ۔ کہ پہلی امت کے لوگ اُن کی تکذیب کر چکے ہیں چنانچہ ہم نے ثمود کو بطور نشان کے جو مقدمہ عذاب کا تھا ناقہ دیا جو حق نما نشان تھا جس پر انہوں نے ظلم کیا ۔ اور قہری نشانوں کے نازل کرنے سے ہماری غرض یہی ہوتی ہے ۔ کہ لوگ اُن سے ڈریں پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جنہیں پہلی امتوں نے دیکھ کر جھٹلا دیا اور اُن کے دیکھنے سے کچھ بھی خائف و ہراسان نہ ہوئے +

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ اول نشان تخویف و تعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں ۔ دوم نشان تبشیر و تسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں نافرمانوں کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں ۔ تا وہ ڈریں اور خدا تعالیٰ کی قہری اور جلالی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو ۔ اور تبشیر کے نشان اُن حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی کے متلاشیوں کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ جو دل کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں ۔ اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے ان مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور اُنکے مضطرب سینہ پر دستِ شفقت و تسلی رکھنا مقصود ہوتا ہے ۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا ہے ۔ اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے ۔ اور وہ اضطراب جو فطرتاً انسان میں ہے جاتا رہتا ہے ۔ اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے ۔ مومن برکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے ۔ اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اُس پر نازل ہوتے رہتے ہیں ۔ تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جاے اور حق الیقین تک پہنچتا جاے اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے ۔ کہ جیسے مومن ان کے نزول سے یقین اور معرفت اور قوت ایمانی میں ترقی کرتا ہے ۔ ایسا ہی وہ بوجہ مشاہدہ نعماء الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ و جلیہ و خفیہ حضرت باری عزاسمہٗ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں محبت و عشق میں بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے ۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصود تبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں ۔ جو سالک کو معرفت کاملہ اور محبت ذاتیہ کے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں

جو اولیاء اللہ کے لئے منتہی المقامات ہے۔ اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت کچھ ذکر ہے یہانتک کہ اس نے ان نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دیدیا ہے۔ کہ قرآن شریف کے سچے متبع ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہینگے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمٰت اللّٰہ ذالک ھو الفوز العظیم (یونس ۶۴) یعنی ایماندار لوگ دنیوی زندگی اور آخرت میں بھی تبشیر کے نشان پاتے رہینگے جن کے ذریعہ سے وہ دنیا اور آخرت میں معرفت اور محبت کے میدان میں ناپیداکنار ترقیاں کرتے جائینگے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو کبھی نہیں ٹلینگی۔ اور تبشیر کے نشانوں کو پالینا یہی فوز عظیم ہے یعنی یہی ایک امر ہے جو محبت اور معرفت کے منتہے مقام تک پہنچا دیتا ہے +

اب جاننا چاہیئے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں صرف تخویف کے نشانوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آیت وما نرسل بالایات الا تخویفا سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالےٰ کے کل نشانوں کو قہری نشانوں میں ہی محصور سمجھ کر اس آیت کے یہ معنے کئے جاویں۔ کہ ہم تمام نشانوں کو محض تخویف کی غرض سے ہی بھیجا کرتے ہیں۔ اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ تو یہ معنے بداہت باطل ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ نشان دو غرضوں سے بھیجے جاتے ہیں۔ یا تخویف کی غرض سے یا تبشیر کی غرض سے۔ انہیں دو قسموں کو قرآن شریف جابجا ظاہر کر رہا ہے پس جب نشان دو قسم کے ہوئے تو آیت ممدوحہ بالا میں جو لفظ الایات ہے جس کے معنے وہ نشانات ہیں بہرحال اسی تاویل پر بصحت منطبق ہوگا کہ نشانوں سے قہری نشان مراد ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنے نہ لئے جاویں۔ تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ تمام نشانات جو تحت قدرت الٰہی داخل ہیں تخویف کی قسم میں ہی محصور ہیں۔ حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارے نشانوں کا حصر سمجھنا سراسر خلاف واقعہ ہے۔ کہ جو نہ کتاب اللہ کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔ اور نہ کسی پاک دل کے کانشنس کی رو سے درست ہو سکتا ہے۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ نشانوں کے دو قسموں میں سے صرف تخویف کے نشانوں کا آیت موصوفہ بالا میں ذکر ہے۔ تو دوسرا امر تنقیح طلب یہ باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو ما منعنا الخ ہے) یہ معنے سمجھنے چاہئیں۔ کہ تخویف کا کوئی نشان خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کیا۔ یا یہ کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی اُمتوں کو دکھائے گئے تھے۔ اور یا یہ تیسرے معنے قابل اعتبار ہیں۔ کہ دونوں قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں بجز اُن خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر جھٹلایا تھا۔ اور ان کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔ سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے سے بتمامتر صفائی کھل جاتا ہے۔ کہ پہلے اور دوسرے معنے کسیطرح درست نہیں کیونکہ آیت ممدوحہ بالا

یہ مراد سمجھ لینا کہ تمام انواع و اقسام کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں۔ اور تمام وہ وراء الوراء تعذیبی نشان جن کے بھیجنے پر ہم قادر ہیں۔ اور وہ غیر محدود ہیں۔ اسلئے ہمنے نہیں بھیجے کہ پہلی اُمتیں اُن سب کی تکذیب کر چکی ہیں یہ معنی سراسر باطل ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں نے تو صرف اُنہیں نشانوں کی تکذیب کی جو اُنہوں نے دیکھے تھے۔ وجہ یہ کہ تکذیب کے لئے یہ ضرور ہے۔ کہ جس چیز کی تکذیب کی جائے اول اُس کا مشاہدہ بھی ہو جائے جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اُس کی تکذیب کیسی حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلےٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باریتعالےٰ ہیں جن کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے۔ اور سب گردنیں اُنکی طرف جُھک جائیں۔ کیونکہ خداتعالےٰ ہر ایک رنگ کا نشان دکھانے پر قادر ہے۔ اور پھر چونکہ نشانہا ئے قدرت باری غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور انکی تکذیب بھی ہو گئی۔ وقت محدود میں تو وہی چیز دیکھی جائیگی جو محدود ہوگی۔ بہر حال اس آیت کے یہی معنے صحیح ہونگے کہ جو بعض نشانات پہلے کفار دیکھ چکے تھے۔ اور اُن کی تکذیب کر چکے تھے اُنکا دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا جیسا کہ قرینہ بھی انہی معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اس جگہ پر جو ناقہ ثمود کا خداتعالےٰ نے ذکر کیا۔ وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے۔ کہ اس جگہ گذشتہ اور رد کردہ نشانات کا ذکر ہے۔ جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے۔ اور یہی معنے صحیح اور درست ہیں۔

غرض جس پہلو سے چاہو غور کرو یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک خاص قسم کی نفی کے لئے آیا ہے جس کا دوسرے مقام پر کچھ اثر نہیں بلکہ اس سے ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلشانہٗ بتا رہا ہے۔ کہ اسوقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے۔ کہ پہلی اُمتیں انکی تکذیب کر چکی ہیں سو جو نشان پہلے رد کئے گئے اب بار بار اُنہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے۔ اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید ہے۔ ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے۔ کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہونگے مگر اور رنگوں میں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسےٰ یا حضرت نوح کے یا قوم لوط اور عاد اور ثمود کے ظاہر کئے جاویں۔ بلکہ الآیات میں عموم لینے سے اور بھی ایک دقت پڑتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس قاعدہ کے رُو سے جب ایکدفعہ کسی ایک نشان کی تکذیب ہو جائے تو پھر کوئی نشان بھی نہ دکھایا جائے۔ خداتعالےٰ ایسے زیادہ نشان دُنیا میں ظاہر نہ کرتا کیونکہ وہ جو سُنّت قائم کرتا ہے اُس کے مطابق چلتا ہے۔ پس جب پہلا نشان دنیا میں ایسا ظاہر ہُوا

جسکی تکذیب کی گئی تو اس کے بعد اس قاعدہ کے مطابق اللہ تعالےٰ اور کوئی نشان دنیا میں نازل نہ کرتا جو بالبداہت غلط ہے۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ کسی قوم پر کوئی عذاب اتارا گیا کسی پر کوئی اُتارا گیا۔ اور ایک ہی عذاب سب پر نہیں اُتارا گیا۔ پس ایسا ہی آنحضرتؐ کے مخالفین کیلئے ایک الگ قسم کے عذاب کا وعدہ تھا۔ غرضیکہ اس آیت میں عذاب کا تو وعدہ ہے۔ لیکن اُس قسم کا عذاب بھیجنے سے انکار کیا گیا ہے جسکی پہلے تکذیب ہو چکی ہو۔ اسکی تفصیل دوسری آیات میں موجود ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ ویستعجلونك بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہ (الحج - ۴۷) قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض (الانعام - ۶۵) وقل الحمد للہ سیریکم آیاته فتعرفونها (النمل - ۹۳) قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنه ساعة ولا تستقدمون (السبا ۲۹) ویستنبئونك احق هو قل ای وربی انه لحق وما انتم بمعجزین (یونس ۵۳) سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق (حم السجدہ - ۵۳) ساریکم آیاتی فلا تستعجلون (الانبیاء - ۳۷) ترجمہ - اور کفار تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے وعدہ کو جو عذاب کے متعلق کیا ہے ہرگز خلاف نہیں کریگا۔ تو ان کو کہدے کہ خدا ہی اس بات پر قادر ہے۔ کہ آسمان یا زمین سے کوئی عذاب تم پر نازل کرے۔ اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزہ چکھاوے۔ اور کہہ کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائیگا جنہیں تم شناخت کر لوگے۔ اور کہدے کہ اس عذاب کے واسطے تمہارے لئے ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے۔ اس سے نہ ایک گھڑی آگے ہوگا اور نہ پیچھے۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا یہ سچ بات ہے کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ سچ ہے اور تم خدائے تعالےٰ کو اسکے وعدوں سے روک نہیں سکتے۔ ہم عنقریب انکو اپنے نشان دکھائینگے۔ ان کے مُلک کے ارد گرد میں اور خود ان میں بھی یہانتک کہ ان پر کھل جائیگا کہ یہ نبی سچا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھاؤنگا۔ سو تم مجھ سے جلدی نہ کرو +

غرض ان آیات سے اور اسی قسم کی اور بہت ساری آیات سے جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عذاب ضرور آنیوالا تھا۔ اور یہی وہ نشان خاص تھا جسے کفار بار بار طلب کرتے تھے۔ اور ان کو کہا جاتا تھا کہ جلدی مت کرو۔ اور ہم نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت متنازعہ (وما منعنا الخ) کے مابعد کی آیتوں سے یہ دکھایا ہے کہ اس جگہ صرف تخویفی اور قہری نشان مراد ہیں کیونکہ خود ان الآیات کو خدائے تعالےٰ نے یوں محدود کر دیا ہے۔ وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔

یعنی اس قسم کی آیات صرف تخویف کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اور باقی رہے تبشیر کے نشان سو اُن کے متعلق تو قرآن کریم نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے بھی آگے گذر کر ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے اُنکے وعدے دیتا ہے جیسا کہ آیت لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا سے ظاہر ہے۔ پس ایسے نشانات کی نفی نکالنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب جب ہم آیت متنازعہ کے ماقبل کی آیت پر غور کرتے ہیں تو اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آیت متنازعہ میں کل قسم کے نشان مراد نہیں بلکہ بعض خاص قسم کے قہری نشان مراد ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی خدا تعالےٰ کے ایک قہری نشان کا بیان ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہونے والا ہے یعنی قرب قیامت میں یا بالفاظ دیگر مسیح موعود کے زمانے میں۔ اور وہ یہ کہ ہر ایک بستی یا ہلاک کی جائیگی اور یا سخت عذاب میں گرفتار کی جائیگی۔ سو اس کو ہم بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں جہاں اس زمانے میں خدا کا مامور نازل ہوا ہے۔ اور جہاں اسکے نشانات کی تکذیب ہوگئی آخر خدا نے اپنا قہری نشان طاعون کی شکل میں نمودار کیا جیسا کہ صاف الفاظ میں پہلی کتابوں میں وعدہ تھا جس کی دستبرد سے کوئی بستی محفوظ نہیں رہی۔ اور ابھی خدا کو علم ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ ہماری غرض اس جگہ صرف یہ ہے کہ آیت ماقبل میں بھی ایک قہری نشان کا ذکر ہے جو اخیر زمانہ میں قیامت سے پہلے واقع ہونیوالا تھا۔ اور آیت مابعد بھی قہری نشانوں کا ہی ذکر کرتی ہے۔ پس آیت ما منعنا الخ میں خاص قہری نشان مراد ہیں جنکی پہلوں نے تکذیب کی۔ اور اس سے نشانات کی نفی ہرگز نہیں نکلتی بلکہ صاف وعدہ اور قسم کے قہری نشانوں کا قرآن میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور اسیطرح رحمت کے نشانوں اور تبشیر کے نشانوں کا بھی +

قرآن کریم نے ایک اور طرز سے بھی کفار کو ملزم کیا ہے یعنی پہلے پہلے نشانوں کا حوالہ دے کر ان کو جھوٹا کیا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت (آل عمران - ۸۵) اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار نے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات دیکھے یہانتک کہ اُن کے دل مان گئے کہ واقعی آنحضرت رسول برحق ہیں۔ لیکن پھر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے ان کے دل پھیر دیئے۔ کیونکہ خود اُنھوں نے اُس نور کو قبول نہ کیا جس کی روشنی وہ دیکھ چکے تھے۔ اور ظلمت میں ہی رہنا پسند کیا غرض اس آیت سے یہ ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کفار کو یوں ملزم کرتا ہے۔ کہ جب تمہیں پہلے نشان دکھائے گئے اور تم اُن کو مان بھی گئے۔ اور پھر بعد میں منکر ہو گئے تو اب کسی معجزہ کو دیکھ کر تم کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ اسی طرح ایک اور موقع پر قرآن شریف یوں بیان فرماتا ہے۔ واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیؤمنن بھا قل انما الآیات عند اللہ وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یؤمنون (الانعام - ۱۱۰) اور کفار نے اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں

سے کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ ان کے سامنے آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آوینگے۔ کہہ نشان تو اللہ کے پاس بہت ہیں۔ اور وہ ضرور بھیجیگا لیکن تم کیا جانتے ہو کہ جب وہ نشان آجائے گا (جیسا کہ خدا وعدہ کر چکا ہے) تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائینگے۔ اور پھر اس سے آگے فرماتا ہے۔ و نقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یومنوا بہ اول مرۃ۔ اور ہم ان کے دلوں اور اُن کی آنکھوں کو اُلٹ دینگے۔ اور یہ اس معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب ہمارے رسول نے ان کو معجزات دکھائے تو وہ اُن پر ایمان نہیں لائے۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر کفار کو ملزم کیا گیا ہے۔ کہ اُن کا معجزات طلب کرنا بھی ہنسی اور تمسخر کی راہ سے ہے۔ جو وہ معجزہ عذاب کا طلب کرتے ہیں وہ تو ضرور اُن کو دکھایا جاویگا مگر یہ اس وقت بھی ایمان نہیں لاوینگے جیسا کہ پہلے معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ آیات بار بار کفار کو سنائی جاتی تھیں اور ہر ایک مسلمان ان کو پڑھتا تھا تو بفرض محال اگر کوئی معجزہ دکھایا نہیں گیا تو مسلمانوں کا ایمان کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔ وہ نہ کہتے ہونگے کہ یہ کتاب جو خدا کی طرف سے ہونیکا دعوےٰ کرتی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے کہ معجزات دکھائے گئے ہیں۔ حالانکہ کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ یہ کیونکر سچی ہو سکتی ہے جو مشاہدہ کے خلاف ایک امر کو بیان کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف کفار کا منہ کس نے بند کر دیا تھا کہ اُنہوں نے یہ اعتراض کبھی نہ کیا کہ یہ کیسا جھوٹ ہے۔ کہ ہم کو معجزات دکھائے گئے ہمنے تو سرے سے کوئی معجزہ دیکھا ہی نہیں۔ اگر معجزہ دیکھیں تو پھر یہ غور بھی کریں کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے۔ یا ساحر کا کام ہے۔ اُنہوں نے یہ کیوں کہا کہ یہ پیغمبر ساحر ہے۔ اور جو نشان دکھاتا ہے وہ سحر کی قسم ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ قرآن کریم بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اور دن رات مسلمانوں اور کفار کی مجلسوں میں سنایا جاتا ہے کہ معجزات دکھائے گئے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانے اور ان کو سحر قرار دیا۔ حالانکہ در اصل نہ کوئی معجزہ دکھایا گیا۔ نہ کفار نے نبی کو ساحر یا معجزہ کو سحر کہا۔ اور قرآن کریم کی آیات سے کوئی مخالف یا موافق بیخبر تو تھا نہیں کیونکہ ہر ایک نئی آیت کی مسلمانوں اور کفار کے درمیان زور سے منادی کی جاتی تھی اور پھر انہی کفار کا آخر کار اسی قرآن شریف پر ایمان لے آنا کیا اور بھی عجیب بات نہیں۔ اگر کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا تھا تو کفار کے لئے تو قرآن کریم کے جھوٹا ہونیکی یہی کافی دلیل تھی کہ وہ ایک صریح امر خلاف واقع بیان کر رہا ہے۔ یہ تو الگ بات تھی کہ جن امور کو پہلے اُنہوں نے سحر سمجھا اور کہا آخر کار وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اُنہیں کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے معجزات ہونے کے اقراری ہو گئے۔ مگر یہ کون عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ پہلے نہ تو انہوں نے کوئی نشان دیکھا نہ جھٹلایا نہ کسی کو سحر کہا۔ مگر آخر کار

اُنھوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کرلیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم بآواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے +

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہو جائے دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات آلہی کا مصدق ہو جاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُنھوں نے یقین کرلیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کے ساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت آلہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

بار بار بیان فرمایا ہے۔ اور اسی ایک نشان کے ظاہر ہونے پر سارے کے سارے عرب نے اسلام کی صداقت کے آگے گردن جھکا دی۔ اور وہ قوم جس نے کبھی کسی حکومت کا جُوا نہ اُٹھایا تھا شرح صدر سے اُس نے اسلام کی حکومت کو اپنے سر پر قبول کیا بلکہ اسی کو اپنا عین فخر سمجھا۔ لاکھ لاکھ سلام اور صلوٰت ہوں اُس ذات اطہر پر جس کے وجود مبارک سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور میں آئی۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ کفار مکہ تین قسم کے نشانات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرآن شریف کے متفرق مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اول وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اقتراح سے کفار مکہ نے طلب کئے تھے۔ دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت میں یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی امتوں پر وارد کئے گئے تھے۔ تیسرے وہ نشان جن سے پردہ غیبی بالکل اُٹھ جائے جس کا اُٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلی برخلاف ہے۔ قسم اول کے متعلق بکثرت آیات قرآن شریف سے پیش کی جاچکی ہیں۔ اور اس بارے میں کفار کو یہی جواب دیا گیا۔ کہ وہ عذاب ضرور نازل ہوگا خواہ آسمان سے ہو خواہ زمین سے۔ اور خواہ آپس میں لڑائی کے ذریعہ سے۔ اور یہ آخری وعدہ بذریعہ غزوات کے پورا ہؤا۔ قسم دویم کے متعلق بھی بکثرت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر دکھایا بھی جاچکا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے فلیاتنا بایۃ کما ارسل الاولون۔ اور جس کا جواب ملتا ہے۔ ما آمنت قبلھم من قریۃ اھلکنھا افھم یومنون (الانبیاء - ۵ و ۶) یعنی کفار نے کہا کہ یہ نشان جو یہ نبی دکھاتا ہے یہ تو جادو ہیں (جیسا کہ ماقبل کی آیت افتاتون السحر وانتم تبصرون سے ظاہر ہے یعنی کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کو مان لوگے) پس اگر یہ سچا ہے تو اس قسم کا نشان لاوے جیسے پہلی امتوں پر بھیجے گئے جس سے مطلب اُن کا اسی طرح کا عذاب کا نشان تھا۔ کیونکہ خدا تعالے اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ کہ ہم نے پہلی امتوں پر ہلاکت کے نشان تو بھیجے مگر کیا جن بستیوں پر یہ ہلاکت کے نشان بھیجے گئے تھے وہ ایمان لے آئے تھے۔ اور جب وہ ایمان نہیں لائے تو اسی قسم کے نشان کو دیکھ کر یہ کیونکر ایمان لائیں گے۔ اس آیت سے بھی وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون کا مطلب حل ہوتا ہے۔ کیونکہ بالفاظ دیگر دونوں آیتوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ وہاں بھی پہلوں کی تکذیب اس امر کے لئے وجہ قرار دیگئی ہے۔ کہ وہی نشان دوبارہ کیوں نہیں بھیجے جاتے اور یہاں بھی غرض ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی قسم کے ہلاکت کے نشان مانگتے تھے۔ جیسے پہلی اُمتوں پر نازل ہوئے۔ اور اللہ تعالے نے اُن کو سمجھایا کہ تم ان

ہلاکت کے نشانوں سے کیا فائدہ اٹھاؤ گے۔ چنانچہ جو نشان ہلاکت اور نامرادی کا اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کے لئے تجویز کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے چند کس کے جن کی شقاوت نے اُنہیں رحمتِ آلٰہی سے حصہ نہ لینے دیا۔ سارے کا سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ یہ تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت کہ باوجودیکہ ہلاکت کا نشان آپ کے مخالفوں پر نازل بھی کیا گیا مگر رحمتِ آلٰہی نے پہلی امتوں کی طرح اُنہیں بالکل ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ اسلام میں داخل کر کے از سرِ نو زندگی بخشی۔ یہ تھی حکمتِ آلٰہی پہلے نشانوں کے دوبارہ نہ بھیجنے میں۔ کیونکہ اگر وہی نشان دوبارہ بھیجے جاتے تو کفار مکہ سب کے سب ہلاک کئے جاتے۔ لیکن مصلحتِ آلٰہی نے یہ نہ چاہا۔ یہ ہیں معنے آیت وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون کے۔ تیسرا مطالبہ کفار کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے نشانوں کے متعلق تھا۔ جن سے ایمان بالغیب بالکل اُٹھ جاوے سو ایسے نشان کے دکھانے سے بکلی انکار کیا گیا ہے۔ اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا قرآن کریم کی ذیل کی آیات اس مطالبہ کی شاہد ہیں۔ وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ۝ او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار خلٰلھا تفجیرا ۝ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلا ۝ او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ ط قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ۝ (بنی اسرائیل ۹۰-۹۴) اور کفار نے کہا کہ ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے جب تک کہ تو زمین سے ہمارے لئے چشمے نہ نکالے۔ یا انگوروں اور کھجوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم سمجھتے ہو کہ ہم پر عذاب نازل ہوگا۔ آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہم اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یا تمہارا کوئی سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے پر باور نہیں کرینگے جب تک ایک کتاب نہ اُتارو جسے ہم پڑھ لیں۔ اے پیغمبر تو ان سب مطالبوں کا یہ جواب دے کہ میرا خدا پاک ہے میں تو محض ایک بشر رسول ہوں۔ یہ تھے سخت خود تراشیدہ نشان جو وہ مانگتے تھے سو چشم والے کیلئے ایسی درخواستیں ہمارے سید و مولےٰ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ظاہرہ وآیات بینہ پر صاف اور کھلے کھلے دلائل ہیں۔ خدا جانے ان دلوں کے اندر حضور ہمارے سید و مولےٰ و آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار صداقت نے کس درجہ تنگ اور عاجز کر رکھا تھا۔ اور کیا کچھ آسمانی تائیدات اور برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ کہ جن سے

خیرہ ہو کر اور جن کی ہیبت سے منہ پھیر کر سر اسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب خواہشیں پیش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے یوں تو اللہ جلشانہ قادر ہے۔ کہ اس قسم کے سب عجائبات ظاہر کر کے دنیا میں ہی وہ انکشاف تام کر دے۔ جو آخرت میں ہونے والا ہے۔ اور اخفا کے تمام پردے دور کر دے۔ مگر ابتدا سے اسکی یہی سنت رہی ہے کہ ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزات دکھلاتا رہا ہے کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کر کے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلاوے۔ ہاں انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح کے مرنے پر صدیوں کے مرے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔ لیکن اگر یہ امر واقع میں ہوا تھا اور جیسا کہ ہم پہلے کسی نمبر میں بیان کر چکے ہیں یہ خواب نہ تھا تو پھر ان مردوں کی گواہی بھی خلاف ہی ہوگی۔ کیونکہ اس کا اثر الٹا ہوا۔ اور بجائے ماننے کے لوگ اور بھی مخالف ہو گئے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے۔ اُن میں سے اکثر آخر کار آنحضرت کے نشانوں کے گواہ بن گئے تھے۔ کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنہوں نے مشرف باسلام ہو کر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا۔ اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے میں کتب احادیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں پس اگر بالفرض ان لوگوں نے ابتدا میں معجزات سے انکار بھی کیا تو یہ انکار اُن کا کیا وزن رکھتا ہے جب آخر کار وہ اس انکار سے خود دستکش اور تائب بھی ہو گئے۔ اس صورت میں قابل تسلیم تو اُن کی وہ شہادت ہے جو راہ راست پر آنے کے بعد اُنہوں نے دی۔ کیونکہ اپنے پہلے خیالات کو اُنہوں نے خود غلط سمجھا۔

یاد رہے کہ قرآن شریف بجائے خود ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اور یہ ایسا معجزہ نہیں جس کو ایک ہی زمانہ کے لوگوں نے دیکھا ہو اور پھر وہ قصہ کہانی کے رنگ میں ہو گیا ہو۔ بلکہ ایک زندہ معجزہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن میں ظاہر ہے۔ قرآن کریم کا عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفار کو دکھلایا گیا یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو جیشد ید کہنا چاہئے وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ جس سے کوئی مخالف بھی کسی صورت سے انکار نہیں کر سکتا اول یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے ہے نہایت بدیہی اور مُسلّم الثبوت ہے۔ کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صدہا تکالیف اور دکھوں اور دردوں میں مبتلا تھے۔ اور وہ ایام دین اسلام کے ابتداء ایسے

ضعف اور کمزوری کے تھے کہ خود کفار مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے۔ کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھوں سے کیوں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا۔ اور کیوں تم ایک قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونے والی ہے۔ اور اگر تم سچے ہو تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جو کچھ کفار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکلیف میں کہا گیا۔ وہ دوسرا مقدمہ اس پیشگوئی کی عظمت شان کے سمجھنے کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت پر ایسا نازک زمانہ تھا۔ کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا اور چاروں طرف ناکامی منہ دکھلا رہی تھی سو ایسے زمانہ میں کفار کو ان کے عذابی نشان کے مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتحمندی اور تمہارے سزایاب ہونے کا نشان دکھلایا جائیگا۔ اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کریگا۔ اور وہ جو اسلام کا نشان مانگتے ہیں۔ وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جاوینگے۔ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جاویگا۔ اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آجائیگی۔ اور خدائے تعالےٰ دین اسلام کو ملک عرب میں ایسے طور سے جما دیگا۔ کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے بکلی امن کے ساتھ بدل جائیگی۔ اور اسلام قوت پکڑیگا۔ اور غالب ہوتا چلا جائیگا۔ یہانتک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی فتح و نصرت کا سایہ ڈالیگا۔ اور دُور دُور تک اس کی فتوحات پھیل جائینگی۔ اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہو جائیگی۔ جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا۔ اب جو شخص پہلے ان دونوں مقدمات پر نظر ڈالکر سمجھ لیوے کہ وہ زمانہ جسمیں یہ پیشگوئی کیگئی تھی اسلام کیلئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ اور جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی پھر بعد اسکے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے ایک منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اور کس قدر دلوں پر ہیبت ناک اثر اس کا پڑا۔ اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت اور طاقت کے ساتھ ظہور اس کا ہوا تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشمدید معجزہ قرار دیگا۔ جس میں اس کو ایک ذرہ بھی شک و شبہ نہ ہوگا +

دوسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود و محسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب و غریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہ برکت پیروی قرآن شریف واثر

صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آئیں۔ جب ہم اصحاب کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس عادت اور طریق کے آدمی تھے۔ اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واتباع قرآن شریف کس رنگ میں آگئے۔ اور کیسے اخلاق میں عقاید میں چلن میں گفتار میں رفتار میں کردار میں اور اپنی جمیع عادات میں خبث کیحالت سے منتقل ہوکر نہایت طیب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ تصرف ایک خارق عادت تصرف تھا جو خاص خدا تعالےٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے ان کو مردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا اور اس ہولناک حالت سے چھڑایا۔ بیمار پایا اور انہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا اور روشنی بخشی اور خدائے تعالےٰ نے اس اعجاز کے دکھلانے کے لئے ایک طرف قرآن شریف میں عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے تھیں۔ اور دوسری طرف اُن کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں جو اسلام لانے کے بعد ان میں پیدا ہو گئے۔ کہ تا جو شخص ان دونوں حالات کو دیکھے وہ یقین کامل سے یہ سمجھ لیوے کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہیئے +

پھر تیسرا معجزہ قرآن شریف کا۔ جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے حقائق و معارف و لطائف و نکات ہیں۔ جو اس کی بلیغ و فصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑے تشدد و مد سے بیان کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر کل دُنیا اکٹھی ہو کر اسکی نظیر بنانا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے۔ کہ اس زمانہ تک کہ تیرہ سو برس گذر چکا ہے باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دنیا کے تمام حصوں میں ہو رہی ہے۔ اور بڑے زور سے ھل من معارض کا نقارہ بجایا جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی۔ پس اس سے اسبات کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز ہیں۔ بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے ایک خوبی کو پیش کر کے اسکی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ بھی ناممکن ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی ایک یہ بھی خوبی ہے۔ کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے ایسی نہیں ہے جو قرآن شریف میں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جسمیں یہ صفت موجود ہو +

پھر چوتھا زندہ معجزہ قرآن شریف کا اسکی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اسکی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں۔ اور مکالمات الٰہیہ سے مشرف

کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کی دعاؤں کو سنتا اور اُنہیں محبت کی راہ سے جواب دیتا ہے۔ اور بعض اسرار غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے۔ اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے اُنہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے۔ جو قیامت تک اُمت محمدیہ میں رہیگا۔ اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے مسلمانوں میں ایسے لوگ اب بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ جلشانہ اپنی تائیدات خاصہ سے موید فرما کر الہامات صحیحہ و رویاے صادقہ اور مبشرات اور مکاشفات غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ غرض ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات نہ صرف عرب نے ہی دیکھے۔ بلکہ ہر ایک زمانہ اُن کو دیکھتا ہے۔ اور اس وقت بھی ان کا ظہور ہو رہا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ سوا اس کے جس کی آنکھوں پر تعصب یا جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہو +

کرشن کی تعلیم

قدیم ہندوستان میں کرشن ایک عظیم الشان انسان بلکہ ہندوستان کے سب رشیوں سے بزرگتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسکی اصل تعلیم میں بہت ساری غلطیاں بھر گئی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہماری موجودہ تحقیقات اسکی اصل تعلیم کے متعلق اصل سنسکرت زبان کی کتابوں پر مبنی نہیں بلکہ صرف انگریزی اور اردو تراجم ہی اس کا ماخذ ہیں۔ لیکن ان تراجم کی موجودگی میں غلطی کا کوئی بڑا احتمال نہیں کیونکہ دونوں قسم کے تراجم ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک ان لوگوں کے جنہوں نے کرشن کو مسیح کیطرح واقعی خدا سمجھا ہے۔ اور دوسری طرف یوروپ کے محققین کے ترجمے ہیں۔ جنہوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے علوم سنسکرت میں مہارت حاصل کی ہے۔ اور اُسکے وسیع خزانوں کو تلاش کر کے کرشن کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہانتک ہماری موجودہ تحقیقات کا دائرہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں قسم کے ترجموں کی موجودگی میں ہم اصلیت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پبلک ان تراجم کی مدد سے کرشن کی تعلیم کو سمجھتی ہے۔ تو ہمیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو اسکے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگرچہ ان دونوں فریقوں کے درمیان جنمیں سے ایک تو ان تمام قصص کو جو کرشن کی زندگی اور تعلیم پر سنسکرت زبان میں پائے جاتے ہیں لفظ بلفظ وحی سمجھ کر اس پر ایمان لاتا ہے۔ اور کرشن کو واقعی زمین و آسمان کا مالک سمجھتا ہے۔ اور دوسرا ان تمام واقعات کو محض قصہ

اور کہانی سمجھتا ہے۔ اور کرشن کو ایک خیالی انسان تصور کرتا ہے۔ ایسے محققین کا ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ جو اس امر کی اصلیت کو سمجھ کر کرشن کو واقعی انسان اور قدیم ہندوستان کا مصلح سمجھتے ہیں اور جو اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ کرشن کے حالات کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ اس میں تھوڑی سی اصلیت کے ساتھ بہت سارے جھوٹھے قصے ملائے گئے ہیں۔ لیکن باوجود اس امر کے اس عظیم الشان انسان کی اصل تعلیم اب تک نہیں سمجھی گئی۔ اور ابھی تک کسی نے اسکو ان غلطیوں سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کی جو بعد میں اس میں داخل ہوگئی ہیں۔ کرشن کی اصل تعلیم کی اس حقیقت کو ہم اس جگہ ظاہر کرنے کی کوشش کرینگے - وما توفیقی الا باللہ

کرشن کی تعلیم بھگوت گیتا میں ہے جو مہابھارت میں ایک درمیانی قصہ کے طور پر ہے۔ اس سوال سے ہمیں بالفعل کوئی تعلق نہیں ہے۔ کہ یہ کس زمانہ کی کتاب ہے۔ ممکن ہے کہ جیسا دہرندرناتھ پال نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پندرہ صدی قبل از مسیح کی لکھی ہوئی ہو۔ یا جیسا کہ جان ڈویز ثابت کرتا ہے تیسری صدی عیسوی کی یہ کتاب ہو۔ البتہ یہ امر یقینی ہے۔ اور سب کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ کرشن کے زمانہ کے بہت دیر بعد یہ لکھی گئی ہے۔ اور دوسری طرف یہ امر بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسمیں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں اور زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ خود پال جو کرشن کا بڑا مداح ہے اپنی کتاب لائف اینڈ ٹیچنگز آف کرشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے: "موجودہ مہابھارت خود اپنی روایت میں کہتی ہے۔ کہ بیاس نے اصل مہابھارت کو درمیانی قصص چھوڑ کر چوبیس ہزار شلوکوں میں لکھا تھا لیکن موجودہ مہابھارت میں چوبیس ہزار شلوک کی بجائے ایک لاکھ سات ہزار تین سو نوے شلوک ہیں اس کے مضامین کی فہرست میں بجائے اسکے اصلی ایک سو پچاس شلوکوں کے دو سو اڑسٹھ شلوک ہیں یہ اس امر کا صاف ثبوت ہے۔ کہ اصل مہابھارت میں چند ہزار سال کے اندر کئی ہزار شلوک بڑھ گئے ہیں اور پھر لکھا ہے۔ کہ جسوقت اگر سروتے اسکو نیمش کی بیابان میں پڑھا تھا۔ اسوقت بھی اس میں بہت ساری تبدیلیاں اور ایزاد ہوچکے تھے۔ اور اسوقت بھی اسکی مختلف قراتوں کے متعلق بہت سا اختلاف رائے تھا"۔ ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ ان تغیرات کو الگ چھوڑ کر جو کرشن کی تعلیم میں اسوقت واقع ہوچکے تھے۔ جب وہ ابھی ضبط تحریر میں نہیں لائی گئی تھی۔ خود بھگوت گیتا میں بھی مہابھارت کے ساتھ بہت سے تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ہمارے پاس گیتا کے کسی اصول کو کرشن کی تعلیم نہ ماننے کے لئے کافی وجوہات ہوں تو پھر گیتا کے اس حصہ کو کرشن کے بعد کی غلطی سمجھنے میں ہم حق پر ہونگے +

جو شخص ہندو مذہب کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ گیتا کی تعلیم کو دیکھ کر ضرور حیران ہوتا ہے
ایک طرف اس ملک کے عام بت پرستی کے خیالات ہیں۔ اور دوسری طرف کرشن کی اعلےٰ درجہ کی موحدانہ
تعلیم ہے جسکو دیکھ کر ہر ایک منصف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ اس تعلیم کا ماخذ کسی طرح سے کرشن کی اپنی
قوم یا وقت کی مروجہ تعلیم نہیں ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ ہندوؤں کو کبھی کرشن سے پہلے
توحید کی تعلیم نہیں دیگئی۔ یا مثلاً ویدوں میں ان کو ایسی تعلیم نہیں دیگئی تھی۔ لیکن کرشن کے وقت
میں توحید کی یہ تعلیم عناصر پرستی اور دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کے نیچے ایسی دبی ہوئی
تھی۔ کہ گویا مٹ ہی چکی تھی۔ جیسا کہ ویدوں کی موجودہ صورت سے بھی ظاہر ہے۔ اور علاوہ
اس کے یہ لوگ طرح طرح کی فلسفیانہ غلطیوں میں مبتلا ہو کر اصل توحید اور صفات الٰہی کی شناخت سے
بہت دور جا پڑے تھے۔ ہندو لوگ صرف اسی غلطی میں مبتلا نہ تھے کہ مردہ رسوم کی پیروی سے
اصل حقیقت کو بھول گئے تھے۔ بلکہ وہ اقرار توحید سے بھی دور جا پڑے تھے۔ اور چھوٹے
دیوتا اور دیویاں اپنے لئے ایسے تراش لئے تھے جنکی طرف وہ مختلف قسم کے کام اور مختلف درجہ
کی طاقتیں منسوب کرتے تھے۔ ہندو اس تاریکی اور جہالت میں مبتلا تھے جبکہ ان کے درمیان
ایک برگزیدہ انسان کرشن ظاہر ہوا۔ گیتا سے ہمیں ہندوؤنکی اس روحانی موت کی شہادت صاف
طور پر ملتی ہے۔ جیسا کہ اسکے چوتھے باب سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے "اے ارجن جب دھرم کی
ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے۔ تب میں پرماتما اوتار لیتا ہوں۔ میں نیک لوگوں کی رکھیا
کرتا ہوں۔ اور پاپیوں کا ناس کر کے بار بار اوتار دھار کے دھرم کو قایم کرتا ہوں" ($\frac{4}{8}$)
چونکہ خدا کے نبی اسی ذات برتر کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس واسطے انکے ظہور کو خدا کا ظہور قرار دیا گیا
ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دو عہد ے جو کرشن نے اس جگہ اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ
نیک لوگونکی حفاظت کرنا اور بدکاروں کو تباہ کرنا ہیں۔ اور ایسا ہی کرشن کے آخری ظہور کے متعلق
جو کلجگ کے اخیر پر ہوگا یہی لکھا گیا ہے کہ وہ آکر بدکارونکو ہلاک کریگا اور نیکوں کی رکھیا کریگا۔ انہی
دو عہدوں کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطاب یعنی رودر اور گوپال اشارہ کرتے
ہیں۔ جن ناموں سے آپ عرصہ پہلے وحی الٰہی میں بحیثیت کرشن ہونے کے پکارے گئے ہیں۔ اور یوں گیتا
کی اس عبارت سے اس پاک کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو مدت پہلے آپ پر نازل ہوا تھا۔ کہ ہے
کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔

الغرض حضرت کرشن علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہندو سخت عملی اور اعتقادی غلطیوں میں

بتلاتے تھے۔ اور کرشن نے ان دونوں قسم کی غلطیوں کی صلاح کی اور اس ملک کے لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کی۔ اپنی تعلیم میں انہوں نے توحید الٰہی پر بہت زور دیا ہے۔ اور خدا کے سوا تمام دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ڈیویز صاحب اپنے گیتا کے ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں" اسکے یعنی کرشن کے نزدیک اعلےٰ ہستی ایک ہے جس کا کوئی ہمسر یا شریک نہیں۔ اور جسکی طرف اس قسم کے صفات منسوب نہیں کئے گئے جو عام ہندوؤں کے خیالات کے مطابق دیوتاؤں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور جو جذبات اور بدیاں دیوتاؤں میں ہندوؤں نے سمجھ رکھی تھیں۔ ان سب سے اللہ تعالےٰ اسکے نزدیک پاک تھا"۔ چنانچہ یہ امر گیتا کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے" ان میں سے دانا آدمی جو صرف ایک کی پرستش کرتا ہے سب سے افضل ہے" (۷/۱) جن کا گیان کسی قسم کی شہوات سے ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی رسوم کے پیچھے چلتے ہیں" (۷/۲۰) "جو خالص میری پرستش کرتے ہیں۔ اور دوسرے دیوتاؤں کی پناہ نہیں ڈھونڈتے جو میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں انکو میں اپنی برکات سے پورا پورا حصہ دیتا ہوں" (۹/۲۲) "دیوتا کے اوپاسک دیوتا کے لوگ اور پتروں کے اوپاسک پتروں کے لوگ اور بھوتوں کے اوپاسک بھوتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کے پاس جاتے ہیں لیکن جو میری پرستش کرتے ہیں صرف وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں" (۹/۲۵) اس سے ظاہر ہے۔ کہ کرشن کی توحید کی تعلیم سطحی اور موٹی تعلیم نہیں بلکہ روحانی امور میں اسکی نظر بہت باریک معلوم ہوتی ہے۔ اور کسیطرح پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی باریک توحید کی تعلیم اس کے اپنے دل سے نکلی ہوئی تھی یا یہ کہ دوسرے انسانی ذرائع اس کا ماخذ تھے۔ وہ دریائے توحید کی تہ میں ایسا غوطہ لگاتا ہے۔ اور روحانی بلندیوں پر اس طرح پرواز کرتا ہے۔ کہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکی تعلیم سرچشمہ وحی الٰہی سے نکلی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے خیالات سے بہت بلند ہے۔ مثلاً اس تعلیم پر غور کرو" جو کچھ تو کام کرے۔ جو کچھ تو کھائے جو کچھ تو قربانی دیوے جو کچھ تو دان کرے اور جو کچھ تو عبادت کرے۔ اس سب کو خالص میرے لئے کر" (۹/۲۷) ایسی ایسی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکی تعلیم کسی انسانی چشمہ سے نہیں لیگئی تھی بلکہ انسان سے بلند تر کسی ہستی کیطرف سے تھی جب ہم اس زمانہ کی جہالت اور تاریکی پر جو روحانی امور میں کرشن کے وقت میں پھیلی ہوئی تھی غور کرتے ہیں اور پھر کرشن کی اس اعلےٰ درجہ کی تعلیم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس نے جو کچھ کہا خدا کی طرف سے الہام پاکر کہا۔ ایسی اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم کا ایسے انسان سے جس کا خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ ہونا ہرگز ممکن نہیں ۔

کرشن کی تعلیم کی یہ بلند پروازی صرف توحید الٰہی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی ذات اور صفات کے تمام پہلوؤں پر اس کی تعلیم ایسی ہی اعلےٰ درجہ کی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو سب پاکوں سے پاک اور ابدی خالق مانتا ہے۔ اسکی تعلیم میں "اللہ تعالےٰ تمام عالم کا سرچشمہ ہے تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی سے یہ کل عالم نکلا ہے وہ سب سے اعلےٰ ہستی۔ سب سے اعلےٰ مقام۔ سب سے زیادہ پاک ہمیشہ کا خالق۔ سب دیوتاؤں سے اول۔ غیر مخلوق سب کا خداوند ہے۔ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سب کا مالک سب دیوتاؤں کا خدا تمام عالم کا حاکم ہے۔ اس پر کبھی زوال نہیں آتا۔ وہ غیب الغیب ہے۔ اس کا ظہور کسی چیز سے نہیں ہوسکتا۔ وہ سب پر محیط پر اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ عرش پر غیر متبدل لازوال اور ابدی ہے"۔ کرشن کا اللہ تعالےٰ کو خالق اشیاء اور خالق عالم ماننا بھی صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے کہتا تھا جو کچھ کہ کہتا تھا کیونکہ ہندوؤں کے کل فلسفی طریقوں میں جیسا کہ آج کل آریہ سماج میں بھی یہی مانا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق نہیں۔ اگرچہ کرشن کی تعلیم میں بہت ساری غلطیاں ملا دی گئی ہیں۔ لیکن جو کچھ کہ ہم تک پہنچا ہے اُس سے بھی یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وہ خدائے تعالےٰ کو خالق مانتا تھا ؛

البتہ گیتا میں بعض بعض جگہ ایسی تعلیم بھی پائی جاتی ہے کہ خدا نے مجسم ہوکر انسانی صورت اختیار کی۔ اور خود کرشن نے ہی انسان کی شکل میں خدا ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اس تعلیم کو ہم کسی صورت میں کرشن کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ صاف معلوم ہوگا۔ کہ کسی انسان نے جس کے حواس میں فتور نہ آگیا ہو کبھی خدا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو لوگ خدا بنائے گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ موت کے بعد ہی خدا بنے ہیں کسی انسان کو خدا بنانے کا خیال اُس وقت تقویت پکڑتا ہے۔ جب اس پر ایک مدت گذرنے کے بعد اسکی اصل حقیقت آنکھوں سے چھپ جاتی ہے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے۔ اور تاریخ کے دھندلاپن میں اُسکی شکل بڑی نظر آنے لگتی ہے اُسکی نسبت خدائی کا خیال پیدا ہونے لگتا ہے ورنہ بیچارہ انسان کیا چیز ہے جو دنیا کی رنج و راحت میں شریک ہوتا ہوا اور خود ہی زندگی کی ضروریات کا محتاج ہوتا ہوا یہ دعوےٰ کرسکے کہ میں ہی زمین و آسمان کا خدا اور میں ہی پرستش کے لائق ہوں۔ اور میں اپنے پرستاروں کو کامیاب اور بامراد کرسکتا ہوں اور اُن کے دشمنوں کو ناکام اور نامراد کرکے صفحۂ دنیا سے ان کا نام مٹا سکتا ہوں۔ حالانکہ خود وہ طرح طرح کی ناکامیوں کا نشانہ ہو رہا ہو۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ معمولی انسانوں کی طرح زمین پر رہتے تھے۔ اُن کے دشمن بھی تھے۔ جو ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے

تھے وہ تمام ضروریات میں انسانوں کی طرح محتاج تھے پس اُن کے متعلق خدائی کا خیال بھی اسطرح پیدا
ہوگیا جس طرح حضرت مسیح کے متعلق حالانکہ یہ دونو بزرگ بالکل اس سے پاک ہیں۔ کہ اُنھوں نے کبھی
ایسا کلمہ کُفر کا منہ سے نکالا ہو کہ ہم واقعی خدا ہیں۔ اور زمین و آسمان کی سب طاقتیں ہمارے ہی
ہاتھ میں ہیں مسیح کا زمانہ کرشن کی نسبت نزدیک ہونے کی وجہ سے مسیح کی خدائی کی تاریخ کا پتہ تو صاف
ملتا ہے۔ لیکن اس امر کی بھی کافی شہادت ملتی ہے۔ کہ کرشن کی خدائی کا خیال بھی بتدریج ہی
ترقی پذیر ہوا ہے۔ چنانچہ ڈیویز صاحب لکھتے ہیں۔ کہ وشنووں نے اس دعوے کو ترقی دی لیکن
بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اس بات کے قائل تھے کہ وہ واقعی انسان تھا۔ کیونکہ بھشما پروان
میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ جو کوئی یہ کہے کہ وہ یعنی کرشن محض انسان تھا وہ موٹی سمجھ کا آدمی ہے۔
اگر بعض ایسے فقرات ہیں جن میں اُسے سب چیزوں کا اصل اور منبع بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ فقرات
بہت تھوڑے ہیں تو وہ اس مضمون کی نظم کے عام پیرایہ کے اس قدر مخالف ہیں۔ کہ ہم ڈاکٹر میور
کے ساتھ اُن کو پچھلے زمانہ کی ملائی ہوئی عبارتیں اور تحریفیں کہنے کیلئے مجبور ہیں۔ اصل میں
توپرانوں کے زمانہ میں ہی آکر اُسکو پورا پورا خدا بنایا گیا ہے۔ اور سب سے پہلا پران یعنی وایو پران
تمام محققین کے اتفاق رائے سے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے"۔ اسکے علاوہ مہابھارت
کے دوسرے مقامات سے یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ خود کرشن مہادیو یعنی اعلےٰ ہستی کی پرستش کیا کرتے
تھے۔ اسیطرح ایک اور کتاب میں یہ ذکر ہے۔ کہ کرشن اور ارجن نے اللہ تعالےٰ کے سامنے زمین پر
ماتھا ٹیکا۔ دیکھو ترجمہ گیتا ڈیویز صاحب صفحہ ۱۹۰ ؎

ہندوؤں کی تو طبیعت میں ہی بُت پرستی اوائل زمانہ سے ہی بہت غالب ہی ہے۔ لیکن اس بات کو
چھوڑ کر بھی ایک موٹی سمجھ کا انسان ایک نبی کے الفاظ کے متعلق جو خدا کی طرف سے ہو کر بولتا ہے
آسانی سے غلطی کھا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں اصل متکلم تو اللہ تعالےٰ ہے۔ مگر جس انسان کے
مُنہ سے وہ کلام نکلکر دوسرے انسانوں تک پہنچا ہے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب
بعض جگہ جو صفات ضمیر متکلم میں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ اُن صفات الٰہی اور
طاقتوں کو نبی کریم کے متعلق خیال کر لینا سخت غلطی ہے۔ اسی قسم کی غلطی کرشن کے متعلق بھی
واقع ہو سکتی ہے۔ مثلاً جب ہم گیتا میں کرشن کے مُنہ سے نکلا ہوا یہ کلام پڑھتے ہیں کہ میں
ہی تمام چیزوں کا منبع ہوں۔ اور تمام عالم اور تمام مخلوق میرے ہی ہاتھوں سے نکلی ہے۔ تو
اس سے یہ سمجھ لینا کہ یہ لفظ کرشن اپنے متعلق بول رہا ہے سخت غلطی ہے۔ وہ تو خدا کیطرف سے

ہو کر بول رہا ہے۔ اور مَیں سے مراد اللہ تعالےٰ ہے نہ کہ کرشن علاوہ ازیں کرشن جی بڑے پرزور الفاظ
میں شرک سے روکتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے دیوتا کے آگے جھکنے سے بار بار منع کرتے ہیں
اب انہیں دوسرے دیوتاؤں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنکو اُسوقت کے یا پہلے لوگوں نے خدا سمجھ رکھا تھا۔ پس یہ
کیونکر ہو سکتا تھا کہ کرشن جی دوسرے انسانوں کی پرستش سے تو پرزور الفاظ میں لوگوں کو منع کرتے۔ اور پھر
خود انسان ہو کر آپ پرستش کے حقدار بن بیٹھتے۔ ایک سمجھ دار انسان ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا۔
اگر انسان خدا ہو سکتا ہے یا خدا آدمی بن سکتا ہے۔ جو دونوں ملتے جلتے اعتقاد ہیں۔ تو پھر ایک
انسان پر کیا منحصر ہے۔ کیوں دوسرے خدائی کے دعویدار جھوٹے ہوئے اور ایک ہی ان میں سے
سچا رہا۔ حالانکہ کوئی مابہ الامتیاز گیتا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ جس شخص کی یہ تعلیم ہو کہ "جن لوگوں میں
نفسانی خواہشات علم پر غالب آگئی ہیں وہی لوگ ہیں جو خدا کے سوائے دوسرے معبودوں کیطرف
جاتے ہیں"۔ اور پھر یہ کہ "میرے پاس صرف وہی لوگ آوینگے جو خالص میری پرستش کرتے ہیں" ایسا
توحید کا معلّم یہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ کہ اب مجھے معبود بناؤ۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ گیتا واقعی امر غلط
تعلیم سے خالی ہے۔ یا ہم اسبات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مروجہ گیتا میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔
ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ ان تعلیموں کو کرشن جی کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ خود گیتا سے یہ
شہادت ملتی ہے۔ کہ یہ تعلیم کرشن کی دوسری تعلیم کے بالکل مخالف ہے۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ کرشن کے
وقت سے بعد اُنکی کلام میں درج ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس سے کرشن جی کا دامن پاک ہونا
چاہئے۔ درحقیقت اُس شخص کے مقصد کے جو نبی ہو کر دنیا کی اصلاح کیلئے آتا ہے۔ یہ امر بالکل
برخلاف ہے۔ کہ وہ ایسی تعلیم انسانوں کو دے کہ خدا بھی انسان بن جایا کرتا ہے۔ ایسے ایسے خیالات ان
لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو نبوت کے زمانہ سے بعد آتے ہیں۔ اور روحانیت سے بالکل بے بہرہ
ہونیکے سبب تمام روحانی امور کو جسمانی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح پر خدا تعالےٰ کیلئے بھی جسم تجویز کرتے
ہیں۔ چنانچہ تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ کہ جہاں کوئی انسان خدا بنایا گیا
ہے۔ ہمیشہ پیچھے آنے والے لوگونکی تجویزوں سے ہی ایسا ہوا ہے۔ خود گیتا میں خدا کے جسم اختیار کرنے کا
انکار موجود ہے۔ جیسا کہ اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "بیوقوف سمجھتے ہیں کہ میں جو جسمانی رنگ
میں ظاہر نہیں ہوتا جسم رکھتا ہوں"۔

ایک اور قابل اعتراض امر گیتا کی تعلیم میں جو کرشن جی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مسئلہ تناسخ ہے۔
لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ مسئلہ بھی کسی طرح کرشن کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دوسری جگہ

اسی مسئلہ کی تردید موجود ہے۔ اور جن اہم مسائل پر اسکی بنا ہے وہ کرشن کی تعلیم کے بالکل مخالف ہیں۔ تناسخ کا مسئلہ ایک طرف تو یہ چاہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق ارواح نہ ہو بلکہ روح بھی خدا کی طرح قدیم اور خود بخود ہو۔ اور دوسری طرف تناسخ مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نجات ابدی نہ ہو بلکہ چند روزہ ہو جس سے ارواح کو پھر محروم کر کے پھر اُنکو تناسخ کے چکر میں ڈالا جاوے۔ تاکہ نظام عالم چلتا رہے۔ ان دونوں امور کا تعلق مسئلہ تناسخ کے ساتھ کئی مرتبہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لئے اس کے دوبارہ یہاں جتانے کی یا اس بحث میں پڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اب کرشن کی تعلیم کو غور کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کے نزدیک یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ نہ روح کا قدیم اور خود بخود ہونا اور نہ نجات کا ایک عارضی اور چند روزہ متاع ہونا۔ اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کرشن سچے دل سے اس امر کو مانتا اور اسی کی تعلیم دیتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے خالق اشیاء اور تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی کے ہاتھ سے ہر ایک چیز نکلی ہوئی ہے۔ اس تعلیم میں کسی قسم کا ابہام یا شک وشبہ نہیں۔ بلکہ بار بار اور کھول کھول کر اسے بیان کیا گیا ہے۔ اور نہایت واضح الفاظ میں خدا کی خالقیت کو کرشن نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ اقرار گیتا میں بار بار پایا جاتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی عقیدہ ایسا پیش کیا جاوے جو اس تعلیم کے مخالف ہو تو اُسے کرشن کی طرف منسوب کرنا پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی۔ پھر جس صورت میں گیتا خدا کی خالقیت کے اقرار سے پُر ہے تو ایک آدھ جگہ کسی ایسے فقرہ کا پایا جانا کہ روح ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ اگر اسکے یہ معنے نہ کئے جاویں۔ کہ خدا ہمیشہ سے خالق ارواح رہا ہے اور ہمیشہ سے ہی اسکی مخلوق چلی آئی ہے تو مجبوراً اسے تحریف کہنا پڑیگا۔ کیونکہ اس سے کرشن کی ایک کھلی کھلی اور نہایت معقول تعلیم کا انکار لازم آتا ہے۔ اسیطرح پر حقیقی نجات بھی کرشن کے نزدیک ابدی نجات ہے۔ جس سے پھر روح کو محروم نہیں کیا جاویگا۔ چنانچہ گیتا میں یہ تعلیم موجود ہے کہ "وہ جس کی روح تمام دنیاوی اور خارجی تعلقات کو قطع کر چکی ہے۔ وہ سچی خوشحالی کو پا لیتا ہے۔ اسکی روح خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کر کے ہمیشہ کی خوشحالی اور ابدی برکات کی وارث ہو جاتی ہے کیونکہ وہ خوشیاں جو دنیاوی تعلقات سے حاصل ہوتی ہیں وہ دُکھ کو پیدا کرنیوالی ہیں۔ وہ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ اسلئے دانا آدمی اُن میں کوئی خوشی نہیں پاتا" (۵/۲۱-۲۲) کیونکہ اعلےٰ درجہ کی سچی خوشحالی اس یوگی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کا دل اطمینان پا چکا ہے جس کے جذبات بھی ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ جس کا تعلق خدا کے ساتھ یگانگت کا تعلق ہو چکا ہے۔ اور جو گناہ سے پاک ہو چکا ہے۔ جو یوگی اس طرح پر خدائے تعالےٰ کے ساتھ اپنی روح کا تعلق پیدا کرتا ہے

اور جو گناہ سے رک چکا ہے وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق کی بے انتہا خوشیوں کو پاتا ہے" (۶/۲۷-۲۸) بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ کرشن کے نزدیک دو قسم کی نجات ہے۔ ایک عارضی نجات اور ایک ابدی نجات۔ مگر ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ نجات گناہ سے رہائی پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ گیتا میں بھی نجات انہیں معنوں میں لیگئی ہے۔ اسلئے عارضی نجات کے اگر کچھ معنے ہوں تو یہی معنے ہونگے کہ وہ گناہ سے عارضی رہائی پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ عارضی تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ لیکن کرشن اس قسم کی نجات کا قائل نہیں۔ اُسکے نزدیک اللہ تعالےٰ سے تعلق ایک ایسا تعلق ہے جو ہمیشہ کیلئے رہتا ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ وہ ایک اور قسم کی خوشی کا ذکر بھی کرتا ہے یعنی ان لوگوں کی خوشی جو خدا کی بجائے دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور جس خوشی سے وہ جلدی محروم کئے جاتے ہیں۔ گیتا میں اُن کا نام بھی بہشتی خوشیاں رکھا گیا ہے لیکن حقیقی بہشت کی خوشیاں اُن کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ ایک سفلی بہشت قرار دیا گیا ہے۔ جو اندر اور دوسرے دیوتاؤں کا بہشت کہلاتا ہے جنکی پرستش سے کرشن پُرزور الفاظ میں روکتا ہے۔ اسلئے یہ خوشی سچی بہشتی خوشی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسکو نجات کہا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی عارضی خوشیوں کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہم پھر گیتا کی طرف رجوع کرتے ہیں "تین مقدس کتابوں (یعنی ویدوں) کے پیچھے چل کر اور نفسانی اغراض کی خواہش رکھکر وہ اس چیز کو حاصل کرتے ہیں جو آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ لیکن اپنی یقینی برکات میں صرف اُنہیں کو دیتا ہوں۔ جو خالص میری ہی پرستش کرتے ہیں۔ اور کسی دوسرے معبود کی پناہ نہیں ڈھونڈتے۔ جو عبادت سے ہمیشہ میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں" (۹/۲۱-۲۲) اس جگہ اُن عارضی خوشیوں کی پوری کیفیت بیان کیگئی ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ مقدس کتابوں کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ نفسانی خواہشات اور جذبات کے مطیع ہوتے ہیں وہ خدا کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی خدا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے پس وہ اس حقیقی نجات تک بھی نہیں پہنچتے جو انسان کا اصلی مقصد ہے۔ انکی خوشی ایسی ہے جو آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ اور اسلئے اسے اس آسمانی خوشی سے کوئی تعلق نہیں جو اللہ تعالےٰ کے پرستار کو اسکے پاک تعلق سے ملتی ہے۔ اسلئے یہ خوشی ایک جھوٹی تسلی ہے۔ جو جھوٹے معبودوں کے پرستاروں کو ایک وقت کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس سے وہ جلدی محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ جن معبودوں پر وہ تکیہ کرتے ہیں۔ وہ خود ناچیز ہیں۔ پس اُن کی خوشیاں بھی ناچیز ہیں

پھر آگے چل کر لکھا ہے:۔
"لیکن ایسے لوگ درحقیقت مجھے نہیں جانتے اور اس لئے وہ گر جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو دیوتاؤں کا اُپدیشک کرتے ہیں۔ وہ دیوتاؤں کی طرف جاتے ہیں . . . اور وہ جو خالص میری عبادت کرتے ہیں وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں"۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے۔ کہ "جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہی دیوتاؤں کیطرف جاتے ہیں"۔ اسلئے ایسے لوگوں کی حالت جو ابھی تک اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں نجات کبھی نہیں کہلا سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ بہشت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وہ اصل میں دوزخ ہوتا ہے۔ جیساکہ دوسری جگہ صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ "وہ خوشیاں جو ان تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں انہیں سے تمام دُکھ پیدا ہوتے ہیں"۔

اس سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کرشن کی تعلیم میں عارضی نجات ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اس کے نزدیک نجات کے حصول کا طریق سچا اسلامی طریقہ ہے۔ ایک گنہگار آدمی بھی اپنا تزکیہ نفس کرکے نجات پاسکتا ہے۔ اور یہ ایسی تعلیم ہے جو عام ہندو عقیدہ کے جو تناسخ سے پیدا ہوتا ہے سخت مخالف ہے۔ اور اس طرح پر عقیدہ تناسخ کو جڑ سے اکھاڑنے والی ہے۔ چنانچہ گیتا میں لکھا ہے "اگر ایک بدکار بھی بدکاری کو چھوڑ کر خالص میری ہی عبادت کرتا ہے۔ تو اُسکو نیک آدمی سمجھنا چاہئے کیونکہ اُس نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے بہت جلدی وہ راستباز انسان بن جاتا ہے۔ اور ابدی آرام کو پالیتا ہے۔ یقیناً جان لو کہ جو شخص میری عبادت کرتا ہے۔ وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔ وہ جو مجھے اپنی پناہ بناتے ہیں۔ اگرچہ وہ گناہوں میں ہی پیدا ہوئے ہوں۔ عورتیں۔ ویش اور شودر۔ یہ سب لوگ اُس اعلےٰ مقام تک پہنچ سکتے ہیں" (۹ ب ۳۰-۳۲) اب یہ تعلیم اصول تناسخ کو جڑوں سے کاٹتی ہے۔ کیونکہ اس کے بموجب ایک گناہگار بغیر جونوں کے چکر میں پڑنے کے نجات پاسکتا ہے۔ حالانکہ تناسخ کے رو سے یہ قاعدہ صحیح نہیں۔ اور نہ ہی عورت نجات پاسکتی ہے۔

درحقیقت ایک شخص کو جو غور سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر غور کرے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا مآل اور اس کے حصول کا طریق ایک ہی ہے۔ جہانتک خدائیتعالےٰ کی وحی کا سلسلہ چلتا ہے اسکی طرف سے حصول نجات کا صرف ایک ہی طریق انسانوں کو بتایا گیا ہے یعنی تزکیہ نفس اور اس کے سوائے جو کچھ طریقے لوگوں نے ایجاد کئے ہیں۔ وہ ہرگز حصول نجات کے طریقے نہیں ہر ایک نبی نے تزکیہ نفس پر ہی زور دیا ہے۔ اور اگر دنیا کی بہتری ہوسکتی ہے تو تزکیہ نفس سے ہی

ہوسکتی ہے۔ یہ عجیب اتحاد ان تمام لوگونکی تعلیم میں جو مختلف ممالک میں اور مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی ہدایت کیلئے پیدا ہوے ہیں۔ اس امر پر شاہد ہے کہ وہ ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہے۔ اور وہ ایسا سرچشمہ ہے۔ جو جو تمام انسانی ذرائع سے بلند تر ہے۔ بعض لوگوں نے ایسی ایسی مشابہتوں سے غلط نتیجے پیدا کئے ہیں مثلاً پادری صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ یہ ثابت کریں کہ چونکہ کرشن اور مسیح کی تعلیم بعض جگہ ملتی جلتی ہے۔ اسلئے ضرور ہے۔ کہ کرشن کی تعلیم مسیح کی تعلیم سے لیگئی ہو۔ گویا ان لوگونکے نزدیک خدا کی طاقت ایسی محدود ہے۔ کہ اپنی مرضی سوائے اسرائیلیوں کے دوسروں پر ظاہر ہی نہ کر سکتا تھا اور پھر اس اظہار کا ذریعہ سوائے یسوع مسیح کے اور کسی کو بنا ہی نہ سکتا تھا۔ لیکن اگر یہ استدلال صحیح ہے۔ تو پھر کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ مسیح کی تعلیم کرشن سے لی گئی ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک قوم کے پاس ہدایت بھیجی اور ہر ایک قوم کو وہ راہ دکھایا جو اسکی کامیابی اور خوشحالی کا راہ تھا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ خود اُن کو یہ راہ نہ بتاتا تو وہ کبھی وحشت کیحالت سے نکل ہی نہ سکتے۔ اسی الٰہی قانون کے مطابق کرشن ہندوؤں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور انہوں نے اُن لوگونکو وہی تعلیم دی۔ جو دوسرے انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو دی۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی مرضی اور ارادے کے کامل طور پر نیچے ہو کر چلنا۔ نفسانی خواہشات اور جذبات کو دبانا اور تزکیہ نفس کرنا۔ یہی تعلیم کرشن کی گیتا میں موجود ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس تعلیم میں مرور زمانہ سے غلطیاں ملگئی ہیں۔ اور ضروری بھی تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ یہ قبل از وقت بتایا گیا تھا۔ کہ جب اس سچی تعلیم کو لوگ بھول جاوینگے۔ اور اَوْر اَوْر راہیں اختیار کرینگے تو کرشن کا بروز پھر آخری زمانہ میں اِن غلطیونکی اصلاح کیلئے ظاہر ہوگا۔ سو خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ہے۔ مبارک وہ جو اسکو پہچان کر سچی راہ کو اختیار کریں۔ اور دائمی خوشحالی کے وارث ہوں +

بعض مسلمان بھی جلد بازی سے عیسائیوں کیطرح اس امر سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ کہ کرشن نبی تھا یا ہندوؤں میں بھی کوئی نبی آیا ہو۔ حالانکہ قرآن شریف میں صریح الفاظ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہم ہر ایک امت میں نذیر بھیج چکے ہیں۔ اور یہ بھی قرآن کریم نے صاف فرمادیا ہے۔ کہ ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ایک قریب کے زمانے میں کس طرح عیسائیوں نے مسیح کی تعلیم کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہانتک کہ اُس تعلیم کے رو سے وہ نعوذ باللہ خدا کے سچے نبی بھی نہیں ٹھیر سکتے تو پھر یہ کونسی بعید از قیاس بات ہے کہ کرشن کی تعلیم میں بعض غلطیاں پیچھے سے ملا دی گئیں۔ اور جہلا نے اُسے خدا سمجھ لیا۔ کیونکہ جب ہم انکی تعلیم

کے بڑے حصہ کو جو نجات کے متعلق ہے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے جس قدر فقرات اس تعلیم کے اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے بخوبی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ پھر ہم اس مضمون پر لکھینگے ✤

مسلمانوں کی مہذب پارٹی

اس مضمون کا عنوان کسی قدر مغالطہ میں ضرور ڈالتا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بہتر نام تجویز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہم اسی نام کو اختیار کرتے ہیں۔ جو ہمارے بعض مہذب بھائیوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس جگہ مسلمانوں کی مہذب پارٹی سے ہماری مراد ملک کے کل تعلیم یافتہ مسلمان نہیں۔ اور نہ ہی اُس جماعت کا بڑا حصہ مراد ہے۔ بلکہ وہ معدودے چند تعلیم یافتہ اصحاب ہیں جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اور جو موجودہ مسلمانوں سے الگ ہوکر اپنے لئے ایک نیا فرقہ بنانیکی تجویز کرتے ہیں۔ اس نئے فرقہ کے بنانے میں اُن اصول کی پابندی مدنظر رکھی گئی ہے۔ جو غلطی سے موجودہ مغربی تہذیب کے اصول اور بڑے بواعث سمجھ لئے گئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اصل وجہ اس علیحدگی کی زمانہ حال کے اکثر مسلمانوں کی جہالت اور توہم پرستی ہے جس سے خود بخود طبیعتیں متنفر ہونے لگی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے مذہبی دائرے پر اس نئی تحریک کے حملے سچے اور صحیح اصول پر مبنی نہیں ہیں۔ جن کا اصل باعث کسیقدر تو مذہبی اصول سے ناواقفیت ہے۔ اور کسیقدر جھوٹے مذہبی پیشواؤں کی قابل نفرت حالت۔ مذہب کی آڑ میں جو سیاہ کام کئے جاتے ہیں اُنہوں نے بعض طبیعتوں پر اتنا اثر کیا ہے۔ کہ اُن کو مذہب کے نام سے متنفر کردیا ہے۔ اور اس طرح پر توسط کو چھوڑ کر وہ ایک حد سے دوسری حد پر پہنچ گئے ہیں جھوٹے فلسفیانہ خیالات نے ایمان کو برباد کردیا ہے۔ اور اگرچہ اب تک بظاہر مُنہ سے عقاید اسلام کو مانا جاتا ہے۔ لیکن عملی حالت اس اقرار کو جھوٹا ثابت کررہی ہے ✤

اس نئی تحریک کے لئے ابھی کوئی خاص بڑی تجویز نہیں ہوئی۔ ایک شخص تو یہ تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض تمدنی امور میں جو مذہبی عقاید میں داخل ہیں اصلاح ہونی چاہئے۔ اور ان میں سے زیادہ زور تعدد ازدواج اور پردہ پر ہے۔ ایک اور شخص یہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مذہبی فرائض میں کسیقدر اصلاح چاہئیے اور اُنکی ادائیگی کے طریق میں بھی موجودہ زمانے کے مطابق کسی قدر تبدیلی کرنی چاہئے

گویا نماز روزہ اور حج کی شکل مل جانی چاہئے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک اور مجوز نے چند ہی روز ہوئے ہیں یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ قرآن کریم کا وہ حصہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا منسوخ سمجھنا چاہئے۔ اس نئی تجویز کے مطابق قریباً کل کی کل اسلامی شریعت کو جواب ملتا ہے۔ یہ سب ابھی تک فرداً فرداً تجاویز ہو رہی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عام مسلمانوں کے نزدیک یہ سب تجاویز مکروہ اور قابل نفرت ہیں۔ انہیں میں سے بعض اصول کی بنا پر ایک نیا فرقہ بنانے کی تجویز بھی خالی ایک ہی آدمی کی تجویز ہے۔ اور جہانتک ہمیں علم ہے اس صدا کا کسی طرف سے ان میں جواب نہیں ملا۔ ان سب تجاویز کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں اصلاح کر کے ان کو تہذیب کے معراج پر پہنچایا جاوے۔ ہمارے خیال میں ان تجاویز کے پیش کرنے والوں کو سخت غلطی لگی ہے اس تحریک میں سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ ان تجاویز کو پیش کرتے ہیں جن کو وہ مسلمانوں کی تہذیب کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ خود ان تجاویز پر عمل کرنے سے قاصر ہیں اور اس طرح پر وہ چیز جس کی ایک قوم کی اصلاح کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یعنی عملی حالت کا علمی حالت کے مطابق ہونا وہی مفقود ہے۔ اور مہذب پارٹی کا یہ خاصہ ہی ہمیں شروع میں ہی مایوس کر دیتا ہے۔ کہ انکی پیش کردہ تجاویز سے کبھی مسلمانوں کی اصلاح ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس ریمارک سے ہمارے دوست ناراض ہو جاویں۔ لیکن اگر وہ غور سے اپنی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو گا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے کرنے میں کہانتک قاصر ہیں۔ اس جگہ تفصیل کی حاجت نہیں۔ اور تفصیل سے شاید وہ رنجیدہ بھی ہوں۔ اسلئے ہم صرف ان تجاویز کو لیتے ہیں جن پر آجکل بہت زور دیا جا رہا ہے۔ انمیں سب سے پہلی تجویز یہ ہے۔ کہ نماز ایسی زبان میں ادا کیجاوے جس سے نماز پڑھنے والا واقف ہو۔ اور اسکو مہذب سوسائٹی کے لئے نہایت ضروری اصول قرار دیا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس اصول پر عمل بھی ہوتا ہے۔ آیا وہ لوگ جو اس اصول کو پیش کرتے ہیں نماز سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور اسکی پوری عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ صرف اتنی بات کو ہی پسند نہیں کرتے کہ نماز ایک ایسی زبان میں پڑھی جاوے جس سے ہم واقف نہیں۔ اس سوال کو ہم اور بھی کھول کر پیش کرتے ہیں۔ کیا مہذب پارٹی کے ممبر واقعی نمازیں پڑھتے ہیں عربی میں سہی انگریزی یا اردو ہی میں سہی؟ حقیقت یہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ہمارے مہذب بھائی اسکے بیان کرنے میں ہمیں مجبور سمجھینگے کہ ان کو کسی خاص زبان سے نفرت نہیں جسمیں نماز ادا کیجاوے بلکہ خود نماز سے ہی نفرت ہے۔ کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اعلےٰ تعلیم کے ایسے پر جوش

حامی ہوں وہ یہ پسند کریں کہ مسلمان بالخصوص عربی زبان سے ناواقف رکھے جاویں۔ کیا کوئی خاص وجہ بتلائی جاسکتی ہے۔ کہ جس صورت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہمیں اپنی تمام زندگی انگریزی تعلیم کے حصول میں وقف کردینی چاہیئے۔ کیوں عربی کو بالخصوص ہمارے تعلیمی کورس میں سے قطعی طور پر الگ کردینا چاہیئے ہم یہ نہیں کہتے کہ انگریزی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ ضرورت یہ ہے۔ کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ عربی زبان اور علم ادب میں بھی مسلمانونکو ترقی کرنی چاہیئے۔ اور جس طرح پر انگریزی اُن کے واسطے لازمی سمجھی جاتی ہے اسیطرح عربی بھی لازمی سمجھی جانی چاہیئے۔ اگر انگریزی زبان میں علوم کے خزانے ہیں تو اُن سے بھی زیادہ وسیع خزانے عربی زبان میں موجود ہیں۔ جنکو دریافت کرنا اور جن سے فائدہ اٹھانا ہمارا فرض ہے +

لیکن اصل مضمون سے ہم دور چلے گئے ہیں۔ اصل غرض ہماری یہ ہے۔ کہ ان تجاویز کے موید وں کو پہلے خود ان تجاویز پر عمل کر کے دکھلانا چاہیئے۔ انہیں ہم پر یہ ثابت کردینا چاہیئے۔ کہ وہ نماز سے واقعی اور سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور صرف اسیقدر چاہتے ہیں۔ کہ نماز اُس زبان میں ادا کی جاوے جس کو وہ جانتے ہیں۔ اسی طرح پر پردہ کے دور کرنے کے لئے بہت شور ڈالا گیا ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا بہادر بھی ہے۔ جس نے اس پر عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ ہم اسلئے نہیں کہتے کہ ایسی مثالونکے قائم ہونے سے مسلمانونکی کسی بہتری کی امید ہوسکتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ پردہ کے دور کرنے سے جس سے ہماری مراد وہ پردہ ہے جو اسلامی شریعت نے تجویز کیا ہے نہ اُس کا موجودہ تشدد۔ مسلمانونکو سخت نقصان پہنچیگا جیسا کہ آجکل کی تہذیب کے معراج پر پہنچی ہوئی ایک قوم کو اسی وجہ سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر یہ سمجھا جاوے کہ ہماری رائے اس معاملہ میں متعصبانہ ہے۔ یا واقعات پر مبنی نہیں تو کسی عیسائی مصنف کو دیکھ لیا جاوے۔ اور وہ اس بیان کی تائید کریگا کہ اگر پاکدامنی کے معاملہ میں یوروپ کی سوسائٹی سب سے نیچے نہیں تو کم از کم وہ اوپر تو ضرور نہیں۔ بوسانقٹ نے چند سال ہوئے فنسبری میں ایک لکچر عیسائی تہذیب پر دیا تھا۔ جس میں اُس نے اسی حقیقت کو جس کا سوائے اندھے متعصبوں کے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ "میں پرہیزگاری اور پاکدامنی کے مقابلہ کو اس وقت نہیں لیتا۔ کیونکہ اگر ان لوگوں میں سے جو عیسائیت کے منکر ہیں کوئی ایسی قوم ہے جو ان دو معاملوں میں ہم سے بھی بُری ہے تو وہ درحقیقت بہت ہی بری قوم ہونی چاہیئے"۔ اسی طرح عیسائی مذہب کا ایک ایسا بڑا عہدہ دار جیسا کہ کنٹربری کا لاٹ پادری جو درحقیقت سب سے بڑا عہدہ دار ہے اقرار کرتا ہے۔ کہ لندن کے بازار نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے

اُنھوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کرلیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم باواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے *

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہوجائے۔ دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات الٰہی کا مصدق ہوجاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُنھوں نے یقین کرلیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کیساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت الٰہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

جس کو ان کا نتیجہ کہا جاتا ہے تعلق کیا ہے ثابت یہ کرنا چاہئے تھا کہ ایسے امور مثلاً تعدد ازدواج
پردہ اور طلاق تمام زمانوں میں اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت ان لوگوں کے زوال کا موجب
ہیں جن کے درمیان وہ رائج رہے ہیں اور ایسا ہی ہر زمانہ میں انکی عدم موجودگی تہذیب کی ترقی اور
علوم و فنون کی ترقی کا موجب ہوتی رہی ہے نیز یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ جہاں کہیں دو قومیں ہوں
تعدد ازدواج اور پردہ کی رسوم کے باقی سب معاملات میں ایک ہی حالات کے ماتحت تھیں تو
ان امور کے ہونے نے ایک قوم کی ترقی کو روکا اور انکی نہ ہونے کے سبب سے دوسری قوم ترقی کے معراج
پر پہنچ گئی۔ اس قسم کی مثالیں اور اس قسم کے واقعات اگر کوئی تھے تو پہلے اکٹھے کئے جاتے اور پھر
انکی بنیاد پر ایسا نتیجہ نکالا جاتا۔ جو ایسے بغیر تحقیق کے نکالا گیا ہے۔ اگر ایسی کوشش کیجاتی تو
معلوم ہو جاتا کہ یہ امور کسی طرح پر مسلمانوں کے موجودہ زوال کا موجب نہیں۔ اور یہ بڑی بھاری
غلطی ہے کہ ان کے ہونے کو مسلمانوں کے زوال کا موجب اور ان کے نہ ہونے کو عیسائی قوموں کی ترقی
کا موجب قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ طریق اختیار کرنے سے ترقی کے اصل وجوہات الگ کئے جاتے ہیں
اور ایسے حالات سے الزام قرار دیا جاتا ہے جن کے ساتھ اسے قطعاً کچھ تعلق نہیں۔ یہ خیال جو
ہمارے مہذب دوستوں کو سوجھا ہے ان یورپین مصنفوں کو کبھی نہیں سوجھا جنہوں نے مغربی
تہذیب پر بڑی تحقیق سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ بعض یہ مراد انکی ساری ترقی تعدد ازدواج اور
طلاق کے نہ ہونے کے سبب سے ہوئی ہے۔ اگر واقعی یہ خیالات ایک ترقی یافتہ قوم کے خیالات میں
تو یورپ ضرور اب تک جہالت کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ یہ ایک لگا ہوا ہے کہ یورپین لوگوں کو اسلام میں
تعدد ازدواج کے جائز ہونے پر اعتراض ہے لیکن کسی نے کبھی ایسا خیال نہیں کیا کہ تعدد ازدواج
کے نہ ہونے کے سبب سے ہی یورپ نے مادی دنیا میں یہ عظیم الشان ترقی کی ہے۔ اصل بات یہ ہے
کہ اگر اس دلیل کو صحیح مان لیا جاوے کہ اسلام کے زوال کا موجب تعدد ازدواج وغیرہ ہی ہیں تو پھر اس
بیان کو بھی صحیح ماننا پڑیگا۔ کہ خنزیر اور شراب اور زنا کی مخالفت سے اور خدا کے انسان ہو جانے کے عقیدہ
کو رد کرنے سے ہی مسلمانوں پر یہ تنزل آیا ہے۔ اور ان امور کا جواز اور ایسا ہی ایک انسان کے خدا ہونے
کا عقیدہ مغربی تہذیب کے معراج پر پہنچنے کے باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر ہمارے تہذیب یافتہ بھائی
مسلمانوں کے آگے یہ تجویز پیش کرنے کیلئے تیار ہونگے۔ کہ ان غیر ضروری روکوں کو دور کرنا چاہیئے
جیسا کہ اب وہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں۔ کہ تعدد ازدواج اور طلاق کی غیر ضروری اجازت کو دور کرنا چاہیئے
ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے مہذب بھائیوں کی ذہانت نے کیسا غلط پہلو اختیار کیا ہے ؟

اگر کوئی شخص اسلام اور عیسائیت کی تاریخ کو مطالعہ کریگا۔ تو ان دونوں مذہبوں کی ترقی میں ایک امر بالخصوص اُس کو حیرت میں ڈالیگا۔ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ عیسائی مذہب اُس وقت پیدا ہوا جب رومیوں کی تہذیب جو اُس وقت کی تہذیبوں میں سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے معراج پر تھی اور ایسا ہی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ انہی رومیوں کے درمیان ہی عیسائیت کو اپنی پہلی فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بڑھنے اور پھیلنے کے ساتھ رومی تہذیب میں آہستہ آہستہ زوال آنا شروع ہُوا۔ دوسری طرف اسلام اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہُوا جو اُس وقت تک ایک وحشیانہ حالت میں تھے۔ اور نہ صرف اسیقدر بلکہ دُنیا کی دوسری قومیں بھی اُس وقت جہالت اور تاریکی میں غرق تھیں۔ اور قدیم دُنیا کی ہر ایک تہذیب زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اور اس امر کے ماننے سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا ایک نیا دن دنیا پر چڑھا۔ اس کا پاک اثر نہ صرف عربوں پر ہی پڑا بلکہ اُس نے اُن تمام قوموں کی حالت کو بھی بدل دیا جن کے درمیان یہ قائم ہُوا۔ اس طرح پر ایک عجیب فرق ان دو مذہبوں کی ترقی میں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح پر اُن دونوں نے الگ الگ اثر ان قوموں پر ڈالا جنھوں نے اُن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی ایک اور ضروری سلسلہ واقعات کا بھی نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ جبتک عیسائی عقاید عروج پر رہے۔ عیسائی قومیں وحشت کی اتھاہ میں ڈوبی رہیں۔ لیکن جب اس مذہب کے خاص عقائد کا رعب دلوں پر سے جاتا رہا۔ اور اُن میں زوال آنا شروع ہُوا تو پھر عیسائی قوموں نے تہذیب کی روشنی سے حصہ لیا۔ اگر غور سے دیکھا جاوے تو عیسائی دنیا نے جو پُرانی تہذیبوں پر ترقی دکھلائی ہے۔ وہ گذشتہ صدی میں ہی اُن کو حاصل ہوئی ہے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جبکے اندر عیسائی عقاید کو سخت صدمات پہنچے ہیں۔ اور عیسائی مذہب کا زوال شروع ہوا ہے۔ اب ان واقعات کے بالمقابل یہ امر غور طلب ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب میں ٹھیک اس وقت زوال شروع ہوا جب مسلمانوں نے اسلام کے اصول کو چھوڑ دیا۔ اور یہ واقعہ ہم اُن تمام ممالک میں دیکھتے ہیں جہاں مذہب اسلام کو غلبہ حاصل رہا تھا۔ اور جن ممالک کو اسلام نے ترقی کے معراج پر پہنچایا تھا +

اب یہ بالمقابل واقعات کا سلسلہ ایسے امور پر مبنی ہے جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس مقابلہ سے وہ اصلی اور ضروری فرق ظاہر ہوتا ہے جو اسلامی اور عیسائی تہذیبوں میں ہے۔ یہ ایک اتفاقی امر نہیں کہ عیسائیت کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا زوال شروع ہوا یا یہ کہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ تہذیب کی ترقی شروع ہوئی۔ اور نہ ہی یہ واقعہ نظر انداز کرنے کے قابل ہے

کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب نے ترقی کی۔ اور اس کے اصول کا اثر کم ہونے کے ساتھ تہذیب میں زوال شروع ہوا۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی تہذیب اپنی رفتار میں ایک خاص مقام پر پہنچ کر اسلئے ٹھیر گئی کہ اسلام کے اصول کے اندر ہی کچھ نقص تھا بالکل جھوٹ ہے مسلمانوں کی تہذیب کا ایک خاص مقام پر ٹھیر جانا یا اُس میں زوال کا شروع ہو جانا ہرگز اس سبب سے نہیں ہوا کہ اسلام کے اصول کے اندر یا اُسکے قائم کردہ رواجوں کے اندر کچھ نقص تھا۔ بلکہ اصل سبب اس زوال کا جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ اُن اصولوں پر جو اسلام نے سکھلائے تھے عمل چھوڑ دیا گیا۔ اور اُن رواجوں کو جو اُس نے قایم کئے تھے بُرے طور پر استعمال کیا گیا۔ اور اس طرح پر وہ تحریکیں جو ابتدا میں تہذیب کی ترقی کا باعث ہوئی تھیں مسلمانوں کے درمیان سے اُٹھ گئیں۔ الغرض یہ فرق جو اِن دو مذہبوں کے اصولوں کی ترقی و تنزل میں پایا جاتا ہے اس وجہ سے ہے۔ کہ ان اصولوں کا انسانی حرکت و انسانی تہذیب کے بواعث پر ایک خاص اثر ہے۔ غور کی نظر سے معلوم ہوگا کہ ان دو مذہبوں کے اہم اصولوں میں بڑا فرق یہ ہے۔ کہ موجودہ عیسائی عقاید نے جو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کی موت کے کچھ وقت بعد تجویز کئے گئے عیسائی قوموں کو توہم پرست زُود اعتقاد علم سے متنفر سُست اور ناقابل ترقی بنا دیا۔ اور اسلام کے اصولوں نے جیسا کہ اُس کے مُقدس بانی نے سکھائے تھے اُس کے پیرووں میں کام کرنے اور ترقی کرنے کے لئے ایک تحریک پیدا کی۔ اور تحقیق کی رُوح اُن میں پھونکی اور علوم کے ساتھ محبت پیدا کی۔ ان دعاوی کی تائید اِن دونوں قوموں کی تاریخ سے کافی طور سے ہوتی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں یہی اُنکی سچائی کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن اب ہم ان عقاید اور اصول کو پیش کر کے یہ بھی دکھاتے ہیں۔ کہ اُن سے ان لوگوں کے درمیان جو ان کے پیچھے چلیں کس قسم کی روح کے پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی ہے ✦

عیسائیت کا سب سے بڑا عقیدہ یا یوں کہنا چاہئے کہ مذہب عیسائیت کی بُنیاد مگر نہ اُس عیسائی مذہب کی جو مسیح نے سکھایا بلکہ پولوس نے تجویز کیا اور جو آجکل سکھلایا جاتا ہے۔ اس مذہب کی جڑھ کفارہ ہے جس کو خواہ کسی رنگ میں بیان کیا جاوے۔ اور کسی طرح سے ہیر پھیر کر کے اسکی تشریح کیجائے اِس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ عام عیسائیوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ کہ اُن کا بوجھ کسی دوسرے نے اٹھا لیا ہے۔ یہ کفارہ جس کے رو سے ایک کے فرائض کی ادائیگی دوسرے پر جا پڑتی ہے۔ ضرور تھا کہ انسانی حرکت پر جو ترقی کیطرف

ہونی چاہیئے ایک مُردگی کا اثر پیدا کرتا کیونکہ اس کے رو سے انسان کو یہ ضرورت باقی نہیں رہتی
کہ وہ خود کوئی کام کرے۔ اور جو جو فرائض اُسکے متعلق تھے ان سب کے متعلق یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ
دوسرے نے ادا کر دیئے۔ اس عقیدہ پر ایمان رکھ کر ایک آدمی خیال نہیں کرتا کہ اس کا یہ فرض ہے
کہ اپنی یا اپنی قوم کی بہتری کے لئے کچھ کام کرے۔ بلکہ اس کے نزدیک جو کچھ انسانی بہتری کے لئے
ہو سکتا تھا وہ سب یسوع مسیح کر چکا ہے۔ اس طرح پر کفارہ نے انسانی ترقی کی حرکت کو بالکل ٹھہرا دیا
اور تمام انسانی قویٰ کو کُند کر دیا۔ ایسا ہی تثلیث کی راز نے جس پر عیسائی عقیدہ کے موافق ایمان
لانا ضروری تھا علوم کے دروازہ کو بند کر دیا۔ کیونکہ کوئی شخص اس راز کے نزدیک نہ جا سکتا تھا
اور ہر ایک عیسائی کا فرض تھا کہ وہ بن سمجھے دور سے ہی اس کی تعظیم کرے۔ اس طرح پر
دلائل کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور عقلی قوتوں کو اپنے کام سے رکنا پڑا۔ کیونکہ ان کے استعمال سے
کفر تک نوبت پہنچتی تھی عیسائیت نے سیدھے سادے اور معقول اصول کی تعلیم نہیں دی بلکہ
اس کے یسوع کی خدائی اور تثلیث اور کفارہ کے عقائد نے عقل کو سرے سے جواب دیا
اور ایک ایسی علمی تاریکی میں عیسائی قوموں کو غرق کر دیا جس سے وہ کئی صدیوں کے بعد
اس وقت باہر نکلیں جب علم کی روشنی اسلام کے منارہ پر بلند ہوئی۔ علاوہ ازیں انجیلی تعلیم
کا فلسفہ خواہ وہ ایک خاص قوم اور اس میں بھی ایک خاص زمانہ کیلئے کیسا ہی موزون کیوں
نہ ہو کسی مہذب سوسائٹی کی بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ درحقیقت اگر کوئی سوسائٹی انجیلی تعلیم کے
اصول پر عمل کرے تو وہ یقیناً برباد ہو جائیگی۔ اور صرف چند ہی انسانی افراد اس تعلیم پر عمل کر کے سوسائٹی
کے مفید ممبر ہو سکتے ہیں "شر کا مقابلہ مت کرو" ایک مفید اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ
ہے کہ کیا تمام حالتوں کے ماتحت اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مثلاً کیا ایک آدمی کو چاہیئے کہ جب
کوئی اُسکی عورت پر حملہ کرے یا اُسکے دوست کو قتل کر رہا ہو یا اُس کے مال کو چرا رہا ہو تو
وہ خاموشی سے دیکھتا رہے اور کچھ نہ کرے۔ پس اس قسم کے اصول خواہ وہ اخلاقی طور پر
کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے معلوم ہوں کسی قوم کو تہذیب کے معراج پر نہیں پہنچا سکتے ؎

ایک طرف تو کفارہ کا انسانی ترقی کی حرکت پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اس حرکت کو بالکل روک دیا
اور دوسری طرف جو کچھ اس کے حامیوں میں سے باقی طاقت تھی اُس کو اس طرف
لگا دیا کہ بیفائدہ طور پر یسوع مسیح کی اس کام کے لئے حد سے زیادہ تعریفیں شروع کر دیں۔
جس نے فرضی طور پر اپنی موت کے ساتھ انسانی نسل کو نجات دی تھی۔ یہی ایک مضمون تھا جو

اس زمانہ میں عیسائی سوسائٹی کی تمام توجہ کو مبذول کر رہا تھا۔ ایک شخص کے دل میں اس خیال کے آنے کا کہ یسوع مسیح میرے گناہ لیگیا ہے۔ خواہ وہ دراصل پہلے سے بھی بڑھ کر موجود ہوں یہ اثر ہوتا تھا کہ اسے اطمینان کے سبب سے اُسکے خیالات میں ایک سکون کی حالت پیدا ہو جاتی۔ اور ان بیہودہ طرح سے سرایت ہوں کہ ایک شخص کے ایک ہی فعل سے دُنیا کے تمام گناہ مٹ گئے ہیں ترقی کی حرکت کی بجائے ایک ایسی قسم کا خیال پیدا ہو گیا جس نے کام سے روک دیا۔ اور اس طرح پر عیسائی سوسائٹی کو بے حرکت اور کاہل بنا دیا یہی وجہ تھی کہ جبھی کہ عیسائیت نے رومی سلطنت میں قوت حاصل کی۔ تو اُن لوگوں کی تہذیب میں زوال شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ آخرکار روشنی بجھ کر تمام یورپ جہالت اور کام سے بے اعتنائی کی تاریکی میں غرق ہو گیا۔ جس میں سے آہستہ آہستہ اُس نے اُسی وقت نکلنا شروع کیا جب اسلامی تہذیب نے دُنیا میں ایک نئی روشنی جلادی تھی۔ اور آخرکار جب اُس کفارہ کو جو پولوس نے سکھایا تھا عیسائی اقوام نے خیرباد کہدیا۔ تو ان اقوام کی کل طاقت جو اب قید سے آزاد ہو گئی حرکت میں آئی۔ اور وہ حیرت انگیز ترقی پیدا کی جو ہم آج دیکھتے ہیں +

اسلام کی ترقی نے دنیا میں الگ قسم کے حالات پیدا کئے۔ اسکی پیدائش کے وقت کل دنیا کیا بلحاظ تمدن کے اور کیا بلحاظ اخلاق کے جہالت اور وحشت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اس کے ظہور کے ساتھ علم اور تہذیب کی مشعل پھر روشن ہوئی جو دنیا کو اپنی روشنی اس وقت تک پہنچاتی رہی جبتک کہ اسلام کے سچے اصول کی پیروی ہوتی رہی۔ اور جب وہ بھلا دئے گئے اور کام اور حرکت کی بجائے پھر سُستی اور بیحرکتی پیدا ہو گئی تو اُس روشنی میں بھی تاریکی آنی شروع ہوئی۔ حقیقت میں اسلام کا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے پہلا اصول وہ ہے جو کفارہ کی جڑھ کاٹتا اور اس طرح پر سستی اور غفلت کو دنیا سے دور کرتا ہے۔ اور وہ ہے کام۔ یہ امر صرف اُس حیرت انگیز ترقی ہی سے ثابت نہیں جو پہلے مسلمانوں نے کی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم پر غور کرنے سے بڑی صفائی سے یہ کھُل جاتا ہے۔ کہ اُن اصول میں کام کرنا روح ہے یہی ابتدائی اسلامی دنیا میں ترقی کو حرکت دینے والا تھا۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کی بہتری اور سوسائٹی کی بہتری اسی میں ہے کہ انسان خود کچھ کرے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ یسوع کی موت سے کفارہ کے عقیدہ کو ان الفاظ میں جڑھ سے کاٹتا ہے کہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس طرح پر ہر ایک شخص کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی نجات کے لئے خود ہی کام کرے۔ اور اُن کو کام کی ترغیب دے کر کاہلی اور بیکاری کی جڑھ کاٹتا ہے۔ اور دوسری طرف پر ندر الفاظ میں ہر ایک انسان کو خود سعی کرنے کا

یوں حکم فرماتا ہے "ان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری"[1]۔ یعنے انسان کو کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی ہے مگر وہی جو وہ خود کوشش کرے۔ اور جو خود کوشش کریگا۔ وہ اپنی محنت کا پھل بھی پالیگا۔ ایسا ہی جہاں جہاں قرآن شریف میں ایمان کا ذکر ہے وہاں اعمال کی ساتھ شرط ہے۔ اس طرح پر نہایت صاف الفاظ میں حکم دیکر مسلمانوں کو کام پر لگایا گیا۔ اور جب تک اسلامی دُنیا ان لفظوں پر کاربند رہی وہ تمام قوموں میں سب سے اوپر شمار ہوتی رہی۔ اور اُن کے لئے بطور ایک ہادی اور رہنما کے کام کرتی رہی۔ مگر جب مرور زمانہ سے یہ الفاظ بُھلا دئیے گئے۔ اور مسلمان پھر سُستی اور بیکاری میں ڈوب گئے تو اُنہوں نے اپنی جگہ کھو دی اور قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ترقی کے معراج سے گر گئے +

یہ سُستی آج تک اسلام میں چلی جاتی ہے۔ اور زیادہ تر افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ یہ اُن لوگوں سے بھی دُور نہیں ہوئی جو تہذیب یافتہ ہونے کے مدعی ہیں - یہ ایک لمبی نیند تھی جس میں اسلامی دُنیا اس وقت پڑ گئی جبکہ اُس نے اسلام کے پاک اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور بدقسمتی سے وہ لوگ جو سب سے پہلے اس نیند سے جاگے مغربی تہذیب کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ اور وہ اصل حقیقت کو نہ دیکھ سکے۔ اور اس تہذیب کے غلط وجوہات قرار دیکر ایک نئی غلطی میں مُبتلا ہو گئے۔ اگر وہ آہستہ سے اور ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام کی ترقی کا بیج اسلام کے اصولوں میں ہے۔ اور یہ کہ عیسائی اقوام نے بھی کوئی ترقی نہیں کی جب تک کہ انہوں نے اسلام کے اُن اصولوں پر عمل کرنا شروع نہیں کیا جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یہی وجہ گذشتہ زمانوں میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کی اور موجودہ زمانہ میں عیسائیوں کی اعلےٰ ترقی کی ہے۔ اگر عیسائی اقوام کو آج یہ کہا جاے کہ وہ عیسائیت کے اصول پر چلیں تو وہ بہت جلد پھر وحشت کی حالت میں گر جاوینگی۔ اور اگر مسلمانوں کو پھر آج یہ امر نصیب ہو جائے کہ وہ اسلام کے سچے اصول پر چلیں تو وہ پھر بہت جلد ہی تمام دنیا کی اقوام سے فوقیت لے جائینگے۔ یہ محض دل خوش کُن لفظ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم نے واقعات کی بنا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے اصول ترقی کے اصول ہیں۔ اور عیسائی مذہب کے اصول تنزل کے اصول ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان دو مذہبوں کی رفتار میں یہ دو الگ الگ قسم کے حالات نظر نہ آتے یعنی اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور عیسائیت کا قابل افسوس جہالت میں پڑے رہنا۔ اسلام کا دُنیا کو علوم کیطرف

متوجہ کرنا بھی اسی مذہب سے مخصوص امر ہے۔عیسائیت کی طرح اس نے کسی ایسے راز کی تعلیم نہیں دی جس کے نزدیک جانا ممکن نہ ہو۔ بلکہ بار بار انسانی عقل اور فکر کو متوجہ کیا۔ اور اس طرح پر ان قوے کو کام میں لگایا! اسلام نے سب چیزوں کی اصلیت پر غور کیا ہے۔ اور باریک بینی سے ہر ایک چیز کی تہ کو پہنچا ہے۔ کوئی چیز جو درحقیقت مضر تھی اپنی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے اُسکو اپنی طرف نہیں کھینچ سکی۔ اور نہ ہی اُس نے کسی چیز کو جو درحقیقت مفید تھی کسی ایسے امر کے سبب سے جو بظاہر نقص معلوم ہوتا ہو چھوڑا ہے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ شراب سے طبیعت میں ایک خوشی اور روح میں ایک فرحت پیدا ہوتی ہے۔ یا یہ کہ قمار بازی کی مختلف صورتیں بہلاوٹ کا عمدہ ذریعہ ہیں لیکن اسلام ان ظاہری خوبصورتیوں سے اُن کی مفید ہونے کا قایل نہ ہو سکتا تھا۔ اُس نے انکے بُرے نتائج کو دیکھا جو آخر کار اُن سے پیدا ہونے والے تھے۔ اور یہ کہہ کر کہ "اثمہما اکبر من نفعہما" یعنے اُن کی بدی اُن کی منفعت سے بہت بڑھ کر ہے۔ ان دونوں سے منع کر دیا۔ طلاق اُن لوگوں کو اپنے غلط خیال کی وجہ سے بُری معلوم ہو سکتی ہے۔ جو نکاح کو ایک ایسا عہد سمجھتے ہیں جو کبھی توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن اسلام نے دیکھا کہ انسانوں کے لئے طلاق ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اور کہ بعض حالات کے ماتحت انسانی افراد اور انسانی سوسائٹی کے لئے یہ نہایت ہی مفید ہے۔ اور اس لئے اسکی اجازت دی۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ایک خاص قوم کے خیال میں جو صدیوں سے بالکل الگ حالات کے ماتحت چلی آئی ہے بُری معلوم ہو تو ہو۔ لیکن اسلام اسبات کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کے واسطے ساری دُنیا کے منافع اور اغراض کو مدنظر رکھنا ضروری تھا نہ کہ ایک خاص قوم کے خیالات کو۔ پس جب اسلام نے دیکھا کہ تعدد ازدواج بعض بیماریوں کا ضروری علاج ہے۔ تو اُس نے بطور علاج کے اسکی اجازت دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ یہ بالکل غلط خیال ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواجی قاعدہ کے طور پر ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس اجازت سے صرف خاص حالات کے ماتحت فائدہ اُٹھایا جاتا ہے +

الغرض اسلام کے اصول پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا تنزل ان اصول میں کسی نقص کے ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ ان اصول کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور بعض اُن امور کی بد استعمالی کی وجہ سے جو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ عیسائیت کے عقیدوں کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ جہالت اور وحشیانہ حالت کا

ترقی کرنا ایک واقعہ ہے اسلام کے اصول کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ علم اور تہذیب کا ترقی کرنا ایک دوسرا واقعہ ہے عیسائیت میں ترقی کا اور تہذیب کا اُس وقت سے شروع ہونا جب سے عیسائی عقاید میں تنزل شروع ہوا ایک تیسرا واقعہ ہے۔ اور ان تینوں واقعات کے ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس امر پر غور کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام اور عیسائیت کے اصل اصول جو ان قوموں کے لئے بطور رہنما کے تھے ایک دوسرے سے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر تینوں متذکرہ بالا واقعات سے یہ چوتھا واقعہ بطور لازمی نتیجہ کے پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی ترقی اور اس کے تہذیب کے معراج پر پہنچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسلام کے اصول دوبارہ زندہ ہوں۔ اور مسلمان دوبارہ اُن پر قائم ہو جاویں۔ اور اس امر کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک ہی وہ چیز جس کی ضرورت ہے یہ ہے کہ ایک ایسے ہادی کا ہاتھ ہو جو اس کے مقدس بانی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکے اور اُن کے اندر ایک نئی حرکت پیدا کرے۔ اور اسی کے نقش قدم پر چل کر دوبارہ ایک اُسی قسم کی قوم تیار کرے جیسی آنحضرت صلعم نے کی تھی +

روح جونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کے لئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتیں (جو مشیتِ ایزدی سے نکلی ہیں اور ضرور پوری ہوکر رہینگی) پوری ہوں۔ اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ میں حسنات وثواب دارین کے مستحق بنیں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین +

مینیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم۔ برادرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عیدین کے مبارک ایام کے چندہ عید فنڈ کے لئے برموقعہ یاددلایا جاتا ہے کہ محض بغرض حصول ثواب و حسنات دارین کے یہ چندہ عید فنڈ ایک روپیہ فی کس احمدی ممبر اور صدقۂ فطر مدرسہ کے یتامےٰ اور مساکین کے واسطے اپنا اور اپنے شہر کی جماعت کا جمع کرکے جس قدر جلد ہوسکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں بسبب کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہوجانے کے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے واسطے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے۔ جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے۔ والسلام +

مفتی محمد صادق عفی اللہ عنہ قائم مقام ڈائرکٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

”اعلان“

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ یا سال رواں کا بقایا تھا ان جملہ باقی داروں کو ترسیل مطالبہ و تصفیہ حساب کیواسطے علاوہ متواتر یاددہانی ہائے مندرجہ اعلان میگزین کے خاص طور پر کارڈ یاددہانی بھیجے جاچکے ہیں لیکن بالنیمہ بیباقی حساب کی طرف کم التفاتی پائی جاتی ہے۔ جن خریداران کے ذمہ سابقہ پورا نا بقایا چلا آتا تھا اور باوجود یاددہانی کچھ توجہ ادائیگی مطالبہ کیطرف نہیں ہوتی تھی انکے نام پرچہ نومبر ۱۹۱۰ء حسب اطلاع سابقہ وی پی بھیجا گیا ہے تاکہ اسقدر کارروائی کے بعد بھی جن صاحبان کی جانب سے بقیہ حساب کی بیباقی نہ ہووے تو ان سے خط وکتابت کرکے آخری فیصلہ کیا جاوے کہ سابقہ مطالبہ کی وصولی کے بعد آیندہ انکے نام پرچہ بند کیا جاوے چونکہ سال رواں بھی اب قریب الختم ہے اسواسطے جنکے ذمہ صرف سال حال کا مطالبہ ہے وہ بھی زرچندہ ذمگی خود جلدی ارسال کرکے بیباقی حساب کریں +

(۲) ہر قسم کی خط وکتابت وترسیل جملہ رقوم زرچندہ وغیرہ متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام منیجر میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی دیگر شخص یا مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح علاوہ طوالت وہرج کام کے حساب میں مغالطہ کا اندیشہ ہے +

(۳) ترسیل روپیہ یا خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

منیجر

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں - اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرام انٹر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے - المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل